قصص الاوّلین عبرۃٌ للاٰخرین

عبرت نامۂ اندلس

مصنفہ

پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی

جلد ثانی

(مشتمل بر کتاب ثالث۔ کتاب رابع)

مترجمہ

جناب مولانا محمد عنایت اللہ صاحب بی۔اے (علیگ)

سابق ناظم دار الترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

باہتمام

شیخ محمد اسماعیل سکریٹری "حالی اکیڈمی" پانی پت

سنہ ۱۳۵۸ھ (گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ضمیر احمد خاں غوری پرنٹر چھپا) سنہ ۱۹۳۹ء

کتاب ثالث
خلافت

کتاب ثالث (خلافت)

پہلی فصل

فاطمیین

(۴۰۱) اندلوسیہ (یعنی جنوبی اسپین کے صوبہ جات قرطبہ، اشبیلیہ، لبلہ، جیان، مالقہ، اور غرناطہ) میں جو بغاوتیں دولتِ بنی امیہ کے خلاف برپا ہوئیں، اُن کی مفصل داستان لکھنے میں ہم ۳۲۰ھ/۹۳۲ء تک پہنچ جاتے ہیں، اِس سال بغاوتوں کا سلسلہ خاتمے کو پہنچا، اب ہم ملکِ اسپین سے باہر ایک عظیم الشان کشمکش میں متوجہ ہوتے ہیں، اور اسی غرض سے ہمیں امیر عبدالرحمٰن کے ابتدائی دورِ حکومت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اسپینیوں اور عربی رئیسوں کی بغاوت ہی ایسا خطرہ نہ تھا جس سے سلطنت کی زیست کو اندیشہ ہو، بلکہ دو ہمسایہ سلطنتیں ایک پُرانی اور دوسری حال کی قائم کی ہوئی، اُسکے حق میں اندیشہ ناک تھیں، پُرانی سلطنت لیون کی تھی اور نئی سلطنت افریقہ کی خلافت تھی جسے قریب ہی کے زمانہ میں شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ نے افریقہ میں قائم کیا تھا۔

تمام شیعوں کا اس امر پر اتفاق تھا کہ امامت یعنی مسلمانوں پر دینی و دُنیوی سرداری رکھنا حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ مخصوص تھا اور یہ کہ امام معصوم ہوتا ہے، اُس سے کوئی غلطی یا خطا سرزد نہیں ہوتی، گو اُصولِ مذہب میں کل شیعہ متفق تھے لیکن اس پر بھی اُن میں کئی فرقے ہوگئے، ان فرقوں میں امام ششم یعنی حضرت جعفر صادقؓ کے فرزندوں کی نسبت کہ اُن میں کسے حقِ امامت حاصل ہے؛ اختلاف پیدا ہوا، حضرت جعفر صادقؓ کے کئی فرزند تھے، اُن میں سب سے بڑے اسمٰعیلؓ تھے، اور اُن سے چھوٹے موسیٰؓ، جناب اسمٰعیلؓ کا انتقال چونکہ حضرت جعفر صادقؓ کی زندگی میں ۱۴۵ھ ۷۶۲ء میں ہوگیا تھا، اس لیے اُن کے انتقال کے بعد زیادہ تر شیعوں نے حضرت جعفر صادقؓ کے چھوٹے صاحبزادے یعنی حضرت موسیٰ کاظمؓ کو امام تسلیم کیا، باقی شیعوں نے جو تعداد میں کم تھے، جناب موسیٰ کاظمؓ کی امامت کو نہ مانا، اور کہا کہ جناب اسمٰعیلؓ کا امام ہونا خود حضرت جعفر صادقؓ سے نص کے طور پر بیان ہوچکا ہے، چونکہ نص بدل نہیں سکتا اس لیے اسماعیلیہ نے حضرت جعفرؓ کی وفات پر جناب اسمٰعیلؓ اور اُن کی اولاد کے سوا کسی میں امامت کو تسلیم نہیں کیا، لیکن جناب اسمٰعیلؓ کی اولاد شہرت کی طالب نہیں تھی، شیعیانِ علیؓ کے تمام گذشتہ معرکوں میں ناکامی کو یاد کرکے اور ایسے مصائب سے بچنے کے لیے جو اُن کے بزرگوں کو برداشت کرنے پڑے تھے، اور اظہارِ اطاعت کے اُس خطرناک طریقے سے اجتناب کرنے کے لیے جو شیعوں میں مصلحت وقت سمجھ کر اختیار کیا جاتا تھا اولادِ اسمٰعیلؓ نے وطن ترک کرکے خراسان اور قندھار میں تنہا بسری اختیار کی۔[۵]

(۴۰۲) جب اسماعیلیہ کے بانی یعنی جنابِ اسمٰعیلؓ کی اولاد اُن کو چھوڑ کر دُور جا بسی تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ فرقہ بہت جلد معدوم ہوجائے گا، لیکن ایک ایرانی شخص کی ہمت اور لیاقت نے اس فرقہ کو از سرِ نو زندہ کردیا۔

ایران اور اسپین میں اسلام کی اشاعت اور ترقی قریب قریب ایک ہی انداز پر ہوئی

---

[۵] الجوینی۔ جرنل ایشیاٹک سلسلہ ۵ جلد ۷ ص ۳۶۳ تا ۳۶۴

تھی، اسلام اگرچہ اپنے حلقہ میں کثرت سے غیر مذہب والوں کو مسلمان کر کے شامل کر چکا تھا، مگر غیر مذاہب کو اسلام نے نیست و نابود نہیں کیا تھا، ایران میں مجوسی مذہب بھی اسلام کے ساتھ ساتھ رائج تھا، اگر مسلمان سختی کرنی چاہتے تو رسول اللہ صلعم کے حکم کے مطابق مجوسیوں سے کہتے کہ "اسلام قبول کرو، اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو لڑو" [۵۱] کیونکہ مجوسیوں کے پاس کوئی کتاب ایسے پیغمبر کی لائی ہوئی جسے مسلمان نبی سمجھتے موجود نہ تھی، خلاصہ یہ کہ مجوسی اہلِ کتاب نہ تھے جسکی وجہ سے اُن سے مذہبی رواداری رکھنی مسلمانوں پر فرض ہو جاتی، مجوسیوں کی تعداد ایران میں اس کثرت سے تھی کہ مسلمان ارشادِ پیغمبرؐ کی تعمیل نہ کر سکے، گبر کو اپنے مذہب کے ساتھ بیحد شغف تھا، اپنا مذہب ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کرنے سے اُنہیں انکار تھا، اس صورت میں اُن سب کو اس بنا پر غارت کر دینا کہ وہ اپنے ہی طریقے پر آخرت میں امیدوارِ نجات تھے مسلمانوں کے خیال میں نہ آسکتا تھا، ایسا کام نہ صرف ایک ظالمانہ فعل ہوتا بلکہ سخت خطرناک بھی ہوتا، کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر بغاوت پیدا ہو جاتی، غرض ترحم و تدبیر دونوں مقتضی تھے کہ مسلمان ایسے سخت قانون کی تعمیل سے پرہیز کرتے، چنانچہ آتش پرستوں کے ساتھ بھی مذہبی رواداری کے قاعدے کو ملحوظ رکھ کر مسلمانوں نے اُنہیں اُن کے مذہب پر علانیہ قائم رہنے کی اجازت دیدی، ایران کے ہر شہر اور گاؤں میں آتشکدے تھے، حکومت فقیہوں کی زیادتیوں سے آتش پرستوں کو بچاتی تھی، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر مُلّاؤں اور مؤذنوں کو جنہوں نے آتشکدوں کو مسجدیں بنانا چاہا، سزا دی گئی۔

---

[۵۱] یہاں "جزیہ" ادا کرنے کی ایک شرط مصنف نے چھوڑ دی، اور صرف اسلام قبول کرنے یا لڑنے کی شرط مان کر آگے کی بحث قائم کی ہے، لیکن یہ مصنف کی غلطی ہے۔ دیکھو پریچنگ آف اسلام مصنفہ آرنلڈ صفحہ ۱۷۸، کتاب الخراج صفحہ ۳۷ میں صاف لکھا ہے کہ "جتنے مشرکین ہیں مجوسی۔ بُت پرست، آتش پرست، سنگ پرست صابی (ستارہ پرست) سامری ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔" یعنی ان لوگوں کو اس بات کا حق دیا گیا تھا کہ وہ جزیہ دیکر اپنے مذہب پر قائم رہیں، اس غلطی کی وجہ سے مصنف کے آگے کے جملے بھی ایک بیجا اعتراض ہو جاتے ہیں (مترجم)

لیکن اگر اسلامی حکومت نے آتش پرستوں کے ساتھ رواداری اختیار کی جو درحقیقت عافیت پسند رعایا تھے اور سلطنت میں کسی قسم کا نقصِ امن پیدا نہ کرتے تھے، تو یہ ضروری نہ تھا کہ حکومت ایسے نومسلموں سے بھی درگذر کرتی جو ظاہر میں مسلمان تھے لیکن درپردہ اسلام میں اپنے مذہب کا پیوند لگا کر اُس کی اصلیت کو بگاڑنے کے درپے تھے، ایران اور اسپین دونوں مُلکوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو دُنیا طلبی کے خیال سے مسلمان ہوئے تھے اور اِس قسم کے لوگ بالعموم وہی ہوتے تھے جن کی طبیعتیں مضطرب اور حریص ہوتی تھیں، جب عربوں نے، جو ہر مُلک میں وہاں کے باشندوں سے علیحدہ رہنا پسند کرتے تھے، اِن نومسلموں کو منہ نہ لگایا تو اُنہوں نے اپنی قوم اور قومی سلطنت کو پھر زندہ کرنے کی آرزو دل میں پیدا کرلی، اور اسی بنار پر فتنے برپا کرنے شروع کردیے، ایسے مفسدہ پردازوں پر حکومت نے سختی اختیار کی، حتیٰ کہ عباسی خلیفہ مہدی نے اِن لوگوں کے تدارک کے لیے ایک خاص عدالت قائم کی جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ تک قائم رہی، سیاست میں سختی پر بغاوت کا پیدا ہوجانا ایک معمولی بات ہے، چنانچہ خرمیوں کے سردار بابک نے صوبہ آذربائجان میں بغاوت کردی، خُرمیوں کا گروہ بالکل آزاد اور اَوباش سمجھا جاتا تھا، ۲۰۱ھ (۸۱۷ء) سے ۲۲۱ھ (۸۳۷ء) تک یعنی کامل بیس برس ایران کے اس ابن حفصون نے عباسی خلفار کی فوجوں کا مقابلہ کیا، اور جب تک ڈھائی لاکھ آدمی ضائع نہ ہولیے، بابک گرفتار نہ ہوسکا، لیکن ایسی بغاوتوں کا فرو کرنا جن میں تیر اور تلوار سے کام لیا جاتا ہو مشکل نہ تھا، اِن سے کہیں زیادہ دشوار اُن خفیہ سازشوں اور خفیہ جماعتوں کا مٹانا تھا جو سیاسی سختیوں سے پیدا ہوگئی تھیں، یہ خفیہ سوسائیٹیاں پُرانے ایرانی مذہب کے عقائد کی یا اِس سے بھی زیادہ خطرناک چیز یعنی فلسفیانہ خیالات کی اشاعت چاہتی تھیں، کیونکہ ایشیا میں کثرتِ مذاہب اور اُن کے اختلافات ایسے آزاد خیال لوگوں کو پیدا کردیتے تھے جو تمام مذہبوں کی تردید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مذہبی طریقے جس قدر ہیں وہ جاہلوں سے منوانے کے لیے ہیں، شائستہ لوگوں پر وہ کوئی حُکم نہیں رکھتے، پیغمبروں کی نسبت کہتے تھے کہ وہ سب جھوٹے تھے، اور اُن کا مقصد صرف لوگوں پر حکومت کرنا تھا۔

(۴۰-۴۲) ۴

اِنہی خفیہ سوسائیٹیوں اور سازشی جماعتوں سے نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) کے شروع میں فرقہ اسماعیلیہ کا دوسرا بانی پیدا ہوا، اُس کا نام عبد اللہ بن میمون تھا، یہ ایک ایرانی خاندان کا آدمی تھا جس کے بزرگ مقلدانِ بردِسانیس[۵۱] کے معتقدات کے پیرو تھے، اُنھوں نے اِس جہان کے دو صانع مانے تھے، ایک خالقِ خیر (نورِ محض) اور دوسرا فاعلِ شر (ظلمت) تھا، عبد اللہ کا باپ میمون ایک آزاد خیال آدمی اور آنکھوں کا علاج کرنے والا (قداح) تھا، سحر اور شعبدے بھی دکھایا کرتا تھا، اُس کے دوستوں میں سے ستّر آدمی اب تک اپنے فاسد خیالات کی وجہ سے بحکمِ عدالت قتل ہو چکے تھے، میمون جان کے خوف سے بیت المقدس میں جا بسا، یہاں اُس نے خفیہ طور پر لوگوں کو سحر کی تعلیم دینی شروع کی، اور شیعہ مذہب کا اپنے کو سخت پابند بتایا، عبد اللہ نے سحر اپنے باپ سے سیکھا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ فقہ و حدیث اور حکمت کا بھی پُورا عالم تھا، کچھ دن تک شعبدے دِکھا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنا چاہا، لیکن جب دیکھا کہ اِن ترکیبوں سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو اُس نے ایک بڑے ہی حوصلے اور ہمت کا کام سوچا۔

وہ کام یہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوموں کو کسی طرح ایسا متفق کر دے کہ وہ قومِ واحد بن جائیں، اِس نیت سے اُس نے ایک بڑی خفیہ مجلس قائم کرنی چاہی، اُس کے ارکان کے لیے مختلف مدارج وضع کیے، بہت سے آزاد خیال آدمیوں کو جو مذہب کو عوام کے روکنے کے لیے بطور ایک لگام کے سمجھتے تھے، نیز مختلف مذاہب کے متعصب لوگوں کو اُس میں شریک کرنا چاہا، اور کوشش کی کہ خوش عقیدہ لوگوں سے ایسے کام لیے جائیں جو بدعقیدہ لوگوں کو قوت بخشیں، فاتحوں کو ایسی باتیں سکھائی جائیں کہ جو سلطنت اُنھوں نے قائم کی ہے، اُسکو وہ خود ہی اُلٹ دیں۔ (۴۰۴)

غرض عبد اللہ بن میمون نے چاہا کہ ایک ایسا فریق بنائے جس میں متعدد آدمی شریک ہوں، آپس میں بالکل اتفاق رکھیں، اور جو قواعد اور ضابطے اُن کے لیے مقرر ہوں، اُن کے

[۵۱] بردِسانیس ایک جدید مذہب کا بانی اور ملکِ شام کا باشندہ تھا، دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ (اسمٰعیل)

سختی سے پابند رہیں، اگر یہ مقصد حاصل ہوگیا تو پھر تخت حکومت اگر اُس کو نہیں تو اُسکی اولاد کو ضرور حاصل ہوجائے گا۔[۵۱]

یہ ایک عجیب منصوبہ تھا، جسے عبداللہ بن میمون حیرت انگیز فراست، بےمثل ذہانت اور اُس گہرے علم کے ساتھ جو انسان کے دل کا اُسے حاصل تھا عمل میں لانے کیلئے معروف ہوگیا اِس خفیہ جماعت کو قائم کرنے میں عبداللہ بن میمون نے عیاری اور ہوشیاری سے بھی کام لیا، بظاہر اس کا تعلق فرقۂ اسماعیلیہ سے تھا، یہ فرقہ اِس زمانہ میں کسی سردار کے نہ ہونے سے مِٹنے کے قریب تھا، عبداللہ نے اُسے پھر زندہ کرنے کا عہد کرکے اُس میں جان ڈالنی شروع کی، اُس کا عقیدہ تھا کہ دُنیا بغیر امام کے کبھی نہیں ہوئی، اماموں کا سلسلہ باپ سے بیٹے کی طرف حضرت آدم کے وقت سے چلا آتا ہے اور اسی طرح قیامت تک چلا جائیگا، امام کے ہاں اُس کی جانشینی کے لیے جب تک لڑکا پیدا نہ ہوجائے امام مرتا نہیں، لیکن امام ہمیشہ ظاہر و حاضر نہیں ہوتا، کبھی ظاہر ہوتا ہے کبھی مستور رہتا ہے، اِس طرح جیسے رات اور دن ایک کے بعد ایک آتے ہیں، جب امام حاضر ہوتا ہے تو اُس کی تعلیم مستور ہوتی ہے لیکن جب امام مستور ہوتا ہے تو اُس کے داعی تعلیم دینے کے لیے دُنیا میں آتے ہیں۔[۵۲]

عبداللہ اِن نکات کو قرآن شریف سے ثابت کرتا تھا، اسماعیلیہ کی اچھی امیدوں کو قائم رکھنے میں اُس کا کام نکلتا تھا، یہ فرقہ امام مستور کا قائل تھا، لیکن ایک دن امام کے ظاہر ہونے کا اور اُس کے ساتھ دنیا میں امن و سلامتی اور انصاف کے آنے کا بھی اُسے یقین تھا، لیکن درحقیقت عبداللہ بن میمون فرقہ اسماعیلیہ کا دل میں دشمن تھا، اور حضرت علیؑ کی اولاد سے عقیدتمندی محض اپنا منصوبہ پورا کرنے کے لیے اختیار کی تھی، اندرونی طور پر

---

۵۱ یہ خیال پروفیسر ڈوزی کا اسی حالت میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ فاطمی خلفاء کو عبداللہ بن میمون کی اولاد میں سمجھا جائے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اکثر مسلمان مورخ فاطمی خلفاء کو عبداللہ ابن میمون کی اولاد سے نہیں سمجھتے۔ مترجم

۵۲ الجوینی، جرنل ایشیاٹک، سلسلہ ۵، جلد ۷، ص ۳۶۴ تا ۳۶۵

وہ پکّا ایرانی تھا، حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد اور تمام عربوں کو ایک ہی زمرہ میں خیال کر کے سب سے منحرف تھا، اِس بات کو وہ خوب سمجھے ہوئے تھا کہ ایرانی اگر کسی علوی کی حکومت قائم کرنا چاہیں گے تو ایرانیوں کو ہرگز اِس سے کوئی نفع نہ پہنچیگا، چنانچہ اُس نے اپنے دوستوں کو صلاح دی کہ حضرت علیؓ کی اولاد میں سے جو کوئی بھی ملے اُسے فوراً ہلاک کر دیا جائے۔

عبداللہ بن میمون شیعوں میں اپنے سچے خیر خواہ تلاش نہ کرتا تھا، بلکہ آتش پرستوں، مانیوں، حرّان کے مشرکوں، اور یونانی فلسفہ کے طلبہ میں وہ اپنے مونس و غمخوار پیدا کرنے چاہتا تھا، فلسفہ یونان کے شیدائیوں سے اُس کو فی الحقیقت بہت توقعات تھیں، اور وہ صرف اُنہی پر اپنے منصوبے کا آخری راز ظاہر کر سکتا تھا، اور اُنہی سے کہہ سکتا تھا کہ کیا امام، کیا مذہب، کیا اخلاق، یہ سب دھوکے اور فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہیں، باقی بنی نوع انسان جن کو وہ گدھا کہتا تھا اُس کے نزدیک اِس قابل نہیں تھے کہ کسی چیز کے اُصول کو سمجھ سکیں، لیکن جن کو گدھا کہتا تھا اُن سے کام لینے میں پرہیز نہ کیا، بلکہ اسکی خواہش رکھی کہ اُن سے کام لے، مگر اِس کے ساتھ ہی اِس احتیاط کو ملحوظ رکھتا تھا کہ جو لوگ بہت ہی خوش اعتقاد اور منکسر المزاج ہوں اُن کو اپنے نو ایجاد مذہب میں صرف ابتدائی درجہ دے، جو داعی کا درجہ تھا۔ داعیوں کو ہدایت ہوتی تھی کہ اپنے اصلی خیالات کو پوشیدہ رکھنا اُن کا سب سے پہلا فرض ہے، جن لوگوں سے ملیں بالکل اُنہی کی طرز کے خود بھی بن جائیں، یہ داعی طرح طرح کے بھیس میں ہوتے تھے، اور تقریریں ایسے سمے بیان کرتے تھے کہ سننے والے اُن کے مشتاق ہو جاتے تھے، جاہلوں کو شعبدے دکھا کر جو معجزے سمجھے جاتے یا اُن سے ایسی گفتگو کر کے جو اُن کو بہت ہی دلکش معلوم ہوتی اپنے دام میں پھنساتے، زاہدوں اور عابدوں کے سامنے زاہد اور عابد بن کر اُن کے دلوں کو قابو میں لاتے، جو لوگ مذہب کو ایک رازِ سربستہ سمجھتے تھے اُن کے سامنے وہ بھی ویسے ہی بن جاتے، ہر شے اور مظہر قدرت کے ایک پوشیدہ معنی بیان کرتے۔ تمثیلوں کی صراحت استعاروں میں بڑی رنگیں بیانیوں سے کرتے۔

(۴۰۵)

اس پُر آفات زمانہ میں اِن داعیوں نے ہر طرح اپنا نفع حاصل کیا، اِس وقت ہر فرقہ اِس امید میں تھا کہ اب نجات کا زمانہ آنے والا ہے، ایسے خیال والوں سے بھی عبد اللہ نے دعاۃ کا کام لیا، اِن داعیوں نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ مہدیٔ آخر الزماں جلد آنیوالے ہیں، اسی طرح یہودیوں کو مسیح اور عیسائیوں کو فارقلیط کے جلد نمودار ہونے کی خبریں دیں، سُنّی المذہب عربوں کو بھی یہ داعی اپنا بنانا چاہتے تھے، اگرچہ سُنّی عربوں کو اپنے عقائد کا پیرو بنانا بہت مشکل تھا، کیونکہ مذہب سنت والجماعت سب سے زیادہ رائج اور قوی تھا، عربوں کی شرکت سے اُنہوں نے یہ نفع سوچا تھا کہ حکومت کی باز پرس اور شبہ سے بچ سکتے ہیں، اِن عربوں کی دولت کی بھی اُن کو ضرورت تھی تاکہ اُس کی مدد سے اپنے کام کو ترقی دیں، یہ لوگ عربوں کی تعریف کرکے اُن کا غرور بڑھاتے تھے اور اُن کو یقین دلاتے تھے کہ دُنیا کی تمام دولت کے مالک وہی ہیں اور ایرانی پیدائشی غلام ہیں، یہ داعی روپے سے نفرت رکھتے تھے، زہد اور پارسائی میں غلو دکھا کر عربوں کے معتمد علیہ بننا چاہتے تھے، عربوں کو جب اِن کی جانب سے اعتماد ہوگیا تو پھر اُنہیں اپنی درخواستوں سے ستانا شروع کیا، اور اُن کو اِس بات کا یقین دلایا کہ روپے سے مدد کرنی اُن کا فرض ہے، بلکہ اگر وہ کُل مال و متاع اُن کے لیے وقف کردیں تو مناسب ہے۔

اِن کوششوں کا عجیب نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگوں کا ایک انبوہِ کثیر متفق و متحد ہوکر ایک ایسے کام میں ہمہ تن مصروف ہوگیا جس کی اصلی غرض صرف چند ہی آدمیوں کو معلوم تھی، لیکن اِس کام میں ترقی کی رفتار بہت سُست تھی اور عبد اللہ بن میمون خوب جانتا تھا کہ اُس کی زندگی میں یہ کام ختم نہ ہوسکیگا، اُس نے کُل کاروبار اپنے لڑکے احمد کے سپرد کیا جو باپ کے بعد جانشین ہوا،

(۶۰۶) احمد اور احمد کے بعد کے جانشینوں کے زمانہ میں فرقہ اسمٰعیلیہ نے اور بھی ترقی کی، کیونکہ شیعوں کے دوسرے فرقے یعنی فرقہ اثناعشری کے لوگ بھی بکثرت اس میں شامل ہوگئے تھے، اثناعشری لوگ حضرت جعفر صادقؓ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت موسیٰ کاظمؓ کی اولاد میں امامت کا سلسلہ مانتے تھے، لیکن چونکہ اِس سلسلہ کے بارھویں امام جن کا نام محمد المھدی تھا

بارہ برس کے سِن میں ایک غار میں جاکر مع اپنی والدہ اور ہمراہیوں کے غائب ہو گئے تھے (۲۶۶ھ / ۸۷۹ء) اور اثنا عشری اس غار سے اُن کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے، اِس لیے اُنھیں جماعتِ اسماعیلیہ میں شامل ہونے کی ترغیب آسانی سے ہو گئی، اور اسماعیلیہ اِس وجہ سے قابلِ ترجیح معلوم ہوئے کہ اُن کے پاس ایک زندہ امام موجود ہے جو موقع پاتے ہی ظاہر ہونے والا ہے۔

۲۷۱ھ / ۸۸۴ء میں ایک اسمٰعیلی ابن حوشب نے جو پہلے اثنا عشری تھا یمن میں وعظ کہنا شروع کیا، اور صنعار پر قبضہ کرکے سلطنتِ اسلامیہ کے ہر صوبے اور مُلک میں اپنے داعی پھیلا دیے، اِن دعاۃ میں سے دو شخص بربر کے قبیلہ کِتامہ میں جو افریقیہ کے علاقہ قسنطینہ میں آباد تھے تعلیم اور تلقین کی غرض سے پہنچے، اور جب اِن دونوں کا انتقال ہوگیا تو ابن حوشب نے اُن کی جگہ اپنے تلامذہ میں سے ایک شخص کو جس کا نام ابو عبد اللہ تھا مقرر کیا۔

ابوعبد اللہ نہایت مستعد، ہوشیار، اور بڑا خطیب تھا، موقع و محل خوب پہچانتا تھا، تنگ وضعیف الخیال بربر کو مرید بنانے کے لیے جو باتیں اختیار کرنی چاہییے تھیں اُن کا پُورا ماہر تھا۔

ابوعبد اللہ اگرچہ اسماعیلیہ طریقے میں ادنیٰ درجہ رکھتا تھا لیکن جو کام اُس کے سپرد ہوا تھا اُس کے لیے بیحد موزوں تھا، دعاۃِ اسمٰعیلیہ کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے فرقے کی اصلی غایت سے لاعلم تھے، ابوعبد اللہ نے اپنے کام کی ابتدا اِس طرح کی کہ کِتامہ کے بچوں کا مُعلّم بنا، اُن کے والدین کی نظروں میں اپنا اعتبار بڑھایا، اور جب اُس کو اپنے کامیاب ہونے کا یقین ہونے لگا تو پھر معلمی کا بھیس اُتار پھینکا اور کہا کہ "میں مہدی آخر الزمان کی بشارت دینے آیا ہوں"، کِتامہ سے کہا کہ "اگر وہ ایک نیک کام کے لیے مسلّح ہو کر لڑیں گے تو دین اور دنیا دونوں میں فائدہ ہوگا"۔

غرض ابوعبد اللہ کی معنے آمیز باتوں سے کِتامہ بغاوت کرنے پر راضی ہو گئے، اور چونکہ اُن کی تعداد بمقابلہ دیگر قبائل بربر کے افریقیہ میں بہت زیادہ تھی، اور پُرانا جوش آزاد

رہنے اور جنگ آوری کا بہت کچھ باقی تھا اس لیے بغاوت میں بہت جلد کامیابی ہوئی اور بنی اغلب کے آخری حکمراں کے بہت سے شہر اُنھوں نے چھین لیے ، بنی اغلب کا خاندان اس وقت تقریباً سو برس تک سلطنت کر چکا تھا ، اِس کے آخری بادشاہ کو کتامہ نے اِس قدر ستایا کہ وہ اپنے قصر سے تنہا نکل کر بھاگا ، اپنی بیوی کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ، ابوعبداللہ نے اُس کی جگہ مہدی کو تخت پر بٹھایا (۲۹۷ھ / ۹۰۹ء)

(۴۰۷) یہ مہدی[ف۱] اصل میں ایک شخص سعید تھا جو اس وقت فرقہ اسمٰعیلیہ کا سردار تھا ، اور عبداللہ القداح (یعنی معالج چشم) کی اولاد سے تھا ، سعید کو دعویٰ تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی اولاد سے ہے ، غرض (سعید) مہدی نے اب عبید اللہ کا نام اختیار کر کے اغلبیوں کی حکومت پر قبضہ کیا ، خلیفہ اور بانی خاندان فاطمیین ہونے کی وجہ سے اُس نے اپنے عقائد اور اصول پوشیدہ رکھنے میں بہت احتیاط کی ، شاید کوئی اور مُلک مثلاً ایران میں اُس کو یہ فتح ہوئی ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتا ، لیکن ایک نیم وحشی قوم کی مدد سے اُس کو تخت حاصل ہوا تھا ، جو فلسفیانہ خیالات سے مطلق ناآشنا تھی ، اِس وجہ سے اُس نے خود ہی اپنے عقائد کو مخفی نہ رکھا بلکہ اسماعیلی طریقے میں جو لوگ درجۂ اعلیٰ تک تعلیم پائے ہوئے تھے اُن کو بھی نامناسب موقعوں پر اپنے خیالات کے ظاہر کرنے سے روکا۔

فرقہ اسماعیلیہ کی اصلی کیفیت گیارھویں صدی عیسوی (پانچویں صدی ہجری) کے شروع تک کسی پر نہ کھلی ، اِس صدی سے فاطمیوں کی حکومت اِس قدر مستحکم ہوگئی کہ پھر اُنکو کسی کا خوف نہ رہا ، عساکر و افواج کی مضبوطی اور دولت کی بہتات نے اُن کو اِس بات سے

ف۱ سعید (یا مہدی یا عبید اللہ) کو بعض مسلمان مورخوں مثلاً ابن خلدون اور مقریزی نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد سے مانا ہے اور کہا ہے کہ عبداللہ ابن میمون کی اولاد سے اُسے سمجھنا غلطی ہے ، ان مورخوں کا بیان ہے کہ جب فاطمی خلفار کی طاقت بہت بڑھی تو عوام میں اُن کا وقار کم کرنے کی غرض سے عباسی خلیفہ القادر باللہ نے بغداد کے علمار سے یہ کہلوایا کہ " فاطمی خلیفہ عبداللہ ابن میمون القداح کی اولاد سے ہیں۔" مترجم

بے پروا کر دیا کہ وہ اپنا اہلِ بیت سے ہونا ثابت کرتے رہیں[۵۱]۔

ابتدا میں اسماعیلیہ بھی بعض اور مسلم فرقوں کی طرح مذہبی رواداری کو گوارا نہ کرتے تھے، اختلافِ عقائد کی بنا پر بڑے بڑے عالموں اور فقیہوں کو سزائیں دی گئیں، ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، صلیب پر چڑھایا گیا، خلفائے راشدین میں سے پہلے تین خلفاء کا ذکر تعظیم سے کرنے[۵۲] یا شیعہ مذہب کے کسی مسئلہ کو بھول جانے، یا امام مالک کے طریقے کے مطابق فتویٰ دینے پر سزائے صلیب تک دی جاتی تھی، جو لوگ طریقہ اسماعیلیہ میں شریک ہوتے تھے اُن کو اِس طریقہ کی تمام باتوں کی سختی سے پابندی کرنی پڑتی تھی، اگر کسی نے اس طریقہ میں شامل ہو کر اُسے ترک کیا، اور ترک کرنے کے بعد اپنی جان بھی بچانی چاہی تو اُس کو یہ دیکھنا پڑتا تھا کہ پہلے اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی دوسرا زنا کرتا، پھر خود اُس پر مار پڑتی، اور سب لوگ اُس کے منہ پر تھوکتے۔

اِس میں شک نہیں کہ عبید اللہ نے اپنے سپاہیوں کو اس قسم کے ظلموں سے باز رکھنا چاہا مگر اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی، رعایا نے یہ کہکر کہ اُن کو ایسے خدا کی ضرورت نہیں ہے جو نظر نہ آتا ہو خلیفہ کو اِس شرط سے خدا ماننے پر رضامندی ظاہر کی کہ وہ جو چاہیں سو کریں کوئی اُن کا مزاحم نہ ہو، خلیفہ کو خدا بنانا ایرانیوں کے خیال کے مطابق تھا، کیونکہ ایرانی اپنے بادشاہوں کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔

عبید اللہ کے وحشی لشکر نے شہروں پر قبضہ کر کے جو جو ظلم کیے ہیں اُن کی مثال نہیں ملتی، برقہ میں امیرِ لشکر نے بعض شہر والوں کے ٹکڑے کر کے اُن کی بوٹیاں آگ پر بھونیں اور جو شہر والے

---

[۵۱] خلیفہ معز سے جب کسی نے اس بات کا ثبوت طلب کیا کہ وہ اہلِ بیت سے ہیں؟ تو خلیفہ نے تلوار برہنہ کر کے کہا "دیکھو یہ تلوار ہمارا شجرہ نسب ہے" یہ کہکر روپے اور اشرفیاں لوگوں میں پھینک کر کہا "اور یہ ہمارے اہلِ بیت ہونے کا ثبوت ہے"۔ یہ دیکھ کر سب نے ثبوت کو ناقابلِ تردید سمجھ لیا۔

[۵۲] عبید اللہ نے حکم دیا تھا کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ پر سوائے حضرت علیؓ اور چار اور بزرگوں کے نماز میں لعن کیا جائے۔

وہاں موجود تھے اُن کو یہ بھنا ہوا گوشت کھلایا اور پھر سب کو آگ میں زندہ ڈال دیا، مظلوم افریقی خوف سے گونگے ہوگئے، اور اُنھیں اِن ظلموں سے نجات کی اُمید صرف مرنے کے بعد باقی رہ گئی، ایک عہد نویس مورخ نے لکھا کہ "جب خدا ایسے ظلموں کو روا رکھتا ہے تو اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دنیا اب اُس کی توجہ کے لائق نہیں رہی، لیکن قیامت کا دن آنے والا ہے، خدا اُس دن انصاف کرے گا۔" (۴۰۸)

فاطمیوں کے اِس دعوے نے کہ وہ ساری دنیا کی بادشاہی کے مستحق ہیں دوسری اِسلامی سلطنتوں کی نظر میں اُنھیں خوفناک بنا دیا، سب سے زیادہ اسپین میں وہ خطرے کا باعث ہوگئے، اِس خوبصورت اور زرخیز ملک پر مدت سے اُن کا دانت تھا، عبید اللہ نے اغالبہ کے ملک پر ابھی پورا قبضہ بھی نہ پایا تھا کہ عمر بن حفصون سے نامہ و پیام شروع ہوگیا، اور اسپین کے اِس مشہور باغی نے عبید اللہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا، اِس عجیب سازش کا کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوا، لیکن فاطمیین کی ریشہ دوانی میں فرق نہ آیا، اُن کے جاسوس اسپین میں ہر جگہ تاجروں کے بھیس میں پھرنے لگے، یہ لوگ اپنے آقاؤں کی اطلاع کے لیے سفر کے حالات جس طرح لکھتے تھے اُس کا حال ابن حوقل کا سفرنامہ پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے، ابن حوقل بھی انھی جاسوس تاجروں میں تھا، یہ سیاح اسپین کے حالات شروع کرتے ہی لکھتا ہے[۵] کہ "جو چیز غیر ملک والوں کو اِس جزیرہ میں قدم رکھتے ہی متعجب کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ملک ابھی تک اُسی بادشاہ کے قبضے میں ہے جو اُس پر حکومت کرتا ہے، یہاں کے رہنے والے مُردہ دل اور غلاموں کی سی طبیعت رکھتے ہیں، وہ نامرد ہیں، گھوڑے کی سواری نہیں جانتے اور ہرگز اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایک تربیت یافتہ فوج کے مقابلہ میں تابِ مقاومت لاسکیں، تاہم ہمارے آقا (یعنی فاطمی خلیفۂ مصر) خدا اُن پر اپنی برکتیں نازل رکھے، اِس مُلک کی قدر و قیمت سے خوب واقف ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اِس ملک کی آمدنی کس قدر زیادہ ہے، اور اِس میں کیا کیا حُسن اور خوبیاں ہیں۔"

---

۵ ابن حوقل کی کتاب، قلمی نسخہ، ص ۳۹

اگر فاطمیئین کو اسپین میں قدم جمانے میں کامیابی ہوجاتی تو اس ملک میں بہت لوگ اُن کے ہواخواہ اور پیرو ہوجاتے، مہدیٔ آخرالزمان کے آنے کا خیال اور اسلامی ملکوں کی طرح یہاں بھی موجود تھا، ۲۸۹ھ/۹۰۱ء میں جیساکہ آئندہ بیان ہوگا اموی شہزادوں میں سے ایک شخص نے اسپین میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، فاطمیوں کی خلافت[۵۱] قائم ہونے سے بیس برس پہلے ایک مشہور فقیہہ عبدالملک بن حبیب (۲۳۹ھ/۸۵۳ء) نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں پیشین گوئی کی تھی کہ "حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ایک شخص اسپین میں سلطنت کریگا، اور وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کریگا (جو ابھی تک دینِ عیسوی کا مرکز مانا جاتا تھا) یہ بادشاہ قرب وجوار کے ملکوں کے تمام مردوں کو قتل کریگا، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو بیچ ڈالے گا، یہاں تک کہ ایک ایک لڑکا ایک ایک چابک اور ایک ایک لڑکی ایک ایک مہمیز کے بدلے فروخت ہوجائیگی"۔

درجہ ادنیٰ کی جماعتیں تو حسبِ معمول ایسی باتوں کا یقین کرلیا کرتی تھیں، لیکن فاطمیئین کو غالباً تعلیم یافتہ اور بالخصوص آزاد خیال لوگ بھی ایسی باتوں کے ماننے والے ضرور ملجاتے تھے، اسپین میں فلسفے کا چرچا پانچویں مروانی تاجدار امیر محمد کے زمانہ سے شروع ہوا تھا، لیکن (۴۰۹) فلسفہ اس مُلک میں بدنام تھا، اور مذہبی ناروا داری یہاں ایشیا کے ملکوں کی نسبت بڑھی ہوئی تھی، اسپین کے علمار جو شرق کا سفر کرچکے تھے، خلفاء بنی عباس کی مذہبی رواداری کا ذکر کیا کرتے تھے، بالخصوص ایسی مجلسوں کا حال وہ بہت غصہ سے بیان کرتے تھے جن میں مختلف مذاہب اور طریقوں کے علمار جمع ہوکر مسائلِ الٰہیات پر بغیر آسمانی صحیفوں کا لحاظ[۵۲] کیے بحث کیا کرتے تھے، اور جہاں خود مسلمان بعض وقت کلام اللہ کی بے ادبی کرتے تھے، عام لوگوں کو فی الواقع فلسفیوں سے نفرت تھی، اُن کو وہ ناپاک اور مردود جانتے تھے، اور آمادہ رہتے تھے کہ موقع پاتے ہی اُنہیں سنگسار کردیں یا زندہ جلادیں، اس خوف سے آزاد خیال اور فلسفی اپنے خیالات ظاہر نہ کرتے تھے، مگر یہ قید قدرتی طور پر اُنہیں سخت ناگوار تھی، اسلیے سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا یہ لوگ ایک ایسے حکمراں خاندان کے معاون و مددگار نہ ہوجائیں گے

---

[۵۱] تاریخ ابن حبیب ص ۱۶۰

[۵۲] جرنل ایشیاٹک، سلسلہ ۵ جلد ۲ ص ۹۳

جس کے خیالات اُن سے ملتے جلتے ہیں، قیاس غالب یہ تھا کہ وہ ضرور مددگار ہو جائیں گے،
فاطمیوں کا بھی یہی خیال تھا، چنانچہ دریافت ہوتا ہے کہ انھوں نے عقائد اسمٰعیلیہ کی ایک انجمن
اسپین میں قائم کرنے کی کوشش کی، اور اپنے ایک فلسفی ابن مسرّہ نامی کو اپنے مذہب کی
دعوت کے لیے اسپین روانہ کیا (٢٧٠ھ / ٨٨٣ء - ٣١٩ھ / ٩٣١ء) یہ ابن مسرّہ قرطبہ کا مشہور فلسفی
درحقیقت وحدت الوجود کا ماننے والا تھا، چند یونانی کتابوں کا اکثر مطالعہ کیا کرتا تھا، عرب ان
کتابوں کو انباذقلس[۵۱] کی تصنیف سے بتاتے تھے، آخر کار ابن مسرّہ ملحد قرار پاکر ملک بدر کیا گیا
اسپین سے نکل کر وہ مشرق چلا گیا، اور وہاں اُس نے مختلف فرقوں کے عقائد سے واقفیت
پیدا کی، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ اسماعیلیہ کی خفیہ جماعت میں شامل ہو گیا، اس بات کا یقین
اس سے ہوتا ہے کہ جب وہ پھر اسپین میں آیا تو اپنے خیالات جس طرح جوانی میں ظاہر کیا کرتا
تھا اب ظاہر نہیں کیے بلکہ بڑا زاہد اور متقی بن گیا، اسپین کی خفیہ انجمن کے افسروں نے اُس کو
سمجھا دیا کہ سُنّی مذہب کا بھیس اختیار کرے، غرض سُنّی بن کر اپنی سحر بیانی سے وہ جاہلوں کو
گمراہ کرتا رہا، بہت آدمیوں کو اپنا شاگرد بنا کر پہلے ایمان سے شک کی تعلیم، اور پھر شک
سے قطعی انکار کی تعلیم دینے لگا، لیکن شرع کے عالموں اور فقیہوں کو دھوکا نہ دے سکا،
ان لوگوں نے گھبرا کر اس حکیم کو تو نہیں (کیونکہ امیر عبدالرحمٰن الناصر ایسی حرکت کب روا رکھ سکتا تھا)
مگر اُس کی کتابوں کو جلوا دیا[۵۲]، اگرچہ اس بات کا کوئی صریح ثبوت نہیں ہے کہ ابن مسرّہ اسمٰعیلی
مذہب رکھتا تھا اور اس مذہب کا داعی ہو گیا تھا، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ فاطمیوں نے اسپین
میں اپنا ایک ہوا خواہ فریق قائم کرنے کی کوشش کی اور اس میں انہیں قدرے کامیابی بھی
ہوئی[۵۳]، اگر اسپین میں فاطمیین کی حکومت ہو جاتی تو آزاد خیال لوگ بہت خوش ہوتے، لیکن (٤١٠)

---

۵۱ یہ شخص سسلی کا رہنے والا، مشہور فلاسفر، اور نامور شاعر تھا، ٤٤٤ برس قبل مسیح
گذرا ہے۔ (اسمٰعیل)

۵۲ اماری۔ فہرست کتب عربی (تاریخ الحکماء) ص ٦١٤ تا ٦١٥ - ابوبکر الزبیدی نے ایک رسالہ
ابن مسرّہ کے رد میں لکھا۔ ۵۳ دیکھو حاشیہ کا صفحہ ٤٢٧

عام رعایا کے حق میں یہ حکمراں خاندان خدا کا قہر ثابت ہوتا، ابن حوقل سیاح کے ایک قول سے جس سے وحشت اور سنگدلی برستی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ کتامہ کا متعصب گروہ عیسائیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا، ابن حوقل یہ ذکر کرکے کہ عیسائی دیہات اور قصبات میں ہزاروں کی تعداد میں بستے ہیں لکھتا ہے کہ "یہ لوگ اکثر بغاوتیں کرکے سلطنت کو مشکلات میں مبتلا رکھتے ہیں" آگے چل کر مشورہ دیتا ہے کہ "اس کا ایک علاج ایسا موجود ہے کہ عیسائی آئندہ حکومت کو مطلق نہ ستا سکیں، اور وہ یہ کہ اُن کو بالکل نیست و نابود کردیا جائے"۔ اس علاج پر جو اعتراض اُسے خود معلوم ہوا تھا وہ یہ تھا کہ "کُل عیسائیوں کو ہلاک کرنے میں وقت بہت ضائع ہوگا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کتامہ کی حکومت اسپین میں ہوجاتی تو وہ عبدالملک بن حبیب کی پیشین گوئی کا حرف حرف صحیح ثابت کردکھاتے۔

اسپین کے عربوں کو جنوب کی سمت میں تو فاطمیوں سے خطرہ تھا، اور ملک کے شمالی اطراف میں لیون کی عیسائی ریاست روز بروز قوت پکڑتی جاتی تھی، یہ خطرہ جنوب کے خطرے سے بھی بڑھ کر تھا۔

لیون کی عیسائی ریاست کی ابتدا بہت ہی حقیر تھی، آٹھویں صدی عیسوی میں جبکہ لیون کے عیسائیوں نے اپنا علاقہ مسلمانوں کے حوالے کردیا تو تین سو عیسائی اس علاقہ سے بھاگ کر اشتوراس کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے، ان تین سو آدمیوں کا سردار پلیجیوس تھا (جسے عربوں نے بلائی لکھا ہے، اور جس پہاڑ میں اُنھوں نے پناہ لی تھی اُسے صخرۂ بلائی کہا ہے) جس مقام پر اُنھوں نے پناہ لی تھی وہ پہاڑ کی ایک تنگ گھاٹی تھی، جس کے دونوں طرف اُونچی اُونچی چٹانیں تھیں، اور بیچ کا راستہ اس قدر تنگ تھا کہ ایک سوار بھی مشکل سے اُس میں سے گذر سکتا تھا، اس چھتّے میں تین سو عیسائیوں نے وطن سے بھاگ کر سکونت اختیار کی تھی، مگر یہ مقام ایسا تھا کہ چند ہمت والے آدمی بڑی سے بڑی فوج کا بھی آسانی سے مقابلہ کرسکتے تھے اور اشتوراس کے رہنے والوں کو ایسے واقعات کسی وقت میں پیش بھی آچکے تھے، لیکن یہ تین سو پناہ گزیں نہایت تنگی اور عسرت کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے، ان میں سے بہت لوگ تو ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور بہتیرے فاقوں سے مرچکے

تھے، غرض بلائی کے ساتھی کم ہوتے ہوتے صرف چالیس نفوس رہ گئے، جن میں تیس مرد تھے اور دس عورتیں۔ پہاڑوں کی جھریوں میں مکھیوں کے چھتوں سے شہد نکال کر مشکل سے گذر کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان سے کچھ مزاحمت اس خیال سے نہ کی کہ تیس آدمیوں سے خوف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ یہ گھاٹی ایسی تنگ و تاریک تھی جہاں کے سرکوں میں پہلے بھی صدہا حملہ آوروں کی جانیں جا چکی تھیں، ایسی جگہ دشمن کے تعاقب کو مسلمانوں نے ایک بیکار زحمت سمجھا۔

مسلمانوں کی اس غفلت اور بے توجہی سے بلائی کو مہلت مل گئی، اور اس زمانے میں اس نے اپنے گروہ کو مضبوط کر لیا۔ اور جب لڑائی کے بھاگے ہوئے عیسائی اس کے پاس بہت سے جمع ہو گئے تو مسلمانوں کی ایسی آبادیوں پر جو صخرہ بلائی سے قریب تھیں اس نے لوٹ مار شروع کی۔ اس وحشی گروہ کی سرکوبی کے لیے بربر سردار ابی نسعہ نے جو اس زمانے میں اشتوراس کا حاکم تھا اپنے ایک فوجی افسر علقمہ کو بلائی کے مقابلہ پر بھیجا، لیکن علقمہ کو بلائی کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ شکست ہو گئی، اور وہ خود بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ (۱۱۴ھ)

بلائی کی اس کامیابی پر اشتوراس کے عیسائی باشندوں کی ہمت بڑھی، اور وہ ابی نسعہ حاکم اشتوراس کے خلاف بغاوت کر بیٹھے۔ ابی نسعہ کے پاس اس قدر فوج نہ تھی کہ اس بغاوت کو فرو کر دیتا، اس لیے گیجون کے شہر سے جو اشتوراس میں اس کا مستقر حکومت تھا لیون کے شہر کی طرف چلا، سات فرسخ نہ چلا ہو گا کہ عیسائیوں نے حملہ کر کے اس کو سخت نقصان پہنچایا، نتیجہ یہ ہوا کہ جب لیون پہنچکر اپنے فوجیوں سے کہا کہ پہاڑوں میں جا کر بلائی کا پھر مقابلہ کریں تو انہوں نے ایسی جگہ جانے سے انکار کر دیا جہاں ان کا سخت نقصان ہوا تھا۔

غرض اشتوراس کے عیسائیوں نے عربوں کی حکومت سے آزاد ہو کر کچھ عرصے کے بعد بہت کچھ قوت حاصل کر لی، اشتوراس کے علاقے سے مشرق میں ساحل بحر سے ملی ہوئی ایک چھوٹی سی ریاست کنتابرایا نامی عیسائیوں کی تھی، جو مسلمانوں کی محکوم نہیں ہوئی تھی، اس ریاست کا رئیس اودفونشس (الغونسو) تھا، جب اس نے بلائی کی لڑکی سے عقد کر لیا تو کنتابرایا کی ریاست کے علاوہ وہ اشتوراس کے علاقے کا بھی مالک ہو گیا، اور اب یہاں عیسائیوں کی

قوت پہلے سے دوچند ہوگئی، اور اُنہوں نے ارادہ کرلیا کہ جہاں تک ممکن ہوگا مسلمانوں کو جنوب کی طرف ہٹاتے چلے جائیں گے۔

حالات کچھ ایسے پیش آتے رہے کہ اس میں اُنہیں کامیابی ہوئی، شمالی علاقوں میں جس قدر مسلمان آباد تھے اُن میں بربر کی تعداد سب سے زیادہ تھی، اُنہوں نے کچھ عرصے سے خوارج کے عقائد اختیار کرلیے تھے، اور اب اُنہوں نے عربوں کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کیا اور عربوں کو وہاں سے نکال دیا، لیکن جب اُن کو نکالنے میں بربر جنوب کی طرف بڑھے تو عربوں سے شکست کھا گئے، اب عربوں نے اُن کا تعاقب کیا اور اُن میں سے بہتوں کو قتل کردیا،

کچھ تو اس لڑائی نے اور کچھ قحط نے بربر کی حالت خراب کردی، یہ قحط ۱۳۳ھ ۷۵۰ء سے شروع ہوکر پانچ برس تک مسلسل رہا تھا، اس لیے بربر کے اکثر قبیلوں نے ارادہ کیا کہ اسپین چھوڑ کر اپنے وطن افریقہ کو چلے جائیں۔

جب بربر کے قبائل اسپین کے شمالی علاقوں سے کوچ کرنے لگے تو ۱۳۴ھ ۷۵۱ء میں جلیقیہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے بغاوت کرکے ادفونش (الفونسو) کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا (گویا اب اسپین میں اشتوراس، کنتابرایا، اور جلیقیہ کے علاقے ایک ہی عیسائی بادشاہ کے تحت میں آگئے) اور اُس کی مدد سے جس قدر مسلمان ان شمالی علاقوں میں آباد تھے اُن میں قتلِ عام شروع کیا، اور جو مسلمان قتل ہونے سے بچے اُنہیں مجبور کیا کہ وہ اشتورقہ کی طرف چلے جائیں، ۱۳۶ھ ۷۵۳ء، ۷۵۴ء میں بربر کے قبائل اور بھی جنوب کی طرف ہٹتے چلے گئے، اور شمال میں براغہ، برتقال اور بازو کے شہروں کو خالی کردیا، یہ تینوں شہر ساحل اطلانتک (بحرِ محیط) سے قریب تھے، غرض ساحل کے حصے دریائے دویرہ کے دھانے تک مسلمانوں سے خالی ہوگئے۔

بربر اور بھی جنوب کی طرف ہٹے اور اُنہوں نے اشتورقہ، لیون، سمورہ، لیدسمہ اور ظلمنکہ کے شہر بھی چھوڑ دیے، اور قوریہ کے شہر میں سکونت اختیار کی، بلکہ اُس کو بھی چھوڑ کر اور جنوب کی طرف باردہ میں چلے آئے۔ شمال شرقی اطراف میں اُنہوں نے سلدانہ، شبنت مانکش، شقوبیہ، وایلہ، اوقہ، وشمہ، مرندہ (برساحل وادی ابرہ)، سینی سیرہ،

(۴۱۲)

الیسانکو (یہ دو اخیر شہر صوبہ ریویجا میں تھے) خالی کر دیے ،

اب اسلامی سلطنت کے بڑے سرحدی شہر مغرب سے مشرق کی جانب قلمریہ (دریائے منديق کے کنارے)، طلبیرہ اور طلیطلہ (دریائے تاجہ کے کنارے)، وادی الحجارہ ، تطیلہ اور بنبلونہ شمالی علاقوں میں باقی رہ گئے ۔

غرض آپس کے نزاعات اور خانہ جنگیوں اور قحط سالی سب نے مِل کر اسپین کے ایک حصہ کو مسلمانوں کی حکومت سے نکلوا دیا ، اِن مقامات میں مسلمانوں کی حکومت چالیس برس سے زیادہ نہ رہی ۔

ادفونش کو بھی اپنے کاموں کا کوئی بڑا پھل نہ مِلا ، جن علاقوں کو مسلمان چھوڑ گئے تھے ، اُن میں وہ پہنچا ، اور جو مسلمان وہاں نظر آئے اُن کو قتل کیا ، اِن علاقوں میں زراعت کے لیے نہ تو اُس کے پاس آدمی تھے اور نہ وہاں کے قلعوں کی مرمت کے لیے روپیہ تھا جنھیں مسلمان چلتے وقت مسمار کر گئے تھے ، غرض وہ اِن علاقوں پر واقعی قابض و متصرف نہ ہو سکا ، البتہ جس قدر عیسائی اُس کو وہاں مِلے اُن کو اپنے وطن لے گیا ، اور اُن علاقوں کے ایسے حصوں کا مالک ہو گیا جو اُس کی عملداری سے ملحق تھے ، اِن حصوں میں لیبانہ (جو صوبہ سنتانذر کا جنوب مشرقی حصہ تھا) اور قشتالیہ قدیم جسے اُس وقت بردلیہ کہتے تھے ، اور علاقہ جلیقیہ کا ساحل غالباً شہر لیون سمیت شامل تھے ، باقی ملک جہاں سے مسلمان چلے گئے تھے مدت تک برباد رہا ، اور قدرتی طور پر شمال کے رہنے والے عیسائیوں اور جنوب کے رہنے والے مسلمانوں میں ایک حدِ فاصل بنا رہا[۵۱] ۔

لیکن جو کام ادفونش (الفونسو) سے ختم نہ ہو سکا وہ اُس کے جانشینوں نے ختم کیا ، شمال کے عیسائیوں نے عربوں کے مقابلہ میں لڑائیوں کا ایک سلسلہ جاری رکھ کر آخر کار لیون کو اپنا دار الحکومت بنا لیا ، اور ایسے بڑے شہروں اور قلعوں کو جو برباد ہو چکے تھے رفتہ

---

[۵۱] بڑے بڑے شہر استورقہ اور تولی سنہ ۸۵۰ء (یعنی سنہ ۲۳۶ھ) تک برباد رہے ۔ کتاب "تحقیقات" مصنفہ ڈوزی (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) جلد ۱ ص ۱۲۳ ۔

رفتہ پھر درست کرلیا، نویں صدی عیسوی (دوسری صدی ہجری) کے آخری نصف حصے میں جبکہ امیر سے اسپین کے تمام جنوبی علاقے باغی ہوگئے تھے عیسائیوں کو ترقی کرنے کا موقع ملا، اور اُنہوں نے لیون سے جنوب کی سمت میں بڑھتے بڑھتے وادی دویرہ تک اپنی سرحد پہنچا دی، اور یہاں اُنہوں نے چار مضبوط قلعے تعمیر کیے، یعنی سمورہ، شنت مانکش، شنت اشتیبان غرماج، وشمہ، یہ قلعے مسلمانوں کے حملوں کو روکنے کے لیے عیسائیوں کے حق میں مستحکم مقامات ہوگئے، لیکن دریائے دویرہ سے وادی آنہ تک جو وسیع قطعۂ زمین بنجر و ویران تھا اُس پر نہ تو لیون کے عیسائی قابض تھے اور نہ عرب، یہ قطعۂ ارض متنازعہ فیہ سمجھا جاتا تھا، مغرب میں لیون کے عیسائیوں کی سرحد مسلمانوں کے ملک سے بالکل جا ملی تھی، کیونکہ عیسائیوں کی سرحد دریائے مندیق کے اس پار کچھ دُور تک پہنچی ہوئی تھی، لیکن یہ سرحدیں ایسی تھیں کہ کبھی مسلمان اور کبھی عیسائی اُن کو توڑ کر اپنا دخل آگے کرتے تھے، اگر قرطبہ کے تختِ سلطنت پر بادشاہ کمزور ہوا تو عیسائی لُوٹ مار کرتے ہوئے دریائے تاجہ اور وادی آنہ کے کناروں تک پہنچ جاتے تھے، ان نواح میں اکثر بربر آباد ہوتے تھے، اُن کی آپس کی لڑائیاں اُن کو اس قدر کمزور کیے رکھتی تھیں کہ وہ عیسائیوں کی روک تھام نہ کرسکتے تھے، اور بعض اوقات یہاں تک نوبت آجاتی تھی کہ ان لُٹیرے عیسائیوں کو روپیہ دیکر اپنی جان چھڑاتے تھے۔ (۴۱۳)

لیکن آخر کار وہ وقت آیا کہ مسلمان عیسائیوں کی ان زیادتیوں کا بدلہ لینے کی کوشش کریں، ۲۸۷ھ (۹۰۱ء) میں ایک اُموی شہزادہ جسکا نام احمد بن معاویہ تھا، اور جو علومِ سحر کا ماہر اور تخت کا مدعی تھا بربر کے قبیلوں میں مہدی بن کر ظاہر ہوا، اور سمورہ پر حملہ کرنے کے لیے اُس نے تمام قبائل بربر کو اپنے علَم کے نیچے جمع کیا، سمورہ کا قلعہ ادفونش (الفونسو) سوم کے عہد میں ادفونش کے ساتھیوں اور طلیطلہ کے عیسائیوں نے مل کر ۲۸۰ھ (۸۹۳ء) میں دوبارہ تعمیر کیا تھا، بربر اس قلعے اور شہر سے خائف رہتے تھے، کیونکہ لیون کے عیسائیوں نے اپنے علاقے کی جنوبی سرحد پر اس قلعہ کو جس کے گرد سات فصیلیں اور اتنی ہی خندقیں تھیں، لُوٹ مار کرنے کے بعد اپنی جائے پناہ قرار دیا تھا، اور وقتاً فوقتاً جس قدر مال و زر مسلمانوں کا لُوٹتے تھے وہ سب اسی قلعے میں جمع کرتے تھے۔

قبائلِ بربر کو اپنے علَم کے نیچے جمع کرنے میں احمد بن معاویہ کو بہت کامیابی ہوئی، کیونکہ یہ لوگ اعتقاد کے ضعیف اور انتقام کے پیاسے ہو رہے تھے، جلد احمد کے پاس چلے آئے، احمد طرح طرح کی کرامات دِکھا کر اُن کو یقین دلاتا تھا کہ عیسائیوں کے قلعوں کے سامنے پہنچتے ہی اُن کی دیواریں آپ سے آپ گر پڑیں گی۔ غرض چند ماہ میں احمد نے ساٹھ ہزار بربر کا لشکر جمع کر لیا، اور اب دریائے دویرہ کا رُخ کیا، سموره[ف۱] پہنچکر ایک خط اوفونش سوم کے نام جو اُس وقت سموره میں موجود تھا اِس مضمون کا لکھا کہ اگر اوفونش اور اُس کی رعایا نے فوراً اسلام قبول نہیں کیا تو وہ سب غارت کر دیے جائیں گے۔" یہ خط پڑھ کر اوفونش اور اُس کے درباری مارے غصہ کے لرز اُٹھے اور احمد بن معاویہ پر حملہ کرنے کی غرض سے گھوڑوں پر چڑھ فوراً چل پڑے، بربر کے رسالوں نے مقابلہ کیا، دریائے دویرہ میں اِس وقت پانی کم تھا، کیونکہ جون کا مہینہ تھا، اِس لیے دریا کے گذرگاہ میں لڑائی ہونے لگی، قسمت نے لیون کے عیسائیوں کا ساتھ نہ دیا، بربر نے عیسائیوں کو شکست دیدی، اور اُن کو سموره میں واپس نہ جانے دیا بلکہ دیہات کی طرف بھگا دیا۔

لیکن اِس پہلے ہی معرکہ میں مسلمانوں کی فتح ایسی علامت نہ تھی جس سے لڑائی کے قرار واقعی انجام کا پتہ چل جاتا، احمد نے مہدی بن کر اپنی سپاہ میں بہت رسوخ پیدا کر لیا تھا اور اُس میں خودبینی اِس قدر ہو گئی تھی کہ سپاہ کو زبان سے نہیں بلکہ اشاروں سے حکم دیتا تھا اور اُس کے انہی اشاروں پر کُل فوج نہایت مستعدی سے کام کرتی تھی، لیکن جس قدر سپاہیوں میں اُس کی عزت اور قدر بڑھتی جاتی تھی اُسی قدر فوج کے سرداروں میں اُس کی طرف سے حسد کو ترقی ہوتی تھی، اِن سرداروں کو یہ خیال ہوا کہ اگر یہ مہدی عیسائیوں سے لڑائی جیت گیا تو وہ ہمارے قبیلوں کا سردار بن جائے گا، اُس کے مہدی ہونے کے یہ لوگ قائل نہ تھے، چنانچہ اِن سرداروں نے احمد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ اِس ارادہ میں کامیاب نہ ہوئے، لڑائی سے بھاگتے ہوئے عیسائیوں کے پیچھے مسلمان جا رہے تھے کہ بربر کے

ف۱ سموره دریائے دویرہ کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔

(۴۱۴ھ) قبیلہ نفزہ کے سب سے بڑے سردار نے جس کا نام زلل بن لعیش تھا اپنے دوستوں سے کہا کہ "لیون کے عیسائیوں کو شکست دینے میں اُنھوں نے سخت حماقت کی ہے جس کی اصلاح فوراً ہونی چاہیئے"۔

بہت سے فوجی ابن لعیش کے ساتھ ہوگئے، اور اُنھوں نے باہم یہ فیصلہ کیا کہ مہدی نے جو جو تدبیریں سوچی ہیں اُن سب کو اُلٹ دینا چاہیئے، چنانچہ ابن لعیش نے اپنے ساتھیوں کو میدان سے ہٹ جانے کا حکم دے دیا، اور جب وہ دریائے دویرہ سے اُتر کر اُس کے داہنے کنارے پر پہنچ گئے جہاں اُن کی چھاونیاں تھیں تو اُنھوں نے اپنا کُل مال و اسباب جمع کر کے یہ ظاہر کیا کہ اُن کو شکست ہوگئی ہے اور عیسائی اُن کے تعاقب میں ہیں (حالانکہ مضمون اُلٹا تھا) لشکر کے اور لوگوں نے اُن کے کہنے کا یقین کر لیا، کیونکہ یہ تھوڑے سے آدمی تھے، ابن لعیش کے ساتھ اُس کے کُل ساتھی موجود نہ تھے کیونکہ اُنھوں نے یا تو اُس کے حکم کو مانا نہ تھا یا سُنا نہ تھا،

غرض شکست کی خبر سنکر بربر کے لشکر میں ابتری پڑگئی، اور یہ سمجھ کر کہ سلامتی بھاگنے میں ہے بہت سی فوج دریائے دویرہ کی طرف بھاگی، سمورہ کے قلعے میں جو عیسائی ابھی تک موجود تھے وہ بربر کو بھاگتے دیکھ کر قلعے سے نکل کر حملہ کرنے لگے، اور بربر کے بہت سے آدمیوں کو جو دریا پر جانا چاہتے تھے قتل کر دیا، لیکن مسلمانوں کی فوجوں نے جو دریائے دویرہ کے بائیں کنارے پر تھیں عیسائیوں کو آگے نہ بڑھنے دیا، دو دن تک یہی حالت رہی کہ عیسائیوں کو کسی قسم کی کامیابی نہ ہوئی، لیکن جب احمد بن معاویہ المہدی کی فوج والوں نے اُس سے علیحدہ ہونا شروع کیا تو عیسائیوں کی قسمت جاگ اُٹھی اور اُن کے حق میں یہ بڑی مدد ہوگئی،

مہدی نے اپنی فوج والوں کو بہت سمجھایا کہ "فتح بالآخر ہماری تقدیر میں اُتری ہے، میدان نہ چھوڑو" مگر کسی نے اُس کا کہنا نہ مانا، تیسرے دن جب مہدی نے دیکھا کہ سب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے تو نا اُمید ہوا، اور اس خیال سے کہ اس شرمندگی کے بعد زندگی عبث ہوگی، گھوڑے کو مہمیز کیا، اور عیسائیوں کے منجھ میں پہنچ کر جیسی موت حاصل کرنی چاہتا تھا وہ حاصل کی، عیسائیوں نے (احمد کی لاش سے انتقام لیا اور) اُس کا سر کاٹ کر سمورہ کے

دروازے پر نصب کردیا۔

اِس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیون کے عیسائیوں کی ہمت بڑھی، طلیطلہ کے عیسائیوں اور بالخصوص ریاست نبرہ کے والی شانجہ اعظم عیسائی کی مدد پر بھروسہ کرکے اب عیسائی اسلامی اسپین کو ایسا شکار سمجھنے لگے جو کبھی اُن کے ہاتھ سے بچنے نہ پائیگا۔

ریاست نبرہ کے بادشاہ شانجہ اعظم کو اِس وقت بہت قوت حاصل تھی، اِس لیے جنوبی اقطاعِ اسپین کو جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے عیسائیوں نے اُسی نظر سے دیکھنا شروع کیا جیسے قزاق اور لٹیرے مسافر کے مال کو دیکھتے ہیں، لیکن یہ عیسائی اگرچہ صاحبِ ریاست ہوگئے تھے مگر ابھی تک ایسے مفلس اور تنگدست تھے کہ اُن کے پاس سکّہ تک نہ تھا، مال کے عوض میں مال دے کر خرید و فروخت کرتے تھے، اِن کے پادریوں نے جن کے وہ بے انتہا معتقد تھے اور نذرانے دے دے کر اُن کو بہت مالدار بنا دیا تھا یہ سمجھا دیا کہ "آسمانی بادشاہی" میں شریک ہونے کے لیے مسلمانوں سے لڑنے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے، اندلوسیہ یعنی اسپین کے جنوبی علاقے جو بہت دولتمند ہیں اور مسلمانوں کے قبضے میں ہیں اُن کو لوٹنے میں دین اور دُنیا دونوں کی برکتیں حاصل ہوں گی۔ اور اب اُن کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا اسلامی اسپین اُن کے پنجے سے کبھی بچ سکیگا؟ اگر وہ بچ گیا تو پھر عیسائیوں کی تقدیر ہمیشہ کے لیے پھوٹ جائے گی۔

(۹۱۵ء) لیون کے عیسائی ایسے ظالم اور سفاک تھے کہ لڑائی جیت کر دشمن کو امان دینی نہ جانتے تھے جہاں کسی شہر پر اُن کا قبضہ ہوا شہر کے کُل آدمیوں کو قتل کردیتے تھے[۱]، مسلمانوں نے جیسی جیسی رعایتیں عیسائیوں کے ساتھ کی تھیں عیسائیوں سے اُن کی توقع ہونی قطعی ممکن نہ تھی،

اب سوال یہ تھا کہ اِن وحشی عیسائیوں کے ہاتھوں جو لکھنا پڑھنا تک نہ جانتے تھے عربی تہذیب و تمدن کا جو روز افزوں ترقی پر تھا کیا درجہ ہوگا؟ اِن وحشی جاہل عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ جب اُنھیں اپنے کھیتوں کی پیمائش کرنی ہوتی تھی تو کسی مسلمان کو بلوا کر پیمائش

---

[۱] اگرچہ مصنف نے تصریح نہیں کی مگر اِس قسم کے قتلِ عام میں غالباً عورتیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہوں گے۔ مترجم

کراتے تھے، اور جب کتب خانہ کا لفظ بولتے تھے تو اُن کی مراد صرف ایک کتاب یعنی انجیل سے ہوتی تھی"
اُوپر کے اِس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن کو اپنے ابتدائی دَورِ حکومت میں جو کام کرنا تھا وہ ایک عظیم الشان اور نہایت شریفانہ کام تھا، اُس کو صرف اپنے ملک ہی کو نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کو بھی آفات سے محفوظ رکھنا تھا، اور جو مشکلات اُس کو درپیش تھیں وہ دشوار ترین اور سخت تھیں، اولاً اپنی ہی رعایا کو مطیع و محکوم کرنا تھا، پھر ایک طرف شمال کے عیسائی وحشیوں کو اپنے سے دُور رکھنا تھا جن کی گستاخیاں اسلامی سلطنت کے ضعف کے ساتھ بڑھتی جاتی تھیں، دوسری طرف جنوب کے وحشیوں سے مقابلہ تھا جنھوں نے افریقہ کے ایک حصے پر دفعتہً قبضہ پالیا تھا، اور اِس خیال میں تھے کہ جنوبی اسپین کے علاقے ہمارے ہاتھ کے نیچے ہیں۔
باوجود اِن تمام دشواریوں کے امیر عبدالرحمٰن کو کبھی کسی بات کا خوف نہ ہوا، یہ تو ہم ابھی پڑھ ہی چکے ہیں کہ اپنے ملک کو کس طرح مطیع کرکے عبدالرحمٰن نے اُس میں امن وامان پیدا کیا تھا، اب یہ دیکھنا ہے کہ باہر کے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے اُس نے کیا کیا سامان کیے؟

اسناد :-

غریب۔ جلد ۱ ص ۱۹۰

ابنِ عذاری۔ جلد ۱ ص ۲۹۵

جلد ۲ ص ۲۷

سعید طلیطلی۔ ص ۲۴۶

حمیدی۔ ص ۲۷، ۴۷

ابوالمحاسن۔ جلد ۱ ص ۴۲۰ تا ۴۲۱

ابنِ خلکان۔ جلد ۷ ص ۶۱

مقریزی۔ جلد ا ص ۱۳۶

جلد ۲ ص ۹، ۱۰۰، ۱۲۱، ۳۷۶، ۶۷۱ تا ۶۷۲

عیسیدور۔ ص ۵۸

موناکی سیلنسیس کرونیکون۔ اسپینا سگرادا۔ جلد ۱۷ ص ۲۷۰ تا ۳۳۰

کرونیکون کونم بری سنسی۔ جلد ۲

کرونیکون البیلدی۔ ص ۶۴

ابن حیان۔ ص ۸۳، ۹۸ تا ۱۰۲

کرونیکون دی ساپیرو۔ اسپینا سگرادا۔ ص ۱۴

کتاب ثالث (خلافت)

دُوسری فصل

امیر عبدالرحمٰن ثالث کا سب پر غالب آنا

(۹۱۶) امیر عبدالرحمٰن ثالث کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا کہ لیون کے عیسائیوں سے ایک نزاع پیدا ہوا، بانی اِس نزاع کا عبدالرحمٰن نہ تھا، ابتدا اِس جھگڑے کی اِس طرح ہوئی کہ لیون کے رئیس اردون ثانی نے ماردہ کے علاقے میں ڈاکے ڈالنے شروع کیے، الحنش (یا الحنث) کے قلعے پر قبضہ کر کے جس قدر مسلمان وہاں موجود تھے اُن کو قتل کر دیا، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا، ماردہ سے قریب ہی بطلیوس کا شہر تھا، اور اِن دونوں شہروں کے والی تختِ قرطبہ سے باغی اور منحرف تھے، اردون رئیسِ لیون کی لوٹ مار سے بطلیوس کے لوگ اِس قدر خائف ہوئے کہ اُنہوں نے تجارت کا بہت قیمتی مال جمع کر کے اپنے والیٔ شہر کی معرفت اردون کو بطور نذرانے کے پیش کر کے امان چاہی، اردون نے اہلِ بطلیوس کو نہیں لُوٹا، اَور مقامات پر لُوٹ ماریں جو کچھ مال ہاتھ آیا تھا اُسے ساتھ لیے دریائے تاجہ اور دریائے

دویرہ کو عبور کرتا ہوا ایک فاتح کی صورت اختیار کر کے اپنے دار الحکومت لیون کو واپس آیا، یہاں
آکر اس فتح کی شکر گذاری میں ایک گرجا تعمیر کرا کے حضرت مریم کے نام سے اُسے معنون کیا،
(کیا عجب ہے یہ گرجا لوٹ کے مال سے تعمیر ہوا ہو - مترجم)

اردون والی لیون نے جن علاقوں کو لوٹا تھا وہ تختِ قرطبہ سے باغی تھے، اور ابھی تک
امیر عبد الرحمٰن کی اطاعت اُنھوں نے قبول نہیں کی تھی، امیر اگر چاہتا تو ایسے باغیوں کے علاقوں
کے لٹنے کی پروا نہ کرتا، مگر یہ بات اُس کی تدبیر سیاست کے خلاف تھی، یہ امر ثابت کر کے
کہ مصیبت کے وقت بادشاہ ہی معاون اور مددگار ہو سکتا ہے وہ باغی رعایا کا دل رکھنا
چاہتا تھا، عبد الرحمٰن نے اردون کو اُس کی ان قزاقیوں کی سزا دینے کا قطعی ارادہ کر لیا،
اور ماہ جولائی ۹۱۶ء (محرم ۳۰۴ھ) میں اُس نے ایک لشکر ابن ابی عبدہ کی سرکردگی میں جو
اُس کے دادا کے باپ امیر محمد کا پرانا سپہ سالار تھا روانہ کیا، لیون پر مہدی کی مہم کے بعد
جسے اب پندرہ برس ہوئے تھے یہ پہلی فوجکشی مروانیوں کی طرف سے ہوئی تھی، لڑائی میں
لیون والوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت بہت ملا۔

اس کے ایک سال بعد ۳۰۵ھ/۹۱۷ء میں سرحد کے مسلمانوں نے امیر عبد الرحمٰن سے عرض کیا
کہ لیون والوں نے دریائے تاجہ کے کنارے شہر طلبیرہ کے مضافات کو جلا دیا ہے، ان
عیسائیوں کا کوئی تدارک ہونا چاہیئے، امیر نے ابن ابی عبدہ کو اہل لیون کے مقابلہ میں پھر فوجکشی
کا حکم دیا، ابن ابی عبدہ ایک بڑا لشکر لے کر روانہ ہوا، جسمیں تنخواہ دار سپاہی بھی جو افریقہ
کے شہر طنجہ سے بھرتی ہوئے تھے شامل تھے، امیر لشکر ابن ابی عبدہ کو حکم تھا کہ قلعہ شنت اشتبان
غرماج یا قاسطر مورش کا جاتے ہی محاصرہ کر لے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شروع میں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان لڑائی جیت لیں گے، قلعہ کو عیسائی گو بچانے کی
بہت کوشش کرتے تھے مگر مسلمانوں نے اُن کی حالت بہت زبون کر دی تھی، اور وہ
تنگ ہو کر ہتھیار ڈالنے کو تھے کہ اردون اُن کی مدد کے لیے آگیا، اور ابن ابی عبدہ پر ۹۱۷ء
اُس نے حملہ کیا، ابن ابی عبدہ کی فوج میں بدقسمتی سے صرف طنجہ کے تنخواہ دار سپاہی موجود
نہ تھے بلکہ بہت سے سرحدی بھی تھے جن کی ہمت و مردانگی پر بھروسا کرنا ممکن نہ تھا، یہ

سرحدی لوگ آدھے بربر اور آدھے اسپینی دوغلی نسل کے تھے، اُن کی حالت یہ تھی کہ جب لیون کے عیسائی اُن کو لوٹتے تھے تو امیر سے مدد کے خواستگار ہوتے تھے، خود اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ دشمن سے اپنے کو بچائے رکھیں، اور اُس کے ساتھ اِس قدر عقل بھی نہ تھی کہ امیر کے مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہتے۔ غرض ان سرحدی لوگوں نے لیون والوں سے شکست کھائی اور اِس طرح بھاگے کہ تمام لشکر کو بے ترتیب کر دیا۔

ابن ابی عبدہ نے یہ دیکھکر کہ لڑائی ہاتھ سے جاتی رہی میدان سے ہٹنا گوارا نہ کیا، بہت سے جاں نثار سپاہی اُس کے گرد جمع ہوگئے اور یہ سب اپنے سپہ سالار کے ساتھ عیسائیوں کی تلواروں سے کٹ کر جاں بحق ہوئے۔

عربی مورخوں کا بیان ہے کہ مسلمانوں کا لشکر میدان سے ہٹ کر صحیح سلامت اسلامی حدود کے اندر آگیا تھا، لیکن عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ شکست ایسی سخت ہوئی تھی کہ تمام جنگل، پہاڑ، اور میدان، دریائے دویرہ سے لے کر اتنیشہ تک مسلمانوں کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔

امیر عبدالرحمٰن ہمت ہارنے والا آدمی نہ تھا، فوراً اِس نقصان کی تلافی کا بندوبست کیا، مگر دوسرے سال عیسائیوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتا تھا کہ افریقہ میں چند مشکل معاملات کی طرف اُسے متوجہ ہونا پڑا۔

فاطمیین افریقیہ سے امیر عبدالرحمٰن کی کوئی لڑائی ابھی تک شروع نہیں ہوئی تھی، لیکن اُنھوں نے موریتانیہ[۱] کو فتح کرنے کا قصد کر لیا تھا، اگرچہ اُنھوں نے کوئی ایسی بات نہ کی تھی کہ امیر عبدالرحمٰن سے لڑائی چھڑ جاتی، لیکن عبدالرحمٰن سمجھ گیا کہ موریتانیہ کو تسخیر کرتے ہی فاطمیین اسپین پر بھی ہاتھ ڈالیں گے، اِس لیے موریتانیہ کی ریاستوں کی مدد کرنی اُس کا فرض ہے تاکہ فواطم اُن کو مغلوب نہ کرسکیں، اور موریتانیہ کا علاقہ افریقہ کے فاطمیوں اور اسپین کے مروانیوں کی سلطنتوں میں ایک دیوار کی مثل حائل رہے۔ مگر اس کام کے لیے اعلانِ جنگ کرنا

[۱] موریتانیہ سے مطلب موجودہ ملکِ مراکش مع ملکِ الجیریا کے نصف مغربی حصّے کے سمجھنا چاہیئے۔ مترجم

قبل از وقت اور خلافِ مصلحت ہوتا، کیونکہ ابھی ایک بغاوت اپنے ہی ملک میں فرو کرنی تھی، اور شمال کے عیسائیوں کا زور توڑنا بھی لازمی تھا، اِس صورت میں یہ درست نہ تھا کہ کہ فاطمیوں سے لڑائی چھیڑ کر اِس بات کا اندیشہ پیدا کرلیا جائے کہ ایک دن فاطمی اپنے جہازوں کے ذریعہ اسپین میں فوجیں لا اُتاریں، مناسب تدبیر یہی تھی کہ موریتانیہ میں جو والیانِ ریاست فاطمیوں کی دست برد سے اپنے کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے، اُن کو مدد پہنچائی جائے۔

اِس تدبیر پر عمل کرنے کا موقع اُس وقت آیا جبکہ ۳۰۵ھ ۹۱۷ء میں فاطمیوں نے موریتانیہ کی ریاست نکور[۱] پر حملہ کیا، نکور کا بادشاہ عربی نژاد تھا، اور نکور کے علاقے پر اُس کی حکومت افریقہ میں اسلامی فتوحات کی ابتدا سے چلی آتی تھی، اِس حکمراں خاندان کی اسلامی حمیت و غیرت مشہور تھی، اور جس زمانہ سے اِس خاندان کی دو شہزادیوں کو جنکے نام امۃ الرحمٰن اور خنولہ تھے اور جو واقف بن معتصم بن صالح کی بیٹیاں تھیں، نارمن قزاقوں کی قید سے روپیہ دے کر محمد بن الحکم امیرِ اسپین نے رہا کرایا تھا، اُس وقت سے شاہانِ نکور کے تعلقات سلاطینِ اسپین سے اور زیادہ ہوگئے تھے، اِسی خاندان کے ایک بزرگ جو بڑے فقیہہ تھے اور چار حج کرچکے تھے امیر عبداللہ کے زمانہ میں اسپین میں جہاد میں شریک ہونے کی غرض سے آئے تھے، لیکن جب ساحل اسپین پر اُترے تو عمر بن حفصون نے اُن کا کُل مال و اسباب لُوٹ لیا اور اُن کے نوکروں کو قتل کردیا، چنانچہ جب امیر عبداللہ کے پاس یہ پہنچے تو تنہا تھے، اُس کے بعد یہ ایک معرکہ میں جو دلیسم والی تدمیر کے مقابلہ میں ہوا مارے گئے، قصہ مختصر جس وقت موریتانیہ پر فاطمیوں نے فوجکشی کی تو نکور میں سعید ثانی اُس وقت بادشاہی کرتا تھا، فاطمیوں کے امیرِ لشکر نے جس وقت سعید کے پاس اطاعت

(۴۱۸)

[۱] نکور علاقہ ریف (مراکش) کا ایک شہر تھا۔ اِس ٹرس فور کاسس سے مغرب جنوب مغرب میں ۴۰ فرسخ کے فاصلے پر۔ اِس شہر کا نام بعد کو "مزمہ" رکھ دیا گیا۔
(کتاب "تحقیقات" مصنفہ ڈوزی مطبوعہ ۱۸۸۱ء جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)

قبول کرنے کا پیغام بھیجا تو سعید نے قطعی انکار کر دیا، اور اپنے ملک الشعرا احمس کے ذریعے سے جو اسپینی مسلمان تھا فاطمیوں کی توہین بھی کی۔ خلیفہ عبیداللہ المہدی کے پیغام کے ساتھ چند اشعار بھی لکھے ہوئے سعید کے پاس بھیجے گئے تھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اگر اہل نکور نے اطاعت قبول نہ کی تو وہ بالکل غارت اور تباہ کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ مطیع ہو گئے تو پھر عدل و انصاف اُن کے ملک میں قائم ہو جائیگا۔ اِن اشعار کا جواب نکور کے ملک الشعرا احمس طلیطلی نے مندرجہ ذیل اشعار میں دیا:-

"خانہ کعبہ کی قسم تو جھوٹ بولتا ہے، تو جانتا بھی نہیں کہ عدل و انصاف کسے کہتے ہیں، ابتدائے آفرینش سے تا ایں دم راستی اور نیکی کا کوئی کلمہ کبھی تیری زبان سے نکلا ہی نہیں۔ تو مکّار ہے اور کافر ہے۔ تیری ہدایت اور تلقین بیوقوفوں کے لیے ہے، شریعت جس کے محکوم ہمارے تمام اعمال ہونے چاہئیں اُسے تُو نے توڑ دیا ہے، ہماری خواہشوں میں جو چیز سب سے اعلیٰ اور افضل ہے وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے، مگر تیرا دل ایسی چیزوں پر جما ہے جو قبیح اور مذموم ہیں۔"

عبیداللہ المہدی کو[۵۱] اِن اشعار پر ایسا غصہ آیا کہ فوراً حاکم تاہرت مصالہ کو نکور پر حملہ کرنے کا حکم بھیجدیا۔ یہاں کا بادشاہ سعید بڈھا آدمی تھا، نکور کی شہر پناہ نہ تھی کہ اسمیں دشمن سے پناہ لیتا، مجبوراً فوج لے کر دشمن کے مقابلہ کو نکلا۔ تین دن تک کامیابی کے ساتھ دشمن کو روکے رکھا۔ لیکن آخر کار خود اُس کے ایک فوجی افسر نے اُسے دھوکا دیا، اور سعید مع اپنی سپاہ کے میدانِ کارزار میں مارا گیا، یہ واقعہ ۳۰۵ھ ۹۱۷ء کا ہے۔

سعید کے مارے جانے پر مصالہ حاکم تاہرت نکور میں داخل ہوا، شہر کے مَردوں کو قتل کیا، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا۔

سعید کے تین بیٹے تھے، باپ نے لڑائی سے پہلے ہی اُن کو ہوشیار کر دیا تھا، چنانچہ

---

[۵۱] دیکھو اسی تصنیف کی کتاب ثانی۔ فصل ۱۷

یہ تینوں بھائی جہاز پر سوار ہو اسپین کے ساحل پر مالقہ کے شہر میں صحیح سلامت جا اُترے، امیر عبدالرحمن کو خبر ہوئی تو عمالِ مالقہ کو حکم بھیجا کہ شہزادوں کی مہمانداری بہت تپاک سے کیجائے اور ایک خط شہزادوں کو اس مضمون کا لکھا کہ "اگر آپ کی مرضی ہو تو ملاقات کے لیے قرطبہ تشریف لائیں، اور اگر مالقہ ہی میں قیام کرنا پسند کرتے ہیں تو وہیں قیام کریں۔" شہزادوں نے جواب دیا کہ "ہم ایسے مقام پر رہنا پسند کرتے ہیں جو ہماری ریاست سے جہاں اسوقت ہنگامہ برپا ہے نزدیک ہو، کیونکہ ہمیں جلد وطن واپس جانے کی امید ہے۔" چنانچہ اُن کی یہ اُمید پُوری ہوئی، نکور فتح کرنے کے بعد معالہ چھ مہینے تک وہیں مقیم رہا، اس کے بعد کِتامہ کے ایک سردار کو جس کا نام ذلول تھا نکور کا حاکم بنا کر خود تاہرت واپس چلا گیا۔ ذلول کے پاس فوج کم تھی، نکور کے چند ہوا خواہ شہزادوں کو مالقہ میں ایک ایک بات کی خبر پہنچاتے رہے، شہزادوں نے جہازوں کا بند وبست کیا اور مالقہ سے نکور روانہ ہوگئے، اور آپس میں یہ طے کیا کہ جو بھائی نکور میں پہلے پہنچے وہی تخت کا مالک ہو۔ چنانچہ سب سے چھوٹا بھائی صالح سب سے پہلے ساحلِ نکور پر پہنچا، ساحل کے بربر قبیلے صالح کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور فوراً اُسے اپنا امیر مان لیا۔

(۹۱۹)

اب صالح نے ان بربر قبائل کی مدد سے نکور پر حملہ کیا، ذلول اور اُس کی فوج کو جو نکور میں تھی قتل کر دیا۔

صالح جب ریاست کا مالک ہوگیا تو اُس نے امیر عبدالرحمن کو خط لکھا، اور اُس کی مہمان نوازی کا شکریہ لکھ کر نکور پر پھر قبضہ پانے کا مژدہ سُنایا، اِس کے ساتھ ہی صالح نے اپنی کُل ریاست میں اِس امر کا اعلان کر دیا کہ یہ ریاست امیر عبدالرحمن کو اپنا سرپرست اور بادشاہ تسلیم کرتی ہے، عبدالرحمن نے اِس کے جواب میں صالح کو بہت سے خیمے اور علَم اور ہتھیار بھیجے۔

نکور کے معاملات کی وجہ سے اگر امیر عبدالرحمن اردون بادشاہ لیون سے ابن ابی عبدہ کی موت اور اُس کی سپاہ کا بدلہ لینا بھول بھی جاتا تو بھی شمال کے عیسائی ایسے نہ تھے کہ اُسکو اپنی طرف متوجہ نہ کر لیتے۔ ۳۰۵ھ ۹۱۸ء کی فصلِ ربیع میں اردون بادشاہ لیون نے اپنے

دوست شانجہ رئیس نبرہ کے ساتھ ہوکر ناجرہ اور تطیلہ کے نواح میں ڈاکے مارنے شروع کیے اور پھر بقیرہ کے مضافات پر قبضہ کرکے اُس کے قلعے کی عالیشان مسجد کو جلا دیا، عبدالرحمٰن نے سنتے ہی اپنے حاجب بدر کو ایک لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ کیا، اور سرحدی علاقوں میں فرمان بھیجا کہ وہاں کے لوگ ایک مرتبہ اور شاہی لشکر کے ساتھ ہوکر لڑیں، تاکہ جو نقصان گذشتہ سال ہوا ہے اُس کی تلافی ہو جائے۔

یہ لشکر قرطبہ سے ۷ر جولائی ۹۱۸ء (۲۴ر محرم ۳۰۵ھ) کو روانہ ہوا، لیون کی عملداری میں قدم رکھتے ہی عیسائی فوجوں نے قرطبہ کی فوجوں پر سخت حملہ کیا، اِن عیسائیوں نے پہاڑوں میں اپنا ایک حصار قائم کر لیا تھا، ۱۳ر اور ۱۵ر اگست ۹۱۸ء (۲ر اور ۴ر ربیع الاول ۳۰۵ھ) کو متونیا کے مقام پر دو مرتبہ سخت لڑائی ہوئی، دونوں میں عیسائیوں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

یہ شکستیں عیسائیوں کو ایسی زبردست ہوئیں کہ خود عیسائیوں کے مورخ اِس بات کے مقر ہیں کہ عیسائی اپنے دِل کو صبر و تسکین دینے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے وہ اقوال یاد کرنے لگے جو آپ نے لڑائیوں کے غیر متیقن نتائج کی نسبت فرمائے تھے۔

امیر عبدالرحمٰن نے اِن لڑائیوں کو فتح کرکے ابنِ ابی عبدہ والی شکست کا بدلہ نِکال لیا، مگر یہ سمجھ کر کہ ابھی لیون والے اچھی طرح سیدھے نہیں ہوئے ہیں، اور اِس شوق میں کہ جو سرخروئی اپنے افسرانِ فوج کو کفار سے لڑکر حاصل ہوئی ہے وہی خود بھی حاصل کی جائے جون ۹۲۰ء (محرم ۳۰۸ھ) میں امیر عبدالرحمٰن نے بنفسِ نفیس اپنی فوج کی سپہ سالاری اختیار کی، قلعہ وشمہ کو ایک تدبیر سے فتح کیا، اِس قلعے کے حاکم نے اِس شرط پر کہ اُس کے قلعے کو صحیح سلامت چھوڑ دیا جائے امیر عبدالرحمٰن سے بہت سے وعدے وعید کر لیے، امیر نے اِس عیسائی حاکم کی بزدلی سے نفع اُٹھایا، اور یہ ظاہر کرکے کہ اُس کی درخواست منظور کی گئی، مدینہ سالم کے راستے دریائے ابرہ کا رُخ کیا، لیکن راستے ہی سے لشکر کو بائیں ہاتھ مڑنے کا حکم دے کر دریائے دویرہ کے کنارے کنارے چلا، اور ایک دستہ سواروں کا وشمہ کے مضافات کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے پہلے سے روانہ کر دیا، وشمہ کے لوگ غافِل تھے،

سواروں کے رسالے کو دیکھ کر ایسے بدحواس ہوئے کہ فوج کے کل سپاہی قلعہ چھوڑ کر بھاگتے ہوئے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اب مسلمانوں نے قلعہ وشمہ کو بلاکشت وخون فتح کر کے اس میں آگ لگادی۔

وشمہ کے بعد شاہی فوج شنت اشتیابان غرناج کے قلعے کی طرف بڑھی۔ فوج جب قلعے تک پہنچی تو اسے خالی پایا، قلعہ والے پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کو اور اس کے پاس کے ایک قلعہ کو جسکا نام القبیلہ تھا منہدم کر دیا، اس کے بعد لشکر شاہی قلنہ کی طرف بڑھا، یہ بڑا پرانا شہر تھا جس کے ویرانے ابھی تک باقی ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ لیون کے لوگوں نے قصد کر لیا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کسی مقام پر بھی نہ کریں گے۔ کیونکہ مسلمان جب قلنہ میں پہنچے تو یہ بھی خالی تھا، شاہی فوج والوں نے اس شہر کے اکثر گرجا اور مکانات مسمار کر دیے۔

شانجہ رئیس نبرہ کی لوٹ مار سے تطیلہ کے لوگوں نے تنگ آکر امیر سے درخواست کی، امیر نے شانجہ کی سرکوبی کے لیے اپنا لشکر نبرہ کی طرف بڑھایا۔ لشکر سے چھوٹی چھوٹی منزلیں طے کرائیں تاکہ وہ تھکنے نہیں، قلنہ سے پانچ دن کے سفر میں شاہی لشکر تطیلہ پہنچ گیا، شاہی سواروں کا ایک رسالہ حاکم تطیلہ محمد بن لب کے تحت میں تھا، عبدالرحمٰن نے محمد بن لب کو قلعہ قرقر (یا کرکر) پر حملہ کرنے کا حکم دیا، یہ قلعہ رئیس نبرہ شانجہ نے تطیلہ کے لوگوں کو ہر وقت خوف میں رکھنے کے لیے تعمیر کرایا تھا، محمد بن لب کا رسالہ جس وقت قلعہ میں پہنچا تو اسے خالی پایا، اسی طرح جب قلعہ کرکر سے بڑھ کر قلہرہ میں لشکر پہنچا جہاں شانجہ اس وقت تھا، تو وہ بھی خالی نظر آیا، شانجہ اسلامی فوج کے آنے کی خبر سنتے ہی قلہرہ سے بھاگ کر ارنیط چلا گیا تھا۔

بہرکیف جب مسلمانوں نے دریائے ابرہ کو عبور کر لیا تو شانجہ نے مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش پر حملہ کیا، لڑائی زور شور سے شروع ہو گئی اور مسلمانوں نے دکھا دیا کہ خالی قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرنے کے علاوہ بھی وہ کچھ کام کرنا جانتے ہیں، چنانچہ اس موقع پر انہوں نے عیسائیوں کو نہایت سخت شکست دی، اور ان کو میدانوں سے بھگا کر پہاڑوں

کی طرف ہانک دیا۔

شکست کھا کر اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تنہا لڑنے سے ہمت ہار کر شانجہ نے اردون سے مدد چاہی، اردون مدد پر تیار ہوا، اور اب دونوں نے شاہی لشکر کے آگے یا پیچھے کے حصے پر جیسا موقع ہوا حملہ کرنا چاہا، اس عرصہ میں اُن عیسائیوں نے جو ابھی تک پہاڑوں میں تھے، یہ کیا کہ شاہی لشکر جب گھاٹیوں اور دروں میں سے گذرنے لگا، تو نقصان پہنچانے کے لیے اُس کے دائیں بائیں ہو لیے، اور جب خود بلندی پر ہوئے اور مسلمانوں کی فوج پہاڑوں کے نیچے ہوئی تو پتھر لُڑکا لُڑکا کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچانے لگے، کبھی مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے نہایت شدت سے شوروغل مچاتے تھے۔

(۹۲۱) اسلامی فوج اس وقت فی الحقیقت بہت خطرے کی حالت میں تھی، اس وقت اُسکو اُن پہاڑی عیسائیوں سے واسطہ پڑا تھا جن کے بزرگوں نے بادشاہ افرنجہ قرلہ کی فوجوں کو انہی پہاڑوں میں دَرّہ شاذر سے گذرتے وقت غارت کر دیا تھا، اپنے بزرگوں کی غارت گری ان پہاڑی قوموں کو یاد تھی، اور اب وہ امیر عبدالرحمٰن کی فوجوں کا بھی وہی درجہ کرنا چاہتے تھے جو اُن کے بزرگوں نے قرلہ کی فوجوں کا کیا تھا، امیر عبدالرحمٰن اس خطرہ کو خوب سمجھ رہا تھا، چنانچہ ایک کشادہ گھاٹی جب راہ میں آئی جسے نصلوں کی گھاٹی[۱] (وادی قصب یا المقصبہ) کہتے تھے تو وہاں کُل لشکر کو قیام کا حکم دیدیا۔

اب عیسائیوں سے ایک بڑی غلطی ہوئی، پہاڑوں اور پہاڑیوں پر سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی جگہ اب وہ میدان میں اُتر آئے اور جب مسلمانوں نے لڑنا چاہا، تو بجائے ہٹ جانے کے لڑائی پر مستعد ہو گئے۔

اس حماقت وجسارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اُن کو نہایت ہولناک شکست دی، عیسائی میدان سے بے تحاشا بھاگے، مسلمانوں نے اِن بھاگتے ہوئے عیسائیونکا غروب آفتاب تک پیچھا کیا، اور اُن کے بڑے بڑے فوجی سرداروں کو گرفتار کر لیا،

[۱] یہ مقام اسپین میں مویز اور سالیناس دی اورو کے درمیان واقع ہے۔

ان میں دو اسقف (بشپ پادری) بھی تھے، ایک کا نام ہرموجیوس، اور دوسرے کا نام دلکی دیوس تھا، ایک شہر توئی کا اور دوسرا ظلمنکہ کا رہنے والا تھا، یہ دونوں آدمی اُس زمانہ کے دستور کے مطابق باوجود پادری ہونے کے مسلح ہوکر لڑائی میں شریک تھے، اس زبردست شکست میں تقریباً ایک ہزار عیسائیوں نے میدان سے فرار ہوکر قلعہ مویز میں پناہ لی، امیر عبد الرحمن نے اِس قلعہ کا محاصرہ کرلیا، اور اُس پر قبضہ حاصل کرکے جس قدر آدمی اِس قلعہ کو مسلمانوں سے بچا رہے تھے اُنہیں قتل کردیا۔

اب مسلمان نبرہ کے علاقے پر مسلط ہوگئے، اور عیسائیوں کے ایسے قلعوں کو جن میں تاب مقابلہ نہ تھی مسمار کردیا، اور اِس بات پر فخر کرنے لگے کہ دس میل کے دَور میں جو کچھ اُنھوں نے پایا اُسے جلا کر خاک کردیا، غنیمت کا مال بہت ملا، بالخصوص غلّہ، یہ اِس کثرت سے ہاتھ آیا کہ سپاہیوں کے ہاتھ برائے نام قیمت پر فروخت ہوا، اور جو بچا اور اُس کے لیجانے کا بندوبست نہ ہوسکا، وہ جلا دیا گیا۔

مظفر اور منصور امیر عبد الرحمن نے ۸ ستمبر ۹۲۰ء (۲۰ ربیع الآخر ۳۰۸ھ) کو لشکر کو واپسی کا حکم دیا، جب لشکر کوچ کرتا ہوا اتنیشہ میں پہنچا (جو مدینہ سالم سے مغرب کی سمت میں کچھ فاصلہ سے تھا) تو سرحدی فوجوں کو جنھوں نے زسلوں والی گھاٹی (المقصبہ) کی لڑائی میں بڑے بڑے کام کیے تھے بہت سا انعام واکرام دیکر اُن کی چھاونیوں کو واپس کردیا، ۲۴ ستمبر ۹۲۰ء (۷ جمادی الاول ۳۰۸ھ) کو امیر عبد الرحمن قرطبہ میں داخل ہوا، کُل تین ماہ دار الحکومت سے باہر رہا۔

عبد الرحمن کو اب یہ امید ہوسکتی تھی کہ اتنی لڑائیوں اور فتوحات کے بعد عیسائیوں کو اسلامی عملداری میں پھر ڈاکے ڈالنے کی جرأت نہ ہوگی۔ لیکن مقابلہ ایسے دشمنوں سے تھا جو آسانی سے ہمت نہ ہارتے تھے، چنانچہ ۳۰۹ھ / ۹۲۱ء میں رئیس لیون اردون نے اسلامی علاقوں پر پھر فوجکشی کی، اگر ایک عیسائی مورخ کی تحریر کو باور کیا جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ اردون اسلامی علاقے میں اِس قدر اندر پہنچ گیا تھا کہ قرطبہ وہاں سے ایک دن کی راہ پر تھا، لیکن اِس عیسائی مورخ نے اپنے ہموطن عیسائیوں کی کامیابیوں میں ہمیشہ مبالغہ

(۴۲۲)

کیا ہے ، بہرکیف اس کے دو برس بعد یعنی ۳۱۱ھ ۹۲۳ء میں اردون نے شہر ناجرہ پر قبضہ کرلیا اور اس کا دوست شانجہ رئیس نبرہ بقیرہ کے شہر پر مسلط ہوگیا۔

بقیرہ پر جب عیسائیوں نے قبضہ کرلیا تو اسلامی اسپین میں ہلچل پڑگئی ، کیونکہ بیان ہوا ہے کہ جن جن مسلمانوں نے اس شہر کو بچانے کی کوشش کی تھی اُن سب کو عیسائیوں نے قتل کردیا ، ان لوگوں میں بڑے بڑے عالی نسب خاندانوں کے مسلمان تھے ، یہ قتل ایسا تھا کہ اگر عبدالرحمٰن عیسائیوں سے اس کا انتقام نہ بھی لینا چاہتا تو بھی رائے عامہ انتقام لینے پر مجبور کرتی ، مگر عبدالرحمٰن کو اس کی ضرورت نہ تھی ، بقیرہ کے واقعات پر اُس کو اتنا غصہ آیا کہ لڑائی کے موسم کا بھی انتظار نہ کیا - اپریل ۹۲۴ء (محرم ۳۱۲ھ) کو وہ اپنا لشکر لیے قرطبہ سے نکلا تاکہ بقول ایک مسلمان مورخ کے " خدا اور خدا کے دین کا اس خبیث قوم کفار سے بدلہ لے " ۱۰ر جولائی ۹۲۴ء (۴ر ربیع الآخر ۳۱۲ھ) کو امیر عبدالرحمٰن ریاست نبرہ میں پہنچ گیا۔

عبدالرحمٰن کے نام سے اب عیسائیوں پر ایسا خوف غالب ہوا کہ اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اُنہوں نے اپنے قلعے خالی کردیے - کرکر ، بیراللہ ، فالکس ، کرکتیلو کے قلعوں سے امیر کا گذر ہوا ، ہر مقام کو لوٹتا اور آگ لگاتا ہوا دارالریاست نبرہ یعنی شہر بنبلونہ کے قصد سے ملک میں گھس پڑا ، شانجہ رئیس نبرہ نے شاہی فوج کو پہاڑی دروں میں روکنا چاہا لیکن ہر موقع پر شکست کھائی اور نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور عبدالرحمٰن بنبلونہ پہنچ گیا یہاں دیکھا تو شہر خالی پڑا تھا ، مسلمانوں نے شہر کے بہت سے مکانات اور شہر کے بڑے گرجا کو گرا دیا ، اس گرجا میں عیسائی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔

اس گرجا کو گرانے کے بعد امیر نے ایک اور گرجا کے مسمار کرنے کا حکم دیا ، عیسائی اس گرجا کی بہت تعظیم کرتے تھے ، شانجہ نے زر کثیر صرف کرکے ایک پہاڑی پر اسے تعمیر کرایا تھا ، گرجا کے بچانے میں شانجہ نے بہت کوشش کی ، مگر سب کوششیں فضول ثابت ہوئیں ، ملک کو بچانے کی بھی جس قدر کوششیں عیسائیوں نے کیں اُن کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا ، قشتالہ سے (جس کا دارالحکومت برغش تھا) فوجی کمک عیسائیوں کے پاس

پہنچی، دو مرتبہ عیسائی فوجوں نے مل کر شاہی لشکر پر حملہ کیا۔ لیکن ہر مرتبہ شکست کھائی اور نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔

بنبلونہ کی اس لڑائی میں مسلمان بہت کم ضائع ہوئے، اور اب شانجہ رئیس نبرہ کو جو بہت مغرور تھا امیر عبدالرحمٰن کے سامنے گردن جھکانی پڑی، اور آئندہ ایک مدت کے لیے وہ اس قابل نہ رہا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتا۔

ریاست لیون کی طرف سے بھی عبدالرحمٰن کو اب کچھ اندیشہ نہ تھا، کیونکہ جنگِ بنبلونہ سے پہلے ہی اُس کا رئیس اردون ثانی مرچکا تھا، اُس کا جانشین یعنی اُس کا بھائی فرویلہ ثانی بھی ایک سال حکومت کرکے مرگیا، اُس کی زندگی کا بڑا کام فقط یہی تھا کہ شانجہ بادشاہِ نبرہ کو (۴۲۳) کچھ فوج مدد کے لیے بھیج سکا تھا، فرویلہ کے مرنے پر اُس کے متوفی بھائی اردون ثانی کے دونوں بیٹوں شانجہ اور ادفونش میں تخت کے لیے نزاع پیدا ہوا، رئیس نبرہ شانجہ نے ادفونش کی مدد کی، کیونکہ ادفونش اُس کا داماد تھا، غرض نبرہ کی مدد سے شروع میں ادفونش لیون کا رئیس ہوگیا، لیکن اُس کے بھائی شانجہ کے دل میں غبار رہا، اور ریاست حاصل کرنے کی ہمت کبھی نہ ہاری، فوراً ایک لشکر مرتب کرکے علاقہ جلیقیہ کے شہر شنت یاقب میں پہنچا اور وہاں تاجِ شاہی اپنے سر پر رکھا، پھر فوجکشی کرکے لیون کے شہر کا محاصرہ کرلیا، اور شہر پر تصرف کرکے اپنے بھائی ادفونش کے قبضے سے حکومت نکال لی، اِس کے دو برس بعد ۳۱۶ھ / ۹۲۸ء میں ادفونش نے (جو اپنے خاندان میں اسی نام کا چوتھا رئیس تھا) اپنے بھائی شانجہ کو لیون سے بے دخل کردیا، اِس میں اہلِ لیون نے اُس کی مدد کی تھی۔ اگرچہ لیون اس وقت شانجہ کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، مگر جلیقیہ پر اُس نے اپنا قبضہ قائم رکھا۔

شمال کے اِن والیانِ ریاست کی خانہ جنگیوں سے عبدالرحمٰن نے کچھ بحث نہ رکھی، اس وقت عیسائیوں میں لڑائیاں شروع ہوجانے سے عبدالرحمٰن کو موقع مل گیا کہ اپنی قلمرو میں جہاں جہاں بغاوت کی آگ ابتک موجود تھی اُسے ٹھنڈا کردے۔

چونکہ امیر عبدالرحمٰن اب اپنی سب مرادوں کو پہنچ چکا تھا، اس لیے اُس نے ایک بڑا اونچا درجہ اپنے لیے حاصل کرنا چاہا، اسپین کے اُموی بادشاہوں نے اپنے لیے

ملک یا امیر یا ابن الخلفار کا لقب کافی سمجھا تھا، خلیفہ کا معزز لقب اُن کے نزدیک اُنہی
تاجداروں کو شایاں تھا جو محافظ حرمین[1] تھے، اور یہ محافظ خلفائے عباسیہ تھے جو بنی امیہ کے
جانی دشمن چلے آتے تھے، مگر اس وقت تک اسپین کے اُموی بادشاہوں نے یہ ممتاز لقب
اپنے دشمنوں کے لیے چھوڑ رکھا تھا، لیکن عباسی خلفار اب حاجبوں اور وزیروں کے ہاتھ میں
کٹھ پتلی بن کر رہ گئے تھے، اور اُن کی حکومت اور اختیارات شہر بغداد کی حدود سے باہر
نہ رہے تھے، شہروں اور صوبوں کے حاکم ہر جگہ خود مختار ہو گئے تھے، اِن وجوہ سے اب کوئی
چیز امیر عبدالرحمٰن اُموی کو خلیفہ کا لقب اختیار کرنے میں مانع نہ رہی تھی، امیر عبدالرحمٰن کی
رعایا بالخصوص افریقی قبائل اس لقب کو بہت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے، غرض
امیر عبدالرحمٰن نے ۱۶ر جنوری ۹۲۹ء (۲۳ر ذی قعدہ ۳۱۶ھ) یوم جمعہ کو حکم دیا کہ تمام خطبوں
اور سرکاری کاغذات میں آس کا نام "امیر المومنین حامئ دین عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ"
پڑھا اور لکھا جایا کرے۔

اسی زمانہ میں امیر عبدالرحمٰن یعنی خلیفہ ناصر کو افریقہ کی طرف توجہ کرنی پڑی، بربر کے
قبیلہ مغزاوہ کے سردار محمد بن خزر سے مراسم دوستی پیدا ہوئے، ابن خزر نے فاطمیوں کی
فوجوں کو شکست دیکر اُن کے سردار مصالہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے فاطمیوں کو مغرب اوسط
سے بے دخل کر دیا تھا (مغرب اوسط کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ آجکل کے علاقہ الجیریا اور اوران سے
مطابق ہوتا تھا) ابن خزر نے مغرب اوسط کے باشندوں کو مجبور کیا کہ وہ خلیفہ عبدالرحمٰن
الناصر لدین اللہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں، قبیلہ مکناسہ کے بہادر سردار ابن ابی العافیہ کو بھی
فاطمیوں سے توڑ لینے میں خلیفہ ناصر کو کامیابی ہوئی، ابن ابی العافیہ اس وقت فاطمیوں کا
بڑا مددگار اور دست و بازو بنا ہوا تھا، ساحل افریقہ کے کسی قلعے پر خلیفہ ناصر کو قبضہ رکھنا
ضروری تھا، اس کے لیے قلعہ سبتہ تجویز ہوا، ناصر نے اسے پسند کیا، اور وہ ۳۱۹ھ / ۹۳۱ء
میں اُسے تفویض کر دیا گیا۔

(۳۲۴ھ)

---

[1] ابن خردادذبہ، اکسفورڈ کا قلمی نسخہ، ص ۹۰۔

اِس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ شمالی اسپین کے عیسائی گویا اِس بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ خلیفہ ناصر کو افریقہ کے معاملات میں مصروف رہنے کی بے تکلف مہلت حاصل رہے۔ عیسائیوں کی خانہ جنگی کے سلسلہ میں اُن کی اخیر لڑائی ۳۱۷ھ ۹۲۹ء میں ختم ہوگئی تھی، ۳۱۹ھ ۹۳۱ء میں ایک نئی جنگ شروع ہوئی، اِس سال اذفونش (چہارم) نے اپنی بیوی کے مرنے کا نہایت رنج والم کیا، حتیٰ کہ تخت وتاج اپنے بھائی رومیر (ثانی) کو دیکر خود سہاجون کی مسیحی خانقاہ میں تارک الدنیا ہوکر جا بیٹھا، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اِس رہبانیت سے ایسا بیزار ہوا کہ خانقاہ سے نکل علاقہ شنت مانکش میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کردیا۔ پادریوں کی نظر میں تارک الدنیا ہونے کے بعد پھر دنیا کا آدمی بننا بہت بڑا گناہ تھا اور اِس میں مذہب کی بھی توہین ہوتی تھی، اِس لیے اُنہوں نے اذفونش کو ڈرایا کہ اگر وہ پھر خانقاہ میں واپس نہ آیا تو مرنے کے بعد دوزخ کا کندہ بننا پڑیگا، مجبوراً اذفونش نے پادریوں کی نصیحت پر عمل کیا، لیکن چونکہ طبیعت کا کمزور اور مزاج میں تلون رکھتا تھا، اِس لیے دُنیا چھوڑنے کا اُسے افسوس ہوا، اور رہبانیت کے حلقے سے نکل کر پھر دُنیا دار ہوگیا، اور یہ دیکھ کر کہ اُس کا بھائی رومیر (ثانی) لیون سے طلیطلہ والوں کی مدد کے لیے گیا ہوا ہے (کیونکہ اِس زمانہ میں امیر عبدالرحمٰن نے طلیطلہ کا محاصرہ کر رکھا تھا) اذفونش نے لیون پر قبضہ کرلیا، رومیر یہ سنتے ہی طلیطلہ سے بھاگا ہوا لیون آیا، بھائی کو شہر پر مسلط پاکر شہر کا محاصرہ کرلیا اور بالآخر اذفونش سے شہر چھین لیا، اور اِس خیال سے کہ بھائی پھر تاج وتخت کا مدعی نہ ہو اذفونش کو اندھا کرا دیا، اور اپنے چچا یعنی فردیلہ ثانی کے بیٹوں کی آنکھوں میں بھی سلائیاں پھروا دیں، کیونکہ اُنہوں نے بغاوت میں اذفونش کا ساتھ دیا تھا۔[۵۱]

عیسائیوں کی ریاستوں میں جو تبدیلیاں ہورہی تھیں خلیفہ ناصر نے اُنہیں جلد معلوم کرلیا اب وہ زمانہ نہ رہا تھا کہ لیون کی ریاست کو بے حقیقت سمجھا جاتا، بہادر اور جنگجو رومیر رئیسِ لیون مسلمانوں کا دشمن بلکہ اُن کے خون کا پیاسا تھا، تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی طلیطلہ والوں کی

---

۵۱ اندھا کرا دینے کی غرض یہ تھی کہ تخت نہ بل سکے۔

مدد کی، طلیطلہ کے سوا تمام ملک میں کہیں کوئی جمہوری طرزِ حکومت کی ریاست نہ تھی، یہ ریاست اب تک لیون کی محافظ اور دوست رہی تھی، اور صرف اُسی میں اتنا دم تھا کہ ناصر کی فوجوں کا مقابلہ کرتی رہی تھی۔ رومیر لشکر لے کر اہلِ طلیطلہ کی مدد کے لیے طلیطلہ پہنچا تھا، راستہ میں مجریط کے شہر کو فتح بھی کیا لیکن طلیطلہ کو خلیفہ ناصر کی فتح سے نہ بچا سکا۔ شاہی فوج نے جو اِس شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھی، جس وقت رومیر کے لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تو اپنی ایک فوج کو اُس کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھایا، اور رومیر کے لشکر کو جدھر سے وہ آیا تھا شکست دیکر اُسی طرف بھگا دیا، طلیطلہ بدستور محاصرہ کی حالت میں رہا، آخر کار جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں طلیطلہ کے لوگوں نے مایوس ہو کر خلیفہ ناصر کی اطاعت قبول کر لی۔[۹۱]

۳۲۱ھ / ۹۳۳ء میں رومیر کی قسمت اتنی بُری نہیں رہی جیسی کہ طلیطلہ کی امداد کے وقت رہی تھی، فرنان گانز ولز (جسے عرب فردلند توس لکھتے ہیں) قشتالہ کے عیسائی حاکم سے سُن کر کہ مسلمان وشمہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، رومیر فوج لے کر وشمہ کی طرف چلا، اور مسلمانوں کو وہاں شکست دی، خلیفہ ناصر نے دوسرے ہی برس یعنی ۳۲۲ھ / ۹۳۴ء میں رومیر سے اِس کا انتقام لیا، اور وشمہ کے میدانوں کو بتا دیا کہ جہاں سے مسلمانوں کو ہٹتے دیکھا تھا وہاں اُنہیں فتح کرتے ہوئے بھی دیکھیں، رومیر اِس موقع پر پہاڑوں سے باہر نہ نکلا، خلیفہ ناصر نے بہت کوشش کی کہ وہ میدان میں مقابلہ پر آئے مگر کھلے میدان میں لڑنا رومیر نے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا، اب خلیفہ ناصر نے وشمہ میں کچھ فوج اِس قلعے کے محاصرہ پر چھوڑ کر شمال کی طرف بڑھنا شروع کیا، ناصر کی فوج نے اِس کوچ میں بڑے بڑے ظلم کیے، خاصکر افریقی فوجوں نے، جو دارالحرب میں پہنچکر کسی پر رحم کرنا نہ جانتی تھیں، برغش کے قریب اُنہوں نے سینٹ پیڈرو کے راہبوں کو جن کی تعداد دو سو تھی قتل کر دیا، برغش کے شہر کو جو قشتالہ کا دارالریاست تھا مسمار کر دیا، اور یہی درجہ یہاں کے اور بہت سے قلعوں کا کیا۔

زیادہ زمانہ نہ گذرنے پایا تھا کہ شمالی علاقوں میں معاملات نے ایک دوسری ہی خطرناک

(۴۲۵)

[۹۱] دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۳۹۷

صورت اختیار کی، وہ یہ کہ خلیفہ ناصر کے خلاف ایک زبردست سازش کی گئی، اس سازش کا بانی اور اُس کو فروغ دینے والا محمد بن ہاشم تجیبی تھا۔

بنی ہاشم فتوحاتِ طارق کے زمانہ سے علاقہ ارغون میں جسکا صدر مقام سرقسطہ سمجھنا چاہیئے آباد چلے آتے تھے، ان لوگوں نے بڑی بڑی خدمات امیر محمد بن حکم کے زمانہ میں کی تھیں، جبکہ اسپینی مسلمانوں کے خاندان بنی قسی ۵ کو ارغون کے علاقے میں بہت زور حاصل ہو چلا تھا، اب چالیس برس سے بنی ہاشم کے خاندان میں شمال کے سرحدی اضلاع کی گورنری نسلاً بعد نسلٍ قائم چلی آتی تھی، عرب کے شریف اور نجیب خاندانوں میں صرف یہی ایک خاندان تھا جسے خلیفہ ناصر نے حکومت کے مدارجِ اعلیٰ پر برقرار رکھا تھا، باقی عربی خاندانوں کو سابقہ حکومت و ریاست سے بے دخل کر دیا تھا،

محمد بن ہاشم خلیفہ ناصر کا خیر خواہ نہ رہا تھا، یا تو اس وجہ سے کہ عربی خاندانوں کی جو بے وقعتی خلیفہ نے کی تھی اُس کا بدلہ لینا چاہتا تھا، یا یہ خیال دل میں جما لیا تھا کہ ناصر کا سلوک اُس کے ساتھ محض اس بنا پر ہے کہ ناصر اُس سے ڈرتا ہے، یا خیر خواہ نہ رہنے کا یہ سبب ہو کہ خود تاج و تخت پانے اور اپنی اولاد میں سلطنت چھوڑ جانے کے خواب و خیال میں رہتا ہو بہرکیف جو کچھ بھی خیال ہو وہ خلیفہ ناصر کا بدخواہ ہوگیا، اور لیون کے عیسائی بادشاہ رومیر سے مراسم دوستی پیدا کیے، اور اُس سے وعدہ کیا کہ اگر خلیفہ ناصر کے خلاف وہ اُس کی مدد کریگا تو محمد بن ہاشم رومیر کو اپنا بادشاہ تسلیم کریگا۔

رومیر نے یہ نامہ و پیام بہت ہی توجہ سے سُنے، نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۲۱ھ / ۹۳۴ء میں محمد بن ہاشم نے تختِ قرطبہ سے بغاوت کا اظہار اس طور پر کیا کہ جب ناصر نے اُسے حکم بھیجا کہ اسلامی لشکر میں اپنی فوج لے کر شامل ہو، تو اُس نے اس حکم کو نہ مانا، اس واقعہ کے تین سال بعد اُس نے

---

۵ یہ ایک بہت پرانا نسیقوط کا خاندان تھا، جس نے ابتدائی فتوحاتِ عرب کے زمانہ میں عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، بنی تجیب سے اس خاندان کی لڑائیوں کا حال پروفیسر ڈوزی نے اپنی کتاب "تحقیقات" (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) کی جلد اول صفحہ ۲۱۱ پر بیان کیا ہے۔

رومیر کو اپنا بادشاہ اور سرپرست تسلیم کرلیا، ابنِ ہاشم کے تحت میں سرحدی فوجوں کے مسلمان سرداروں میں سے بعض نے اس کا ساتھ نہ دیا اور علیحدہ ہو گئے۔

رومیر نے کئی قلعے ناصر کے قبضہ سے نکال کر ابنِ ہاشم کے سپرد کردیے، اس کے بعد رومیر اور ابنِ ہاشم نے خلیفہ ناصر کے خلاف بادشاہِ نبرہ سے اتحاد پیدا کیا، نبرہ کا بادشاہ اس وقت نوجوان غرسیہ تھا، جو اپنی ماں ملکہ طوطہ بیوۂ شانجہ کی سرپرستی میں حکومت کرتا تھا۔ (۲۶۱)

غرض شمالی اضلاع نے خلیفہ ناصر کے خلاف سخت سازش کرلی، اور جن خطروں کو ناصر رفع کرچکا تھا اب پھر وہی درپیش ہو گئے۔ مگر ناصر اُسی دبدبے اور شان سے جو وہ ہمیشہ سے رکھتا تھا اِس خطرے کو بھی دُور کرنے اُٹھا۔

سنہ ۳۲۴ھ / ۹۳۷ء میں ایک لشکرِ جرار لے کر خلیفہ ناصر قلعہ ایوب کی فتح کو نکلا، اس قلعہ کا حاکم ابنِ ہاشم کا ایک عزیز مطرف نامی تھا، رومیر کی بھیجی ہوئی عیسائیوں کی ایک فوج قلعے میں مقیم تھی، شاہی فوج نے لڑائی شروع کی، لڑائی کے شروع ہی میں مطرف جان سے مارا گیا اُس کے مرنے پر اُس کا بھائی حَکَم فوراً اُس کی جگہ لڑنے لگا، لیکن جب شہر میں لڑتے لڑتے پسپا ہو کر قلعہ میں جانا پڑا تو حَکَم نے خلیفہ ناصر سے امان طلب کی، امان اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے حاصل کر کے شہر اور قلعہ ناصر کے حوالے کر دیا، قلعہ میں البتہ کے عیسائی جس قدر موجود تھے اُن کا امان نامہ میں ذکر نہ تھا، اِس لیے وہ سب قتل کردیے گئے۔

خلیفہ ناصر لدین اللہ نے قلعہ ایوب کے شہر اور قلعہ کو فتح کر کے تقریباً تیس ۳۰ قلعے اور فتح کیے۔ اور پھر یکے بعد دیگرے نبرہ اور سرقسطہ کی طرف متوجہ ہوا، سرقسطہ کا محاصرہ اپنے ہی خاندان کے ایک اُموی کو جس کا نام احمد بن اسحاق تھا سپرد کیا، احمد بن اسحاق شاہی افواجِ سوارہ کا سالار تھا، اور حال میں تمام ثغورِ شمال کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، لیکن باوجود اِن احسانات کے ابنِ اسحاق نے خلیفہ ناصر کو نہایت سخت شکایت کا موقع دیا۔

اگرچہ بنی اسحاق برسوں تک مفلسی اور گمنامی کی حالت میں اشبیلیہ میں آباد رہے تھے اور سلاطینِ قرطبہ کے خلاف بعض مرتبہ سازشوں میں شریک بھی ہو چکے تھے، لیکن خلیفہ ناصر نے اُن کی قرابت مندی سے گو دُور کی تھی کبھی انکار نہیں کیا تھا، اور اِن پر لطف و کرم بھی

اکثر ظاہر کیا کرتا تھا، باوجود اس کے بنی اسحاق اپنی حالت سے خوش نہ تھے، جاہ پرستی اور دنیا کی طلب اُنمیں بڑھی ہوئی تھی، احمد اس وقت اپنے خاندان کا رئیس تھا، اب اُس کو یہ دعویٰ ہوا کہ ناصر اُسے اپنا ولی عہد مقرر کرے، سرقسطہ کا محاصرہ اُس نے بہت بے پروائی اور کاہلی سے کیا، اور اُسی زمانہ میں یہ حماقت کی کہ ایک خط بھی اِس مضمون کا کہ اُسے ولیعہد مقرر کیا جائے خلیفہ ناصر کو لکھ بھیجا۔

ناصر اِس خط کو پڑھ کر آگ ہوگیا، اور اُس کا حسب ذیل جواب دیا:۔

"چونکہ ہم تجھے خوش کرنا چاہتے تھے اِس لیے تجھ پر احسان کیے، لیکن اب معلوم ہوا کہ تیری خصلت کو بدلنا ممکن نہیں، مفلسی اور تنگدستی تیرے حال کے مناسب ہے، کیونکہ دولت نے جس کا تو خوگر نہ تھا تجھ میں غرور اور نخوت کو پیدا کر دیا، کیا تیرا باپ ابن حجاج کی فوج کا ایک ذلیل سوار نہ تھا؟ کیا تو خود اشبیلیہ میں گدھے نہیں بیچا کرتا تھا؟ ہم نے تیرے خاندان کو جب اُس نے لجاجت کی اپنی پناہ میں لیا، اُس کی مدد کی، اور اُسے صاحب دولت واختیار بنا دیا، ہم نے تیرے باپ کو وزیر بنا کر تجھے سلطانی افواج سوارہ کا سپہ سالار، اور اپنے ثغور شمال میں سب سے بڑے مقام کا والی مقرر کیا، اب تو ہمارے حکموں سے سرتابی کرتا ہے جس چیز میں ہمارا فائدہ ہے تو اُسکی طرف سے غافل ہے اور ان باتوں کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ اب ہمارا ولیعہد بننا چاہتا ہے، تیرے میں وہ کونسی خوبیاں ہیں؟ اور کونسے تجھے ایسے حقوق حاصل ہیں جن کی بنا پر تجھے یہ دعویٰ ہوا ہے؟ تیرے اور تیرے خاندان کے لیے کسی کے یہ اشعار صادق آتے ہیں:۔

"تو کمینہ ہے، ٹاٹ میں حریر کا پیوند نہیں لگتا، اگر تم قرشی ہو، جیسا کہ تم کو دعویٰ ہے تو پھر اِس نامور خاندان کی بیویاں کیوں نہیں کرتے؟ لیکن اگر تم قبطی ہو تو پھر تمہارا دعویٰ لغو ہے۔"

کیا تیری ماں بڑھیا حمدونہ ساحرہ نہ تھی؟ کیا تیرا باپ ایک معمولی سوار نہ تھا؟ کیا تیرا دادا حوثرہ، ابن عباسؓ کے گھر کا دربان نہ تھا؟ اور اُس شریف کی ڈیوڑھی پر بیٹھا رسیاں نہیں بٹا کرتا تھا؟ اور بورئیے نہیں بُنتا تھا؟ اللہ کی تجھ پر لعنت ہو، اور اُن پر جنھوں نے

(۴۲۷ھ)

ہمیں دھوکا دے کر تجھے ہماری خدمت پر مقرر کرایا ۔کمینے ، سگ بچے ، آ ، اور ذلت کے ساتھ ہمارے قدموں میں گر۔"

جب خلیفہ ناصر نے احمد بن اسحاق کو ذلت کے ساتھ شاہی ملازمت سے برطرف کردیا، تو احمد کے بھائی اُمیہ نے خلیفہ کو جان سے مار ڈالنے کی ایک سازش کی، اِس کا حال ناصر پر کھل گیا ، اور احمد اور امیہ دونوں جلاوطن کردیے گئے۔

امیہ نے شنترین پر قبضہ کرکے عَلَمِ بغاوت بلند کیا، اور دارالحرب میں جاکر رومیر بادشاہِ لیون سے مراسم ودوستی پیدا کیے ، اور اِس عیسائی بادشاہ کے ساتھ یہ خیر خواہی کی کہ اِسلامی سلطنت میں جس قدر مقامات ایسے تھے جہاں سے دشمن کامیابی کے ساتھ حملہ کرسکتا تھا وہ اُس پر ظاہر کردیے۔

ایک روز ایسا ہوا کہ امیہ شنترین سے کہیں باہر گیا ہوا تھا ، اِس غیر حاضری کی حالت میں اُسی کے ایک سردار نے شہر میں خلیفہ ناصر کی حکومت کا اعلان کردیا ، امیہ کو جس وقت معلوم ہوا تو رومیر بادشاہِ لیون کے پاس چلا گیا۔

امیہ کا تو یہ حال ہوا ، اور احمد بن اسحاق خلیفہ ناصر کے خلاف لوگوں کو اُبھارنے اور بغاوت پر آمادہ کرنے میں برابر مصروف رہا ، فاطمیوں سے دوستی پیدا کرکے چاہا کہ اسپین کی سلطنت کسی طرح دولتِ شیعہ کے قبضے میں آجائے ، خلیفہ ناصر کو اِس سازش کا حال معلوم ہوگیا ، احمد گرفتار ہوا اور شیعہ قرار پاکر قتل کردیا گیا۔[۵۱]

اِسی زمانے میں خلیفہ ناصر کو اضلاعِ شمال میں عیسائیوں کے مقابلے میں بہت کامیابی ہوئی تھی، جس وقت محمد بن ہاشم کا سرقسطہ میں محاصرہ کیا گیا تو اُس نے تنگ آکر عفوِ تقصیر چاہا ، چونکہ ابنِ ہاشم سلطنت میں بڑا صاحبِ اقتدار تھا ، بلکہ خلیفہ کے بعد اُسی کا درجہ مانا جاتا تھا اِس لیے ناصر نے اُس کا قصور معاف کرکے پھر اُس کو اپنے قدیم عہدے پر بحال کردیا۔

نبرہ کی عیسائی ملکہ طوطہ کو جب شکست پر شکست ہونے لگی، تو اُس نے بھی خلیفہ ناصر

---

۵۱ دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۴۰۹

(۴۲) سے رحم کی درخواست کی، اور ناصر کو ملک نبرہ کا بادشاہ تسلیم کیا۔

غرض اسپین میں سوائے لیون کی عملداری اور صوبہ قیطلونیہ (شمال مشرقی علاقے) کے ایک حصے کے خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ تمام جزیرہ نمائے اسپین کا بلا شرکت غیرے مالک اور بادشاہ ہوگیا۔

اسناد :-

مونا کی سی لین سس کرونیکون۔　ص ۴۴ تا ۴۷

ابن خلدون۔　ص ۱۳ تا ۱۵

عریب۔　جلد ۲ ص ۱۷۵ تا ۱۸۱، ۱۸۳ تا ۱۸۹، ۱۹۵ تا ۲۰۱، ۲۱۱ تا ۲۱۲، ۲۲۰ تا ۲۲۲

کرونیکون دی سامپیرو۔　ص ۱۷ تا ۱۹، ۲۲

البصری　ص ۹۴ تا ۹۷ (اڈیشن سلین)

ابن حیان۔　ص ۱۵

ابن عذاری۔　جلد ۱ ص ۱۷۸ تا ۱۸۳
جلد ۲ ص ۱۶۲

ابن خلدون۔ (تاریخ بربر)　جلد ۱ ص ۲۸۲ تا ۲۸۵ (متن)

اخبار مجموعہ　ص ۱۱۴

کتاب ثالث (خلافت)

تیسری فصل

فرنان گونز ولز (عربی نام فردلند قومس)

(٩٢٩) زمانہ تخت نشینی سے لے کر ۲۷ برس تک امیر عبدالرحمٰن ثالث نے ہر لڑائی میں فتح پائی، لیکن تقدیر کو پلٹتے دیر نہیں لگتی، جہاں ہمیشہ اچھے دن دیکھے تھے وہاں ایک بُرا دن بھی دیکھنا پڑا۔

اس عرصہ میں سلطنت میں بڑا انقلاب پیدا ہوگیا تھا، اُمراء دولت جو پہلے سب کچھ تھے اب کوئی بات اُن کی چلنے نہیں پاتی تھی، ناصر کے زورِ حکومت نے اُن کو مٹی کر دیا تھا، خلیفہ کو اُن سے نفرت ہوگئی تھی، وہ اس نکتے کو سمجھے ہوئے نہ تھا کہ مُلک کے شرفا کو خاص خاص اختیارات جن کی تعریف بخوبی کردی گئی ہو عطا کر کے سلطنت کا معتمد بنانا حکمرانی کی ایک ضروری شرط ہے، ایک دن المانیہ (جرمنی) کے بادشاہ اوتھو اوّل[۱۵] (جسے عرب افوہ کہتے تھے)

۱۵؂ یہ اوٹو دی گریٹ مشہور تھا، اپنے باپ شہنشاہ ہنری کی وفات پر جرمن قوم کا بادشاہ ہوا، اور ۹۳۶ء سے ۹۷۳ء تک حکومت کی۔

(۴۲) کے ایلچی دربارِ ناصر میں حاضر تھے، خلیفہ نے ایک ایلچی سے کہا کہ "میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارا بادشاہ بڑا دانشمند اور صاحب فراست ہے، لیکن اُس کے طریقۂ حکمرانی میں ایک بات ایسی ہے جسے میں پسند نہیں کرتا، اور وہ یہ ہے کہ حکومت کو کلیتہً اپنے ہاتھ میں رکھنے کی بجائے وہ اپنے ماتحتوں کو حکومت میں شریک وسہیم کرتا ہے، بلکہ اُن کے قبضے میں ملکوں کا انتظام دیدیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے بادشاہ کا اعتبار اُن کے دلوں میں قائم ہو جائے گا، مگر یہ سخت غلطی ہے، امرار سلطنت کے اختیارات میں وسعت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ اُنکا غرور بڑھ جائے، اور اُن کی اولاد بغاوتیں برپا کرے۔"

یہ بالکل سچ ہے کہ خلیفہ ناصر اِس غلطی کا مرتکب نہیں ہوا، لیکن ایک دوسری غلطی اُس سے ہوئی جو اس غلطی سے کم نتیجہ خیز نہ تھی۔

ناصر کی حکومت مطلق العنان تھی، یہاں تک کہ ۳۱۹ھ / ۹۳۲ء میں اُس نے حاجب کا عہدہ بھی تخفیف کر دیا، پرانے امیروں اور شریفوں کی جگہ سلطنت کے اکثر مناصب جلیلہ پر ایسے لوگوں کو مقرر کرنا شروع کیا، جو حسب ونسب کے اچھے نہ تھے، یہ ادنیٰ موالی یا غیر ملک کے آدمی ہوتے تھے، یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جن کا دارومدار خلیفہ ناصر کی خوشی پر منحصر تھا، اور ناصر جو کام چاہتا اُن سے لے سکتا تھا، اِن میں بھی جن پر خاص توجہ تھی وہ صقالبہ کا گروہ تھا، اس گروہ نے جو کچھ ترقی کی اُس کا آغاز ناصر ہی کے عہد سے ہوتا ہے، چونکہ صقالبہ نے اسلامی اسپین کی تاریخ میں بہت کچھ حصہ لیا تھا، اس لیے اُن کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۴۳۰) ابتدا میں لفظ سلاوٗ یا اِسکالادی (جسے عربوں نے صقابہ یا اصقالبہ کر لیا) اُن اسیروں پر عاید ہوتا تھا جن کو جرمانی قومیں اسکالادی قوموں سے لڑ کر گرفتار کر لیتی تھیں، اور پھر اسپین کے ساحل پر لاکر اُنہیں فروخت کر دیتی تھیں، لیکن ایک مدت کے بعد اسکالادی کے علاوہ اور قوموں کے لوگ بھی صقالبہ میں شمار ہونے لگے، پھر یہ نام رفتہ رفتہ تمام ایسے غیر ملک والوں کے لیے (خواہ وہ کسی قوم ونسل کے ہوں) مستعمل ہونے لگا[۱] جو اندلسی امیروں کے گھروں میں

[۱] قرطبہ کے عربی مورخ بادشاہ اد توادل کو بھی بادشاہِ صقالبہ لکھتے ہیں۔

خواجہ سرا ہوکر یا فوج میں سپاہی بنکر کام کرتے تھے، دسویں صدی عیسوی (چوتھی صدی ہجری) کے ایک عرب سیاح نے صاف لفظوں میں بیان کیا ہے کہ صقالبہ میں جو خلیفہ اندلس کے ملازم تھے اُنمیں جلیقیہ (اسپین) افرنجہ (فرانس) المانیہ (جرمنی) لمباردی (اٹلی) کلابری (اٹلی) اور بحر اسود کے شمالی ساحل کے رہنے والے شامل تھے۔ اِن میں سے بعض کو اندلس کے بحری قزاق پکڑ لائے تھے، اور بعض اٹلی کی بندرگاہوں میں خریدے گئے تھے، یہودیوں کا شیوہ تھا کہ جب مخلوقِ خدا پر مصیبت پڑتی تھی تو وہ اُس وقت آدمیوں کے بچوں کی (خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں) تجارت کیا کرتے تھے، اُنہیں پکڑ کر بندرگاہوں میں لاتے تھے، اور وہاں سے یونانیوں یا وینس والوں کے جہازوں میں اُنہیں بھر کر اسلامی ممالک میں بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچتے تھے،

صقالبہ کی ایک دوسری قسم وہ تھی جو آختہ ہوکر امیروں کی محل سراؤں میں خواجہ سرائی کرتی تھی، یہ لوگ فرانس سے آتے تھے، یہاں لڑکوں کو مخنث کرکے فروخت کرنے کے بڑے بڑے کارخانے یہودیوں نے کھول رکھے تھے، چنانچہ وردون کا کارخانہ اِس کام میں بہت مشہور تھا، اور فرانس کے جنوبی علاقوں میں ایسے ہی اور کارخانے بہت سے موجود تھے۔

چونکہ اسپین میں پہنچنے کے وقت یہ غلام بہت کم سن ہوتے تھے، اِس لیے اپنے آقاؤں کا مذہب، زبان، اور رسم و رواج بہت جلد سیکھ لیتے تھے، اُن میں سے بعض کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی، اور صقالبہ میں ایسے عالموں کا ذکر پڑھنے میں آتا ہے جنہوں نے بڑے بڑے کتب خانے قائم کیے، اور شعر و شاعری میں بڑے نام آور ہوئے، صقالبہ میں عالموں کی تعداد اِس قدر زیادہ تھی کہ اُنہی میں کے ایک شخص حبیب نامی نے صرف صقالبہ کی شاعری اور سیر و سفر پر ایک بڑی کتاب لکھ ڈالی۔

سلاطینِ قرطبہ کے درباروں اور فوجوں میں صقالبہ کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی، لیکن خلیفہ ناصر کے وقت میں وہ سب سے بڑھ گئی، ایک بیان کے مطابق اُن کا شمار ۳۷۵۰، اور دوسرے بیان کے مطابق ۶۰۸۷ بلکہ ۱۳۷۵۰ تھا، غالباً یہ اعداد عہدِ ناصر کے مختلف زمانوں کے ہیں، کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ خلیفہ ناصر نے صقالبہ کی تعداد میں اضافہ کرنے سے کبھی

بس نہیں کی، یہ صقالبہ اگرچہ خود غلام ہوتے تھے، مگر غلام اُن کی خدمت میں رہتے تھے، بڑی
بڑی املاک اور جاگیروں کے مالک ہوتے تھے، فوج اور دیوانی کے نہایت ذمہ داری کے
عہدوں پر خلیفہ اُن کو مقرر کرتا تھا، اس وجہ سے پُرانے امیر اور رئیس جو مشاہیرِ عرب کی اولاد
تھے اِن نوعزت صقالبہ کے سامنے ذلیل اور حقیر ہوتے رہتے تھے، اس صورت میں اِن عربی
رئیسوں کو صقالبہ سے جس قدر نفرت ہوتی کم تھی،

(۹۳۱ء) غرض جس حالت میں کہ شرفاءِ عرب ناصر کے دشمن ہو رہے تھے، ناصر نے بادشاہ لیون
کے مقابلہ میں ایک ایسی لشکرکشی کا ارادہ کیا جو کبھی پہلے نہ کیا تھا، اس مہم عظیم کے لیے
اُس نے بہت روپیہ صرف کیا، اور ایک لاکھ آدمی جمع کر کے لشکر مرتب کیا، اور یہ امید کی کہ
اس مرتبہ کامل فتح حاصل ہو جائیگی، لیکن بڑی غلطی یہ کی کہ اس لشکر کی سرداری نجدہ کو دی،
جو صقالبہ میں سے تھا۔

ایک صقلبی کے امیر لشکر ہونے پر عربی اُمراءِ فوج ناراض ہو گئے، اور غصہ کی حالت میں
اُنہوں نے اپنی اس تذلیل کا بدلہ لینے کا قطعی ارادہ کر لیا، اور یہ سوچ لیا کہ اس جنگ میں ناصر
کو ایسی شکست دلوائیں گے جسے وہ کبھی نہیں بھولے گا۔

۳۲۷ھ / ۹۳۹ء میں شاہی فوج قرطبہ سے شنت مانکش کی طرف بڑھی، ردمیر ثانی رئیس
لیون اور اُس کی معاون ملکہ طوطہ جو نبرہ میں حکومت کرتی تھی، دونوں اپنی اپنی فوجیں شاہی
فوج کے مقابلے پر لائے، ۵ر اگست ۹۳۹ء (۹ر شوال ۳۲۷ھ) کو شنت مانکش پر فریقین میں
بڑی جنگ ہوئی، دوران جنگ میں عربی سردار یہ ظاہر کر کے کہ اُن کو شکست ہو گئی ہے مع
اپنی فوجوں کے پیچھے ہٹے، وہ یہ نہ سمجھے تھے کہ اس حرکت کے اور کیا نتیجے ہونے والے ہیں،

اِن لوگوں کے میدان سے ہٹتے ہی لیون والوں نے اسلامی فوجوں کا تعاقب کیا، جب
موضع الخندق میں جو طلمنکہ کے جنوب میں دریائے تورمس کے کنارے واقع ہے اسلامی فوجیں
پہنچیں تو اُنہوں نے پھر اجتماع اور ترتیب کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، اس مقابلہ میں مسلمانوں
کو شکست ہو گئی، ناصر جو فوجوں کے ساتھ تھا، عیسائیوں کی تلواروں سے بال بال بچ گیا،
جب شکست ہو گئی تو فوجیں بجائے اس کے کہ ترتیب سے پیچھے ہٹ آتیں، اُن میں

بھاگڑ پڑی، کسی قسم کا انتظام نہ رہا، صفیں ٹوٹ گئیں، سوار اور پیدل دونوں بھاگے، افسروں اور سپاہیوں کی لاشیں جابجا راستوں میں پڑی نظر آنے لگیں، فوجوں کے دستے کے دستے غارت ہوگئے، بادشاہ رومیر کو فتح ہوگئی اور اُس کی خبر دُور دُور پہنچی، جرمانیہ کی سرحدوں، اور مشرقی ملکوں تک اُس کی شہرت ہوگئی، ہر جگہ مختلف خیالات اِس واقعہ نے پیدا کیے، عیسائی خوش ہوئے، مسلمان ڈرے۔ عیسائیوں نے اِس فتح کو نصرانیت کے حق میں فالِ نیک سمجھا کہ ایک دن اِسلام پر اُسے فروغ ہو جائیگا، مسلمان اِس فکر میں ہوئے کہ اِس بلائے بد کو جس طرح ہو دفع کرنا چاہیئے، خلیفہ ناصر خفیف ہوا، نجدہ مارا گیا، حاکمِ سرقسطہ محمد بن ہاشم شبت مانکش پر پہلے ہی حملے میں گرفتار ہو کر لیون کے قید خانہ میں دن کاٹنے لگا، مسلمانوں کا تقریباً کُل لشکر اِس لڑائی میں غارت ہوگیا، حیرت یہ ہے کہ خود ناصر کیسے بچ گیا، جس وقت میدانِ جنگ سے واپس ہوا ہے تو صرف پینتالیس[۴۵] آدمی اُس کے ساتھ تھے۔ (۴۳۲)

اِن واقعات نے خلیفہ ناصر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ پھر کبھی کسی لڑائی میں بذاتِ خود شریک نہیں ہوا۔

علاقہ قشتالیہ کے لوگ لیون کی ریاست کے ماتحت تھے، یہ لوگ لیون کی حکومت سے اپنے کو علیحدہ کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اردون ثانی ہی کے زمانہ میں جو موجودہ بادشاہِ لیون رومیر کا باپ تھا، اہلِ قشتالیہ نے علانیہ بغاوت شروع کردی تھی، رومیر نے اطلاعِ عام دی کہ اِس نزاع کو مصالحت طے کرنے کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ دریائے کاریون کے کنارے منعقد کی جائے گی، یہ دریا قشتالیہ کے علاقے کو لیون کی ریاست سے جُدا کرتا تھا، اِس اطلاع پر قشتالیہ کے چار بڑے رئیس مجلس میں شرکت کے لیے آئے، مگر رومیر نے اُن کو حراست میں لے کر قتل کردیا، لیون کے لوگوں نے اتنا تو ضرور تسلیم کیا کہ قتل کے اِن وقوعوں میں کسی قدر بے ضابطگی ہوئی ہے، مگر جو کچھ ہوا تھا اُس کو اپنے بادشاہ کی بیحد ہوشیاری سمجھ کر بادشاہ کی تعریفیں کرنے لگے۔

اہلِ قشتالیہ کی کیفیت کچھ اَور تھی، اِن رئیسوں کے مارے جانے پر کوئی اُن کا سردار نہ رہا، اور وہ بالکل بے یار و مددگار ہوگئے، لیکن اُنھوں نے اُس دن کے آنے کی دُعائیں

مانگنی بند نہ کیں جس دن اُن کا کوئی لائق سردار ایسا پیدا ہو جو ان دغاباز اور بے ایمان لیونیوں سے اُن کے رئیسوں کے خون کا بدلہ لے ، آخرکار وہ دن آیا کہ اُن کی دعائیں قبول ہوئیں ، اور ایک شخص اُن کی طرف سے انتقام لینے والا فرنان گونزولز (فردلند) کی صورت میں نمودار ہوا ، عہدِ وسطیٰ کے عیسائی شاعروں نے فردلند کو قشتالیہ والوں کا بڑا ہیرو مانا ہے ، اور قشتالیہ کے باشندے اُس کو اب تک بڑی عزت سے یاد کرتے ہیں ، جس زمانہ میں خلیفہ ناصر کی فوجیں قشتالیہ میں وہاں کی خانقاہوں اور قلعوں یہاں تک کہ قشتالیہ کے دارالریاست برغش کو جلانے اور غارت کرنے میں مصروف تھیں ، اُس وقت ممکن نہ تھا کہ فردلند ، بادشاہ لیون ، ردمیر کی حکومت سے اپنے علاقے کو آزاد کر لیتا ، لیکن موضع الخندق کی جنگ کے بعد یہ یقین کر کے کہ کم سے کم موجودہ زمانے کے لیے عربوں کی طرف سے کوئی خوف نہیں رہا ہے ، اور یہ سمجھ کر کہ لیون کی حکومت سے گلوخلاصی حاصل کرنے کا جو قصد کیا گیا تھا اب اُسکا وقت آن پہنچا ہے فردلند نے بادشاہِ لیون ردمیر کو اشتہارِ جنگ دے دیا۔

فردلند اور ردمیر میں جب اس طرح لڑائی چھڑ گئی تو خلیفہ ناصر کو موقع ملا کہ اپنا لشکر درست کرے ، چنانچہ نومبر ۹۴۰ء (صفر ۳۲۹ھ) میں لشکر مرتب کر کے لیون کے سرحدی علاقوں کو برباد اور غارت کرنے کے لیے روانہ کر دیا ، احمد بن لیلیٰ حاکم بطلیوس اس مہم کا سرلشکر مقرر ہوا ،

اسی زمانہ میں خلیفہ ناصر کو جو نقصان (جنگِ خندق میں ہزیمت سے) پہنچا تھا ، بخت کی یاوری سے افریقہ میں اُس کی تلافی ہو گئی۔

اس میں شبہ نہیں کہ خلیفہ ناصر کو افریقہ کے متعلق بہت سی باتوں میں کامیابی ہوئی تھی ، لیکن اگر ایک طرف کامیابی تھی تو دوسری طرف نقصان بھی تھا ، کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ افریقہ میں ناصر کے زیردست والیانِ ریاست فاطمیوں سے شکست کھا جاتے تھے ، ناصر ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ یہ والیانِ ملک متفق ہو کر فاطمیوں کا مقابلہ کرتے رہیں ، لیکن یہ کوشش ہمیشہ باثر ثابت نہ ہوئی۔ فاطمیوں کے مقابلہ میں متفق ہو کر لڑنا تو درکنار ناصر اُن کو آپس میں لڑنے سے بھی باز نہ رکھ سکا ، بہرکیف اُس نے اپنی خوش تدبیری سے

(۴۲۲)

فاطمیوں کو لڑائیوں سے اتنی مہلت نہ لینے دی کہ اسپین کے ساحل پر فوجکشی کی طاقت اور جرأت اُن میں پیدا ہوجاتی، اور یہی ناصر کا شروع سے مقصد تھا، اب تاریخ بتاتی ہے کہ ناصر کو ایک اور ذریعہ سے بڑا نفع پہنچنے والا ہے۔

دولتِ بنی فاطمہ کے خلاف اب ایک ایسے دشمن صعب نے عَلَم بغاوت بلند کیا کہ جس قدر دشمن اِس سلطنت کے اب تک پیدا ہوئے تھے وہ سب مل کر بھی اِس کے برابر نہ ہوتے تھے یہ دشمن بربر کے قبیلہ افورین کا ایک شخص ابویزید نامی تھا، یہ ایک تاجر کا بیٹا تھا، جوانی میں خوارج کی صحبت رہی تھی، خارجی عقیدے کے لوگ اب تک افریقہ میں بکثرت موجود ہیں، باپ کے مرنے پر ابویزید تنگدست ہوگیا، لڑکے پڑھاکر بسر اوقات کرتا تھا، ابوعبداللہ بانی دولتِ شیعہ کی طرح اِس نے بھی پہلے مُعلّم اور پھر داعی بن کر بربر کے قبائل کو سمجھانا شروع کیا کہ دینِ حق اور آزادی کے لیے خروج کرو، لوگوں نے اِس شرط سے وعدہ کیا کہ اگر کامیابی ہوئی اور دارالسلطنت افریقیہ یعنی قیروان پر قبضہ ہوگیا تو حکومت کا طرز جمہوری رکھنا ہوگا یعنی سب کے مشورے سے سلطنت کا انتظام کیا جائیگا۔

ابویزید کی فتوحات بھی ایسی ہی عجیب تھیں جیسی کہ ابوعبداللہ شیعی کی چند سال پیشتر ظہور میں آچکی تھیں، اِس بدصورت، پستہ قد، صوف کا جُبّہ پہنے گدھے پر سوار ابویزید کے سامنے دولتِ شیعہ کی بڑی بڑی فوجیں مقابلہ پر آتے ہی ایسی پانی ہوجاتی تھیں جیسے گرمی کے موسم میں برف پگھل جاتی ہے۔ سُنّیوں کا دل فاطمیوں کے مذہبی تشدد اور اُن کے اکابرِ دین کی تشنیع کرنے سے ایسا زخمی ہورہا تھا کہ وہ سب ابویزید کے ساتھ ہوگئے، بڑے بڑے شائخ، عابد اور زاہد جو گوشہ نشین ہوچکے تھے اِس خارجی سردار کی کمک پر تلواریں سنبھال کر کھڑے ہوگئے۔ اب ابویزید کا یہ کام تھا کہ سُنّیوں نے اُس کی مذہبی رواداری کے متعلق جو اُمیدیں قائم کی تھیں اُن کو پُورا کرتا رہے۔ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء میں جس وقت فاطمیوں کے دارالحکومت قیروان پر قبضہ ہوا تو خطبوں میں خلفائے راشدین میں سے خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کے لیے دعا کی، اور شہر کے لوگوں سے کہا کہ مذہب مالکی جس کی فاطمیوں نے ممانعت کردی تھی اُسکے وہ پھر پابند ہوسکتے ہیں۔ اب سُنّیوں کو بڑا سہارا ہوگیا، اور وہ عَلَم وطبل سے پھر اپنے جلوس

نکال لینے لگے جنہیں بنی فاطمہ نے برسوں سے بند کر رکھا تھا، ابویزید ایسے موقعوں پر خود سُنیوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا، سُنیوں کے ساتھ مذہبی رعایت دکھانے کے لیے اُس نے یہاں تک کیا کہ اسپین کے خلیفہ ناصر کے ساتھ مراسم اتحاد پیدا کیے، اور ایک سفارت بھیج کر اگر دینی اعتبار سے نہیں تو دُنیوی طریق پر خلیفہ ناصر کو اُن تمام ممالک کا سرپرست اور بادشاہ مان لیا جو اُس نے فتح کئے تھے، غرض فاطمیین کا بحرِ اقبال اِس وقت حالتِ جزر میں ہوگیا۔ (۴۳۴)

جس وقت ابویزید، فاطمی خلیفہ قائم بامراللہ جانشین عبید اللہ المہدی کا محاصرہ شہر مہدیہ میں کیے ہوئے تھا، اُس وقت عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ نے اپنے افریقی ہواخواہوں کے ذریعہ سے افریقہ کے تمام شمال مغربی ممالک پر اپنا سِکّہ بٹھا کر قائم بامراللہ کے خلاف ہر طرف سے دشمنوں کو اُبھار دیا۔

ناصر نے اٹلی کے بادشاہ، اور ملک پراونس کے بادشاہ ہوجیس سے بھی مراسم دوستی پیدا کیے، ہوجیس کو فاطمیوں کے امیر البحر سے انتقام لینا تھا، کیونکہ اُس نے پراونس کے شہر جینوا پر قبضہ کر لیا تھا، اِسی طرح قیصر قسطنطنیہ سے بھی پیمانِ آشتی ہوگیا، کیونکہ خلیفہ قائم بامراللہ جزیرہ صقلیہ کو جو قیصر کے مقبوضات سے تھا فتح کر چکا تھا، قیصر چاہتا تھا کہ اس جزیرہ کو فاطمی خلیفہ کے قبضے سے نکال لے۔

لیکن اب چشمِ زدن میں رنگ کچھ اور ہی ہوگیا، ابویزید کو اتنی فتوحات حاصل ہوئیں کہ اُس میں غرور پیدا ہوگیا۔ جو قوت اُسے حاصل ہوئی تھی اُس پر قناعت نہ کی، اور جن ذریعوں سے ترقی کی تھی اُن کو بھول گیا، ظاہری شان و شوکت کا شوق پیدا ہوا، صوف کے موٹے جھوٹے جُبّہ کی بجائے اب دیبا و حریر پہننے، اور ابلق گدھے کی سواری کی جگہ پُرتکلف ساز و سامان سے آراستہ گھوڑوں پر سوار ہونے لگا، اور یہی حماقت اُس کی تباہی کا باعث ہوگئی، کیونکہ اُس کے معاونوں اور مددگاروں میں زیادہ تر لوگ ایسے تھے جو جمہور کے مشورے سے حکومت کرنا، اور جملہ طبقاتِ انسانی میں مساوات کا درجہ پیدا کرنا پسند کرتے تھے، اِس لیے جب اُنہوں نے ابویزید کا یہ رنگ دیکھا تو اُن کے اعتقاد میں فرق پیدا ہوا، اور اُنہوں نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا بعض لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے اور بعض دشمن سے جا ملے، یہ کیفیت دیکھ کر ابویزید کو

ہوش آیا، عیش اور نمود کی عادتیں ترک کرکے صوف کا جبّہ اور پہلی سی سادہ و سخت زندگی اختیار کی، لیکن اصلاح دیر میں سوجھی، اب وہ پہلی سی بات باقی نہ رہی، سُنّیوں کی امداد پر اب تک بھروسہ کرسکتا تھا، لیکن ایک دن غصہ میں آکر اُن پر بھی ثابت کردیا کہ مذہبی رواداری جس کا وہ پابند تھا سچے دل سے نہ تھی بلکہ محض ایک دھوکا تھی، فاطمیوں سے لڑائی کے ایک موقع پر لڑائی شروع ہونے سے پہلے اپنی سپاہِ خوارج کو حکم دیا کہ قیروان کے سُنّی سپاہی جس قدر ساتھ ہیں اُن سے علیحدہ ہوجائے، تاکہ فاطمی اُن کو قتل کرڈالیں، خارجی سپاہیوں نے اِس دغابازی کے حکم کی پابندی کی۔

اُس دن سے سُنّیوں کو ابویزید سے جانی دشمنی ہوگئی، اب اُنہوں نے ایک ظالم کا دوسرے ظالم سے، اور ایک خودمختار و مطلق العنان بادشاہ کا دوسرے خودمختار اور مطلق العنان بادشاہ سے اپنے ذہن میں مقابلہ کیا، اور آخر میں فاطمیوں کی حکومت کو قبول کرنا بہتر سمجھا، اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ منصور جو حال میں تخت نشین ہوا تھا وہ اپنے بزرگوں سے بہت زیادہ لائق تھا۔

مہدیہ کا محاصرہ اُٹھاکر ابویزید مجبوراً قیروان واپس آیا، یہاں کے باشندوں نے اُسے جان سے مارنے کے لیے سازش کررکھی تھی، مگر اتفاق سے بال بال بچ کر روپوش ہوا، مدت تک فاطمی سپاہی اُس کی تلاش میں رہے، آخرکار ایک دن جبکہ زخموں سے چُور تھا اُسے گرفتار کرلیا، گرفتاری کے بعد ایک لوہے کے پنجرے میں قید رکھا، اور جب ۳۳۵ھ / ۹۴۷ء میں وہ مرگیا تو اُسکی کھال میں بُھس بھرواکر قیروان کے گلی کوچوں میں گشت کرایا، اور پھر مہدیہ کی فصیل میں لاش ایک جگہ لٹکادی گئی جہاں وہ مدت تک لٹکی رہی، یہاں تک کہ ہوا کے جھونکوں سے لاش کے چیتھڑے ہوگئے اور وہ بھی کچھ دنوں میں اُڑ اُڑا کر ختم ہوگئے۔ (۴۳۵)

افریقہ میں خوارج کی اِس شکست سے خلیفہ ناصر کو ایسا ہی صدمہ پہنچا جیساکہ شنت مانکش اور الخندق کی شکستوں میں پہنچا تھا، اب مغربِ اقصیٰ کے جو علاقے فاطمیوں کے قبضے سے نکل گئے تھے پھر جلد اُن کے تصرف میں آگئے، اور یہاں کی جو ریاستیں ناصر کی ہواخواہ ہوگئی تھیں اُن کے رئیس مجبور ہوئے کہ قرطبہ میں جاکر پناہ لیں۔

شمالی اسپین میں جو حالات پیش آرہے تھے وہ خلیفہ ناصر کے حسب مراد تھے، یعنی عیسائی بادشاہوں میں خانہ جنگی کا بازار گرم تھا۔ بادشاہ لیون رومیر ثانی، اور فردلند رئیس قشتالیہ میں (جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے) لڑائی شروع ہو چکی تھی، اس جنگ میں رومیر کی قسمت نے یاوری کی، فردلند اتفاق سے اُس کے ہاتھ آگیا، فوراً لیون کے قید خانے میں اُسے بھجدیا، اور اُس کی جگہ قشتالیہ کا حاکم پہلے آسر فرناندیس رئیس منت شون کو، اور اُس کے بعد اپنے لڑکے شانجہ کو مقرر کیا، رومیر نے فردلند کی زمینیں اور علاقے ضبط کر لیے، اور اُس کے مال و جائیداد کو اپنے تصرف میں لایا، بلکہ قشتالیہ کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے وہاں کے بڑے بڑے سرداروں اور پادریوں میں فردلند کے مال کا کچھ حصہ تقسیم کیا، لیکن جس نیت سے ایسا کیا تھا وہ پوری نہ ہوئی۔

اہل قشتالیہ کا یہ حال تھا کہ اگرچہ رومیر کی مہربانیوں سے نفع اُٹھاتے تھے، مگر دل سے خیرخواہ اپنے معزول سردار فردلند کے تھے، اور رومیر کے انعام واکرام تقسیم کرنے کو سمجھتے تھے کہ ایک غاصب حکومت لوگوں کو رشوت دے رہا ہے۔

بیعناموں اور دستاویزات میں تاریخ ڈالنے کے بعد دستور تھا کہ بادشاہِ وقت اور حاکم قشتالیہ کا نام لکھا جاتا تھا، لیکن قشتالیہ کے لوگ رومیر کے مقرر کیے ہوئے حاکم کا نام اُس وقت تک نہ لکھتے جب تک کوئی دباؤ اُن پر نہ ہوتا، ہمیشہ اپنے پُرانے حاکم فردلند کا نام کاغذات پر درج کرتے اور اُس کے ساتھ اپنی وفاداری اَور طریقوں سے بھی ظاہر کرتے مثلاً پتھر کا ایک بُت اُس کی صورت کا بناکر روزانہ اُس کی پرستش کرتے۔

جب فردلند کو لیون کے قید خانے میں ایک مدت گذری تو قشتالیہ کے لوگوں کو صبر نہ رہا، اور اُنھوں نے اُسے قید سے چھڑانے کا قصد کر لیا۔ اُن کے اِس قصد کو ایک شاعر نے نظم میں خوب بیان کیا ہے:-

"سب نے مل کر قسم کھائی کہ وہ بغیر اپنے سردار (فردلند) کو ساتھ لیے قشتالیہ واپس نہ آئیں گے، اُس کا بُت اُنھوں نے ایک رتھ پر رکھا ہے، اور ارادہ کر لیا ہے کہ واپس نہ آئیں گے جب تک سردار اُن کے ساتھ نہ ہوگا۔ بُت کو تعظیم دیکر سردار کا علَم

(۴۳۶)

بُت کے پہلو میں رکھ دیتے ہیں، اور پھر بڈھے اور جوان سب بُت کے ہاتھ کو چومتے ہیں
برغش اور اُس کے نواح برباد پڑے ہیں، عورتوں اور چھوٹے بچوں کے سوا وہاں کوئی
باقی نہیں ہے۔

رودمیر نے جب دیکھا کہ قشتالیہ کے لوگ اپنے سردار کی رہائی پر بہت مُصر ہیں، تو وہ
ڈرا اور اُن کے کہنے کے مطابق فردلند کو رہا کر دیا، مگر شرطیں ایسی کیں جن سے فردلند کی بہت
تحقیر و تذلیل ہوتی تھی، اِن شرطوں کے بموجب اُسے حلفِ اطاعت لینے، اور اپنے کُل مقبوضات
سے دست کش ہوتے، اور بادشاہ رودمیر کے بڑے لڑکے اردون سے اپنی بیٹی کے عقد
کر دینے پر مجبور کیا۔

اِن شرطوں کو مان کر رہائی حاصل کرنا رہائی کو بڑے مولوں خریدنا تھا، جس بادشاہ
نے ایسے شرائط نامے پر دستخط کرائے ہوں اُس کی نسبت فردلند کا یہ قصد کر لینا کہ کبھی اُس کی
مدد نہ کریگا ایک قدرتی امر تھا۔

قشتالیہ کے لوگ بھی جب اُنہیں اپنے سردار کو پھر اُس کے پُرانے مرتبۂ حکومت پر
لانے میں کامیابی نہ ہوئی تو رودمیر سے ایسے ہی ناراض رہنے لگے جیسے کہ پہلے تھے۔

غرض بادشاہِ لیون رودمیر ثانی اپنے ہی ہاتھوں ایک بہادر سپہ سالار اور ایک بہادر
رعایا کی مدد سے محروم ہو گیا، اور اِسی چیز نے رودمیر کو مسلمانوں کے مقابلہ میں کمزور کر دیا،
چنانچہ جب ۳۳۳ھ ۹۴۴ء میں مسلمانوں نے اُس کے ملک پر حملہ کیا، اور اِسی طرح ۳۳۶ھ ۹۴۷ء
میں دو حملے کئے، تو رودمیر اِن حملوں کا جواب نہ کر سکا (مطلب یہ ہے کہ رودمیر نے تین بار
مسلمانوں سے اوپر شکستیں کھائیں۔ مترجم)

اِسی زمانے میں مسلمانوں نے مدینہ سالم کی شہر پناہ اور قلعے کی مرمت کی، رودمیر میں
اِتنی قوت نہ تھی کہ اُن کو روک سکتا، مسلمانوں نے اِس شہر کی دیواروں اور قلعے کو اِس درجہ
مستحکم کر لیا کہ قشتالیہ کے عیسائیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے سلطنتِ اسلامیہ کے حق میں
وہ ایک بڑا مضبوط مقام ہو گیا۔

اب حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہی رودمیر جو شبنت مانکش اور الخندق کے معرکوں

میں فتحیاب ہوا تھا، اب اِس قابل رہ گیا تھا کہ مسلمان حملے کریں اور ردمیر اپنی جان بچائے ۳۳۹ھ / ۹۵۰ء میں البتہ اُس میں اتنا دم آیا کہ مسلمانوں کے مُلک پر چڑھائی کی، اور طلبیرہ کے قریب فتح حاصل ہوئی، لیکن (شکستوں سے قطع نظر کرکے۔ مترجم) یہ اُس کی آخری فتح تھی، جنوری ۹۵۱ء (رجب ۳۳۹ھ) میں اُس کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔

ردمیر کے مرنے پر تخت نشینی کا جھگڑا اُٹھا، ردمیر نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی جلیقیہ کی رہنے والی تھی، اُس سے ایک لڑکا تھا جس کا نام اردون تھا، دوسری بیوی یوراکہ بادشاہِ نبرہ غرسیہ کی بہن تھی، اُس سے بھی ایک لڑکا تھا جس کا نام شانجہ تھا۔

اردون نے ولدِ اکبر ہونے کی وجہ سے تخت کا دعویٰ کیا، لیکن شانجہ بھی جو بادشاہِ نبرہ غرسیہ کا بھانجا تھا، اہلِ نبرہ کے بل پر سلطنت کا مدعی ہوا، اور یہ ترکیب اور کی کہ فرد لند اور اہلِ قشتالیہ کو اپنا طرفدار بنالیا، فردلند کے لیے اِس بات کا فیصلہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اس معاملہ میں وہ کس کا طرفدار بنے، اردون اگرچہ فردلند کا داماد تھا مگر فردلند کو داماد کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ تھی کیونکہ بیٹی زبردستی دینی پڑی تھی،

شانجہ بھی فردلند کا رشتہ دار تھا، کیونکہ وہ فردلند کی بیوی کی سگی بہن کا بیٹا تھا، شانجہ کا ساتھ دینے میں فردلند کو اپنی ساس طوطہ ملکۂ نبرہ سے مدد ملنے کی بھی اُمید ہوسکتی تھی، اگر فردلند کو کچھ تذبذب بھی ہوا ہوگا تو شانجہ کے اِس وعدے سے رفع ہوگیا ہوگا کہ شانجہ کا ساتھ دینے کی صورت میں فردلند کی ضبط شدہ جائیداد واگذاشت کردی جائیگی اور اُس کو بدستورِ سابق قشتالیہ کا حاکم کردیا جائیگا۔ (۴۳۷)

اب شانجہ اور نبرہ کی فوج مع فردلند کی فوج کے شہر لیون پر حملہ کرنے کو روانہ ہوئی، تاکہ اردون ثالث سے ریاست چھین کر شانجہ کو دیدی جائے۔

ایک عربی مورخ نے ٹھیک لکھا تھا کہ "خدا نے اِن کافروں میں خانہ جنگی ڈالدی تاکہ فتح و کشائش مسلمانوں کو نصیب رہے۔" اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اِدھر تو عیسائی لیون کی شہرپناہ کے نیچے عیسائیوں کا گلا کاٹ رہے تھے، اُدھر ناصر کے امرا لشکر تمام سرحدی مقامات پر لڑائیاں سر کر رہے تھے، شمالی اسپین سے جو خبر قرطبہ میں آتی تھی وہ مژدۂ فتح

ہوتی تھی، گرجا کے گھنٹے اور گھنٹیاں، صلیبیں، اور عیسائیوں کے کٹے ہوئے سر فتح کی نشانیوں کے طور پر قرطبہ میں لوگوں کو دکھائے جاتے تھے۔ ۳۴۴ھ ۹۵۵ء میں ایک موقع پر عیسائیوں کے پانچ ہزار بریدہ سر لوگوں کو دکھائے گئے، بیان کیا گیا ہے کہ اِس شمار سے دو چند قشتالی شکست کھا کر جان سے مارے گئے تھے۔

یہ سچ ہے کہ فردلند کو شنت اشتیبان کے قلعے کے قریب اردون ثالث کے مقابلہ میں ایک فتح ہوئی تھی، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اردون ثالث نے اپنے بھائی شانجہ کو شکست دیکر اہلِ جلیقیہ کو (جنہوں نے بغاوت کر دی تھی) مجبور کیا تھا کہ وہ اردون کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں اور جلیقیہ کے شہر اشبونہ کو لوٹ کر کسی قدر انتقام بھی لیا تھا، لیکن یہ غارت گری اُس تباہی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی جو مسلمانوں نے عیسائیوں میں ڈال رکھی تھی۔

اردون ثالث کو اپنے ہی ملک میں بغاوت کا ایسا خوف تھا کہ وہ جلد امن و امان پیدا ہونے کا آرزومند ہو گیا، چنانچہ ایک ایلچی قرطبہ روانہ کیا کہ خلیفہ ناصر کے سامنے اُس کی طرف سے امن کی درخواست پیش کرے اور مصالحت کی کوشش کرے۔

خلیفہ ناصر بھی اِس وقت عیسائیوں سے لڑائیاں بند کرنی چاہتا تھا، کیونکہ اُس کو دوسری طرف لڑائی چھیڑنی تھی، اِس لیے اردون ثالث کی درخواست کو اُس نے بے توجہی سے نہ سُنا، دوسرے برس اُس نے قرطبہ سے ایک سفارت اردون ثالث کے پاس بھیجی، اِس سفارت میں محمد ابنِ حسین، اور حسدائی بن شبروط، جو یہودیوں کا زبردست عالم اور محکمۂ رسائر کا افسرِ اعلیٰ تھا شامل تھے، مصالحت کی گفتگو میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا، اردون ثالث نے ناصر کی شرائط کا پابند رہنا قبول کر لیا، شرائط غالباً یہ تھیں کہ اردون اپنے بعض قلعوں کو خالی اور بعض کو منہدم کر دے۔ اِس عہد نامہ کا مسودہ تیار ہوتے ہی ایک سفارت خلیفہ ناصر کے پاس اِس غرض سے آئی کہ عہد نامہ کی منظوری حاصل کرے۔

اگرچہ یہ عہد نامہ ایسا تھا جس میں مسلمانوں کا فائدہ تھا اور عیسائیوں کی بھی عزت قائم رہتی تھی، لیکن عبدالرحمٰن الناصر کو خیال ہوا کہ جو شرائط عہد نامہ میں لکھی گئی ہیں اُن سے بھی زیادہ مفید شرائط لکھوائی جا سکتی ہیں، لیکن اب ناصر کی عمر قریب ستر برس کے پہنچی تھی، (۴۲۳۸)

اِس کی خبر نہ تھی کہ کل کیا پیش آئے ، اِس لیے اِس معاملہ کو زیادہ تر اپنے فرزند حکم کے متعلق سمجھکر اُس سے مشورہ کیا اور اُس کے فیصلہ پر کل معاملہ چھوڑ دیا ، حکم کی طبیعت عافیت پسند تھی عہدنامہ کی شرطیں پسند کرکے منظور کرلیں ، خلیفہ ناصر نے عہدنامہ پر اپنی مہر کردی ، اِس کے کچھ عرصہ بعد اُس نے فردلند سے بھی مصالحت رکھنے کا عہد و پیمان لے لیا ، خلاصہ یہ کہ اب اسپین میں اہل نبرہ کے سوا مسلمانوں کا کوئی دشمن نہ رہا۔

خلیفہ ناصر نے اِس موقع پر خلافِ عادت کسی قدر زیادہ مراعات عیسائیوں کے حق میں اِس وجہ سے منظور کیں کہ اِس وقت افریقہ میں فاطمیوں سے جنگ کرنی تھی ، خلفائے بنی فاطمہ کی قوت کو اِس وقت عروج تھا ، یورپ کے بادشاہوں سے انتقام لینے کا غیظ و غضب اُن میں بھرا تھا ، یورپ کے بادشاہ یہ سمجھ کر کہ اب فاطمیوں کے زوال کا وقت قریب آن پہنچا ہے بہت خوش تھے ، اِس عرصہ میں فاطمیوں نے پہلے بیزنطیہ کے شہنشاہ یعنی قیصر قسطنطنیہ کو اپنا زور دکھا کر اٹلی میں کلابری[1] کے علاقے کو غارت کرنا شروع کیا ، پھر خلیفہ ناصر کی باری آئی ، اور ۳۴۴ھ / ۹۵۵ء میں گمان ہوا کہ فاطمی خلیفہ چہارم یعنی المعز لدین اللہ کی طرف سے اسپین پر فوج کشی ہونی ضروری ہے۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ناصر نے ایک جہاز مالِ تجارت سے بھرا ہوا اسکندریہ روانہ کیا تھا ، راستہ میں اُسے ایک جہاز ملا جو جزیرہ صقلیہ سے مصر جاتا تھا ، اِس جہاز میں وہ قاصد تھا جو حاکمِ صقلیہ نے اپنے آقا خلیفہ معز کی خدمت میں روانہ کیا تھا ، ناصر کے جہازی افسروں کو اِس بات کا علم ہوگیا ، یہ بھی ممکن ہے کہ ناصر نے اِسی خیال سے اپنا جہاز روانہ کیا ہو کہ اسپین پر فاطمیوں کی فوج کشی کے متعلق کاغذات جن میں حملہ کرنے کی تدبیریں درج ہیں صقلیہ سے مصر بھیجے جارہے ہیں ، اور اِسی بنا پر اپنے جہاز کے معلم کو خفیہ طور پر حکم دے دیا ہو کہ اگر کوئی جہاز صقلیہ سے مصر جاتا ہوا ملے تو اُسے روک لینا ، غرض وجہ کچھ بھی ہو ، اسپینی جہاز کے کپتان نے صقلیہ والوں کے جہاز پر حملہ کرکے اُسے گرفتار کرلیا ، جہاز کو لوٹا ، اور جس قدر کاغذات ملے انہیں

[1] دیکھو ہماری کی تاریخ مسلمانانِ صقلیہ ۔ جلد ۲ ص ۲۴۲ تا ۲۴۸

اپنے قبضے میں کر لیا۔

خلیفہ معز لدین اللہ نے اس کا جلد انتقام لیا، حاکم صقلیہ نے خلیفہ معز کے حکم سے ایک بیڑا جہازوں کا تیار کیا، اور اس بیڑے کو لے کر وہ اسپین روانہ ہوا، ساحل المریہ پر پہنچکر وہاں کی بندرگاہ میں جس قدر جہاز موجود تھے اُن میں سے کچھ چھین لیے اور کئی میں آگ لگا دی اور اُس اسپینی جہاز کو بھی جس کی وجہ سے یہ بیڑا بھیجا گیا تھا راستہ میں گرفتار کر لیا، یہ جہاز اِس وقت بہت سا قیمتی مال اور چند گانے والیاں جن کی طلبی ناصر کے دربار میں ہوئی تھی، اسکندریہ سے اسپین کو لا رہا تھا، صقلیہ کے حاکم نے بندرگاہِ المریہ پر جہاز گرفتار کر کے اور بعض میں آگ لگا کر ساحل پر اپنی فوجیں اُتار دیں، اور المریہ کے شہر اور اُس کے قرب وجوار کو خوب لُوٹا، اور پھر صقلیہ واپس چلا آیا۔

(۴۳۹) خلیفہ ناصر نے فاطمیوں کے اِس بحری حملے کا نہایت سختی سے جواب دیا، پہلا کام تو یہ کیا کہ فاطمیوں کے حق میں بد دعا کرنے کا حکم تمام مسجدوں میں گشت کرا دیا، دوسرا کام یہ کیا کہ اپنے امیر البحر غالب کو حکم دیا کہ افریقیہ کے ساحلی مقامات کو خوب لُوٹے۔

لیکن ناصر کی یہ مہم زیادہ سرسبز نہ ہوئی، اگرچہ شروع شروع میں اندلسیوں کو کسی قدر کامیابی ہوئی مگر افریقیہ کی حفاظت کے لیے فاطمیوں کا لشکر موجود تھا، اُس نے اندلس والوں کو مجبور کیا کہ جہازوں پر سوار ہو کر اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔

فاطمیوں کے ساتھ یہ معاملات اُس وقت پیش آ رہے تھے جبکہ لیون کا بادشاہ اردون ثالث ناصر سے مصالحت کا نامہ وپیام کر رہا تھا، چونکہ ناصر فاطمیوں کے مقابلہ میں اپنی پوری قوت افریقیہ میں صرف کرنی چاہتا تھا، اس لیے اسپین میں اُس نے شمال کے عیسائیوں سے مصالحت کر لینی پسند کی، اور یہی وجہ تھی کہ بادشاہِ لیون سے جو عہد نامہ اِس وقت ہوا اُس کی شرائط میں ناصر نے سختی سے کام نہیں لیا۔

عیسائیوں سے مصالحت کے بعد ناصر نے افریقہ کی طرف توجہ کی، اور افریقہ پر لشکر کشی کے لیے بڑا اہتمام ہونے لگا، بندرگاہوں میں سفینہ ساز جہازوں اور کشتیوں کے بنانے میں دن رات مصروف رہنے لگے، ایک دم کی مہلت اُن کو نہ تھی، اندرون مُلک سے فوجیں

ساحل اسپین کی طرف روانہ ہونے لگیں، اور ہزارہا سپاہی جہازوں کے لیے بھرتی ہونے لگے۔

یہ سامان ہو ہی رہے تھے کہ ۳۴۵ھ (۹۵۷ء) کے موسم بہار میں اردون ثالث بادشاہ لیون کے مرنے کی خبر آئی، اس واقعہ سے خلیفہ ناصر کی تمام تدبیروں نے کچھ اور ہی صورت اختیار کرلی۔

ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اردون کو چند شرائط پر امان دی گئی تھی، ان کے بموجب بعض قلعوں کو خالی کرنا اور بعض کو منہدم کرنا اردون کا لازمی فرض تھا۔ لیکن اردون کے بعد جب اس کا بھائی شانجہ جو اردون کا حریف مقابل رہ چکا تھا، لیون میں تخت نشین ہوا، تو اس نے عہدنامہ کی ان بڑی شرطوں کے ایفا سے انکار کیا، اس لیے اب جو سامان جنگ افریقہ پر فوج کشی کے لیے ہوا تھا، وہ بادشاہ لیون شانجہ کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا، طلیطلہ کے حاکم احمد بن یعلیٰ[1] کو حملہ کرنے کے لیے حکم بھیجدیا، احمد فوجیں لیکر شمال کی طرف بڑھا، اور جولائی کے مہینے میں بادشاہ لیون شانجہ کو نہایت فاش شکست دی، ناصر کو اس فتح سے کسی قدر تسلی ضرور ہوئی، لیکن اگر عزت کا سوال پیدا نہ ہوجاتا تو ناصر اس وقت شانجہ سے جنگ کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اب اس سے بھی زیادہ تسلی بخش واقعہ پیش آیا، یعنی ناصر نے اپنے دشمن شانجہ کو اپنے قدموں میں گرتے دیکھا۔

اسناد:-

ابن الابار۔ ص ۲۴، ۱۴۰

مقری۔ جلد ۱ ص ۹۲، ۲۳۵، ۲۷۲، ۳۷۳ تا ۳۷۳۔ جلد ۲ ص ۵۷

ابن حوقل (لیڈن کا قلمی نسخہ) ص ۳۹

ابن عذاری۔ جلد ۲ ص ۲۲۴ تا ۲۲۷، ۲۲۹ تا ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۳۳ تا ۲۳۸

کرونیکون دی ساہیرو۔ ص ۱۹، ۲۳ تا ۲۵

ابن خلدون۔ ص ۱۵

[1] ابن یعلیٰ کو خلیفہ ناصر نے طلیطلہ کی سند حکومت ۳۴۳ھ / ۹۵۴ء میں عطا کی تھی۔

کتاب ثالث (خلافت)

چوتھی فصل

شانجہ "الجسیم"

(۹۴۰) ایک عربی مورخ لکھتا ہے کہ شانجہ (رئیس لیون) مغرور و متکبر تھا، یہ فقرہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کسی ہم عصر عیسائی مورخ سے اخذ کیا ہے، کیونکہ عربی اور عیسائی دونوں قسم کے مورخوں کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ شانجہ رؤسا ملک کا زور توڑ کر ایسی ہی مطلق العنان حکومت کرنی چاہتا تھا جیسی کہ اُس کے باپ دادا کو حاصل رہی تھی، اسی بنا پر ملک کے رئیسوں اور شریفوں کو شانجہ سے دشمنی ہوگئی اور دشمنی کے ساتھ ایک قسم کی کراہت بھی اُس سے پیدا ہوئی۔

شانجہ میں فی الحقیقت اب وہ خوبیاں باقی نہ رہی تھیں جن کی وجہ سے اُس کی رعایا اُسے پہلے عزیز رکھا کرتی تھی، یہ بادشاہ حد سے زیادہ موٹا ہوگیا تھا، گھوڑے کی سواری سے معذور تھا، اور پیادہ پا چلنے میں بھی جب تک ایک نوکر کا سہارا نہ لے، چلنا ممکن نہ تھا، اس

مٹاپے کی وجہ سے اُس کی ہنسی اُڑتی رہتی تھی، اور کچھ دنوں کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایسے نامعقول اور بدقوارہ بادشاہ کو تخت سے اُتارنے کے لیے سرگوشیاں ہونے لگیں۔

فردلند نے جو شاہ ساز بننا چاہتا تھا، اور اس میدان میں ایک مرتبہ پہلے بھی بے سود کوشش کر چکا تھا، اہلِ لیون میں شانجہ کی طرف سے بدگمانی اور ناراضی پھیلانی شروع کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شانجہ کے خلاف فوج میں ایک سازش ہوئی اور ۳۴۷ھ ۹۵۸ء کے موسم بہار میں وہ ریاست لیون سے نکال دیا گیا۔

تخت سے معزول ہو کر شانجہ دل میں ملول بنبلونہ کو روانہ ہوا جہاں اُس کا ماموں غرسیہ رہتا تھا، اس اثنا میں فردلند اور لیون کے اور بڑے لوگوں نے کسی دوسرے آدمی کو لیون کی بادشاہی کے لیے منتخب کرنا چاہا، سب نے اردون کی نسبت رائے دی، جو اس نام کا چوتھا شخص اپنے خاندان میں تھا، یہ اردون بادشاہ لیون ادفونش چہارم کا بیٹا تھا، اس لیے شانجہ کا چچازاد بھائی تھا، لیکن اردون میں سوائے اس کے کہ شاہی خاندان کا آدمی تھا اور کوئی خوبی ایسی نہ تھی کہ جو انتخاب کرنے والوں کی نظر میں اُس کی سفارشی ہوتی، صورت شکل کا بُرا اور کوز پشت تھا، اُس کے ساتھ دنیّ الطبع، خبیث اور شریر تھا، چنانچہ بعد کو اُس کا نام "اردونو ایل مالو" یعنی "اردون الخبیث" ہوگیا۔

(۴۴۱) ہرکیف چونکہ خاندانِ شاہی میں کوئی بالغ مرد سوائے اردون کے موجود نہ تھا، اس لیے اُس کو منتخب کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، فردلند حاکم قشتالیہ اپنی لڑکی یوراکہ کا جو اردون ثالث کی بیوہ تھی، اردون چہارم سے عقد کر چکا تھا، یوراکہ گویا اب دوبارہ لیون کی ملکہ بنی۔

ادھر لیون میں تو نیا بادشاہ منتخب ہو رہا تھا، اُدھر شانجہ لیون سے نکل کر بنبلونہ میں بیٹھا اپنی مصیبت کی داستان سناتا تھا، شانجہ کی نانی ملکہ طوطہ جو اب بڑھیا ہو گئی تھی مگر شوقِ حکمرانی میں فرق نہ آیا تھا اب تک اپنے بیٹے غرسیہ کے نام سے نبرہ پر حکومت کر رہی تھی، اگرچہ غرسیہ کی عمر حکومت کرنے کے لائق ہو گئی تھی۔ جب اُس نے اپنے نواسے کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا حال سنا تو نواسے کو تسلی و تشفی دی، اور تختِ لیون پر بحال

کرا دینے کا اُس سے وعدہ کیا۔

ملکہ طوطہ نے وعدہ تو کر لیا مگر یہ کام مشکل تھا، کیونکہ لیون میں جہاں سے شانجہ نکالا گیا تھا کوئی اُس کا دوست اور مددگار نہ تھا، دوسرے نبرہ کی ریاست میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ لیون اور قشتالیہ کی متحدہ قوت کا مقابلہ کر سکتی، اِس لیے ملکہ طوطہ کو ایک ایسے مددگار اور معاون کی ضرورت ہوئی جو بہت ہی قوی اور زبردست ہو، اور اُس کی مدد ایسی ہو کہ تخت پر بحال ہونے کے بعد شانجہ تخت پر برقرار رہ سکے، اِس کے ساتھ اِسکی بھی ضرورت تھی کہ شانجہ کی فربہی بھی کسی طرح کم ہو، جو سب کے لیے محلِ ظرافت بنی ہوئی تھی، یہ مُٹاپا پیدائشی نہ تھا بلکہ کسی مرض سے پیدا ہو گیا تھا، اگر کوئی طبیب حاذق مل جاتا تو اِس کا علاج ممکن تھا، اچھے طبیب کا ملنا قرطبہ ہی میں ممکن تھا، کیونکہ یہ شہر فضل و کمال کا مرکز تھا، اور یہاں ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ طبیب موجود تھے،

غرض تمام امور پر غور کر کے ملکہ طوطہ نے سوچا کہ صرف قرطبہ ہی ایسا مقام ہے جہاں ایک زبردست حامی و سرپرست اور ایک عمدہ طبیب مل سکتا ہے، پس ملکہ نے ارادہ کیا کہ خلیفہ ناصر سے ایک طبیب جو اُس کے نواسے کا علاج کر دے، اور ایک لشکر جو اُس کے نواسے کو لیون کے تخت پر بٹھا دے مانگے،

لیکن ایسا سوال کرنے میں ملکہ کی عزت میں بٹا لگتا تھا، کیونکہ اُسے ایک ایسے بادشاہ کے سامنے سائل بننا پڑتا تھا جس کو وہ کافر سمجھتی تھی، جس سے تیس۳۰ برس تک لڑائیاں ہوتی رہی تھیں، جس نے مشکل سے ایک سال بھی ایسا نہیں جانے دیا تھا جس میں ملکہ کے مُلک اور مقبوضات کو غارت، اور گاؤں اور قصبات کو جلا کر خاک نہ کیا ہو، پس ایسے شخص کے سامنے ہاتھ پھیلانا ملکہ کی طبیعت کے خلاف تھا، لیکن نواسے کی محبت اور اُس کو پھر تندرست اور صاحبِ تخت دیکھنے کی آرزو نے بالکل مجبور کر دیا، نواسے کی مصیبتوں کے خیال سے طلبِ امداد میں اِس بات کی غیرت نہ رہی کہ ایک مسلمان بادشاہ کے سامنے جس سے عداوت چلی آتی تھی درخواست پیش کرے۔ بہرکیف طوطہ ملکۂ نبرہ نے ایک سفارت اِن مقاصد سے جو اُوپر بیان ہوئے خلیفہ ناصر کی خدمت میں بھیجی۔

سفارت نے دربار میں حاضر ہو کر ملکہ کی درخواست پیش کی، ناصر نے بہت خوش ہو کر درخواست منظور کی، اور شانجہ کے علاج کے لیے ایک شاہی طبیب بھیجنے کا حکم دیا، اور سفیروں سے کہا کہ ہم اپنا ایک وزیر بنبلونہ روانہ کرتے ہیں، یہ وزیر ملکہ کے سامنے چند شرائط پیش کریگا، اگر ملکہ اُن شرائط کو منظور کرے گی تو ہم شانجہ کو لیون کے تخت پر بٹھانے کیلئے فوج روانہ کریں گے۔

(۴۴۲) جب یہ سفیر قرطبہ سے رخصت ہونے لگے تو خلیفہ ناصر نے یہودی طبیب حسدائی کو خاص خاص ہدایتیں دے کر ملکہ نبرہ کے پاس جانے کا حکم دیا، حسدائی سے بہتر کوئی شخص اس کام کے لیے موضع نہ ہوا تھا، سیاسی معاملات کو خوبی سے طے کرنے کے لیے جو خوبیاں کسی میں ہونی چاہئیں وہ سب اس طبیب میں موجود تھیں، عیسائیوں کی زبان میں بالکل بے تکلف بلکہ بڑی فصاحت سے گفتگو کر سکتا تھا، طبیب حاذق ہونے کے علاوہ امورِ حکمرانی میں بڑا ہوشمند تھا، اُس کے فضل و کمال اور سلامتی رائے کی تعریف ہر شخص کی زبان پر تھی، چنانچہ ایک سفیر نے جو جرمانیہ کی مشرقی سرحد سے قرطبہ آیا تھا اُس کی تعریف میں کہا تھا کہ "یہ حکیم تدبیرِ مملکت میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔"

بنبلونہ پہنچ کر حسدائی نے شانجہ کو تندرست کر دینے کا وعدہ کر کے اُس کے دل میں جگہ کر لی، مگر یہ بات جتا دی کہ علاج کے معاوضہ میں اُس کو اپنے دس قلعے ناصر کو تفویض کرنے ہوں گے، شانجہ نے جواب دیا کہ لیون کا تخت ملتے ہی وہ دسوں قلعے خلیفہ ناصر کے حوالے کر دیگا۔

لیکن ناصر کی شرائط صرف یہی نہ تھیں، بلکہ چلتے وقت ناصر نے حسدائی کو ہدایت کر دی تھی کہ ملکہ طوطہ سے اس بات کا اقرار ضرور لے لے کہ وہ بذاتِ خود دربارِ خلافت میں حاضر ہوگی، اور اپنے بیٹے غرسیہ اور نواسے شانجہ کو بھی ساتھ لائیگی۔

اس اثنا میں خلیفہ ناصر کو اپنا کرو فر، اور رعایا کو اس بات کا تماشہ دکھا کر خوش کرنے کے لیے کہ ایک عیسائی ملکہ اور دو عیسائی بادشاہ کس طرح دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر اُس کے قدموں پر گرتے ہیں اور عاجزی و الحاح سے اُس کی مدد کے طالب ہوتے ہیں، اس

شرط پر اصرار کرنا ضروری تھا کہ ملکہ طوطہ، شانجہ اور غرسیہ قرطبہ میں حاضر ہوں، لیکن یہہ خیال پہلے ہی گذرا تھا کہ ملکہ اس سے انکار کرے گی، کیونکہ ایک خفت تو اُسے پہلے یہ ہو چکی تھی کہ مجبور ہو کر اپنے جانی دشمن سے اتحاد پیدا کرنا پڑا تھا، اب یہ دوسری ذلت تھی کہ قرطبہ کا سفر اختیار کرے، اور یہ ذلت پہلی ذلت سے بھی بڑھ کر تھی، اوّلاً ملکہ سے یہ کہنا کہ وہ قرطبہ چلے، اور پھر اِس پر راضی بھی کر لینا حسدائی کی سفارت کا سب سے نازک اور مشکل کام تھا، ملکہ سے اِس قسم کا قول و قرار لینے میں بڑی لیاقت اور ہوشیاری درکار تھی، لیکن یہ یہودی طبیب جیسا لائق مشہور تھا ویسا ہی اِس موقع پر اپنے کو لائق ثابت بھی کیا، اور مغرور ملکہ نبرہ بقول ایک یہودی شاعر کے حسدائی کی شیریں کلامی اور دانشمندی سے بیحد متاثر ہوئی، اور اِس خیال سے کہ نواسے کو پھر تخت پر بٹھانا اِس سے کم قیمت میں میسّر نہیں ہو سکتا، طبیعت پر جبر کر کے قرطبہ چلنے پر رضامند ہو گئی۔

(۴۴۳) اب اسپین نے ایک عجیب تماشا دیکھا، ملکہ نبرہ مع اپنے خدم وحشم، اور روسا قوم اور پادریوں کی ایک بڑی جماعت کے چھوٹی چھوٹی منزلیں طے کرتی ہوئی بنبلونہ سے قرطبہ کو جاتی ہے، ملکہ کے ساتھ اُس کا فرزند غرسیہ اور نواسہ شانجہ بھی تھا جس کے مرض میں ابھی تک افاقہ نہ ہوا تھا اور حسدائی کا سہارا لے کر چلتا تھا۔

دربارِ خلافت میں عیسائی بادشاہوں کی حاضری مسلمانوں کے قومی تفاخر کے لیے تو اطمینان بخش تھی ہی، لیکن یہودی بھی خوشی سے باغ باغ ہو رہے تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہہ کُل کارنامہ اُنہی کے ایک ہم مذہب کا ہے، یہودی شاعروں نے حسدائی کی تعریف میں ایک دوسرے کو مات کرنا چاہا، ایک شاعر نے لکھا:-

> "پہاڑو! یہودہ کے سردار کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ، سب ہنسو اور خوش ہو ویرانو، اور جنگلو! نغمہ سرائی کرو۔ صحرا کی زمینوں! پھولوں اور میووں کے باغ بنجاؤ۔ کیونکہ بیت الحکمت کا سردار تشریف لا رہا ہے، خوشی وخرمی اور نغمے اُس کے ساتھ ساتھ ہیں، جس وقت وہ یہاں نہ تھا تو شہر کی دیواریں افسردہ تھیں اور شہر تاریک معلوم ہوتا تھا، غریب یہودی جن کو اُس کی صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی

مبتلائے الم تھے۔ مزدور لوگ ہم پر حکومت چلاتے تھے، غلامی میں ہمیں بیچا اور خریدا جاتا تھا، ہمارا مال نگلنے کو سب منہ پھاڑے ہوئے تھے، ہم پر یہ دشمن شیروں کی طرح دہاڑتے تھے، ہم حالتِ خوف میں رہتے تھے، کیونکہ ہمارا پناہ دینے والا ہم سے دور ہوگیا تھا۔ خدا نے ہمارے سردار کو پھر ہمارے پاس بھیجا، دیکھو! وہ خلیفہ کے دائیں طرف کھڑا ہے، خلیفہ اُس کو شہزادہ کہتا ہے، اور خلیفہ نے بڑے بڑوں سے اُس کا درجہ بڑھا دیا ہے، جس وقت وہ قریب سے گذرتا ہے تو کسی کو لب کھولنے کی مجال نہیں ہوتی، بغیر تیر و تلوار کے صرف اپنی باتوں سے اُس نے ان لحم نجس کھانے والوں کے تحصن شہروں کو فتح کیا ہے"۔

ملکہ اور دونوں بادشاہ یعنی غرسیہ اور شانجہ جب قرطبہ پہنچ گئے تو خلیفہ ناصر نے ایک بڑا دربار کیا، یہ دربار اُن درباروں میں سے تھا جن کی شان و عظمت کو دیکھ کر باہر والے بیحد متاثر ہوتے تھے، اور اسپین میں اسلامی سلطنت کی قوت اور دولت کا اس سے بخوبی اندازہ کرسکتے تھے۔

اس امر میں شبہ کی ضرورت نہیں کہ ناصر کے لیے یہ دن بہت ہی خوشی اور اطمینان کا تھا، وہ دیکھتا ہوگا کہ اُس کے پُرانے دشمن اور بدخواہ رومیر ثانی فاتح شبنت مانکش والخندق[۵۱] کا فرزند شانجہ، اور وہ بہادر ملکہ جو لڑائیوں میں خود اپنی فوجوں کو خلیفہ کے مقابلہ پر لاتی تھی اس وقت دونوں اُس کے قدموں پر سر رکھتے ہیں۔

اس قسم کے خیالات خلیفہ ناصر کے دل میں جو کچھ بھی ہوں، لیکن کسی علامت سے اُس نے اُنہیں ظاہر نہ ہونے دیا، اور اپنے معزز مہمانوں کا بڑے تپاک اور اخلاق سے استقبال کیا، شانجہ نے دس قلعوں کے سپرد کرنے کا وعدہ جو حسدائی سے کیا تھا اُس کی تجدید خلیفہ ناصر کے سامنے کی، تصفیہ یہ ہوا کہ جس وقت مسلمانوں کی فوج لیون کی ریاست پر

---

[۵۱] مگر اس پُرانے دشمن اور بدخواہ کو الخندق کی جنگ کے بعد خلیفہ ناصر تین بار سخت شکستیں دے چکا تھا، اور یہ خوشی اور اطمینان اس سے پہلے بھی اُسے نصیب ہو چکا تھا۔ مترجم اردو

حملہ کرے، نبرہ والے قشتالیہ پر فوج کشی کردیں، تاکہ فردلند جو اس وقت لیون کی کمک پر ہے قشتالیہ کو بچانے کی فکر میں لیون سے ہٹ جائے[۵۱]۔

(۴۴۴) اس زمانہ میں خلیفہ ناصر افریقہ کی طرف سے غافل نہ ہوا تھا، لڑائی کی تیاریاں جاری تھیں، جس سال ملکہ نبرہ قرطبہ میں آئی ہے اُسی سال خلیفہ ناصر نے ستر جہازوں میں اپنی فوجیں سوار کرا کے اور احمد بن یعلیٰ کو اُن کا سپہ سالار مقرر کرکے افریقہ روانہ کیا تھا، یہ مہم کامیاب ہوئی، اندلس کی فوجوں نے مرسیٰ الخزیز کو آگ لگادی، اور سوس اور طبرقہ کے شہروں کو غارت کردیا۔

کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کی ایک فوج نے ریاست لیون پر حملہ کیا، شانجہ اس فوج کے ساتھ تھا، حسدائی کے علاج سے اُس کا مٹاپا دُور ہوگیا تھا، اور اب وہ پھر پہلے کی طرح چھریرا جسم کا چست وچالاک آدمی ہوگیا تھا، اسلامی فوج کو پہلے ریاست لیون کے شہر سمورہ پر قبضہ کرنا پڑا[۵۲]، چنانچہ اُس پر قبضہ کیا گیا، اور اپریل ۹۵۹ء (صفر ۳۴۸ھ) تک ریاست لیون کے ایک بڑے حصہ پر مسلمانوں کی مدد سے شانجہ کی حکومت پھر قائم ہوگئی، لیون کا شہر جو دارالریاست تھا اردون چہارم کے قبضے میں رہا (جسے فردلند نے لیون کے تخت پر بٹھایا تھا) لیکن جب ۹۶۰ء (۳۴۹ھ) کے موسم خریف میں یہ بادشاہ لیون سے بھاگ کر اشتوراس کے علاقے میں پناہ گزیں ہوا تو لیون کے شہر پر بھی شانجہ کا قبضہ ہوگیا۔

جس وقت شانجہ پوری ریاست پر قابض ہوگیا تو اُس نے خلیفہ ناصر کو شکریہ کا خط لکھا، اور اُس کے ساتھ ہی لیون میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان قرب وجوار کے علاقوں میں کیا، اس اعلان کی غرض سے جو خطوط اُس نے روانہ کیے اُن میں فردلند قومس قشتالیہ کی بدخواہی اور دشمنی کا ذکر سخت الفاظ میں کیا، ممکن ہے شانجہ کو اس وقت بھی فردلند

---

[۵۱] کتاب "تحقیقات" مصنفہ ڈوزی (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) جلد ۱ ص ۹۸

[۵۲] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

کی مخالفت کا شوق ہو، لیکن اگر یہ خوف تھا تو وہ جلد رفع ہوگیا۔ قرطبہ میں جس طرح طے پایا تھا اُسی کے مطابق اہلِ نبرہ نے قشتالیہ پر فوج کشی کر دی، اور اسی سال یعنی ۳۴۹ھ ۹۶۰ء میں اُنھوں نے فردلند سے لڑ کر اُسے قید کر لیا، غرض اِس طور سے اردون چہارم کی بادشاہی کا خاتمہ ہوا، اردون کو رعایا پہلے ہی سے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی، صرف فردلند کی مدد سے جس کا وہ آور دہ تھا اُسے لیون کا تخت مل گیا تھا، اشتوراس والوں نے بھی جن میں اُس نے پناہ لی تھی اُسے اپنے علاقے سے نکال دیا، اشتوراس سے نکلنے پر اُس نے قشتالیہ کے دارالحکومت برغش میں سکونت اختیار کی، اس کا حال آگے بھی بیان ہوگا۔

جس زمانہ میں یہ واقعات اسپین کے شمال میں پیش آ رہے تھے اُسی زمانے میں خلیفہ ناصر کا مزاج ناساز ہوا، مارچ (محرم ۳۵۰ھ) کا مہینہ تھا، ہوا نہایت سرد چلتی تھی، احتیاط کی نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ناصر ایسا سخت بیمار پڑا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اطبا نے علاج میں بہت کوشش کی تو مرض میں کچھ افاقہ پیدا ہوا، اور جولائی (جمادی الاول ۳۵۰ھ) میں وہ اتنا تندرست ہوگیا کہ دربار کر کے اہلِ دربار کو حاضر ہونے کی عزت بخشی، لیکن یہ صحت عارضی تھی مرض نے پھر حملہ کیا، اور ۱۶ اکتوبر ۹۶۱ء (۲ رمضان ۳۵۰ھ) کو شمسی حساب سے عمر کے ستّرویں سال میں اُنچاس برس حکومت کر کے اِس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ (۴۴۵)

اسپین کے سلاطین بنی امیہ میں عبدالرحمٰن ثالث سب سے بڑا بادشاہ گذرا ہے، جو کام اُس نے کیے وہ کام نہ تھے بلکہ قریب قریب معجزے تھے، جس وقت وہ تخت نشین ہوا ہے تو تمام ملک بدنظمی و خانہ جنگی کا شکار ہو رہا تھا، ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا، سلطنت مختلف النسل لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی تھی، جو شمال کے عیسائیوں کی لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا شکار ہو رہی تھیں، اور نوبت اس کے قریب پہنچی تھی کہ ان ریاستوں کو کہیں تو لیون کے عیسائی، اور کہیں افریقہ کے فاطمی ایک دن اپنا لقمہ بنا لیں، باوجود بے شمار مشکلات کے عبدالرحمٰن نے اندلس کو اندلسی دشمنوں کے فساد اور بیرونی دشمنوں کی حکومت سے بچا لیا۔

اسپین میں اسلامی حکومت کو جو اعلیٰ رتبہ عبدالرحمٰن ثالث نے بخشا وہ کبھی پہلے اُسے

حاصل نہ ہوا تھا، اندرونِ مُلک سلطنت میں امن واستحکام پیدا کیا، بیرونِ ملک اُس کی عزت اور وقعت قائم کی، ملک کے مالیے کا ایک ثلث جس کی رقم باسٹھ لاکھ پنتالیس ہزار دینار سرخ ہوتی تھی مصارفِ سلطنت کے لیے کفایت کرتا تھا، دوسرا ثلث بیت المال میں محفوظ کر دیا جاتا تھا، تیسرا ثلث تعمیرات پر صرف ہوتا تھا، ۳۴۰ھ / ۹۵۱ء میں بیت المال میں دو کروڑ دینار سُرخ موجود تھے۔

ایک سیاح نے جسے مالی معاملات میں دستگاہ تھی لکھا تھا کہ " زمانہ موجودہ میں دولتمندی کے اعتبار سے اسپین کے عبدالرحمٰن اور عراق کے بنی ہمدان سے بڑھا ہوا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" ملک کی حالت خزانہ کی مرفہ الحالی سے مطابق تھی، زراعت، صنعت، تجارت، فنون اور علوم سب کو ترقی تھی، سیاحوں کی نظر ہر طرف سرسبز کھیتوں کو دیکھ کر خوش ہوتی تھی، کھیتوں کی آبپاشی کے لیے باقاعدہ ذرائع موجود تھے، جن سے خشک اور بنجر زمینیں بھی زرخیز بنا دی گئی تھیں، سیاحوں کو حیرت ہوتی تھی کہ ایسے اضلاع میں بھی جہاں تک پہنچنا مشکل تھا امن وانتظام موجود تھا، اور یہ سب پولیس کی عمدہ نگرانی کا نتیجہ تھا، اشیا کی ارزانی بھی تعجب خیز تھی، لذیذ سے لذیذ پھل برائے نام قیمت پر ملتے تھے، لوگوں کے لباس میں صفائی اور بانکپن تھا، سب خوشحال تھے، پیدل چلنے کی جگہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس خچر سواری کے لیے نہ ہو۔ قرطبہ، المریہ، اور اور مقامات مختلف صنعتوں کی وجہ سے مالا مال ہو رہے تھے، تجارت کو اس قدر ترقی تھی کہ محکمہ سائر کے افسر اعلیٰ نے اپنی کیفیت میں لکھا کہ درآمد اور برآمد کے مال پر جو محصول لیا جاتا ہے اُس کی رقم مُلک کے مجموعی مالیے کا ایک بڑا حصہ ہے، قرطبہ میں پانچ لاکھ باشندے، تین ہزار مسجدیں، متعدد عالیشان محل، اور ایک لاکھ بیس ہزار (۴۴۶) سکونت کے مکانات تھے۔ تین سو حمام، اٹھائیس محلّے اور باڑے تھے، اور یہ سب اتنے تھے کہ بغداد کے سوا جس سے اہلِ قرطبہ اپنے شہر کا فخریہ مقابلہ کیا کرتے تھے کوئی دوسرا شہر اُس کا ہم پلہ نہ تھا، قرطبہ کی شہرت جرمانیہ کے مُلک تک پہنچی تھی، چنانچہ سیکسن قوم کی

سلہ ہمدان کا خاندان حلب میں حکومت کرتا تھا ۳۱۱ھ / ۹۲۳ء تا ۳۹۴ھ / ۱۰۰۳ء

ایک راہبہ جس کا نام ہروس ویتھا تھا، اور جو اپنی تصنیف کردہ نظموں اور قصوں کی وجہ سے دسویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں شہرۂ آفاق تھی، لکھتی ہے کہ "قرطبہ دنیا کا ایک گوہر آبدار ہے۔"

قرطبہ کے قریب جو شہر خلیفہ ناصر نے تعمیر کرایا تھا وہ بھی کچھ کم تعریف کے قابل نہ تھا، ناصر کی ایک کنیز مرتے وقت بہت سی دولت ناصر کے نام چھوڑ گئی تھی، خلیفہ نے چاہا کہ اس روپیہ کو اسیران جنگ کو رہا کرانے میں صرف کرے، چنانچہ لیون اور بنرہ کے علاقوں میں آدمی دوڑائے گئے کہ کوئی مسلمان قیدی ہو تو معلوم کریں، لیکن جب ان لوگوں کو کہیں کوئی مسلمان قیدی نہیں ملا تو خلیفہ کی چاہیتی ملکہ زہرا نے عرض کیا کہ اس روپے سے ایک شہر بنوا دیجئے اور اُس کا نام میرے نام پر رکھیئے، خلیفہ نے اس خیال کو بہت پسند کیا۔

دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرح خلیفہ ناصر کو بھی عمارتیں بنوانے سے عشق تھا، چنانچہ نومبر ۹۳۶ء (ذی الحجہ ۳۲۴ھ) میں قرطبہ سے تقریباً ایک فرسخ شمال میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی گئی، جس سے ملکہ زہرا کی یادگار قائم ہوئی، اس شہر کو عالیشان بنانے میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی گئی، پچیس برس تک دس ہزار مزدوروں اور معماروں، اور پندرہ سو بار برداری کے جانوروں نے اس شہر کے بنانے میں محنت و مشقت کی، پھر بھی بانی شہر کی زندگی میں وہ ختم نہ ہو سکا۔

خلیفہ ناصر نے چار سو درہم ہر ایسے شخص کو جو اس نئے شہر میں آباد ہو، دینے کا حکم دے رکھا تھا، اس وجہ سے صدہا آدمی مدینۃ الزہرا میں آباد ہونے چلے آئے۔

بادشاہی محل جو اس شہر میں تعمیر ہوا اُس میں مشرق اور مغرب کے عجائبات موجود تھے محل بہت بڑا تھا، اُس کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف اُس کی محلسرا میں چھ ہزار مستورات رہتی تھیں۔[۵۱]

---

[۵۱] مدینۃ الزہرا کے مقام پر آجکل جو کندن ہو رہا ہے اگر اُس کی کیفیت پڑھنی ہو تو اخبار ٹائمس (انگلستان) مورخہ ۲۸ ر دسمبر ۱۹۱۰ء ملاحظہ ہو، مضمون کی سرخی ہے "ایک عربی پومپی آئی" اس کندن (باقی بر صفحہ آئندہ)

خلیفہ عبد الرحمٰن کی قوت و سطوت فی الحقیقت عظیم الشان ہوگی، اُس نے ایک بڑا شاندار بیڑا جہازوں کا ایسا تیار کرلیا جس سے تمام بحرِ متوسط پر فاطمیین کے مقابلہ میں ناصری عمل دخل ہوگیا، اور سبتہ پر قبضہ کرنے سے تمام مغربِ اقصیٰ پر حکومت کی کنجی ہاتھ لگ گئی، ایک کثیر و قواعد داں لشکر کی وجہ سے جو غالباً اس وقت دُنیا میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا شمالی اسپین کے عیسائیوں پر غلبہ حاصل رہا، اِس زمانے کے مغرور سے مغرور بادشاہ خلیفہ ناصر سے دوستی پیدا کرنے کے آرزومند رہتے تھے۔ بیزنطیہ کے شہنشاہ اور جرمانیہ، اٹلی، اور فرانس کے بادشاہوں نے دربارِ ناصر میں اپنی سفارتیں بھیجیں۔ (۴۴۷)

اس فروغِ حکومت کی عظمت میں کس کو کلام ہوسکتا تھا، لیکن عہدِ ناصر کی تاریخ پڑھنے والے کو جو چیز سب سے زیادہ تعریف و حیرت کی معلوم ہوتی ہے وہ عمارت نہیں ہے عمارت کا معمار ہے، کس بلا کا ہمہ گیر وہ دماغ ہوگا جو چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ منصوبوں کو سوچنے اور احاطہ کرنے پر قادر تھا، اس شخص نے اپنی عقل و ذہانت سے قوم کے افراد کو متحد کیا، وسائلِ دولت و ثروت کو مجتمع کیا، اور مختلف سلطنتوں سے اتحاد پیدا کرکے توازنِ قوت قائم کردیا، مذہبی رواداری سے کام لے کر اپنی سیاسی مجلسوں میں غیر مذہب کے لوگوں کو شریک کیا۔

ایسا شخص عہدِ وسطیٰ کا خلیفہ نہیں بلکہ زمانۂ موجودہ کا ایک عاقل و دانشمند بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے جو اشیا برآمد ہوئیں اور جو صنعت اُن سے ظاہر ہوتی ہے اُس کے حالات کے لیے ویشا کا مضمون اگست ۱۹۱۱ء کے برلنگٹن میگزین میں دیکھو۔

اسناد :-

ابن حوقل۔ ص ۳۸ ، ۴۰ تا ۴۲

کرونیکون دی ساہیرد۔ ۲۶

مقری۔ جلدا ص ۲۵۲ تا ۲۵۳ ، ۳۴۴ تا ۳۴۶ -

۳۷۰ -

ابن عذاری جلد۲ ص ۱۶۱ ، ۲۰۱ ، ۲۳۷ تا ۲۳۹ -

۲۴۶ تا ۲۴۸ -

ابن خلدون۔ ص ۱۵ - تاریخ بربر، جلد۲ ص ۵۴۲ (ترجمہ)

اسپینا سگرادا - جلد ۳۴ ص ۲۶۷ تا ۲۷۰

نبرہ اور لیون کی عیسائی ریاستوں کے حکمرانوں کی تفصیل کے لیے ذیل میں دو شجرے درج کیے جاتے ہیں، جن سے علاوہ ناموں کے اُن کے آپس کے رشتہ داری کے تعلقات بھی بہ آسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

ریاست نبرہ

شانجہ بادشاہ نبرہ
(شادی ہوئی ملکہ طوطہ سے)

یوراکہ لڑکی	غرسیہ بادشاہ نبرہ	بیٹی	بیٹی
(اس کی شادی رودمیر ثانی سے ہوئی جو لیون کا بادشاہ تھا)	(بادشاہی فی الحقیقت اُس کی ماں ملکہ طوطہ کرتی تھی)	(اس کی شادی فردلند بن عبد شلب سے ہوئی، یہ رئیس قشتالیہ تھا)	(اس کی شادی اردونش چہارم بادشاہ لیون سے ہوئی)

ریاست لیون

اردون ثانی
بادشاہ لیون

فرویلہ

شانجہ
(لیون سے بے دخل ہوکر
جلیقیہ میں حکومت کرنے لگا)

ادفونش چہارم
بادشاہ لیون
(شادی بادشاہ نبرہ کی ایک بیٹی سے ہوئی)

اردون چہارم "الخبیث"
بادشاہ لیون
(اسے فردلند نے تخت پر بٹھایا تھا
اس کی شادی اردون ثالث کی
بیوہ سے ہوئی تھی جو فردلند کی بیٹی تھی)

بادشاہ نبرہ کی بیٹی = رومیر ثانی = جلیقی بیوی
یوراکہ سے شادی ہوئی

شانجہ الجسیم
بادشاہ لیون
(تخت سے
اُتارا گیا
مسلمانوں کی
مدد سے پھر
بادشاہ ہوا)

اردون ثالث
بادشاہ لیون
(فردلند رئیس قشتالیہ کی
بیٹی سے شادی ہوئی)

کتاب ثالث (خلافت)

پانچویں فصل

خلیفہ الحکم ثانی، المستنصر باللہ

(۴۴۸) شاہانِ لیون اور نبرہ کی بہتری اور بھلائی کے لیے خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر نے بہت سے کام کیے تھے، مگر ان نصرانی بادشاہوں کو خلیفہ کے مرنے کا مطلق افسوس نہ ہوا، بلکہ خوش ہوئے کہ عہد ناموں کی شرطوں اور خلافتِ قرطبہ کی اطاعت سے روگردانی کا اچھا موقع ہاتھ آیا، مسلمانوں کی اطاعت اب اُن کو اِس وجہ سے مکلف تھی کہ اِس کی ضرورت نہ رہی تھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو شرائط حالتِ مجبوری میں لکھنی پڑی ہوں اُن کے توڑنے کے لیے ایسے موقعے اچھے ہوا کرتے ہیں۔[۵۱]

خلیفہ ناصر کے جانشین الحکم مستنصر باللہ کی نسبت مشہور تھا کہ اُس کی طبیعت جنگجو نہیں ہے، اور ممکن ہے کہ جو عہد و پیمان ریاستوں سے اُس کے باپ کے زمانے میں ہوئے

[۵۱] نصرانی بادشاہوں کو اخلاق سے بحث نہ تھی۔ مترجم اردو

تھے اُن کی پابندی اپنے زمانہ میں سختی سے نہ کرے، بہرکیف اِن نصرانی بادشاہوں نے مناسب سمجھا کہ ابھی کچھ دنوں یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ الحکم کو میدانِ جنگ میں الناصر کے برابر کامیابی ہوتی ہے یا نہیں؟

مگر اِن عیسائی بادشاہوں کی بدنیتی کا حال الحکم پر جلد کُھل گیا، شانجہ بادشاہ لیون کو جب حکم پہنچا کہ عہدنامہ میں جن قلعوں کا ذکر ہوا ہے وہ خلیفہ کے سپرد کیے جائیں تو وہ حیلے حوالے کرنے لگا، غرسیہ بادشاہ نبرہ سے جب کہا گیا کہ فردلند بن عبد شلب جو اُسکے پاس قید ہے دولتِ قرطبہ کے حوالے کیا جائے تو اُس نے صاف انکار کر دیا[۵۱]، صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ فردلند کو اِس شرط پر قید سے رہا کر دیا کہ وہ اپنے داماد اردون چہارم سے کوئی واسطہ نہ رکھے، اردون اشتوراس سے فرار ہو کر اِس وقت قشتالیہ کے دارالحکومت برغش میں مع اہل وعیال کے سکونت رکھتا تھا، فردلند نے قید سے رہا ہوتے ہی اردون کی نسبت برغش سے خارج البلد کیے جانے کا حکم دیا، اردون کو اب اپنی بیوی اور دو بیٹیوں سے جدا ہونا پڑا، اور فردلند کے حکم سے ایک دستۂ فوج کے زیرِ حراست وہ برغش سے مسلمانوں کے علاقے میں پہنچا دیا گیا۔

فردلند نے لیون اور نبرہ کے بادشاہوں کی طرح خلافتِ قرطبہ سے کوئی پیمانِ صلح نہیں کیا تھا، اِس لیے خلافت سے اُس نے پھر سرکشی اختیار کی، نتیجہ یہ ہوا کہ فروری سنہ ۹۶۲ء (محرم سنہ ۳۵۱ھ) میں خلیفہ الحکم نے اپنے والیانِ صوبہ جات اور سردارانِ لشکر کو جنگ کے لیے فوجیں آراستہ کرنے کا حکم دے دیا۔

اِسی اثنا میں اردون چہارم، لیون کے مسیحی اُمراء کو جو اُس کے بڑے مونس و غمگسار تھے ساتھ لیے مدینہ سالم میں آیا، یہاں یہ دیکھ کر کہ مسلمان لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں اُس کو اپنی بہتری کی امید ہوئی، اور دل میں سوچنے لگا کہ جس طرح اُس کے ابنِ عم شانجہ نے عبد الرحمٰن الناصر کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی حکومت پھر حاصل کر لی تھی، اب وہ بھی اپنی

---

[۵۱] کتاب "تحقیقات" مصنفہ ڈوزی (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) ص ۹۸

حکومت خلیفہ مستنصر کی مدد سے حاصل کرنے کی کوشش کرے، چنانچہ غالب مولائے الحکم سے جو مدینہ سالم کا حاکم تھا اُس نے اپنا مقصد ظاہر کیا کہ قرطبہ جاکر وہ خلیفہ الحکم کی پناہ میں آنا چاہتا ہے۔

(۹۴۴) غالب نے اِس معاملہ میں خلافت پناہی سے استصواب کیا، الحکم کو اس کا افسوس کیوں ہوتا کہ ایک شخص ایک عیسائی ریاست کا مدعی ہوکر اُس کے دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہے، مگر اُس نے کوئی وعدہ بے سوچے سمجھے نہ کرنا چاہا، اور غالب کو جواب دیا کہ اردون کو قرطبہ میں لے آؤ مگر میں ابھی کوئی وعدہ اُس کے حق میں بہتری کا نہیں کرسکتا۔

غالب یہ حکم پاتے ہی ماہ اپریل ۹۶۲ء (ربیع الاول ۳۵۱ھ) کے شروع میں اردون کو، اور جو عیسائی امرا اُس کے ہمراہ تھے اُن کو ساتھ لے کر مدینہ سالم سے قرطبہ کی طرف روانہ ہوگیا، راستہ میں دربارِ خلافت سے بھیجے ہوئے سواروں کا ایک دستہ ملا جو مہمانوں کے استقبال اور مضافاتِ قرطبہ تک اُن کی معیت کے لیے آیا تھا، جب قرطبہ قریب آگیا تو یہاں اور زیادہ فوج ملی، اردون نے اِس فوج کے افسروں سے راہ ورسم پیدا کرنے اور اُن کی خوشامد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، اور جب قرطبہ میں داخل ہوا تو عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کا مدفن دریافت کرنے لگا، جس وقت روضۂ ناصر اُس کو بتایا گیا فوراً سر سے ٹوپی اُتار لی، اور قبر کی طرف منہ کرکے اُس شخص کے حق میں دعا مانگنے لگا جس نے تھوڑا زمانہ ہوا تھا کہ اُس کو تاج وتختِ لیون سے محروم کردیا تھا، اِس وقت اردون کو لیون کی حکومت حاصل کرنے کے سوا دوسرا خیال نہ تھا، اور اِس مقصد کے حصول کے لیے کوئی ذلت بھی ایسی نہ تھی جس کا گوارا کرنا اُسے شاق گذرتا۔

اردون جب قرطبہ پہنچا تو قصرِ ناعورہ میں ٹھیرایا گیا، دو دن اِس پُرتکلف وآراستہ قصر میں قیام کے بعد اطلاع ملی کہ خلافت مآب قصرِ زہرا میں اُس کو شرفِ حضوری بخشیں گے، اردون نے دیبا رسپید کا لباس پہنا (غالباً اِس خیال سے کہ سپید رنگ بنی امیہ کا مخصوص رنگ ہے) اور ایک رومی ٹوپی سر پر رکھی جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے، اِس موقع پر اندلسِ اسلامیہ کے چند مسیحی امرا، مثلاً قرطبہ کے عیسائیوں کا قاضی ولید بن خیزران، اور

طلیطلہ کا مطران عبید اللہ بن قاسم اس غرض سے اردون کے پاس آئے کہ دربارِ مستنصر میں حاضری سے پہلے وہاں کے قواعد اور آداب سے جن کی پابندی لازمی ہے اردون کو آگاہ کردیں۔

قصرِ ناعورہ سے قصرِ زہرار تک تمام راستے میں فوجوں کی صفیں دو طرفہ کھڑی تھیں، اردون اور اُس کے ہمراہیوں نے اِس کیفیت کو دیکھ کر ظاہر کیا کہ گویا اس منظر نے اُنھیں بہت ہی حیرت زدہ بلکہ خوف زدہ کردیا ہے، نظریں نیچی کرکے نشانِ صلیب ہاتھوں کے اشارے سے بنانے لگے[۵] قصرِ زہرار کے پہلے دروازے پر جب پہنچے تو سوائے اردون اور اُس کے لیونی سرداروں کے سب لوگ گھوڑوں پر سے اُتر پڑے، باب السدہ پر یہ لیونی سردار بھی پیدل ہوگئے، صرف اردون اور ابنِ طملس جس کی خدمت خلیفہ کے سامنے اردون کو پیش کرنے کی تھی، گھوڑوں پر سوار رہے، یہاں تک کہ وہ اُس صحن میں آئے جہاں اردون اور اُس کے عیسائی امرار کے لیے نشست مقرر ہوئی تھی، یہ وہی مقام تھا جہاں شانجہ کو طلبِ امداد کے لیے خلیفہ کے سامنے حاضر ہونے کا انتظار کرنا پڑا تھا۔

---

[۵] نشانِ صلیب یا اشارۂ صلیب سے مراد یہ ہے کہ رومن کیتھولک مذہب کے عیسائی جب کسی بلا سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو ہاتھ سے کوئی اشارہ یا علامت ایسی پیدا کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ صلیب کا نشان بنا رہے ہیں، یہ ایسی ہی بات ہے جیسے مسلمان خوف یا خطرے کے وقت "الحفیظ"، "الامان" یا "لاحول" پڑھتے ہیں۔ مصنف لکھتا ہے کہ خوف ظاہر کیا، یعنی واقعی خوف نہ تھا، لیکن مصنف کا یہ قول بلا دلیل اور بلا ثبوت ہے، قرائن، ماحول اور واقعات اِس بات کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر رہے ہیں کہ اِس وقت اُس کے دل پر شاہی ہیبت وشوکت اپنی پوری قوت کے ساتھ طاری تھی، اگر یہ سارا خوف ظاہری اور بناوٹی تھا تو اردون جو اِس وقت مسلمانوں کو خوش کرنا اور خلیفہ سے امداد لینی چاہتا تھا ہرگز نشانِ صلیب بناتا جو مسلمانوں کے نزدیک ایک لغو کام تھا، اِس سے ظاہر ہے کہ اُس کا یہ فعل بالکل اضطراری تھا نہ کہ ارادی، لیکن مصنف کو کتاب کے عیسائی ناظرین کی خاطر بہت منظور ہے اِس لیے جہاں کہیں عیسائیوں کی ذلت کا حال ہوتا ہے وہاں اپنی قوتِ بیان کو کام میں لاکر عیسائیوں کے دل پر اثر پیدا نہیں ہونے دیتا۔ (مترجم اردو)

کسی قدر توقف کے بعد لیونی مہمانوں کو دربارِ خلافت کے ایوان میں داخل ہونے کا حکم ہوا ۔ ایوان کے دروازے سے اردون نے ادب سے ٹوپی اور اوپر کی ردا اُتار دی، اس کے بعد اُسے تخت کے قریب آنے کا اذن ہوا ، خلیفہ حکم مستنصر باللہ اس وقت مجلس شرقی میں سریر سلطنت پر رونق افروز تھے ، اُن کے بھائی ، بھتیجے ، وزرار اور امرار اپنے اپنے مرتبے پر چپ و راست بیٹھے تھے ، انہی میں قاضی القضاۃ (منذر بن سعید) اور دیگر حکام عالی قدر اور فقہا بھی تھے ۔

(۴۵۰ (۹

اردون تختِ خلافت کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا ، چند قدم چلتا اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر تعظیم دیتا ، یہاں تک کہ تخت کے قریب پہنچ گیا ، خلافت پناہی نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا ، اردون نے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پیچھے ہٹا ، مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ خلیفہ کی طرف سے پشت نہ ہو ، اسی طرح پیچھے ہٹتا ہوا دیبا کی مطلا و مذہب مسند پر جو اُس کے لیے اورنگِ خلافت سے تقریباً پانچ گز کے فاصلے سے بچھائی گئی تھی بیٹھ گیا ، لیون کے جو اُمرار اُس کے ساتھ تھے وہ بھی اپنے بادشاہ کی طرح آدابِ شاہی بجالائے ، اور باری باری سے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیکر اردون کے پیچھے جا بیٹھے ، خلافت مآب اور اردون کے درمیان ترجمانی کی خدمت کے لیے ولید بن خیزران قرطبہ کے عیسائیوں کا قاضی حاضر دربار تھا ۔

خلیفہ مستنصر کچھ دیر تک خاموش رہے ، تاکہ معزول بادشاہ لیون کے دل پر جو اثر اس عظیم الشان دربار کا ہونا لازم تھا ، وہ زائل ہو کر اُس کے حواس درست ہو جائیں ، جب خلافت پناہی نے دیکھا کہ اردون کی تسکین ہو گئی ہے ، تو اُنہوں نے کلام کا افتتاح اس طریقہ سے کیا "ہمارے حضور میں تمہارا آنا باعثِ کامیابی ہوا ، ہمارے جود و سخا سے تمہاری اُمیدیں بر آئیں گی ، تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے اچھے مشیر ہیں ، اور جتنا تم مانگو گے اُس سے بھی زیادہ پاؤ گے" ۔

جب خلیفہ کے الفاظِ احسان و کرم اردون کو ترجمہ کر کے سنائے گئے تو اُس کا چہرہ بشاش ہو گیا ، فوراً اپنی مسند سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور تخت کی سیڑھیوں پر جو غالیچہ بچھا تھا

اُسے چوم کر کہنے لگا "میں امیر المومنین کا غلام ہوں، اور اُن کو اپنا آقا اور مالک جانتا ہوں۔ حضور کے مراحم خسروانہ پر بھروسا رکھتا ہوں، مجھ پر اور میری رعایا پر خلافت پناہی کو پورے اختیارات حاصل ہیں، جہاں کہیں جانے کا ارشاد ہوگا وہیں جاؤنگا، اور نہایت خلوص اور وفاداری سے حضور کی خدمت میں رہونگا۔"

خلیفہ نے جواب دیا "ہم تم کو لائق التفات سمجھتے ہیں، تم یہ سلوم کرکے بہت خوش ہوگے کہ ہم تم کو تمہارے تمام ہم مذہبوں پر فضیلت دیتے ہیں، تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ تم ہمارے سایہ عاطفت میں پناہ کے لیے یہاں چلے آئے۔"

جب مستنصر نے یہ الفاظ کہے تو اردون پھر ایک بار زمیں بوس ہوا اور خلیفہ کو دعائیں دے کر کہنے لگا "زیادہ مدت نہیں ہوئی ہے کہ میرے ابن عم شانجہ نے میرے برخلاف خلیفہ مرحوم الناصر لدین اللہ سے مدد مانگی تھی، اُس کی درخواست منظور ہوئی تھی، اور اُس کو وہ مدد ملی جو ایک بادشاہِ عالیمقام کے سوا دوسرا نہ دے سکتا تھا، میں بھی امیدوارِ اعانت ہوں، لیکن میری امیدواری کی وجوہ مختلف ہیں، میرا ابنِ عم شانجہ مجبور اور مضطرب ہوکر یہاں حاضر ہوا تھا، اُس کی رعایا اُس کو بُرا کہتی تھی اور اُس کی دشمن ہوگئی تھی، اسی رعایا نے اُس کی جگہ مجھے بادشاہ بنایا، حالانکہ میرا خدا شاہد ہے کہ میں نے اس عزت کی کبھی خواہش نہ کی تھی، پس جب رعایا نے مجھے بادشاہ بنایا تو میں نے شانجہ کو تخت سے معزول کرکے ملک بدر کردیا، مگر اُس نے آخر کار خلیفہ مرحوم الناصر سے منت و سماجت کرکے ایک فوج حاصل کی جس نے اُسے پھر تخت پر بٹھا دیا، مگر شانجہ نے اپنے محسن و مربی خلیفہ ناصر اور میرے آقا امیر المومنین سے عہد شکنی کی اور جو عہد و پیمان کیے تھے اُنہیں ایفا نہ کیا، لیکن میں شانجہ کی طرح کسی مجبوری سے نہیں بلکہ برضا و رغبت اپنی عملداری چھوڑ کر یہاں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ خود اپنے تئیں اور اپنے سپاہیوں اور قلعوں کو امیر المومنین کے سپرد کردوں، کیا اس حالت میں میرا یہ عرض کرنا غلط ہوگا کہ میرے ابنِ عم شانجہ میں اور مجھ میں بڑا فرق ہے، اور میں یہ بھی گذارش کرسکتا ہوں کہ میں شانجہ سے زیادہ لائقِ اعتبار اور مستحق مراحم شاہی ہوں۔"

(۹۵۱ء)

خلیفہ نے جواب دیا "ہم نے تمہاری درخواست سُنی اور تمہارے خیالات معلوم کیے، چند روز میں ہماری عنایاتِ شاہانہ تمہاری نیازمندی کا بدل کردیں گی، اور ہمارا احسان تم پر اُس سے زائد ہوگا جس قدر ہمارے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارے مخالف پر کیا تھا، اگرچہ اُس کو یہاں پہلے حاضر ہونے کی فضیلت تم پر حاصل ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم تمہاری ویسی ہی قدر نہ کریں جیسی تمہارے مخالف کی ہوئی تھی، اور جو مراعات پہلے اُس کے ساتھ ہوئی ہیں وہی تمہارے ساتھ نہ کریں، ہم تم کو تمہارے مُلک کی طرف کامیابی کے ساتھ روانہ کریں گے، اور تمہاری حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کردیں گے اور تم کو اُن لوگوں پر بادشاہ بنادیں گے جو تم کو پہلے بادشاہ مانتے تھے، اور اس معاملۂ خاص میں ہم تم کو ایک تحریر عطا کریں گے جو تمہارے پاس رہے گی، اور اس تحریر میں تمہارے ابنِ عم اور تمہارے ملک کی حدود معین کرکے بیان کردی جائیں گی، اور تمہارا جس قدر مُلک اُس کے تصرف میں ہے وہ تم کو دلواکر تمہارے مخالف کو اُس پر فوج کشی کی قطعی ممانعت کردی جائیگی، بہرکیف ہمارے احسانات تم پر تمہاری امیدوں سے بڑھ کر ظاہر ہوں گے، ہم جو کچھ کہتے ہیں اُس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتے ہیں"۔

جس وقت الحکم نے اپنی تقریر ختم کی تو اردون اپنی مسند سے اُٹھا اور خلافت پناہی کے سامنے ایک بار پھر زمیں بوس ہوکر سپاس گذاری کرتا ہوا دربار کے کمرے سے اس طرح رخصت ہوا کہ خلیفہ کی طرف سے پُشت نہ ہو۔ جب دوسرے کمرے میں آیا تو خواجہ سراؤں سے کہنے لگا کہ خلافت مآب کی عظمت وجلالت دیکھ کر اُس کے ہوش وحواس بجا نہ رہے تھے اور وہ سخت مرعوب ہوگیا تھا، اس کمرے میں جب اُس کی نظر ایک کرسی پر پڑی جس پر خلیفہ بیٹھا کرتے تھے تو اُس کے دیکھتے ہی تعظیماً سجدے میں گر گیا، اس کے بعد خواجہ سرا اُس کو حاجب جعفر صقلبی کے پاس لے گئے، اردون نے جعفر کو دیکھتے ہی بہت ادب سے سلام کیا اور اُس کا ہاتھ چومنا چاہا، مگر جعفر نے اُسے ایسا نہ کرنے دیا، اور خود جھک کر اُس سے بغلگیر ہوا اور اپنے پاس اُسے بٹھالیا اور کہا کہ امیر المومنین نے اپنی تقریر میں جو کچھ ارشاد کیا ہے اُس پر یقیناً عمل ہوگا، اس کے بعد جعفر صقلبی نے خلیفہ

کی طرف سے اردون کو خلعت پہنایا، اردون کے ہمراہیوں کو بھی حسب حیثیت خلعت عطا ہوئے، اور ابن جعفر کو سب نے نہایت ادب سے سلام کیا اور اُس کا شکریہ ادا کیا، اور کمرے سے چل کر صحن میں آئے، یہاں خلافت پناہی کی طرف سے اردون کی سواری کے لیے گھوڑا پیش ہوا جس کا ساز و سامان بہت قیمتی تھا، اردون گھوڑے پر سوار ہو کر نہایت شاد و خوشکام اپنے لیونی امرار اور ابن طملس کے ساتھ قصر ناعورہ میں جہاں مقیم تھا واپس آیا۔ (۴۵۲)

اِس کے تھوڑے دن بعد ایک عہد نامہ دستخط کرنے کے لیے پیش کیا گیا، اِس عہدنامے میں شرطیں تھیں کہ اردون خلیفہ سے ہمیشہ صلح و امن رکھیگا اور اپنے بیٹے غرسیہ کو بطور یرغمال امیرالمومنین کے سپرد کر دیگا، فردلند بن عبد شلب سے کبھی اتحاد قائم نہ کریگا۔

جس وقت اردون نے اِس عہدنامہ پر دستخط کر دیے تو خلیفہ مستنصر نے اپنے مولیٰ غالب کی سرکردگی میں ایک فوج اردون کے سپرد کی، عیسائیوں کے قاضی ولید بن خیزران [۵۱] کو، اور قرطبہ کے اسقف [۵۲] اصبغ بن عبد اللہ [۵۳] بن نابیل، اور مطران طلیطلہ عبید اللہ بن قاسم کو اردون کے صلاح و مشورے کے لیے مقرر کیا، اور غرسیہ ابن اردون کو بھی اِنہی عیسائی امرار خلافت کے سپرد کر دیا، اور ہدایت کر دی کہ جہاں تک ممکن ہو اردون اور اہل لیون میں اِس بات پر مصالحت کرا دیں کہ اردون اُن کا بادشاہ تسلیم کیا جائے۔

یہ تمام واقعات بڑے اہتمام کے ساتھ ہر طرف مشہور کیے گئے تاکہ شانجہ مرعوب ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا، شانجہ سمجھ گیا کہ اب واقعی اُس کی حالت خطرناک ہے، جلیقیہ کے وسیع علاقے نے شانجہ کی اطاعت سے قطعی انکار کر دیا تھا، اب یہ صاف نظر آنے لگا کہ اگر اردون نے مسلمانوں کی مدد سے حملہ کیا تو جلیقیہ کے لوگ شانجہ کا ساتھ نہ دیں گے، جلیقیہ کے علاوہ

---

[۵۱] ابن خلدون نے اِس نام کو ولید بن مغیث لکھا ہے۔

[۵۲] ابن خلدون نے اسقف کی جگہ جاثلیق لکھا ہے، یہ لقب اُسقفِ قرطبہ کو بھی اسی طرح دیا گیا ہے جیسے نسطوری عیسائیوں کے اسقف کو دیا گیا تھا۔

[۵۳] ابنِ خلدون نے عبد اللہ لکھا ہے۔

اور علاقوں کے لوگ بھی جنہوں نے شانجہ کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر دل میں اسے ناپسند کرتے تھے، شانجہ کو دوبارہ ملک بدر کرنے پر آمادہ ہو گئے، تاکہ اس طریقے سے اپنے ملک کو دشمن کے حملے سے بچا لیں۔

شانجہ نے اس تردد کی حالت میں یکدم فیصلہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے، چنانچہ مئی کے مہینے میں (ربیع الآخر ۳۵۱ھ) اُس نے چند پادریوں اور عیسائی رئیسوں کو جو قومس کا رتبہ رکھتے تھے قرطبہ روانہ کیا تاکہ خلیفہ مستنصر سے عرض کریں کہ عہد نامے کی تمام شرطیں پوری کرنے پر وہ آمادہ ہے۔

جس وقت مستنصر کو یہ معلوم ہوا تو سمجھا کہ جس چیز کی ضرورت تھی وہ خود بخود حاصل ہو گئی اردون کو مدد دینے کے جس قدر وعدے کیے تھے وہ سب بھول بسر گئے، اور ریاست لیون کے اس بدقسمت دعویدار تخت کی تمام خوشامدیں اور زمیں بوسیاں اکارت گئیں، اردون اس حالتِ مایوسی میں زیادہ دن نہ جیا، تاریخ میں اس کے بعد اُس کا ذکر صرف اتنا ہی آتا ہے کہ قرطبہ میں اُس کا انتقال ہو گیا، اور اس بات کے باور کرنے کی معقول وجہ ہے کہ اُس کی موت کا واقعہ ۹۶۲ء (ذیقعدہ ۳۵۱ھ) کے ختم ہونے سے پہلے پیش آیا۔

اردون کی موت سے شانجہ کے تمام خوف دُور ہو گئے، فردلند قومسِ قشتالیہ اور نبرہ کا بادشاہ، اور قیطلونیہ کے نوابان بوریل اور میردن شانجہ کے دوست اور مددگار تھے، اُنکے بھروسے پر اب شانجہ نے دولتِ قرطبہ سے سرکشی اختیار کی، اور عہد ناموں میں جو شرطیں ہوئی تھیں، اور جن کی پابندی اب تک ہوتی رہی تھی اُن کی پروا نہ کی

(۳۵۲ھ) خلیفہ الحکم بہت تذبذب اور مجبوری کے بعد آمادہ ہوا کہ عیسائیوں کو اشتہارِ جنگ دیدے، چنانچہ اس غرض سے پہلے قشتالیہ کی طرف متوجہ ہوا اور قلعہ شنت اشتیبان غرماج کو فتح کر لیا، فردلند بن عبد شلب کو امان طلب کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ اُس نے امان مانگی، مستنصر نے درخواست منظور کی، لیکن اس کے بعد بہت جلد فردلند نے پھر عہد شکنی کی، اس پر مستنصر نے غالب کو لڑنے کا حکم بھیجدیا، غالب نے اتنیشہ کے مقام پر فردلند کو شکست دی، اس کے بعد غرسیہ بادشاہِ نبرہ کی باری آئی، یحییٰ بن محمد تجیبی حاکم سرقسطہ

نے فوج کشی کر کے غرسیہ کو شکست دی اور اُس کے شہر قلہرہ کو بھی فتح کرلیا۔ مستنصر نے اِس شہر کے گرد نئی فصیل تیار کرائی اور قلعہ غرماج کو بھی جو بوسیدہ ہو گیا تھا از سرِ نو درست کرایا۔

مستنصر باللہ فی الواقع جنگ و جدل سے پرہیز کرتا تھا اور لڑائی پر بہت تامل اور تذبذب کے بعد آمادہ ہوا کرتا تھا، لیکن جب لڑائی شروع کر دیتا تھا تو پھر اِس شدّ و مدّ سے لڑتا تھا کہ دشمن کو پناہ مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا تھا۔

غرض شانجہ بادشاہِ لیون ۳۵۶ھ ۹۶۶ء میں خلیفہ مستنصر باللہ سے امان کا خواستگار ہوا، قیطلونیہ کے نوّابان بوریل اور میرون جن کو اسلامی فوجوں نے پے درپے شکستیں دی تھیں، شانجہ کی طرح مجبور ہوئے کہ مستنصر سے پناہ کے طالب ہوں، اور اسلامی سرحد سے جو قلعے اُن کے متصل تھے اُن کو خود ہی خلیفہ کے حکم سے مسمار کر دیں، غرسیہ بادشاہِ نبرہ نے اپنی ریاست کے پادریوں اور معززین کی ایک جماعت اِس درخواست کے ساتھ بھیجی کہ خلیفہ مستنصر اُس سے بھی صلح کرلیں، جلیقیہ کے رئیس اکبر کونٹ روڈریگو ولاسکیز نے (جسے عربوں نے قومس رذریق بن بلاکس لکھا ہے) اپنی ماں کو خلیفہ مستنصر کے دربار میں بھیجا، خلیفہ نے اُس کی بہت عزت کی، اور نہایت قیمتی تحائف اُس کو دیے۔[۵۱]

خلیفہ الحکم نے عیسائی ریاستوں سے جو صلح اِس وقت کی وہ ہمیشہ قائم رہی، اُسکی

---

[۵۱] نفح الطیب میں اِس معزز خاتون کے دربارِ خلافت میں آنے کا حال اِس طرح بیان ہوا ہے، "الحکم نے اِس ملکہ کے استقبال کے لیے اپنے اہلِ دولت کو بھیجا اور اُس سے ملاقات کے لیے ایک دن دربار کیا، یہ دن بھی یادگار تھا، رذریق کی ماں کو کامیابی ہوئی اور اُس کے بیٹے سے عہدنامۂ صلح ہو گیا، ملکہ کو بہت سا مال عطا ہوا، اور وہ اِس قدر تھا کہ اُس نے اپنے ہمراہیوں میں اُسے تقسیم کیا، خود اُس کو بھی بہت سے تحائف دیے گئے، اور سواری کے لیے ایک بہت قیمتی خچر مع زرّیں زین و لگام کا جس پر دیبا کا زین پوش پڑا تھا، دیا گیا۔ چلتے وقت دربارِ حَکَم میں رخصت ہونے آئی، اِس پر خلیفہ نے اُس کے زادِ راہ کے لیے بہت کچھ سامان دیکر اُسے رخصت کیا" (مترجم اردو)

ایک وجہ تو یہ تھی کہ حکم خود امن وامان زیادہ پسند کرتا تھا، دوسرے یہ عیسائی ریاستیں خود ایسی بدنظمی میں مبتلا ہوئیں کہ اُس سے نکلنے کی کوئی امید نہ رہی، مسلمانوں سے لڑنے کا اب اُن کو خواب تک نظر نہ آسکتا تھا۔

شانجہ بادشاہِ لیون اور الحکم کے درمیان صلح کی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ شانجہ نے جلیقیہ کے علاقے پر حملہ کر دیا، جلیقیہ نے کبھی شانجہ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی؛ اس حملے میں شانجہ نے دریائے دویرہ کے شمالی اطراف میں ایک علاقے کو فتح کرلیا، دریا کے دوسرے کنارے پر جنوب میں توس فرنیند وگون سالو وگون زالیز (فردلند بن عبد شلب) نے بہت سی فوج شانجہ کے مقابلہ کے لیے جمع کرلی تھی، فردلند نے شانجہ سے ملاقات چاہی، ملاقات ہوئی لیکن دغاباز فردلند نے ایک زہرآلود میوہ شانجہ بادشاہ لیون کو کھلوا دیا، زہر نے شانجہ کے قلب پر اثر کیا، فوراً نہیں مرا، لیکن لکنت کے ساتھ اخباروں میں کہا کہ فوراً اُسے لیون لے جائیں، مگر اس سفر میں تیسرے دن شانجہ کو موت آگئی۔[۵۱]

شانجہ بادشاہِ لیون کے بیٹے کی عمر اِس وقت پانچ برس کی تھی، اُس کا نام ردمیر تھا اور اِس نام کا یہ اپنے خاندان میں تیسرا شخص تھا، اپنی خالہ ایلویرا کی تولیت میں باپ کا جانشین ہوا، ایلویرا لیون میں خانقاہ سلوادور کی راہبہ تھی، لیکن رُوسائے قوم نے ایک عورت اور ایک بچے کی اطاعت قبول کرنی گوارا نہ کی اور جلد اپنے خود مختار ہونے کا اعلان (۹۶۵) کر دیا، اب لیون کی ریاست بہت سے چھوٹے چھوٹے رئیسوں میں تقسیم ہوکر بالکل کمزور ہوگئی۔ اِسی زمانہ میں نارمندی کے بادشاہ ریچرداول کے پاس ڈین قوم کا ایک گروہ اٹھارہ ہزار آدمیوں کا تھا، بادشاہ کو جب اِن کی ضرورت نہ رہی تو اُن کو اسپین روانہ کردیا، اسپین میں آکر اِس قوم نے جلیقیہ کے علاقے کو تین برس تک خوب لوٹا اور غارت کیا،[۵۲] کوئی اتنا نہ تھا کہ

---

۵۱ ۹۶۶ء کے آخر میں (۳۵۶ھ) شانجہ فوت ہوا۔ رسکو، تاریخ لیون جلد ۱ ص ۲۱۲

۵۲ جلیقیہ پر اس فوج کشی کے حالات معلوم کرنے ہوں تو دیکھو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" مطبوعہ ۱۸۸۱ء ص ۲۹۴۔ اور اُس کے بعد کے صفحات۔

اس کا سدِ باب کرتا۔

جب یہ حالت یہ تھی تو ایلویرا جو نابالغ رومیر کی ولیہ تھی مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت نہ کرسکتی تھی،

مسلمانوں کے حملے قشتالیہ پر جاری رہے، لیکن ۳۵۸ھ ۹۷۰ء میں وہاں کا حاکم فردلند بن عبد شلب مرگیا، اُس کے مرنے سے خلیفہ الحکم کو قشتالیہ اور اُس کے نواح کی طرف سے اطمینان ہوگیا، اور اتنی مہلت ملی کہ علمی کاموں اور اپنے ملک کو ترقی دینے میں مصروف ہو۔

گو خلیفہ الحکم کے بزرگ بھی عالم و علم دوست اور کتابیں جمع کرنے کے شائق تھے لیکن الحکم کے برابر کوئی عالم و فاضل بادشاہ اسپین میں نہیں گذرا، نہ علوم و معارف میں کسی کو اتنی قدرت ہوئی اور نہ کسی نے اتنی کتابیں جمع کیں، خلیفہ کے گماشتے قاہرہ۔ بغداد دمشق اور اسکندریہ میں موجود رہتے، یہ لوگ کتابیں نقل کرتے یا اُن کو مول لیتے تھے، قطع نظر اس کے کہ کتاب پرانی ہے یا نئی، جس قیمت پر ملتی خرید لی جاتی۔ ان نادر خزانوں سے الحکم کا قصر معمور تھا، ہر طرف کاتب، خطاط، اور جلد ساز بیٹھے کام کرتے تھے۔

المستنصر باللہ کے کتب خانہ کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی، اور ہر جلد میں بیس اور بقول بعض مورخین پچاس ورق تھے، ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے تھے، بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ تھی، اور ان تمام کتابوں کو خلیفہ الحکم نے پڑھا تھا۔ اور ان میں بہت سی ایسی تھیں جن کے شروع یا اخیر میں مصنفِ کتاب کا نام، اُس کی کنیت، خاندان اور قبیلے کا نام، سالِ ولادت، سالِ وفات، یا کوئی عجیب واقعہ اُس کی زندگی کا اپنے قلم سے لکھدیا تھا۔ یہ حواشی جو خلیفہ الحکم نے نہایت محنت سے سینکڑوں کتابوں پر لکھے تھے واقعی بہت قابلِ قدر تھے۔

ادبیاتِ عرب یعنی فنِ رجال، اخبار و انساب میں خلیفہ الحکم اپنی مثل نہ رکھتے تھے، علماء اندلس اُن کے لکھے ہوئے حواشی کو مستند قرار دیتے تھے، ایران اور شام میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں، مشرق میں ابھی کوئی اُن کو پڑھنے بھی نہ پاتا تھا کہ خلیفہ کو اُن کی خبر

لگ جاتی تھی، چنانچہ جس وقت دریافت ہوا کہ عراق کا ایک مورخ ابوالفرج اصفہانی عرب کے شاعروں اور مغنیوں پر ایک کتاب[۱] لکھ رہا ہے، تو اس کو ایک ہزار دینارِ سرخ اس درخواست کے ساتھ بھیجے کہ کتاب ختم ہوتے ہی اس کی ایک نقل فوراً قرطبہ روانہ کی جائے۔ (۴۵۵)
ابوالفرج نہایت شکرگذار ہوئے اور خلیفہ کے ارشاد کی جلد تعمیل کرنی چاہی، اور جب کتاب ختم کرلی، جسکی تعریف اب تک اہلِ علم کی زبان پر ہے، تو اس کی ایک نقل بہت اہتمام سے تیار کراکے مع ایک قصیدے کے جس میں بنی امیہ کے شجرہ نسب سے بحث کی گئی تھی، المستنصر باللہ کی خدمت میں روانہ کی، خلافت مآب نے ابوالفرج کو دوبارہ انعام دیا۔

علماء کے حق میں خواہ اسپین کے ہوں یا باہر کے، مستنصر باللہ نہایت سخی تھے، اور یہی وجہ تھی کہ اُن کے دربار میں اہلِ علم کا مجمع رہتا تھا، خلافت پناہی نہ صرف علماء کو بلکہ فلسفیوں کو بھی اپنی پناہ میں لے لیتے تھے، تاکہ وہ متعصب لوگوں سے بے خوف ہوکر تحصیلِ علوم میں مصروف رہیں۔

ایسے معارف پرست اور علم دوست بادشاہ کے سایہ عاطفت میں تمام علوم وفنون کو ترقی رہی، ابتدائی مدارس اچھے تھے اور بہت تھے، اسپینِ اسلامیہ میں ہر متنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا، لیکن مسیحی یورپ میں سوائے بڑے درجے کے لوگوں یا پادریوں کے سب ناخواندہ ہوتے تھے، نحو اور معنی کی تعلیم بھی مدارس میں عام تھی۔

باوجود اس قدر ترقی کے خلافت پناہی کو یہی یقین تھا کہ تعلیم کی اشاعت ابھی تک خاطرخواہ نہیں ہے، غریبوں کے خیال سے خاص قرطبہ میں اُنہوں نے ۲۷ مدرسے ایسے کھول دیے تھے جن میں غریبوں کے بچے مفت پڑھتے تھے، معلموں کی تنخواہ بادشاہ کے صرفِ خاص سے ملتی تھی، جامع مسجد قرطبہ میں جہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا ابوبکر بن معاویہ قرشی حدیث کا سبق دیتے تھے، ابوعلی القالی بغدادی نے ایک بہت بڑی مستند کتاب زبانی لکھوا ڈالی، اس میں قدیم عربوں اور اُن کی زبان اور ضرب الامثال اور شاعری کے

[۱] کتاب الاغانی (یہ کتاب شائع ہوچکی ہے) دیکھو سی ہیوارٹ کی تصنیف "ادبیات عرب" (مطبوعہ ۱۹۰۳ء) ص ۱۸۴

تفصیلی حالات تھے، اس مختلف مضامین کی کتاب کو امالی کے نام سے بعد کو شائع کیا،
نحو کی تعلیم ابن القوطیہ دیتے تھے جو ابوعلی القالی کی رائے میں اسپین کے بہترین نحوی تھے،
دیگر علوم کے عالم بھی شہرت میں کم نہ تھے، اس دارالعلوم قرطبہ میں طلبہ کی تعداد جو ان علمار
کے درس میں حاضر ہوتے تھے ہزارہا تھی۔ اکثر طلبہ فقہ پڑھتے تھے، کیونکہ اس علم کو پڑھ کر
اُن کو سلطنت میں بڑے بڑے عہدے مل جاتے تھے۔

(۴۵۶) اسی بیت العلوم کا ایک طالب علم الیسانکلا جس کی شہرت نہ صرف اسپین میں بلکہ تمام
عالم میں ہوئی، اور اب اُسی شخص کے عجیب وغریب حالات لکھنے کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں

اسناد:-

مقری　جلد۱　ص ۱۳۶، ۲۵۲ تا ۲۵۶

کرونیکون دی ساہیرو　ص ۲۶ تا ۲۸

ابن خلدون　ص ۱۶ تا ۱۷　اور مقدمہ

ابن عذاری　جلد۲　ص ۲۵۰ تا ۲۵۷، ۲۴۴، ۳۹۶

میا کی قلمی کتاب　مندرجہ میموریاس دی لا اکادمیا دی لا ہسٹوریا۔
ٹی ۴　ص ۱۵

کرونیکون ایرنسی　ص ۱۰

موناکی سی لینس　ص ۷۰

ابن الابار　ص ۱۰۱ تا ۱۰۳

سعید طلیطلی　ص ۲۴۶

ابن خلکان (ترجمہ) جلد۱　ص ۲۱۰ تا ۲۱۲

کتاب ثالث (خلافت)

چھٹی فصل

ابن ابی عامر

(۴۵۷) خلیفہ مستنصر باللہ کی حکومت کا ابتدائی زمانہ ہے، مضافات قرطبہ کے ایک باغ میں درختوں کے نیچے پانچ طالب علم بیٹھے کچھ میٹھے کعک اور میوے کھا رہے ہیں، کھا پی کر آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں ہونے لگیں، مگر ایک طالب علم کسی خیال میں مستغرق بالکل گنگ بیٹھا ہے، یہ ایک بلند قامت خوبرو نوجوان ہے، صورت سے شرافت اور تمکنت بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ غرور اور تکبر برس رہا ہے، اور ہیئت مجموعی ایسی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے گھر سے کار فرمائی کے لیے دنیا میں قدم رکھا ہے۔ آخر کار یہ طالب علم حالتِ سکوت سے دفعتاً چونک کر کہتا ہے "دوستو! ذرا میری بات بھی سن لو، میں ایک دن اس ملک پر حکومت کرنے والا ہوں۔" اتنا فقرہ منہ سے نکلنا تھا کہ دوستوں نے ایک قہقہہ لگایا، مگر اس نوجوان طالب علم پر کچھ اثر اس قہقہے کا نہ ہوا، اور وہ کہنے لگا

"اچھا تو اَب یہ کہنا ہے کہ میرے دَورِ حکومت میں جس عہدے پر جو صاحب ممتاز ہونا چاہتے ہوں وہ ابھی سے مجھ سے کہدیں، صاحبِ حکومت ہونے پر وہی عہدہ جو اس وقت مانگو گے ملیگا"۔

اس پر ایک طالب علم بولا "یہی بات ہے تو سُنیئے! آج کی یہ میٹھی روٹیاں، اور خستہ کعک بڑے ہی لذیذ تھے۔ مجھے تو آپ بازاروں کا مہتمم بنا دیجئے گا، تاکہ مفت میں جی بھر کر چکوتھیاں کھاتا پھروں"۔

دوسرے نے کہا "یہ میٹھے انجیر جو ہم نے ابھی کھائے ہیں خاص میرے وطن مالقہ کے تھے، اس لیے مجھے تو جب حضور بادشاہ ہوں تو مالقہ کا قاضی مقرر فرما دیں"۔

تیسرا بولا "میں تو قرطبہ کے باغوں پر فدا ہوں، اگر عاملِ قرطبہ کا منصب عنایت ہو تو زہے نصیب"۔

چوتھا طالب علم خاموش رہا، اور اپنے دوست کی اس بلند پروازی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ مگر مکتب کے یار کب خاموش بیٹھنے دیتے تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ "تم بھی کچھ مانگو" آخرکار یہ طالب علم جل کر کھڑا ہو گیا، اور اپنے نوجوان دوست کی ڈاڑھی میں ہاتھ دے کر کہنے لگا "سنیئے! اگر آپ اسپین کے بادشاہ ہو گئے تو میری نسبت صرف یہ حکم دینا کافی ہوگا کہ میرے سارے جسم پر شہد مل دیا جائے، تاکہ مکھیاں بیٹھ کر خوب کاٹیں، اور پھر گدھے پر اس طرح سوار کرا کے کہ دُم کی طرف منہ ہو، قرطبہ کے گلی کوچوں میں پھرایا جائے"۔

یہ جلی کٹی باتیں سُنکر اُس خوبرو نوجوان طالب علم نے اس دوست کو بہت غیظ و غضب سے دیکھا، مگر پھر غصہ پی کر کہنے لگا "بہتر ہے، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، جو چیز جس دوست نے اس وقت طلب کی ہے جس دن بادشاہ ہوا اُسی دن خود وہ چیز مجھے یاد آجائے گی"۔

(۴۵۸) آخرکار یہ صحبت ختم ہوئی، دوست رخصت ہوئے، اور وہ نوجوان بھی جس نے بہت بڑھ چڑھ کر اپنی نسبت بادشاہ ہونے کی خبر سنائی تھی اپنے گھر چلا گیا، یہ نوجوان اپنی

ننھیال کے ایک عزیز ابوعبداللہ محمد بن اسحاق یمنی کے ساتھ رہا کرتا تھا، گھر کے بالاخانے پر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی اُس کے لیے مخصوص تھی، جب گھر پہنچا تو وہ عزیز بھی اُس کے ساتھ کوٹھڑی میں آکر پاس ہو بیٹھا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنی چاہیں، مگر وہ نوجوان اپنے کسی خیال میں ایسا منہمک تھا کہ اِس عزیز کی طرف مطلق متوجہ نہ ہوا، اگر کسی بات کا جواب بھی دیا تو یُوہیں ٹُوٹی ٹُوٹی سی کوئی بات کہدی، یمنی یہ حالت دیکھ کر سلام کہتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل آیا، دوسرے دن جب کھانے کا وقت آیا تو وہ طالب علم بالاخانہ سے نیچے نہ اُترا تب ابن اسحاق یمنی کو فکر ہوئی اور وہ بالاخانے پر گیا تو دیکھا کہ جس طرح کل بیٹھا چھوڑ گیا تھا وہ طالبِ علم اُسی طرح بیٹھا ہے، پلنگ پر بچھونے کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ رات کو کوئی اُس پر لیٹا تک نہیں، یہ حال دیکھ کر یمنی نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ آج رات آپ بالکل نہیں سوئے۔" طالب علم بولا "میں یہ سوچتا تھا کہ جب اسپین کی حکومت مجھ کو مل جائیگی تو آجکل جو قاضی شہر ہیں جب وہ میرے عہد میں مرجائیں گے تو اُن کی جگہ کسے قاضی مقرر کرونگا، دل ہی دل میں میں نے تمام اسپین کے شہروں کو چھان مارا مگر سوائے ایک شخص کے کوئی اور سمجھ میں نہ آیا۔" عزیز کہنے لگا "شاید وہ محمد بن اسحاق بن سلیم ہوں گے۔" طالب علم نے جواب دیا "ہاں واللہ! یہی شخص ہیں جن پر میرے اور آپ کے دل نے اتفاق کیا ہے۔"

اِن باتوں سے ظاہر تھا کہ اِس طالب علم کے دِل میں کوئی خیال ایسا بندھا تھا جس نے رات کی نیند حرام کرنے کے علاوہ دن کی بیداری میں بھی خواب کی سی حالت پیدا کردی تھی،

آیئے، اب ذرا اِس نوجوان کا حسب ونسب دریافت کریں جو قرطبہ کی لکھوکھا مخلوق میں ایک معمولی پانی کے قطرے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، مگر حوصلہ اور عزم نہایت بلند رکھتا ہے، اور اگرچہ دربار خلافت میں کوئی اُس کا مربی و سرپرست نہیں ہے مگر اُس کو پُورا یقین ہے کہ ایک دن سلطنت میں وزیر اعظم کے درجے تک پہنچیگا۔

اِس نوجوان طالب علم کا نام "ابوعامر محمد" اور اُس کے خاندان کا نام "بنی ابی عامر" ہے، قبیلہ یمانیہ کے خاندان معافر سے اُسے تعلق ہے، یہ خاندان

شریف ہے گو نامور نہیں، اُس کے جد اعلیٰ عبدالملک المعافری[۵۱] اُن چند شرفا عرب میں سے تھے جو طارق کی فوج بربر کے ساتھ فتح اندلس میں شریک ہوئے تھے۔ اس موقع پر عبدالملک اُس دستۂ فوج کے افسر تھے جس نے کارتیہ کے ساحلی شہر کو فتح کیا تھا[۵۲]۔ اس عمدہ خدمت کے صلہ میں اُن کو جزیرۃ الخضرا کے علاقے سے دریائے وادی آرو کے کنارے طرش کا قلعہ مع اُس کی زمینوں کے جاگیر میں دیا گیا تھا، لیکن عبدالملک کی اولاد نے اس قلعے اور جاگیر میں کبھی کبھی سکونت رکھی، جوانی میں اُن کا زیادہ تر وقت قرطبہ میں گذرتا تھا، تاکہ دربارِ خلافت میں یا عمالِ سلطنت کے سلسلہ میں کوئی جگہ مل جائے، چنانچہ عبدالملک المعافری کے پوتے کے فرزند اور پوتے، یعنی ابوعامر محمد بن ولید اور عامر نے ایسے ہی منصب حاصل کیے، عامر نے اکثر بڑے بڑے عہدوں پر کام کیا تھا، یہ امیر محمد بن عبدالرحمٰن کے بڑے مقربوں میں سے تھے، یہاں تک کہ امیر موصوف نے اپنے سکوں اور رایتوں پر اُنکا نام نقش کرایا تھا، عبدالملک المعافری ہی کی اولاد میں محمد بن عبداللہ جو ہمارے نوجوان طالب علم کے دادا تھے آٹھ برس تک اشبیلیہ کے قاضی رہے تھے، اور اسی نوجوان طالبعلم کے باپ ابوحفص عبداللہ بڑے دیندار اور قابل فقیہ تھے، حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے تھے، اس خاندان کے لوگوں کی شادیاں اکثر بڑی جگہ ہوئی تھیں، ابوعامر محمد کے دادا محمد بن عبداللہ کی شادی ایک اسپینی مسلمان یحییٰ بن اسحاق نصرانی کی بیٹی سے ہوئی تھی، یحییٰ بن اسحاق خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کے پہلے درباری طبیب تھے، پھر وزیر ہوئے اور اخیر میں بطلیوس کے حاکم مقرر ہو گئے تھے، ابوعامر محمد کی ماں کا نام بریہہ

(۴۵۹)

[۵۱] ابوعامر محمد سے عبدالملک المعافری تک کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:-

عبدالملک المعافری ــــ یزید ــــ الولید ــــ ابوعامر محمد ــــ عامر ــــ عبداللہ ــــ محمد ــــ ابوحفص عبداللہ ــــ ابوعامر محمد

[۵۲] دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۲۳۱

تھا ، یہ ایک عامل شہر ابن برطال تمیمی کی بیٹی تھیں۔ ابوعامر محمدؒ کا خاندان گو قدیم اور معزز تھا مگر اُس کے لوگوں کا شمار امرائے عرب میں نہ تھا ، یہ لوگ زیادہ تر اہلِ قلم تھے اہلِ سیف نہ تھے، کوئی عامری سوائے عبدالملک کے جو اِس خاندان کا جدِاعلیٰ تھا فوج میں ملازم نہ رہا تھا، جو اُس وقت ملازمت کا سب سے زیادہ باوقعت صیغہ سمجھا جاتا تھا ، اِس خاندان کے[۵] سب لوگ یا توعمال کی خدمت پر رہے ، یا دربارِ خلافت میں کوئی عہدہ اُن کو ملا۔ ابوعامر محمد کی تعلیم بھی اِسی خیال سے ہوئی تھی کہ محکمۂ قضا میں کوئی جگہ مل جائے ، بہرکیف ایک دن ایسا آیا کہ محمد بن ابی عامر کو بزرگوں کے گھر یعنی قلعہ طرش کے بوسیدہ برجوں اور دیواروں سے رخصت ہوکر ایک طالبِ علم کی حیثیت سے قرطبہ آنا پڑا ، یہاں جامع قرطبہ میں اُن نامور عالموں سے تعلیم و تربیت پائی جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

محمد ابن ابی عامر نہایت ذہین ، شدید العزم ، اور پُرجوش طبیعت رکھتا تھا ، وہ نہایت عالی خیال مگر آتش مزاج تھا ، جو بات دماغ میں سما جاتی ، اُسی کا بندہ ہوجاتا ، پھر کوئی قوت اُس خیال کی مزاحم نہیں ہوسکتی تھی ، کتابیں جو اُس کے مطالعہ میں رہتی تھیں وہ اپنی ہی قوم کی پُرانی کتبِ تواریخ تھیں ، اور اُن کے بوسیدہ اوراق میں بھی صرف ایسے لوگوں کے کارنامے اُسے محظوظ و مسحور کرتے تھے جو کسی وقت میں اُس سے بھی کمتر درجے کے لوگ تھے لیکن پھر ترقی کرتے کرتے سلطنت کے اعلیٰ ترین مرتبوں پر پہنچ گئے تھے ، ایسے لوگوں کی سوانح کو وہ بطورِ مثال کے پیشِ نظر رکھتا تھا ، چونکہ اپنے خیالات اپنے ہی تک نہ رکھتا تھا ، بلکہ دوسروں سے بھی اُن کو بیان کرتا تھا ، اِس لیے اکثر دوست اُس کو مختل الحواس سمجھتے تھے ، مگر دراصل ایسا نہ تھا ، اُس کے بڑے حوصلے خللِ دماغ کی وجہ سے نہ تھے ، بلکہ وہ محض اِس بات کی علامت تھے کہ ایک دن وہ بڑا آدمی ہوجائے گا ،

[۵] یہ نام اکثر محمد بن ابی عامر لکھا جاتا ہے۔ محمد اصل نام تھا ، کنیت ابوعامر تھی۔ اِس لیے نام دراصل ابوعامر محمد ہونا چاہیئے۔ لیکن خاندان کا نام بنی ابی عامر تھا ، اور خود اپنا نام محمد تھا ، اِس لیے محمد بن ابی عامر مستعمل ہونے لگا۔ مترجم

بڑا ذی فہم، ذکی، صاحب ہمت و تدبیر، اور ضرورت کے وقت بے دریغ کام کر جانیوالا شخص تھا، اس کے ساتھ ہی موقع محل دیکھ کر نرم بھی پڑ جاتا تھا، مزاج میں بیحد احتیاط تھی (۴۶۰)
اور اگر حالات مجبور کریں تو دغا اور فریب سے بھی نہ چوکتا تھا، حصول مقصد میں کسی قسم کا تردد یا تذبذب مانع نہ ہوتا تھا، اور اُس کے لیے جو ذریعہ بھی ہاتھ لگے اُس کے اختیار کرنے سے مطلق پرہیز نہ تھا، قوت اور جسارت انتہا درجے کی رکھتا تھا، اور جو ارادہ ایک مرتبہ کر لیا پھر اُس کی پیروی نہایت ہمت اور شدید قوت سے کرتا تھا، جہاں کسی چیز کو اپنا نصب العین قرار دیا پھر تمام قوار ذہنی شدت سے تحریک میں آکر صرف اُسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، زندگی کی ابتدا بہت ادنیٰ حیثیت سے ہوئی تھی، تعلیم سے فارغ ہوا تو بسر اوقات کے لیے قصر خلافت کے قریب ایک دوکان کھولی، یہاں وہ ایسے سائلوں کی عرضیاں لکھا کرتا تھا جو بارگاہِ خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتے تھے، اس شغل میں کچھ دنوں رہنے کے بعد قرطبہ کے محکمۂ قضا میں اُسے ایک ماتحت کی جگہ مل گئی، لیکن وہ اپنے افسر یعنی قاضیٔ قرطبہ کو اپنے اوپر مہربان نہ بنا سکا، قاضی صاحب وہی ابن السلیم تھے جن کی عزت ابن ابی عامر شروع ہی سے دل میں رکھتا تھا، اور یہ عزت بجا تھی، کیونکہ قاضی ابن السلیم نہایت راستباز اور جیّد عالم تھے، اور قرطبہ کے بہترین قاضیوں میں اُن کا شمار تھا[۱]، لیکن طبیعت خشک تھی، صرف معاملہ فہمی سے بحث رکھتے تھے، اور جو لوگ اپنی ہی طبیعت اور مزاج کے نہ ہوتے اُنہیں پسند نہ کرتے، محمد ابن ابی عامر قاضی صاحب کا ماتحت تھا، قاضی صاحب اُسکے عجیب و غریب خیالات سُنکر، اور ہر وقت طبیعت کو غیر حاضر دیکھ کر اُس سے ناخوش رہنے لگے، اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس ماتحت سے پیچھا چھوٹے، اتفاق دیکھیے کہ قاضی صاحب کی یہ ناراضی ابن ابی عامر کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئی، اور

---

[۱] ابن السلیم دسمبر ۹۶۶ء (ذی الحجہ ۳۵۵ھ) میں منذر بن سعید بلوطی کی وفات پر قرطبہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے (خوشانی، ص ۳۵۲)

اُسے دربارِ خلافت میں وہی ملازمت مل گئی جس کی اُس کو بڑی تمنا تھی، یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حاجب مصحفی سے قاضی صاحب نے ابن ابی عامر کی شکایت کی، اور کہا کہ اگر اُس کو کہیں اور جگہ مل جاتی تو بہتر ہوتا، حاجب مصحفی نے خیال رکھنے کا وعدہ کیا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ الحکم کو اپنے بڑے فرزند عبدالرحمٰن کی جائیداد کے لیے ایک منتظم کی ضرورت ہوئی، عبدالرحمٰن کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی، مصحفی نے ابن ابی عامر کی سفارش کی، لیکن اس جگہ کا ملنا زیادہ تر خلیفہ کی چہیتی ملکہ سلطانہ صبح کی رائے اور مرضی پر موقوف تھا، سلطانہ صبح کی اصل قوم بشکنس سے تھی اور اُن کو اپنے شوہر پر بڑا قابو حاصل تھا، ملکہ کے حضور میں بہت سے امیدوار پیش ہوئے، لیکن اُن میں ابن ابی عامر کی صورت شکل اور شائستہ اطوار نے ملکہ پر جس قدر اثر کیا کسی اور نے نہیں کیا، سب امیدواروں میں ابن ابی عامر کا انتخاب ہوا، اور ۲۳ فروری ۹۶۷ء (۱۰ ربیع الاول ۳۵٦ھ) کو وہ شہزادہ عبدالرحمٰن کی جائیداد کے منتظم پندرہ دینار سرخ ماہوار پر مقرر ہوگئے، اُس وقت ابن ابی عامر کی عمر ۲٦ برس کی تھی، اب اُنھوں نے سلطانہ صبح کو خوش کرنے اور اپنے اوپر مہربان بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، اور اس میں اُن کو اس درجہ کامیابی ہوئی کہ ملکہ صبح نے اُن کو اپنی جائیداد کا منتظم مقرر کردیا، سات مہینے اس خدمت کو بجالانے کے بعد وہ دارالضرب کے افسرِ اعلیٰ مقرر کردیے گئے[1]، اس جگہ کے ملنے سے زرِ کثیر اُنکی تحویل میں رہنے لگا، اور اس روپیہ سے بڑے بڑے لوگوں کو اپنا دوست اور ہواخواہ بنانے کا موقع اُنہیں مل گیا، جب کبھی دربار کے کسی امیر کو روپیہ کی ضرورت ہوتی، اور ایسی ضرورت مسرفانہ طرزِ معاشرت رکھنے کی وجہ سے اکثر پیش آتی تھی تو محمد ابن ابی عامر اُس کی مدد کے لیے تیار ہوجاتے، قصہ مشہور ہے کہ خلیفہ مستنصر کے مولیٰ اور دربارِ خلافت کے معزز ملازم محمد بن افلح جب بیٹی کے بیاہ میں کثرت سے روپیہ صرف کرکے قرضدار ہوگئے تو وہ ایک زین جواہرات سے مرصع دارالضرب میں لائے، اور ابن ابی عامر سے کہا کہ اس کو

(۹٦۷)

[1] اُس زمانہ کے سکوں پر محمد ابن ابی عامر کا نام موجود ہے۔

رہن رکھ کر کچھ روپیہ دو ، اور یہ بھی کہا کہ "بس اب یہی ایک قیمتی چیز میرے پاس رہ گئی ہے۔"

ابن افلح نے پوری بات بھی نہیں کہی تھی کہ محمد بن ابی عامر افسر دار الضرب نے ایک ماتحت کو حکم دیا کہ اس زین کو وزن کر کے اُس کے برابر چاندی تول کر ابن افلح کو دیدو ابن افلح یہ سُن کر سمجھے کہ یُوہیں کہدیا ہے ، کیونکہ لوہے اور چمڑے کی وجہ سے زین بہت بھاری تھی ، تھوڑی دیر میں جب اُن سے کہا گیا کہ روپیہ کے لیے دامن پھیلائیں ، تب اُن کو یقین ہوا کہ یہ دھوکا نہیں بلکہ واقعی ابن ابی عامر کی فیاضی ہے اور یہ اتنا روپیہ ہے کہ قرضہ ادا ہونے کے بعد بھی بڑی رقم بچ رہے گی۔

اس واقعہ کے بعد ابن افلح یہ کہا کرتے تھے کہ "میں ابن ابی عامر کو اس قدر عزیز رکھتا ہوں کہ اگر وہ مجھے اپنے بادشاہ سے بھی باغی ہونے کو کہیں تو مجھے اُنکے حکم پر عمل کرنے میں ذرا پس و پیش نہ ہو۔"

ان طریقوں سے ابن ابی عامر نے ایک فریق ایسا پیدا کر لیا جو ہر وقت اُن کی خیر خواہی کا دَم بھرتا تھا ، لیکن سب سے بڑا فرض اپنا وہ یہی سمجھتے رہے کہ سلطانہ صبح کی تمام فرمائشیں پُوری ہوتی رہیں ، اُنھوں نے ملکہ کو ایسے ایسے نادر تحفے پیش کیے جو کسی نے آج تک پیش نہ کیے تھے ، اس خدمت میں جو باتیں اُنھوں نے پیدا کیں وہ حقیقت میں اُن کی دانائی اور ذہانت کا نتیجہ تھیں ، ایک مرتبہ شاہی قصر کے نمونے پر ایک چھوٹا سا چاندی کا محل بہت روپیہ صرف کر کے تیار کرایا ، اور جب یہ قیمتی کھلونہ تیار ہوگیا ، تو غلاموں کے سروں پر رکھوا کر قصرِ خلافت کو لے گئے ، راستے میں جب شہر کے لوگوں نے اسے دیکھا تو سب دنگ رہ گئے ، کیونکہ چاندی کا ایسا خوبصورت کام اُنھوں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔

سلطانہ صبح اِس عجیب تحفے کی تعریف ہمیشہ کرتی رہیں ، اور اب کوئی موقع ایسا نہ جانے پاتا تھا کہ ابن ابی عامر کی تعریف و توصیف اور ترقی نہ کر دیتی ہوں ، دونوں کے باہمی مراسم ایسے بڑھے کہ بدنامی کی صورت پیدا ہونے لگی ، بہرکیف

(۴۶۲)

ابنِ ابی عامر حریمِ خلافت کی دیگر بیگمات کو بھی خوش کرنے میں کبھی غفلت نہ کرتے، اُن کی فیاضی و شیریں کلامی اور مؤدب و مہذب طریقوں نے سب کا دل لُبھا لیا، خلیفہ الحکم جو اب ضعیف ہو چلے تھے، اِس حالت کو کبھی سمجھ نہ سکے، اور ایک دن ایک مصاحب سے فرمانے لگے کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس نوجوان ابنِ ابی عامر نے میری بیگمات کا دل کیونکر اپنے قابو میں کر لیا ہے؟ اُن کی تمام فرمائشیں میں پُوری کرتا ہوں، لیکن کوئی چیز جو ابنِ ابی عامر کے پاس سے نہ آئی ہو وہ اُن کی خاطر میں نہیں آتی، حیران ہوں کہ ابنِ ابی عامر کو ایک ہوشیار ملازم سمجھوں یا جادوگر؟ بیت المال کا جو روپیہ اُس کے ہاتھوں سے گذرتا ہے اُسکی طرف سے مجھے کبھی پُورا اطمینان نہیں ہوتا۔"

اِس میں شک نہیں کہ دارالضرب کے نوجوان افسر کے متعلق جن باتوں کی طرف الحکم نے اشارہ کیا تھا، ابنِ ابی عامر نے اُن میں بہت خطرناک طریقہ اختیار کیا تھا، وہ دوستوں کے ساتھ فیاضی ضرور کرتا تھا مگر یہ فیاضی شاہی خزانہ کے نقصان کے ساتھ عمل میں آتی تھی، چونکہ اُس نے جلد جلد ترقی حاصل کی تھی، اِس لیے بہت سے دشمن اور حاسد بھی پیدا کر لیے تھے، چنانچہ آخر نوبت یہاں تک آئی کہ خلیفہ کے حضور میں ابنِ ابی عامر پر بددیانتی اور غبن کا الزام لگایا گیا، خلیفہ نے حساب فہمی کے لیے اور جو رقم فاضل نکلتی تھی اُس کی ادائیگی کی غرض سے ابنِ ابی عامر کو قصرِ خلافت میں فوراً طلب کیا، ابنِ ابی عامر نے کہلا بھیجا کہ ابھی حاضر ہوتا ہوں، اور یہ کہہ کر خود وزیر ابنِ حدیر کے پاس گئے اور کل معاملہ صاف صاف بیان کر کے کہ حالت سخت نازک پیدا ہو گئی ہے، جو رقم اُن پر لگائی گئی تھی وزیر سے قرض مانگی، ابنِ حدیر نے فوراً روپیہ قرض دے دیا، اب ابنِ ابی عامر حساب اور وہ رقم جو اُن کے ذمہ لگائی گئی تھی، لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، معاملہ بالکل اُلٹ گیا، الزام لگانے والے بہت خجل و شرمندہ ہوئے، اور بجائے ذلت کے ابنِ ابی عامر کی عزت کا باعث ہو گئے، خلیفہ نے اِن لوگوں کو جھوٹا

سمجھا، اور دارالضرب کے لائق مہتمم کی بہت تعریف کی، اور اُس کے مراتب میں اضافہ کیا،

دسمبر ۹۶۸ء (مطابق محرم ۳۵۷ھ) کے شروع میں الحکم نے ابنِ ابی عامر کو چند ایسی جاگیروں کا جن کے مالک زندہ نہ تھے مہتمم مقرر کیا، اور اس کے گیارہ مہینے کے بعد اُن کو اشبیلیہ اور لبلہ کا قاضی کردیا، جس وقت الحکم کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمن کا انتقال ہوگیا تو ابنِ ابی عامر چھوٹے صاحبزادے ہشام کے اتالیق مقرر کیے گئے، ہشام اب ولیعہد ہوگئے تھے (جولائی ۹۷۰ء مطابق رمضان ۳۵۹ھ) ابنِ ابی عامر کی یہی عزت افزائی نہیں ہوئی بلکہ فروری ۹۷۲ء (ربیع الآخر ۳۶۱ھ) میں وہ فوج خاصہ کے ایک دستے کے سردار مقرر کیے گئے، اس فوج کا کام شہر میں امن وامان قائم کرنا تھا۔

(۳۶۳ھ) غرض ۳۱ برس کی عمر میں پانچ یا چھ بڑی تنخواہ کے مناصب پر مامور رہنے کے بعد اب ابنِ ابی عامر بڑے کرّو فر سے زندگی بسر کرنے لگے، قصرِ رصافہ کے قریب ایک عالیشان مکان میں رہتے تھے جو اَب مرجعِ خاص وعام ہو چلا تھا، ہر وقت بڑے بڑے عہدہ داروں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا، یہ عہدہ دار جن میں معتمد اور ماتحت شامل تھے، اونچے خاندانوں سے منتخب ہوئے تھے، اہلِ غرض کی بھی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی تھی، ابنِ ابی عامر نے لوگوں میں ہر دلعزیز بننے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا، اور اس میں وہ ہمیشہ کامیاب رہے، اُن کی سخاوت، فیاضی، عمدہ خصائل اور اخلاقِ حمیدہ کی تعریف سب کی زبان پر رہنے لگی، اور اُن کی خوبیوں میں کسی کو کلام نہ رہا۔

قریہ طرکش کا یہ طالبِ علم اگرچہ بڑے درجہ پر پہنچ گیا تھا، مگر اُس کی کوشش یہی تھی کہ اِس سے بھی بلند مرتبہ حاصل ہو، اور اُس نے اسی غرض سے اُمرائے لشکر سے مراسم پیدا کرنے ضروری سمجھے، موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) میں واقعات ایسے پیش آئے کہ اُس کو اس کا موقع بھی مل گیا۔

مغرب اقصیٰ میں بنی امیہ اور بنی فاطمہ میں لڑائی کا سلسلہ کبھی بند نہ ہوا، عبدالرحمن الناصر فاطمیوں سے اِس لیے برسرِ جنگ رہتا تھا کہ اسپین کو اُن کے حملوں سے بچائے رکھے، لیکن جس زمانہ کا ہم اِس وقت ذکر کر رہے ہیں، اُس وقت فاطمیوں کی طرف سے حملے کا اندیشہ نہ تھا، فواطم کی توجہ مصر کی طرف مبذول ہوگئی تھی، ۹۶۹ء (مطابق ۳۵۸ھ) میں اُنہوں نے مصر فتح کرلیا، اور تین برس کے بعد فاطمی خلیفہ معزلدین اللہ منصوریہ کے شہر کو چھوڑ کر جو فاطمیوں کی سلطنت کا پایۂ تخت تھا دریائے نیل کے کنارے آباد ہوگئے، اور بربر کے قبیلہ صنہاجہ سے ابوالفتوح یوسف ابن زیری کو افریقیہ اور موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) کا والی مقرر کرتے گئے۔

اِس زمانہ سے اسپین کو ایسے لوگوں سے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد (یعنی علویّین) سے ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے کوئی خوف نہ رہا، چونکہ افریقہ کے اسپینی مقبوضات کی آمدنی اُن کے مصارف سے کم تھی، اِس لیے خلیفہ حکم کے لیے یہی بہتر ہوتا کہ وہ ایسے مقبوضات سے دست بردار ہوجاتے، لیکن اِس میں اُنہوں نے اپنی کسرِ شان سمجھی، اور افریقی علاقوں کو چھوڑنے کی بجائے اُن کی سرحدوں کو اور بھی آگے بڑھانا چاہا، اِن علاقوں سے جو ملک متصل تھے اُن پر بنی ادریس کے شہزادے حکومت کرتے تھے، خلیفہ الحکم نے اُن کو بے دخل کرنے کے لیے جنگ شروع کردی۔

بنی ادریس کے انہی شہزادوں میں حسن ابنِ قنّون جو طنجہ، اصیلا، اور ساحل کے دیگر مقامات پر حکومت کرتا تھا، کبھی اسپین کے بنی امیہ کی طرف ہوجاتا اور کبھی فاطمیوں کی طرف، غرض جس کو جیت میں دیکھتا اُسی کا ساتھی بن جاتا۔ لیکن واقعی میلانِ طبیعت اُس کا فاطمیوں کی طرف تھا۔ کیونکہ بنی امیہ کی نسبت بنی فاطمہ اُس کو کم خطرناک معلوم ہوتے تھے۔ فاطمیوں کی سرحد سے ابنِ قنون کے علاقے ملے ہوئے تھے۔

غرض فاطمی خلیفہ معزلدین اللہ کا نائب ابوالفتوح جس وقت مغرب اقصیٰ میں

(۴۶۴) فاتح بن کر ظاہر ہوا، تو ابنِ قنون پہلا شخص تھا جس نے ابو الفتوح کے ساتھ دینے کا اعلان کیا،

ابنِ قنون کی اس حرکت پر کہ وہ مخالف سے جا ملا، خلیفہ الحکم کو اُس سے خصومت ہو گئی، چنانچہ جس وقت ابو الفتوح صنہاجی مغرب اقصیٰ سے چلا گیا تو الحکم نے ابنِ قنون کی سرکوبی کے لیے ابنِ طملوس کو فوج کشی کا حکم دیا، ماہِ اگست ۹۷۳ء کے شروع (ذی القعدہ ۳۶۲ھ) میں ابنِ طملوس بہت سی فوج جہازوں میں سوار کر کے چلا، سبتہ میں جو اندلسی فوج مقیم تھی اُس کا بڑا حصہ اُس کے ساتھ ہو گیا، اس کل فوج سے ابنِ طملوس نے طنجہ پر حملہ کیا، ابنِ قنون جو طنجہ پر حکومت کرتا تھا مقابلہ کے لیے باہر آیا، لیکن اُس کو قطعی شکست ہو گئی، اور شکست اس طرح ہوئی کہ پھر وہ طنجہ میں داخل نہ ہو سکا، جب طنجہ کے لوگ بغیر حاکم کے رہ گئے تو انہوں نے ابنِ طملوس کی اطاعت قبول کر لی، کیونکہ ابنِ طملوس نے سمندر کی طرف سے طنجہ میں آمد و رفت کا سلسلہ بند کر دیا تھا اور خشکی کی سمت میں اُس کی فوج نے دلول اور ارزیلہ فتح کر لیے تھے۔

اس حد تک اُموی فوجیں فتحیاب رہیں، لیکن اچھی قسمت ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی، ابنِ قنون نئی فوجیں فراہم کر کے مقابلہ کی غرض سے طنجہ کی طرف بڑھا، ابنِ طملوس جواب کے لیے آیا، لیکن شکست کھا کر میدانِ جنگ میں مارا گیا، اس پر ادریسی شہزادوں نے جو اب تک بنی امیہ اسپین کے ماتحت تھے عَلَم بغاوت بلند کیا اور الحکم کے سردارانِ فوج نے جو طنجہ میں چلے آئے تھے خلیفہ کو کہلا بھجوایا کہ اگر کمک نہ آئی تو بنی امیہ کی سلطنت کے مغرب اقصیٰ میں ختم ہونے میں اب کچھ باقی نہیں ہے۔

اس خطرہ کو دیکھ کر الحکم نے اپنا بہترین لشکر بہترین سپہ سالار غالب کی سرکردگی میں مغرب اقصیٰ بھیجنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ غالب کو قرطبہ میں طلب کیا اور اُس کو ہدایت کی کہ دیکھو بہت احتیاط سے کام لینا، اور فتحیاب ہو کر واپس آنا، اور

سمجھ لو کہ جو شکست ہم کو ہو چکی ہے اُس کی تلافی میدانِ جنگ میں تمہارے مرجانے سے نہ ہوگی، روپیہ کی کمی نہیں ہے، باغیوں کے دوستوں میں روپیہ خوب تقسیم کرو، اور تمام ادریسی شہزادوں کو اُن کے علاقوں سے معزول کر کے اسیرانِ جنگ کی حیثیت سے یہاں حاضر کردو۔"

غالب نے چیدہ و منتخب فوج سوارہ کے ساتھ جہازوں میں بیٹھ کر بحرِ زقاق عبور کیا، سبتہ اور طنجہ کے درمیان قصرِ مصمودہ کے مقام پر اُترا، اور فوراً ابنِ قنون کے مقابلہ کے لیے کوچ بولدیا، ابنِ قنون نے غالب کو روکنا چاہا، جم کر کوئی لڑائی نہیں ہوئی، اِدھر اُدھر معرکے چند روز تک ہوتے رہے، غالب نے دشمن کے فوجی افسروں کو روپیہ پہنچانے کا بندوبست کیا اور اِس میں اُسے پوری کامیابی ہوئی بڑی بڑی رقمیں، زرق برق لباس اور خلعت، اور مرصع تلواریں دیکھ کر ابنِ قنون کے فوجی سردار اپنا رایت چھوڑ علَمِ بنی امیہ کے سایہ میں آگئے، اب ادریسیوں کو جنھوں نے بغاوت کردی تھی، اِس کے سوا چارہ نہ رہا کہ سبتہ کے قریب ایک قلعہ میں پناہ لیں، یہ قلعہ ایک پہاڑی سلسلہ پر بہت بلندی سے واقع تھا، اور اسم بامسمّیٰ حجر النسر کے نام سے مشہور تھا۔

(۳۶۵ھ) غالب کی اِن ابتدائی کامیابیوں کی خبر سُن کر خلیفہ الحکم خوش ہوئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ غالب نے بربر کے فوجی سرداروں کو رشوت دینے میں بہت روپیہ صرف کردیا ہے، تب خیال ہوا کہ غالب نے ہدایت کے الفاظ پر ضرورت سے زیادہ عمل کیا، گو یہ بات درست ہو کہ روپیہ کل مغرب اقصیٰ میں صرف ہوا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اُس میں سے کچھ روپیہ غبن بھی ہوا، سرکاری خزانہ پر مصارف کا بار حد سے بڑھ گیا، اِس اسراف یا تصرفِ بیجا کو بند کرنے کے لیے خلیفہ الحکم نے ارادہ کیا کہ افریقہ میں ایک دیانتدار شخص بطور محاسبِ خاص کام کرے اور اِس منصب کے لیے اُنھوں نے محمد ابن ابی عامر کو منتخب کیا اور اُسے مغرب اقصیٰ کا قاضی القضاۃ مقرر کر کے روانہ کردیا، اور ہدایت کردی کہ جس قدر افسرانِ فوج ہیں اُن کے

چال چلن اور اُن کی مالی حالت پر خاص طور سے نظر رکھے، اِس کے ساتھ ہی مغربِ اقصیٰ کے تمام حکام کے نام فرمان بھیجا کہ کوئی کام بغیر ابن ابی عامر کی صلاح اور منظوری کے نہ کیا جائے۔

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ ابن ابی عامر کو فوج اور اُس کے افسروں سے واسطہ ہوا، اِس قسم کا واسطہ ہونا وہ چاہتا ضرور تھا، لیکن جن حالات میں وہ پیش آیا وہ پسندیدہ نہ تھے، جو کام سپرد ہوا تھا وہ بہت مشکل تھا، ابن ابی عامر کا ذاتی فائدہ تو اِس میں تھا کہ فوج کے سرداروں سے دوستانہ تعلقات پیدا ہوتے، لیکن کام یہ ملا کہ اِن سرداروں کی ایک طرح پر نگرانی کرے اور اُن کو اپنے قابو میں رکھے، یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جو فوجی افسروں کو خواہ مخواہ ناگوار گذرتیں، لیکن ابن ابی عامر کی فراست اور تدبیر کچھ ایسی تھی کہ اُس کا بھید وہی جانتا تھا، چنانچہ اُس نے اِس خوبی سے کام چلایا کہ اپنا فائدہ بھی ہاتھ سے نہ گیا اور جس خدمت پر بھیجا گیا تھا وہ بھی بخیر و خوبی انجام پاگئی خلیفہ حکم اِس کارگذاری پر خوش ہوئے، کیونکہ ابن ابی عامر نے فوجی سرداروں کی نگرانی اِس عمدگی سے کی کہ بجائے کسی قسم کے ملال کے جس کا خوف تھا، یہ لوگ ابن ابی عامر کی تعریفیں کرتے تھے، افریقہ کے والیانِ ریاست اور قبائلِ بربر کے رئیسوں سے بھی ایسے مراسم پیدا کیے جو آگے چل کر خود ابن ابی عامر کے حق میں بہت بکار آمد ثابت ہوئے، اہلِ لشکر کا طرزِ معاشرت خود بھی ایسا اختیار کیا کہ افسر اور سپاہی سب کو اُس کے ساتھ ایک اُنس پیدا ہوگیا، اور لوگوں کو معلوم ہونے لگا کہ قاضی القضاۃ نرے قاضی ہی نہیں ہیں بلکہ مردِ میدان بھی ہیں۔

(۳۶۶) اِس اثنا میں غالب نے ادریسی والیانِ ریاست کو مطیع و منقاد کیا، اور پھر ابن قنون کو اُس کے بلند آشیانے یعنی قلعہ حجر النسر میں محصور کرنا چاہا، یہ قلعہ گو ایسا نہ تھا جس کا فتح کرنا غیر ممکن ہوتا، لیکن اُس کے سخت و دشوار گذار ہونے میں کلام نہ تھا، خلیفہ حکم نے اس زمانہ میں اُن قلعوں کی مقیم فوجوں سے جو اسپین میں اُس کی شمالی سرحد کی حفاظت کرتے تھے، بہت سی فوجیں بطور کمک مغربِ اقصیٰ

روانہ کیں، اور ثغور شمال (یعنی شمال کے سرحدی علاقوں) کے حاکم وزیر یحییٰ بن محمد التجیبی کو ان فوجوں کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا، یہ کمک ماہ اکتوبر ۹۷۳ء (مطابق محرم ۳۶۳ھ) میں مغرب اقصیٰ (موریتانیہ) پہنچی، اور اب قلعہ حجر النسر کا محاصرہ اس شدت و قوت سے کیا گیا کہ آخرکار فروری ۹۷۴ء (مطابق جمادی الاول ۳۶۳ھ) میں ابن قنون نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کرلی، عہد نامہ صلح میں یہ شرطیں لکھی گئیں کہ ابن قنون اور اُس کے اہل و عیال، اور اُس کے سپاہیوں میں سے کسی کو جان سے نہ مارا جائے، اور دشمن کسی کا مال یا کسی کی جائیداد ضبط نہ کرے، اس کے ساتھ ایک شرط یہ بھی تھی کہ ابن قنون حجر النسر کے قلعے کو خالی کر کے قرطبہ میں حاضر ہو جائے۔

موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) میں جب امن ہو گیا تو غالب بحر زقاق عبور کر کے ابن قنون اور دیگر شاہزادگانِ بنی ادریس کو ساتھ لیے قرطبہ میں داخل ہوا، خلیفہ المستنصر باللہ اور تمام اعیانِ دولت فتحمند غالب کے استقبال کو شہر سے باہر آئے، غالب کا یہ ورود دارالسلطنتِ بنی امیہ میں اس شان کا تھا کہ ایسا پہلے کسی کی نظر سے نہ گذرا تھا، یہ واقعہ ۲۱ ستمبر ۹۷۴ء (مطابق دوشنبہ یکم محرم ۳۶۴ھ) کا ہے، خلیفہ مستنصر باللہ نے مفتوحین پر بالخصوص ابن قنون پر بے حد عنایات کیں، ہر قسم کے تحائف اُس کو دیے، اور اُس کے ساتھیوں کو جو شمار میں سات سو تھے، اور جرأت اور مردانگی میں مشہور تھے اپنا ملازم کر کے فوج میں بھرتی کر لیا۔

قرطبہ میں غالب کا یہ داخلہ حیاتِ مستنصر کی شان و عظمت کا آخری جلوہ تھا، چند ماہ کے بعد دسمبر ۹۷۴ء (مطابق ربیع الاول ۳۶۴ھ) میں خلیفہ مستنصر فالج میں مبتلا ہو گئے، اور یہ خیال کر کے کہ اب زندگی آخر ہونیکو ہے نیک کاموں میں خاص طور پر مصروف ہوئے، تسو غلاموں کو آزاد کیا، اسپین کے تمام اسلامی صوبوں میں محصولوں کا چھٹا حصہ کم کر دیا، اور حکم دیا کہ زین سازوں والے بازار کا کرایہ جس کی آمدنی صرفِ خاص میں جمع ہوتی تھی وہ غریب بچوں کی تعلیم کے لیے معلموں کی تنخواہوں میں خرچ کی جائے، سلطنت کے معاملات جن کے طے کرنے میں اب وہ بہت کم

شریک ہوتے تھے وزیر مصحفی کے سپرد کر دیے۔ اور لوگوں پر بہت جلد ثابت ہو گیا
کہ حکومت کی باگ اب بجائے خلیفہ کے دوسروں کے ہاتھ میں ہے، وزیر مصحفی
جو اپنے آقا سے کفایت شعاری میں بڑھے ہوئے تھے، اس نتیجہ پر پہنچے کہ افریقہ
کے ماتحت صوبجات اور ادریسی شہزادوں کے مصارف سلطنت پر ضرورت
سے زیادہ بار ہو رہے ہیں، پس بنظر تخفیف ادریسی شہزادوں سے یہ شرط
کر کے کہ وہ موریتانیہ کو واپس نہ جائیں گے اُن سب کو تونس روانہ کر دیا، تونس
سے یہ لوگ اسکندریہ چلے گئے، اس کے ساتھ ہی وزیر مصحفی نے یحییٰ ابن محمد التجیبی
کو افریقہ سے بلا لیا، غالب جب سے افریقہ سے اسپین چلے آئے تھے، افریقی (۹۶۷)
مقبوضات پر یحییٰ ہی حاکم تھے، چلتے وقت اُنھوں نے افریقہ ہی کے دو رئیسوں یعنی
جعفر اور یحییٰ کو جو علی بن حمدون کے بیٹے تھے مغرب اقصیٰ کا انتظام سپرد کیا۔

اس اخیر تدبیر یعنی محمد التجیبی کو افریقہ سے واپس طلب کرنے میں کفایت شعاری
ہی مد نظر نہ تھی، بلکہ اُس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ شمالی اسپین میں عیسائیوں نے فتنہ
انگیزی شروع کی تھی جس کا انسداد ضروری تھا، ان عیسائیوں نے خلیفہ کی علالت
اور ملک سے بہترین فوجوں کی روانگی دیکھ کر ۹۷۵ء کے موسم بہار (۳۶۵ھ) میں
مسلمانوں سے لڑائیاں شروع کر دیں، یہ لڑائیاں عیسائیوں نے تجیبی خاندان سرقسطہ
کے ایک شخص ابوالاحوص معن[۱] کی پشت گرمی سے شروع کی تھیں، اور مسلمانوں
کے کئی قلعوں کا محاصرہ کر لیا تھا، جس وقت یہ بہادر تجیبی یعنی یحییٰ ابن محمد اسپین
میں واپس آیا تو مصحفی نے ملک کی حفاظت مقدم سمجھی اور یحییٰ کو اُس کی قدیم جگہ یعنی
سرحد شمال کی حکومت پر مامور کر دیا۔

خلیفہ مستنصر نے زندگی کے آخری ایام اس کوشش میں صرف کیے کہ اُن کا
بیٹا ہشام جو ابھی بہت کم سن تھا، اُن کے بعد تخت کا مالک ہو، الحکم مسند

---

[۱] دیکھو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" مطبوعہ ۱۸۸۱ء ص ۲۲۱

خلافت پر بیٹھنے سے پہلے صاحب اولاد نہ ہوئے تھے، اُن کو اولاد کی تمنا بہت تھی، جب اِس طرف سے مایوسی ہونے لگی تو یہ محض خدا کی دین تھی کہ ڈھلتی عمر میں سیدہ صبح کے بطن سے ایک لڑکا (۳۵۱ھ / ۹۶۲ء میں) پیدا ہوا جس کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا، اسکے تین برس بعد اسی ملکہ کے ہاں دوسرا بیٹا ہوا، اِن دو بچوں کے پیدا ہونے سے الحکم بیحد خوش تھے، ملکہ صبح کو اسی زمانہ سے خلیفہ کے مزاج میں بڑا دخل ہوگیا، لیکن بڈھے ماں باپ کے لیے ایک دن سخت رنج والم کا آیا، بڑا بیٹا عبدالرحمٰن کم سنی میں گذر گیا، چھوٹا بیٹا ہشام زندہ رہا، اب الحکم اِس فکر میں رہنے لگے کہ ممکن ہے اِس بچے کی کم سنی کی وجہ سے رعایا اِس کو تخت پر نہ بٹھانا چاہے اور اُس کے چچاؤں میں سے کسی کو اُسکا جانشین کردے، اِس قسم کا اندیشہ بالکل قدرتی امر تھا، اب تک تختِ قرطبہ پر کوئی نابالغ نہ بیٹھا تھا، اور نابالغ بادشاہ کے زمانے میں بادشاہ کے نام سے دوسروں کا حکومت کرنا عربی مزاج اور طبیعت کے بالکل خلاف تھا، لیکن الحکم یہ گوارا نہ کرسکتے تھے کہ اُن کے فرزند ہشام کے سوا کوئی دوسرا تخت کا وارث ہو، اِس کے علاوہ ایک پیشین گوئی چلی آتی تھی کہ بیٹے یا پوتے کے سوا اگر بھائی یا بھتیجے کے پاس سلطنت گئی تو بنی امیہ سلطنت سے محروم ہوجائیں گے۔

بیٹے کو اپنا جانشین کرنے کے لیے خلیفہ الحکم نے مناسب سمجھا کہ اپنی ہی زندگی میں جہاں تک جلد ممکن ہو رعایا سے فرزند کی بیعتِ اطاعت لے لی جائے، اِس لیے اُنہوں نے اعیانِ دولت، اور امراء و رؤسارِ ملک کا ایک جلسہ منعقد کیا، جس دن یہ جلسہ ہوا اُسی دن [۵۱] خلافت پناہی نے اپنا ارادہ ظاہر کرکے لوگوں سے کہا کہ وہ ایک وثیقے پر جسمیں ہشام کا ولیعہد ہونا بیان تھا اپنے اپنے دستخط کردیں، کسی شخص [۵۲] کی جرأت نہ ہوئی کہ دستخط کرنے سے انکار کرتا، اسی جلسہ میں خلیفہ نے ابن ابی عامر اور بیسور الجعفری (۴۶۸)

۵۱ ۵ رفروری ۹۷۶ء مطابق یکم جمادی الآخر ۳۶۵ھ

۵۲ بیسور کو الجعفری اِس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ ملکہ صبح کا مولیٰ تھا، اور ملکہ کو المستنصر باللہ پیار سے جعفر کہا کرتے تھے، خلفاء اکثر بیگمات کے نام مردوں کے سے رکھ دیتے تھے۔

کو جو سلطانہ صبح کا مولیٰ تھا حکم دیا کہ اس وثیقے کی نقلیں اسپین اور افریقہ کے ممالکِ محروسہ میں تقسیم کی جائیں، اور نہ صرف امراء واکابرِ ملک بلکہ تمام رعایا بھی اس پر اپنے دستخط کرے، اس حکم پر فوراً عمل ہوا، چونکہ خلیفہ مستنصر کا رعب سب کے دلوں پر غالب تھا، لہٰذا کوئی شخص نافرمانی نہ کرسکتا تھا، تمام اطراف سے وثیقے کی نقلیں دستخط کی ہوئی آنی شروع ہوئیں، اور اب ہشام بن عبدالملک حکم کا نام بھی خطبے میں شامل ہوا۔

یکم اکتوبر ۹۷۶ء (مطابق ۲ صفر ۳۶۶ھ) کو خلیفہ حکم المستنصر باللہ کا انتقال ہوگیا، اور وہ اِس بات کا یقین اپنے ساتھ لے گئے کہ اُن کے بعد اُن کا بیٹا ہشام مسندِ خلافت پر بیٹھے گا، اور مصحفی اور ابنِ ابی عامر جن کو خلیفہ نے وزیر مقرر کر دیا تھا اِس بات کو دیکھتے رہیں گے کہ اندلس کے لوگ اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔

اسناد:-

ابنِ عذاری جلد ۲ ص ۲۴۹، ۲۵۱ تا ۲۵۳، ۲۶۰ تا ۲۷۰، ۲۷۳ تا ۲۷۶۔

ابن الخطیب (قلمی نسخہ G) ص ۱۱۷۔

عبدالواحد ص ۱۷ تا ۱۹، ۲۶

مقرّی جلد ا ص ۲۵۲، ۲۵۹، ۹۰۴ جلد ۲ ص ۵۹، ۶۱

ابنِ ابی اصیبعہ

ابن الابّار ص ۱۴۸، ۱۵۲

قرطاس ص ۵۶، ۵۸

ابنِ خلدون۔ تاریخ بربر جلد ۲ ص ۱۴۹، ۱۵۲ جلد ۳ ص ۲۱۵ تا ۲۱۶ (ترجمہ)

ابن عبدالملک مراکشی (پیرس قلمی نسخہ) ص ۶۸۲ ضمیمہ ص ۱۰۱۷

کتاب ثالث (خلافت)

ساتویں فصل

ہشام بن حکم کی تخت نشینی

۹۷۶ع خلیفہ الحکم مستنصر باللہ کا جس وقت دم نکلا ہے تو فائق اور جوذر دو خواجہ سرا اُن کے قریب تھے، اور صرف اِنہی دو آدمیوں کو اس کا علم تھا کہ خلیفہ قید حیات سے آزاد ہو چکے ہیں، اِس واقعہ کو دیکھتے ہی اِن دونوں خواجہ سراؤں نے سوچ لیا کہ جب تک ہم لوگ آپس میں یہ تصفیہ نہ کرلیں کہ اپنی بہتری کو مد نظر رکھ کر کیا بات اختیار کرنی چاہیئے، اُس وقت تک خلیفہ کی موت کی اطلاع کسی کو نہ کریں۔

فائق اور جوذر دونوں خلیفہ الحکم کے غلام تھے، ایک اُن میں شاہی توشہ خانہ کا داروغہ تھا، اور دوسرا صاحب الصقور تھا، یعنی شکار کے باز اور بہری اُسی کی تحویل میں رہتے تھے، یہ دونوں خواجہ سرا بڑے معزز اور بارسوخ تھے، اور اُنہوں نے بہت سے ملازمانِ قصر کو جو نہ خواجہ سرا تھے اور نہ غلام، روپیہ دے دے کر اپنے قابو میں کر رکھا تھا، اِس کے علاوہ اُن کے تحت میں ایک ہزار آختہ صقلبی تھے جو

خلیفہ کے غلام تھے، لیکن یہ صقلبی غلام سب کے سب بڑے خوش حال، صاحبِ جاگیر و جائیداد، اور عالیشان محلوں کے رہنے والے تھے، وہ دربار کی رونق اور زینت سمجھے جاتے تھے، اور انہیں بڑی بڑی مراعات حاصل تھیں، لیکن اہلِ قرطبہ کے ساتھ اُن کا سلوک اچھا نہ تھا، یہ صقلبی ہزارہا طریقوں سے قرطبہ کے لوگوں کو ستاتے اور نقصان پہنچاتے تھے، المستنصر باللہ باوجودیکہ بڑے عادل اور منصف تھے، لیکن اِن صقالبہ کی حرکتوں بلکہ اُن کے جرائم سے چشم پوشی اختیار کرتے تھے، جب کبھی کوئی شخص اِن غلاموں کی زیادتیوں کی شکایت کرتا تھا تو وہ یہی جواب دیتے تھے کہ "یہ لوگ میری حرم سرا کے محافظ و نگہبان ہیں، مجھے اِن پر کامل اعتبار ہے، میں اُن کو ہمیشہ سزائیں نہیں دے سکتا، اور مجھے اِس بات کا یقین ہے کہ اگر عزت اور اخلاق کے ساتھ اُن سے برتاؤ کیا جائیگا تو ہرگز کوئی موقع شکایت کا پیدا نہ ہوسکیگا"۔

غرض اِس طرح خلیفہ کی حمایت اور رعایت سے یہ لوگ بہت ہی بیباک اور مغرور ہوگئے تھے، اور سمجھتے تھے کہ سلطنت میں ہمارے برابر کوئی صاحبِ اِقتدار نہیں، اور اُن کے سردار فائق اور جوذر تو یہاں تک آپے سے باہر ہوئے تھے کہ خلیفہ کا انتخاب کرنا بھی گویا اُنہی کی رائے اور مشورے پر منحصر تھا، ہشام کا خلیفہ ہونا اُنہیں ناگوار تھا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نابالغی کے زمانہ میں ہشام اگر تخت نشین ہوا تو وزیر مصحفی جس سے وہ پہلے ہی سے بیزار چلے آتے تھے، کُل سپید و سیاہ کا مالک ہوجائیگا، پھر اُن کے اختیارات کچھ نہ رہیں گے۔

اِس میں کلام نہ تھا کہ قوم نے ہشام کی ولیعہدی پر بیعت کی تھی، اور اُن کے آئندہ خلیفہ ہونے کو بحلف منظور کیا تھا، لیکن سیاسی معاملات میں جو حلف لیے جاتے ہیں اُن کی حقیقت سے جیسا کہ واقف ہونا چاہیئے فائق اور جوذر خوب واقف تھے، اور جانتے تھے کہ زیادہ تر لوگوں نے ہشام کی بیعت بہت تامل اور تذبذب کے بعد کی تھی، اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عامۃ الناس اِس بات کے (۴۷۰)

خلاف ہیں کہ ایک نابالغ مسندِ خلافت پر بیٹھے اور نابالغی کے زمانہ میں وزرا، اُس کے نام سے حکومت کریں، قوم کبھی گوارا نہ کرسکتی تھی کہ بارہ برس کے ایک لڑکے کو دین اور دنیا دونوں کا سردار بنالے، لیکن اگر ہشام کو تخت سے محروم رکھا تو اِس میں ذرا شبہ نہ تھا کہ صقالبہ سخت بدنام ہوجائیں گے، البتہ اگر شاہی خاندان سے کسی زیادہ عمر کے لائق شخص کو خلیفہ بنایا تو پھر یہ کُل بدنامی رفع ہوجائے گی، علاوہ ازیں ایک بات اِس میں یہ اور نکلتی تھی کہ جس شخص کو وہ خلیفہ قرار دیں گے وہ اُن کا احسانمند ہوگا، اور ہمیشہ سمجھتا رہے گا کہ اِنہی کی کوشش سے اُسے تخت نصیب ہوا ہے، پھر ہم ہی اُس کے نام سے سلطنت کے مالک ہوجائیں گے۔

یہ سب باتیں سوچ کر خواجہ سراؤں نے تصفیہ کرلیا کہ ہشام کو خلیفہ نہ ہونے دیں، بلکہ ہشام کے چچا مغیرہ کو جس کی عمر اُس وقت ۲۷ برس کی تھی اِس شرط پر خلیفہ بنائیں کہ وہ ہشام کو اپنا ولیعہد مقرر کرے، آقائے مرحوم کے احسانات کی وجہ سے اتنا خیال ضرور اِن لوگوں کو تھا کہ ہشام کے حقوق کو بالکل نظر انداز نہ کریں۔

جوذر نے کہا کہ "اپنے طریقۂ عمل کے بارہ میں جو کچھ فیصلہ کرنا تھا وہ ہم نے کرلیا ہے، اب ہمارا فرض ہے کہ مصحفی کو طلب کرکے اپنی موجودگی میں اُس کا سر قلم کردیں، اور پھر جو کچھ اِس وقت تجویز کیا ہے وہی کریں۔" لیکن فائق جو زیادہ دوراندیش نہ تھا، اور جوذر سے زیادہ رحمدل تھا، قتل کی تجویز سُن کر ڈر گیا، اور کہنے لگا کہ "یا اخی! کیا آپ ہمارے آقا کے وزیر کو جان سے مارنا چاہتے ہیں؟ درآنحالیکہ کوئی قصور اُس سے ایسا سرزد نہیں ہوا ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، ہمیں زیبا نہیں کہ اپنا کام خونِ ناحق کے ارتکاب سے شروع کریں، میرے خیال میں مصحفی سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے وہ ہمارے مقاصد میں مخل نہ ہوگا۔"

جوذر کو اِس بات کا یقین نہ آیا، لیکن فائق چونکہ اُس کا افسر تھا اِس لیے زیادہ اصرار نہ کرسکا اور خاموش ہوگیا۔

اب اِن دونوں خواجہ سراؤں نے یہ تصفیہ کیا کہ مصحفی کو بہ لطائف الحیل اپنے

مقصود پر رضامند کرلینا چاہیئے، چنانچہ اُنہوں نے اُسے قصرِ خلافت میں بلایا، جب مصحفی آیا تو خلیفہ کی موت سے اُسے مطلع کیا، اور تخت نشینی کے بارے میں جو بات اُنہوں نے سوچی تھی وہ بھی اُس سے کہدی اور اُسے اپنا شریک بنانا چاہا۔

اِن خواجہ سراؤں کی تدبیر مصحفی کو نہایت شاق گذری، لیکن یہ سمجھ کر کہ دونوں بڑے فتنہ پرداز ہیں، اور جو دل میں آئیگا وہی کرگذریں گے، مصحفی نے بظاہر اُن کی تجویز سے اتفاق کرلیا، اور کہا "آپ نے جو امر تجویز کیا ہے وہ انتہا درجہ قرینِ عقل ہے، جو کچھ سوچا ہے وہی کیجئے، میں اور میرے احباب جہانتک ممکن ہوگا آپ کی مدد کریں گے لیکن بہتر ہوگا کہ اکابرِ قوم اور مشیرانِ دولت سے اِس امر میں مشورہ کرکے اُن کی منظوری حاصل کرلی جائے، کیونکہ آئندہ بغاوت روکنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے، رہا میں، تو میرے ذمہ جو خدمت ہے وہ صاف ہے، میں قصر کے دروازے پر پہرہ دونگا اور آپ کے حکم کا منتظر رہونگا۔"

(۹۷۶) مصحفی نے اِس بناوٹ کی تقریر سے فائق اور جوذر کا اطمینان کردیا، اب اُس نے اپنے چند دوستوں کو جمع کیا، اُن میں مصحفی کا بھتیجا ہشام، ابنِ ابی عامر، زیاد بن افلح (مولائے حکم المستنصر باللہ) قاسم بن محمد (یعنی ابنِ طملوس کا فرزند، یہ ابنِ طملوس وہی ہے جو افریقہ میں ابنِ قنون سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا) اور چند اور بڑے لوگ شامل تھے، اسپینی رسالوں کے اعلیٰ افسروں اور افریقہ والی فوجوں کے سرداروں یعنی بنی برزال کو بھی جن پر بہت بھروسا اور اعتبار تھا مصحفی نے طلب کیا، اِس طرح اپنے فریق کے تمام لوگوں کو جمع کرکے خلیفہ کے انتقال کی خبر اور خواجہ سراؤں کی تجویز سے اُن کو مطلع کیا، اور کہا کہ "اگر ہشام تخت نشین ہوئے تو ہم کو کسی بات کا خوف نہ ہوگا، لیکن اگر ہشام کی بجائے مغیرہ ہوئے تو ہم سب اپنی اپنی خدمت سے برطرف اور کیا عجب ہے کہ زندگی سے بھی سبکدوش کردیے جائیں، کیونکہ مغیرہ کو ہم سب سے نفرت ہے۔"

تمام حاضرین نے مصحفی سے اتفاق کیا، اور یہ تجویز کی کہ خواجہ سراؤں کے منصوبے کو اِس طرح توڑنا چاہیئے کہ الحکم کی موت کے مشہور ہونے سے پہلے ہی اُس کے بھائی مغیرہ

کا کام تمام کر دیا جائے، مصحفی نے اِس تجویز سے اتفاق کر لیا، لیکن جب وہ پوچھنے لگا کہ یہ کام کون کریگا؟ تو کسی کے منہ سے کچھ نہ نکلا، کیونکہ کوئی شخص ایسے کام کو انجام دے کر اپنے نام کو داغ لگانا نہیں چاہتا تھا۔

اب ابنِ ابی عامر نے حاضرین سے خطاب کیا "ہمیں اپنے ارادے میں ناکامی کا خیال تک نہ گذرنا چاہیئے، ہم اپنے سردار مصحفی کی مدد پر ثابت قدم ہیں، اور اُس کے حکم پر عمل کرنا ہمارا فرض ہونا چاہیئے، چونکہ حاضرین میں سے کوئی بھی اِس کام کو تکمیل تک پہنچانے پر رضامند نہیں معلوم ہوتا، اِس لیے میں سردار کی اجازت سے اِس کام کے لیے تیار اور آمادہ ہوں، آپ کسی بات کا خوف نہ کریں، اور مجھ پر پورا بھروسا رکھیں"

اِس تقریر کو سن کر سب لوگ حیران رہ گئے، کس کو خیال ہو سکتا تھا کہ دیوانی کا ایک ملازم قتلِ انسان کا ارتکاب بطور ایک فرضِ منصبی کے اپنے ذمے لے گا، حالانکہ فوجی افسر بھی جنہیں رات دن کشت و خون سے واسطہ رہتا تھا اِس پر آمادہ نہ ہو سکے تھے، بہرکیف ابنِ ابی عامر کی اِس ہمت اور جرأت کو سب نے پسند کیا، اور اِس بات کو تسلیم کرنے لگے کہ جس تجویز پر سب متفق ہوئے ہیں اُس کو عمل میں لانا ابنِ ابی عامر ہی سے ممکن ہے، چونکہ شہزادہ ہشام سے اُس کا رات دن کا ملنا ہے، اور شاہی خاندان کے اور لوگ بھی اُس کی بہت عزت اور قدر کرتے ہیں، اِس لیے ایسے نازک کام کے واسطے وہی موزوں ہو سکتا ہے۔

مجمع برخاست ہوتے ہی ابنِ ابی عامر گھوڑے پر سوار ہوا، سپہ سالار بدر، اور فوجِ محافظ کے سَو سواروں، اور اسپینی فوج کے چند دستوں کو ساتھ لے کر مغیرہ کے محل کی طرف چلا، جب وہاں پہنچا تو فوجِ محافظ کے سپاہیوں کو دروازے پر کھڑا کر کے محل کے گرد سواروں کا حلقہ قائم کیا، اور محل میں داخل ہو کر مغیرہ کو اطلاع دی کہ خلیفہ کا انتقال ہو گیا ہے، اور ہشام اُن کی جگہ تخت نشین ہوئے ہیں، لیکن وزیروں کو خوف ہے کہ آپ ہشام کا تخت نشین ہونا پسند نہ کریں گے، اِس لیے اُنہوں نے مجھے آپکی رائے دریافت کرنے بھیجا ہے۔ (۹۷۶ء)

مغیرہ یہ الفاظ سنکر زرد پڑ گیا، وہ ان کے معنی خوب سمجھتا تھا، یہ خیال کرکے کہ اب اُس کی موت کا وقت قریب آگیا ہے، بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بھائی کی موت کی خبر سنکر جو صدمہ مجھے ہوا ہے اُس کا بیان کرنا میری قدرت سے باہر ہے، لیکن مجھے اِس بات سے بیحد خوشی ہوئی کہ میرا بھتیجا تخت پر بیٹھا ہے، خدا کرے اُسے مدتوں سلطنت کرنی نصیب ہو، اور اقبال ہمیشہ اُس کا ساتھ دے، مہربانی کرکے جن لوگوں نے آپ کو یہاں بھیجا ہے اُن کو مطلع کر دیجئے کہ میں سب باتوں میں آپ کا مطیع اور فرمانبردار رہونگا میں خلافتِ ہشام کی بیعت کر چکا ہوں اور اُسی پر قائم ہوں، اور جو کچھ قول واقرار مجھ سے لینے ہوں وہ بھی لے لیے جائیں، لیکن اگر تم کسی اور قصد سے آئے ہو تو میں تم سے رحم کی درخواست کرتا ہوں، اور تم کو خدائے لایزال کی قسم دلاکر کہتا ہوں کہ اپنے ارادے پر غور کرو، اور میری جان لینے سے باز آؤ۔"

اِس نوجوان شہزادے کی تقریر پر ابن ابی عامر کو رحم آگیا، اور جو باتیں اُسی نے کہیں اُن کو سچا سمجھا، جس قتل سے اپنا اور سلطنت کا فائدہ ہو اُس کے ارتکاب سے ابن عامر کو مطلق پرہیز نہ تھا، لیکن ایسے شخص کے خون سے وہ اپنے ہاتھ رنگنے نہیں چاہتا تھا جس سے کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، پس اُس نے مصحفی کو ایک پرچہ اِس مضمون کا لکھ کر بھیجا کہ "شہزادہ مغیرہ سچے دل سے مطیع ہے، اور کسی قسم کی بدگمانی اُس کی طرف سے نہ ہونی چاہیئے، اِس بنا پر میں درخواست کرتا ہوں کہ مغیرہ کی جان سلامت رکھی جائے۔"

ابن ابی عامر نے جس سپاہی کے ہاتھ یہ رقعہ بھیجا تھا وہ بہت جلد جواب لایا، جس کے آخری جملے یہ تھے "تمہارے اِس تذبذب سے سب باتیں بگڑ جائیں گی، مجھے شبہ ہے کہ تم مغیرہ سے مل گئے ہو، اور ہمارے ساتھ دغا کرنی چاہتے ہو، جو خدمت تمہارے سپرد ہوئی ہے اُسے بجالاؤ، ورنہ دوسرا آدمی اِس کام پر مقرر کیا جائے گا۔"

ابن ابی عامر نے یہ خط مغیرہ کو دکھایا، جو اُس کے لیئے پروانۂ موت تھا، اب

جو کچھ گذرنے والا تھا وہ ابن ابی عامر کو دیکھنا گوارا نہ ہوا، اِس لیے وہ کمرے سے باہر نکل آیا، اور سپاہیوں کو اندر جانے کا حکم دیا، سپاہی جانتے تھے کہ اُن سے کیا توقع کی جاتی ہے، اُنہوں نے رسّی ڈال کر مغیرہ کا گلا گھونٹ کر اُسے مار ڈالا، اور لاش کو ایک کمرے میں لٹکا دیا، اور محل کے نوکروں سے کہدیا کہ "جب مغیرہ سے اصرار کیا گیا کہ ہشام کی اطاعت قبول کریں تو اُنہوں نے اپنے گلے میں پھانسی ڈال لی، اور مر گئے"۔ تھوڑی دیر کے بعد سپاہیوں کے پاس ابن ابی عامر کا حکم آیا کہ مغیرہ کی لاش کو اُسی کمرہ میں جسمیں وہ مردہ پڑا ہے، دفن کر کے کمرے کو چاروں طرف سے تیغہ کر دیا جائے۔

ابن ابی عامر جب یہ خدمت بجا لاچکا تو وزیر مصحفی کے پاس آیا، اور اُس کو اطلاع دی کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے، مصحفی نے اُس کا بہت شکریہ ادا کیا اور اظہار شکرگذاری کے طور پر اُسے اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ (٤٧٢)

فائق اور جوذر کو جلد معلوم ہو گیا کہ مصحفی نے دھوکہ دیا، اور اُن کے منصوبے کو بالکل غارت کر دیا، دونوں کو بے انتہا غصہ آیا، بالخصوص جوذر کو، اور وہ فائق سے کہنے لگا "ابتو تم بھی قبول کروگے کہ پہلی بات جو اپنی ترقی کے لیے میں نے بتائی تھی وہ مصحفی کو درمیان سے ہٹانا تھا، لیکن تم اس بات کو نہ پہنچے"۔

بہرکیف جو کچھ پیش آیا تھا اُس کو بظاہر ان خواجہ سراؤں نے گوارا کرلیا، اور مصحفی کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت کچھ معذرت کی، اور اِس بات کا اقرار کیا کہ عجلت میں جو کچھ ہم نے فیصلہ کیا تھا وہ غلط تھا، اور مصحفی نے جو کچھ کیا وہی مناسب اور قرین مصلحت اور ہماری تجویز سے بہتر تھا، مصحفی اگرچہ صقالبہ سے اتنی ہی نفرت رکھتا تھا جتنی نفرت صقالبہ کو اُس سے تھی، مگر سردست کوئی صورت اُن کو سزا دینے کی اُسے نظر نہ آئی، پس اُس نے جوذر اور فائق کی معذرت قبول کی، اور بظاہر پورے طور پر امن و امان قائم ہو گیا۔

دوسرے دن (یعنی دوشنبہ ٢ راکتوبر ٩٧٦ء مطابق ٣ صفر ٣٦٦ھ) منادی کے

ذریعہ سے اہلِ قرطبہ کو قصرِ خلافت میں مدعو کیا گیا، جب لوگ حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ہشام مسندِ خلافت پر رونق افروز ہے، اُس کے قریب مصحفی اور دائیں بائیں فائق اور جوذر و دیگر ارکینِ دولت حاضر ہیں، قاضی ابن السلیم نے پہلے ہشام کے چچاؤں اور چچازاد بھائیوں سے، پھر وزیروں سے، پھر درباریوں اور قرشیوں کے سرداروں اور دیگر عمائدِ شہر سے بیعت لی، جب یہ ہولیا تو باقی حاضرین سے بیعت لینے کا کام ابنِ ابی عامر کے سپرد ہوا، یہ کام آسان نہ تھا، کیونکہ بعض لوگوں کو بیعت کرنے سے انکار تھا، بہرصورت ابنِ ابی عامر نے فصیح و بلیغ تقریروں سے اُنہیں رضامند کرلیا، اور اِس میں اُسے اِس درجہ کامیابی ہوئی کہ سوائے دو چار آدمیوں کے سب نے ہشام کی خلافت منظور کرلی، ہر شخص کی زبان پر اِس وقت ابنِ ابی عامر کی لیاقت اور قابلیت کی تعریف تھی۔

یہانتک مصحفی اور اُس کے ساتھیوں کے حق میں سب باتیں درست ہوئیں اور سیاسی مطلع بالکل صاف اور روشن نظر آتا تھا، عامۃ الناس خاموش اور مطیع معلوم ہوتے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ نابالغ بادشاہ کے زمانے میں دوسروں کا حکومت کرنا اُنہوں نے قبول کرلیا، گو اِس سے پہلے اُن کو یہ بات گوارا نہ تھی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ظاہری حالات اُن کو دھوکہ دے رہے تھے، راکھ میں آگ کی چنگاریاں دبی تھیں، خفیہ طور پر لوگ اُن امرا پر لعنت بھیج رہے تھے جنہوں نے حرص اور حُبِ جاہ میں بدقسمت مغیرہ کو ہلاک کرکے عنانِ حکومت اپنے قبضے میں کرلی ہے۔ خواجہ سراؤں نے چپکے چپکے قرطبہ کے لوگوں میں اور آگ لگائی۔ غرض تھوڑے دنوں میں رعایا میں ایسی ناراضی پھیلی کہ ایک نہ ایک دن اِس ناراضی کا بغاوت کی شکل میں بدل جانا ممکن معلوم ہونے لگا۔ (۲۷۴)

ابنِ ابی عامر اہلِ قرطبہ کے خیالات سے بے خبر نہ تھا، اُس نے مصحفی کو مشورہ دیا کہ رعایا پر رعب قائم رکھنے کے لیے فوجوں کو اُن کے سامنے سے گذارنا چاہیئے اور اُس محبت اور تعلق کو جگانے کے لیے جو رعایا کے دل میں خلیفہ کی ذات کے ساتھ موجود

ہے ، مناسب ہے کہ خلیفہ ہشام کی صورت رعایا کو دکھائی جائے ، اور رعایا کا دل خوش کرنے کے لیے کچھ محصول بھی معاف کیے جائیں ، وزیر مصحفی نے یہ مشورہ پسند کیا اور طے پایا کہ ہفتہ کے دن ساتویں اکتوبر ۹۷۶ء (مطابق ۸ صفر ۳۶۶ھ) کو ہشام کا جلوس نکالا جائے ، اُسی دن صبح کے وقت مصحفی جو اب تک وزیر کا درجہ رکھتے تھے حاجب یعنی وزیر اعظم کے عہدے پر ممتاز کیے گئے ، یا خود ہی اُنہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا ، ابن ابی عامر سلطانہ صبح کی خاص سفارش سے وزیر مقرر ہوئے ، اور سلطنت کا انتظام مصحفی اور ابن ابی عامر کے سپرد کر دیا گیا ، نوعمر خلیفہ ہشام گھوڑے پر سوار ہو کر قرطبہ کے بازاروں میں نکلے ، پیچھے پیچھے سواروں کا رسالہ تھا اور ابن ابی عامر ساتھ تھے ، اسی حالت میں فرمان جاری ہوا کہ روغن زیتون پر جو محصول لیا جاتا تھا ، اور جو محصولوں میں سب سے تکلیف دہ اس وجہ سے تھا کہ غریب آدمیوں کو اُس کا برداشت کرنا مشکل تھا وہ معاف کیا گیا ۔

جلوس کے نکلنے اور بالخصوص محصول کے معاف کیے جانے سے رعایا پر ویسا ہی اچھا اثر ہوا جس کا پہلے سے خیال کیا گیا تھا ، اور چونکہ ابن ابی عامر نے اپنے ہوا خواہوں کے ذریعے سے رعایا میں یہ بات مشہور کر دی تھی کہ محصول کی معافی اُنہوں نے ہی تجویز کی تھی ، اس لیے غریبوں اور مفلسوں میں وہ بالعموم اُن کے دوست اور خیر طلب مشہور ہو گئے ۔

مگر خواجہ سرا خفیہ سازشیں کرنے سے باز نہ آئے ، جاسوسوں نے مصحفی کو خبر کی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی نسبت شبہ ہے کہ وہ خواجہ سراؤں اور قصر سے باہر شہر کے لوگوں میں درمیانی بن گئے ہیں ، یہ لوگ قصر میں باب الحدید کے راستے سے آمد و رفت رکھتے ہیں ۔ مصحفی نے یہ خبر پا کر قصر کے اس دروازے کو تیغہ کروا دیا ، اور اب قصر خلافت میں آنے کے لیے صرف باب السدہ رہ گیا ۔

حاجب مصحفی نے ابن ابی عامر کو حکم دیا کہ فائق اور جوذر کے ایسے ملازمین جو مسلح ہیں مگر نہ وہ آختہ ہیں اور نہ غلام ، اُن کو ان دونوں خواجہ سراؤں سے جدا کر دیا جائے ،

ابن ابی عامر نے اِس حکم کو بجالانے کا وعدہ کیا، اور اب رشوتیں پہنچا کر اور طرح طرح کے وعدے کر کے ابن ابی عامر نے اِس بات میں اتنی کامیابی حاصل کی کہ پانچ سو مسلّح ملازم فائق اور جوذر کی ملازمت چھوڑ کر ابن ابی عامر کے پاس ملازم ہو گئے۔ چونکہ ابن ابی عامر کو اِن لوگوں کے علاوہ بنی برزال کی افریقی فوجوں پر بھی بھروسا تھا، اِس لیے اب اُس کی قوت مخالفین کی قوت سے بڑھ گئی۔

(۴۷۵) جوذر کو معلوم ہو گیا کہ یہ کُل کارروائی ابن ابی عامر کی ہے، اُس کو اس بات پر ایسا غصہ آیا کہ صاحبِ صقور کی خدمت سے مستعفی ہو گیا، مگر یہ سب دکھاوے کی باتیں تھیں جوذر کو یقین تھا کہ اُس کو علیحدہ کرنا مشکل ہے اِس لیے اُس کا استعفیٰ منظور نہ ہوگا، اور جب استعفیٰ منظور نہ ہوگا تو اُس کو موقع ملیگا کہ آئندہ ملازمت میں رہنے کی جو شرائط چاہے گا اپنے مخالفوں سے لکھوائے گا۔

لیکن جوذر کا یہ خیال غلط نکلا، اُس کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا، جوذر کے فریق والوں کو اس پر بہت غصہ آیا، مصحفی اور ابن ابی عامر کو بہت سخت و سست کہنے لگے، اور دھمکیاں دینی شروع کیں، اِس فریق کے بڑے لوگوں میں ایک شخص دُرّی زبان درازی میں سب سے بڑھا ہوا تھا، یہ حالت دیکھ کر مصحفی نے ابن ابی عامر سے کہا کہ اِس کا کوئی تدارک ہونا چاہیئے، ابن ابی عامر کے پاس تدارک موجود تھا، دُرّی علاقہ بیاسہ کا حاکم تھا، اور اہلِ بیاسہ اِس حاکم کے اہلکاروں کے جور وظلم اور زرکشی سے تنگ رہتے تھے، ابن ابی عامر پر یہ حال کُھل گیا، اُس نے اپنے طور پر اہلِ بیاسہ کو باور کرا دیا کہ اگر وہ اِس حاکم اور اُس کے اہلکاروں کی کوئی شکایت پیش کریں گے تو وہ ضرور سنی جائیگی اور فیصلہ اہلِ بیاسہ کے حق میں ہوگا۔

بیاسہ کے لوگوں کو اِتنا اشارہ کافی تھا، اُنھوں نے دُرّی کی شکایت کی، خلافت کی طرف سے دُرّی کو دار الوزارت میں حاضر ہونے کا حکم گیا، دُرّی نے حُکم کی تعمیل کی لیکن جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں بہت سی فوج موجود ہے، اِس پر اُسے اپنی جان کا خوف پیدا ہوا اور اُس نے واپس جانا چاہا، لیکن ابن ابی عامر نے اُسکا گلا

پکڑ لیا اور واپس نہ جانے دیا ، اِس ہشت مشت میں دُرّی نے ابن ابی عامر کی ڈاڑھی پکڑ لی ، ابن ابی عامر نے سپاہیوں کو آواز دی ، اسپینی قوم کے سوار جو قریب تھے اُن کو مطلق جنبش نہ ہوئی ، کیونکہ وہ دُرّی سے ڈرتے تھے اور اِس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت اُن میں نہ تھی ، لیکن بنی برزال کے سپاہیوں کو اِس قسم کا کوئی ڈر نہ تھا ، وہ فوراً دوڑ پڑے اور دُرّی کو پکڑ کر مارنے پیٹنے لگے ، ایک سپاہی نے تلوار چپٹے رُخ سے ایسی لگائی کہ دُرّی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا ، اِسی حالتِ بیہوشی میں اُسے اُٹھا کر جہاں وہ مقیم تھا لے گئے ، اور یہاں رات کے وقت کسی نے اُسے ہلاک کر دیا۔

صقالبہ کے اِس سردار کے قتل سے مصحفی اور ابن ابی عامر سمجھ گئے کہ اب صقالبہ سے پوری لڑائی ٹھن گئی ہے ، اِس لیے جلد فیصلہ کر لیا کہ اِس حالت میں کیا کرنا ہوگا ، چنانچہ فائق اور اُس کے دوستوں کے پاس خلیفہ کا حکم پہنچا کہ قصرِ خلافت سے فوراً باہر نکل جائیں اِس کے بعد اُن پر بد دیانتی کا الزام لگایا گیا اور بھاری جرمانہ کیا گیا ، اِن جرمانوں کے ادا کرنے سے وہ اتنے مفلس ہو گئے کہ وزرار کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہے ، فائق (۴۷۶) پر جو صقالبہ میں سب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا سب سے زیادہ سختی کی گئی ، اور اُس کو جلاوطن کر کے جزائرِ شرق الاندلس کے ایک جزیرے میں بھیجدیا ، جہاں وہ آخرکار مر گیا ، صقلبی خواجہ سرا جن کے جرائم زیادہ سنگین نہ تھے اپنی اپنی جگہ برقرار رہے ، انمیں سے ایک شخص جس کا نام سکر تھا قصر کی فوجِ محافظ کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

یہ تدبیریں گو مصحفی اور ابن ابی عامر کی خود غرضی کا نتیجہ تھیں ، مگر عوام الناس میں ان امرار کے ہر دلعزیز ہونے کا بھی باعث ہوگئیں ، قرطبہ کے لوگوں کو صقالبہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے اُن سے سخت عداوت ہو گئی تھی ، اب اُن کی تباہی پر اہلِ قرطبہ خوش ہوئے۔

لیکن اِس زمانہ میں شمال کے عیسائیوں کے تدارک میں حکومت کی طرف سے غفلت ہوئی ، شمال کے عیسائی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں خلیفہ الحکم کی موت کی خبر سُنکر روز بروز دلیر ہوتے گئے تھے ، یہاں تک کہ قرطبہ کے دروازوں تک آ کر ڈاکے ڈالنے لگے ، اُن کے دفع کرنے کے لیے مصحفی کے پاس نہ روپیہ کی کمی تھی اور نہ آدمیوں کی ،

لیکن مصحفی رموزِ جنگ سے اِس قدر نا آشنا تھا کہ ملک کو دشمنوں سے بچانے کی کافی تدبیر کرنے میں قاصر رہا، سیدہ صبح عیسائیوں کے بڑھے چلے آنے سے اور رعایا میں بےچینی دیکھ کر پریشان رہنے لگیں، ابنِ ابی عامر سے اُنہوں نے یہ پریشانی بیان کی، ابنِ ابی عامر پہلے ہی سے مصحفی کی کم زوری و کم لیاقتی پر پیچ و تاب میں رہا کرتے تھے، چنانچہ اُنہوں نے سلطانہ صبح کو مشورہ دیا کہ "اگر مجھ کو ضروری سامان اور فوج کی افسری عنایت ہو تو عیسائیوں کو شکست دینے کا میں ذمہ لیتا ہوں"۔

اِس مشورہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ابنِ ابی عامر نے مصحفی کو جتا دیا کہ اگر وہ اِسی طرح کاہل وجود رہا تو ایک دن کُل اختیارات اُس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے، اور ابنِ ابی عامر نہ صرف اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر بلکہ اپنے حق میں ذاتی طور پر مفید جان کر عیسائیوں کے مقابلہ میں بلا تاخیر خود کوئی سخت کارروائی شروع کر دے گا۔

مصحفی نے ابنِ ابی عامر کے اِس مشورہ کو درست سمجھ کر وزرار کا ایک جلسہ منعقد کیا اور اُس میں یہ تحریک پیش کی کہ شمال کے عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک مہم جلد روانہ ہونی چاہیئے۔

اِس تحریک سے گو سب نے نہیں لیکن زیادہ تر حاضرین نے اتفاق کیا، وزرار کی جماعت میں بڑی بحث یہ تھی کہ اِس مہم کا سردار کون ہو؟ کیونکہ یہ کام اُن کو نہایت سخت ذمہ داری کا معلوم ہوتا تھا، اور کوئی شخص بھی اِس ذمہ داری کے لیے آمادہ نہ تھا، لیکن ابنِ ابی عامر نے کہا "میں فوجوں کا سالار بن کر جانے کے لیے تیار ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ ساتھ لیجانے کے لیے فوجیں میں خود منتخب کروں گا، اور اِس مہم کے مصارف کے لیے ایک لاکھ دینار سرخ مجھے دیے جائیں"۔

یہ رقم ایسی بھاری تھی کہ وزرا، میں سے ایک وزیر اِس پر معترض ہوا، ابنِ ابی عامر نے کہا "اگر روپے کا خیال ہے تو میں دو لاکھ دینار دیتا ہوں، تم خود سپہ سالار بن کر چلے جاؤ"۔ وزیر جس نے اعتراض کیا تھا اِس پر راضی نہ ہوا، اور آخر کار یہ طے پایا کہ فوجیں ابنِ ابی عامر کی سرکردگی میں روانہ کی جائیں، اور مصارفِ جنگ کے لیے جو رقم وہ (۴۷۷)

طلب کرتے ہیں ادا کی جائے۔

فروری ۹۷۷ء (مطابق جمادی الآخر ۳۶۶ھ) کے اخیر میں ایسی فوجیں ساتھ لے کر، جو اُنھوں نے خود ملک کے ہر حصے سے منتخب کی تھیں، ابنِ ابی عامر عیسائیوں سے لڑنے کے لیے شمال کی جانب روانہ ہوگئے، سرحد سے گذر کر قلعہ الحمہ (لوس بانوس) کا جو رومیر ثانی نے سبت مانکش کی فتح کے بعد تعمیر کرایا تھا محاصرہ کرلیا، قلعہ کے باہر کی زمینوں کو لوٹنے کا حکم دیا، اور اِس طرح بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا، اور اپریل کے وسط میں بہت سے عیسائی قیدیوں کو ساتھ لیے قرطبہ میں واپس آئے۔ اس لڑائی کا نتیجہ گو بہت وقعت کے قابل نہ تھا، لیکن قرطبہ میں بڑی خوشیاں منائی گئیں، کیونکہ جب سے عیسائیوں نے لڑائی اور لوٹ مار شروع کی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے حملہ میں تقدیم کی تھی۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کو اِس موقع پر ایسا سبق دیا جسے وہ بہت دن تک نہ بھولے، اور اب اُن کے وہ حملے جو قرطبہ کے قرب وجوار تک ہوا کرتے تھے، اور جن سے اہلِ قرطبہ کی نیند اُڑ جاتی تھی، قطعی بند ہوگئے، شہر کے لوگوں کی مسرت واطمینان کے لیے ایک اکیلی یہی بات کچھ کم نہ تھی۔

گو اِس فتح کے بیان میں مسلمانوں نے مبالغہ کیا ہو، لیکن ابنِ ابی عامر کو اِس لڑائی سے جس قدر فائدہ پہنچا اُس کے بیان میں مبالغہ نہیں ہوسکتا، فوج والوں کا دل رکھنے کے لیے جنھیں اب تک یقین نہ آتا تھا کہ ایک قاضیٔ شہر فوج کی سپہ سالاری کیونکر کرسکتا ہے، ابنِ ابی عامر نے مصارفِ جنگ کا روپیہ اُن میں بڑی کشادہ دستی سے تقسیم کیا، زمانۂ جنگ میں بھی ابنِ ابی عامر کا دسترخوان تمام فوج والوں کے لیے ہر وقت بچھا رہتا تھا۔

لہ لوس بانوس کو عربی مورخ الحمہ لکھتے ہیں، یہ لفظ 'بلنیوس' کا لفظی ترجمہ عربی میں ہے، اور موجودہ مقام لوس بانوس کے لیے ساپیرو نے بلنیوس ہی استعمال کیا ہے۔

غرض ابنِ ابی عامر کی تدبیر چل گئی ، فوجوں کے افسر اور جوان سب کے سب اُس کے اخلاق اور فیاضی کے مداح تھے ، اور اُس کے باورچیوں کی تعریف بھی ہر وقت اُن کی زبان پر تھی ، ابنِ ابی عامر کو اب فوج والوں پر پورا بھروسا ہو گیا ، اور ظاہر ہو گیا کہ جب تک وہ اِسی طرح اُن کے ساتھ سخاوت کریگا اُس وقت تک فوج کے لوگ دل و جان سے ساتھ دینے کو تیار رہیں گے ۔

اسناد :-

ابن عذاری جلد ۲ ص ۲۷۰ ، ۲۷۶ تا ۲۸۲

مقری جلد ۲ ص ۵۹ تا ۶۱

ابن الابار ص ۱۴۱ ، ۱۴۸

(۴۷۸)

کتاب ثالث (خلافت)

آٹھویں فصل

ابوالحسن جعفر بن عثمان الملقب بہ مصحفی کا تنزّل

ابنِ ابی عامر کو جتنی ترقی ہوتی گئی مصحفی اُتنے ہی گرتے گئے، مصحفی کوئی غیر معمولی لیاقت کے آدمی نہ تھے، خاندان بھی اُن کا ادنیٰ تھا، اُن کے باپ عثمان علاقہ بلنسیہ کے ایک بربر تھے مگر خلیفہ الحکم کے اُستاد رہ چکے تھے۔ شروع ہی سے اُستاد کی محبت اور عزت کے ساتھ اُنکے بیٹے کی محبت اور عزت بھی الحکم کے دل میں بڑھتی گئی تھی، مصحفی میں اُن خوبیوں کی بھی کمی نہ تھی جن کی الحکم قدر کرتے تھے، مثلاً وہ ذوقِ علم رکھنے کے ساتھ شاعر بھی تھے، اور اُن کی اچھی قسمت تو واقعی حیرت انگیز تھی، شروع میں خلافت مآب نے اُن کو اپنا معتمد خاص بنایا، پھر شہر کی فوجِ محافظ کے جزء ثانی کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا، اِس کے بعد وہ جزیرہ میورقہ کے حاکم ہوئے، اور آخر میں درجۂ اول کی وزارت پر ممتاز کیے گئے، لیکن اُن کو کبھی اِس بات میں کامیابی نہیں ہوئی کہ لوگوں کو وہ اپنا دوست اور خیر خواہ بنائے رہتے، ایک نو ترقی یافتہ آدمی کی طرح اُن میں تعلّی اور نخوت پیدا ہوگئی، اور یہ چیز ارا کینِ دولت کو بیحد شاق گذرنے

لگی، اس خیال سے کہ وہ ایک ادنیٰ خاندان کے آدمی ہیں یہ لوگ اُن سے متنفر رہا کرتے تھے، جس وقت حاجب کے عہدے پر مقرر ہوئے تو غرور اور نخوت کے عیوب طبیعت سے دور کرنے چاہے، اور کچھ دنوں کو وہ دُور ہو بھی گئے، لیکن پھر وہی خود ستائی اور خود نمائی طبیعت میں پیدا ہو گئی۔ اُن کی دیانتداری میں بھی لوگ بہت شبہ کرتے تھے، اور یہ واقعہ ہے کہ اُس زمانہ میں اعلیٰ مناصب رکھنے والے اِس عیب سے بہت کم خالی تھے، لیکن مصحفی بددیانتی سے جو کچھ پیدا کرتے تھے اگر اُس کو دوستوں میں تقسیم کرتے رہتے تو اس عیب کی قدرے تلافی ہو جاتی، مگر اُن کی عادت تھی کہ جس قدر ملتا تھا وہ اپنے ہی پاس رکھتے تھے، اور یہ حرکت ایسی تھی جسے کوئی معاف نہ کرسکتا تھا،

اِس کے علاوہ ایک بڑا قصور اُن کی طبیعت کا یہ بیان ہوا ہے کہ سرکاری عہدے وہ اکثر اپنے ہی عزیزوں کو دیا کرتے تھے، سلطنت کے تقریباً کُل اعلیٰ مناصب پر اُنہی کے بیٹے بھتیجے مقرر تھے،

سیاست اور تدبیر مملکت میں جسے اعلیٰ قابلیت کہتے ہیں وہ مصحفی نہ رکھتے تھے، دفتر وزارت کے معمولی کام انجام دے لیتے تھے، لیکن اِس کے علاوہ کسی سیاسی معاملہ میں سوچ کر فیصلہ کرنا، اور اس فیصلہ پر عمل کرنا اُن کو نہ آتا تھا، اِس وجہ سے معاملات کا تصفیہ اور اُن کی تکمیل دوسروں کے سپرد ہوتی تھی، اور یہ خدمت بالعموم وہ ابن ابی عامر سے لیا کرتے تھے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا ابن ابی عامر اُن کے رازدار اور صلاح کار ہمیشہ بنے رہیں گے؟ دور اندیش لوگوں کو اس میں شبہ تھا، اور اُن کو یقین تھا کہ ابن ابی عامر جو اس وقت درپردہ وزارت کر رہے ہیں کوئی دن جاتا ہے کہ واقعی وزیر ہو جائیں گے،

یہ خیال درست تھا، ابن ابی عامر نے ابھی سے مصحفی کو گرانے کا ارادہ کر رکھا تھا، اور اِس کے لیے وہ خفیہ طور پر ہمہ تن مصروف بھی ہو گئے تھے۔

(۴۷۹) بظاہر مصحفی کے ساتھ ابن ابی عامر کے برتاؤ میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا، اور جو ادب اور تعظیم وہ اُن کی کرتے تھے اُس میں کسی طرح کی کمی نہ کی، لیکن پس پردہ ہر بات میں اُن کو زک دینے کے درپے رہے، اور کوئی موقع ایسا نہ جانے دیا کہ اُن کی ناقابلیت اور غلطیوں

کو سلطانہ صبح پر ظاہر نہ کیا ہو۔

مصحفی کو ابن ابی عامر کی طرف سے مطلق بدگمانی نہ تھی، خوف کرنا تو درکنار مصحفی اُنکو اپنا سب سے بڑا دوست اور رفیق سمجھتے تھے، لیکن جس شخص سے اُن کو واقعی خوف تھا وہ غالب سرحدِ شمال کا حاکم تھا، تمام افواج وعساکر پر غالب کے اقتدار کی انتہا نہ تھی، غالب کو بھی مصحفی سے عداوت تھی، اور عداوت کو چھپانے کی بھی اُسے پروا نہ تھی۔ بیشمار لڑائیاں سر کر چکا تھا، جتنا غرور کرتا بجا تھا، غصہ اُس کو اِس بات پر آیا کرتا تھا کہ ایک ایسا ہیچ آدمی جس نے کبھی میان سے تلوار تک نہ کھینچی ہو حاجب کے درجے پر پہنچ جائے۔

اب غالب علانیہ دعوے کرنے لگے کہ حاجب کا منصب اُن کا حق ہے۔ ضابطے اور قاعدے کے بموجب وہ مصحفی کے ماتحت تھے، لیکن غالب نے اپنے طرزِ عمل سے یہ بات صاف ظاہر کر دی کہ سلطنت اُن کی وفاداری پر ہمیشہ بھروسہ نہیں کر سکتی، جب سے الحکم کا انتقال ہوا تھا وہ عیسائیوں سے لڑنے میں بہت تساہل کرنے لگے تھے، حالانکہ شروع میں عیسائیوں سے لڑائی میں اُن کی تیزی اور حدّت مشہور تھی۔

اب تک غالب نے قومی خیانت یا بغاوت نہیں کی تھی، اور نہ عیسائیوں سے کبھی مدد چاہی تھی، لیکن اُن کے طریقوں سے معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب وہ یہ سب باتیں کر گذرینگے اور مصحفی کا زوال ایک یقینی امر ہو جائیگا، کیونکہ ایک ایسے زبردست سپہ سالار اور سلطنت کی بہترین افواج کے مقابلہ میں جبکہ عیسائی بھی کمک پر ہوں، مصحفی کا ٹھیرنا ممکن نہ تھا، اِس کے علاوہ خیال تھا کہ جس دن اِس قسم کے مقابلہ کی نوبت آئی مصحفی کے دشمنوں کو موقع مل جائیگا کہ وہ اُن کے مرتبے اور دولت کے تو کیا، جان تک کے خواہاں ہو جائیں۔

مصحفی اتنے کم عقل نہ تھے کہ اِن خطروں کی طرف سے جو درپیش تھے آنکھیں بند کر لیتے اِس حالتِ پریشانی میں اُنھوں نے اپنے وزیروں سے مشورہ کیا، خاص کر ابن ابی عامر سے سب نے صلاح دی کہ جس قیمت پر بھی ہو غالب سے دوستی پیدا کرنی ضروری ہے، مصحفی اِس صلاح کو مان گئے۔ اور ابن ابی عامر نے اِس بات کا بیڑا اُٹھایا کہ وہ دونوں میں ملاپ کرا دیں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے کہا کہ "شمال کے عیسائیوں سے اب لڑائی کا زمانہ آرہا ہے

وہاں غالب سے ملاقات ہوگی تو اِس امر میں گفتگو کا موقع ملیگا، اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا میں آپ دونوں صاحبوں میں مصالحت ہوجانے کی کوشش کرونگا۔"

لیکن ابن ابی عامر نے جو کچھ کہا وہ بالکل تصنع تھا، دل میں اُن کا ارادہ کچھ اور ہی تھا، حصولِ جاہ و منزلت میں بلند پروازی کا شوق کہتا تھا کہ دولت و اقبال کی اونچی سے اونچی چوٹی پر پہنچنے کے لیے پیچیدہ سے پیچیدہ راہیں اختیار کرنے سے بھی نہ چوکو، اس لیے بجائے (۴۸۰) اِس کے کہ غالب اور مصحفی میں صلح کرا دیتے، اُنھوں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ دونوں کی مخالفت میں اور شدّت پیدا کرا دیں گے، اور اب وہ اِسی کوشش میں مصروف ہوگئے، مصحفی سے تو یہی کہتے رہے کہ میں سچے دل سے آپ کی بھلائی کا خواہاں ہوں، لیکن سیّدہ صبح سے غالب کی اعلیٰ قابلیتوں کی بیحد تعریف کرکے بار بار کہا کہ غالب جیسے شیر دل اور شجاع کو امارتِ لشکر سے علیحدہ کرنا کسی طرح ممکن نہیں، بلکہ جو درجہ اِس وقت غالب کو حاصل ہے اُن سے بھی بڑھ کر درجہ عنایت کرکے اُن کی ملازمت کو برقرار رکھنا ضروریات سے ہے۔

سیّدہ صبح کو ابن ابی عامر کا اس طور سے مشورہ دینا بیکار نہ گیا، اُنھوں نے اپنی سفارش اور اثر سے غالب کو ذوالوزارتین[۱] یعنی صیغہ دیوانی و فوج دونوں کی اعلیٰ افسری دلوادی، اور سرحدی لشکر کی سپہ سالاری اُن کی بدستور قائم رہی، مصحفی غالب کی اِس ترقی میں مانع نہ ہوئے، بلکہ اِس سے خوش ہوئے، کیونکہ ابن ابی عامر نے اُن کو یقین دلا دیا تھا کہ غالب سے مصالحت کرنے کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔

۲۳ رمئی ۹۷۷ء (مطابق چہار شنبہ یکم شوال ۳۶۶ھ) کو یعنی شمالی سرحد کی لڑائی سے واپس آئے ہوئے ابھی ایک ہی مہینہ ہوا تھا کہ ابن ابی عامر لشکر قرطبہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوکر عیسائیوں سے دوبارہ لڑنے کے لیے سرحدِ شمال کی طرف روانہ ہوگئے، مجریط کے شہر میں غالب سے ملاقات ہوئی، ابن ابی عامر غالب سے بہت تعظیم و تکریم سے ملے، اور مصحفی کی نسبت یہ کہکر کہ وہ ہرگز اتنے بڑے عہدے کے لائق نہیں ہیں، غالب کا

---

[۱] یعنی دو وزارتوں والا، دیکھو ابن خلکان (سلین کا ترجمہ) جلد ۳ ص ۱۳۰

دل اپنے قابو میں کر لیا، اب ابن ابی عامر اور غالب میں بے انتہا دوستی ہو گئی، اور دونوں نے مصحفی کو اُن کے درجے اور مرتبے سے گرانے پر اتفاق کر لیا، اس کے بعد دونوں نے سرحد عبور کر کے قلعہ مولہ کو عیسائیوں سے فتح کیا، اس قلعہ سے بہت مالِ غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے، اس لڑائی کے ختم ہونے پر جب ابن ابی عامر غالب سے رخصت ہونے لگے تو غالب نے ابن ابی عامر سے کہا کہ "اس مہم میں تم کو فتح ہوئی ہے، اس فتح سے تمہاری بہت نیک نامی اور شہرت ہوگی، اور اہلِ دربار اس فتح کی خوشی میں اس بات پر غور نہ کریں گے کہ تمہاری آخری نیت کیا ہے؟ دربار کی اس حالت سے تم نفع اٹھانا اور جب تک مصحفی کے بیٹے محمد کو جو قرطبہ میں عامل کا درجہ رکھتا ہے اُس کے درجے سے ہٹا کر خود عاملِ قرطبہ نہ ہو جاؤ قصرِ خلافت سے باہر قدم نہ رکھنا" ابن ابی عامر نے ان ہدایات پر چلنے کا وعدہ کیا اور قرطبہ واپس آئے، غالب سرحدی علاقہ میں اپنے مستقرِ حکومت کو روانہ ہو گئے۔

عیسائیوں سے یہ لڑائی فی الحقیقت غالب جیتے تھے، غالب ہی نے لڑائی کا نقشہ قائم کیا تھا، اور اُسی کے مطابق یہ معرکہ سر کیا تھا، غالب ہی کے حکم پر ابن ابی عامر عمل کرتے رہے تھے، کیونکہ میدانِ جنگ میں وہ ابھی تک بتدی تھے، اور غالب جیسے آزمودہ کار سپہ سالار سے کسی بات میں مخالفت نہ کر سکتے تھے، غرض لڑائی اگرچہ غالب کی جیتی ہوئی تھی، لیکن اُنھوں نے اپنے نوجوان دوست کی ترقی کے خیال سے خلیفہ کو ایک مراسلہ کے ذریعے سے اطلاع دی کہ ابن ابی عامر نے میدانِ جنگ میں حیرت انگیز کام کیے ہیں، اس فتح کا سہرا اُنہی کے سر بندھنا چاہیئے، اور وہ واقعی بڑے انعام و اکرام کے مستحق ہیں،

۲۸۱ء

یہ مراسلہ ابن ابی عامر کے قرطبہ پہنچنے سے پہلے دربارِ خلافت میں موصول ہو گیا تھا، اہلِ دربار اُس کو پڑھتے ہی ابن ابی عامر کے مداح اور طرفدار ہو گئے، اور جب وہ قرطبہ میں آئے تو مصحفی کے لڑکے کو عاملِ قرطبہ کے عہدے سے علیحدہ کرا کے اُس کی جگہ خود حاصل کرنے میں اُنہیں مطلق دشواری نہیں ہوئی، جو شخص دو مرتبہ دشمن پر فتح پا کر آیا ہو، اور

جس کی تعریف اُس زمانہ کے سب سے بڑے سپہ سالار نے کی ہو، اُس کی ترقی میں مزاحمت کرنے کی کس کو ہمت ہو سکتی تھی، اس کے علاوہ مصحفی کے لڑکے کی جو عامل قرطبہ تھا لوگ عزت بھی نہ کرتے تھے، اُس کی ترقی محض اُس کے باپ کی وجہ سے ہوئی تھی، بجائے اس کے کہ اپنے حُسنِ عمل سے اچھا نام پیدا کرتا، وہ سخت بدنام اور نالائق ثابت ہو چکا تھا، لالچ اُس کے مزاج میں اس قدر تھا کہ خفیف سے خفیف رشوت ملنے پر سنگین سے سنگین جرم سے بھی چشم پوشی کر جاتا تھا، یہ شکایت غلط نہ تھی کہ اُس زمانہ میں قرطبہ میں امن و انتظام کچھ نہ رہا تھا، چوروں اور لٹیروں نے شہر میں ایک آفت بپا کر رکھی تھی، غریب رعایا چوری اور قتل کے خوف سے رات کو سوتی نہ تھی، اور دار الحکومت کے رہنے والوں کو وہ خطرے پیش رہتے تھے کہ سرحدی شہروں کی بھی یہ حالت نہ تھی۔

ابنِ ابی عامر خلعتِ فاخرہ پہنے ہوئے جو ابھی دربار سے ملا تھا، اور ہاتھ میں پروانۂ تقرر لیے ہوئے عاملِ شہر کے دفتر میں آئے، وہاں دیکھا کہ مصحفی کا بیٹا محمد مصحفی بڑی شان سے مسندِ عدالت پر بیٹھا ہے، ابنِ ابی عامر نے فرمانِ تقرر اُسے دکھا کر کہا کہ اب یہ مسند چھوڑ دیجیے۔ محمد مصحفی ایک آہِ سرد بھر کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔

ابنِ ابی عامر نے عاملِ شہر ہوتے ہی دار الخلافت میں امن و حفاظت کی غرض سے نہایت سخت احکام جاری کیے، پولیس کے کارکنوں سے کہدیا کہ "میں تمام مجرموں کا خواہ وہ ادنیٰ درجہ کے آدمی ہوں یا اعلیٰ درجہ کے سخت تدارک کرونگا، اور اگر پولیس کے آدمیوں نے رشوت ستانی کی تو سخت سزا دونگا"۔ تمام اہلکار یہ دیکھ کر کہ ابنِ ابی عامر سخت آدمی ہے اور ہر وقت اُس کی نظر ماتحتوں پر رہتی ہے اپنے فرائضِ منصبی درستی سے ادا کرنے لگے، جسکا نتیجہ شہر کے حق میں اچھا ہوا، چوریاں اور خون کے وقوعے رفتہ رفتہ بہت کم ہو گئے، امن و حفاظت نے پھر اپنی صورت دکھائی، قانون نے نگرانی اور پاسبانی کی، اور رعایا پاؤں پھیلا کر سوئی، ابنِ ابی عامر نے اپنے اس قول کی کہ مجرم پر خواہ بڑا آدمی ہو یا چھوٹا، مقدمہ قائم کیے بغیر نہ چھوڑونگا تصدیق بھی کر دی، اور وہ اس طرح کہ جب خود اُن کے بیٹے سے کوئی جرم ہوا، اور پولیس نے اُسے گرفتار کر کے پیش کیا تو اُس کو تازیانے کی سزا ایسی سخت

دی کہ وہ اسی میں مر گیا۔

(۴۸۲) آخر کار مصحفی کی آنکھیں کھلیں، بیٹے کی برخاستگی کا حال دیکھ کر کہ ان کی غیر حاضری میں اور بغیر ان کے علم کے ایسا کیا گیا، ان کو مطلق شبہ نہ رہا کہ ابن ابی عامر دونوں طرف ملا ہوا ہے اور دراصل دھوکہ دے رہا ہے، لیکن مصحفی کیا کر سکتے تھے، حریف مقابل کے اختیارات ان کے اختیارات سے کہیں زیادہ ہو گئے تھے، ابن ابی عامر کو سلطانہ صبح کا بھروسہ تھا، مشہور یہ ہو گیا تھا کہ ملکہ پر وہ عاشق ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ قوم کے شریفوں میں جو لوگ بنی امیہ کے موالی تھے اور دربار کے بڑے عہدے انہی کی اولاد کو ملا کرتے تھے وہ سب ابن ابی عامر کی مدد پر تیار تھے، اور ایک نودولت آدمی کو جو بیجا طور پر مغرور ہو گیا ہو، ایسے شخص پر کب ترجیح دے سکتے تھے جو عرب کے ایک قدیم اور شریف خاندان کا رکن ہو۔

ابن ابی عامر کو فوج کا بھی پورا بھروسہ تھا جو روز بروز ان سے زیادہ مانوس ہوتی جاتی تھی، قرطبہ کے باشندوں کو بھی جب سے امن و سلامتی نصیب ہوئی تھی، اس وقت سے وہ ابن ابی عامر ہی کا دم بھرنے لگے تھے۔ ان سب کے جواب میں مصحفی کے پاس کیا رکھا تھا؟ چند متفرق لوگ جن کی ترقی ان کی وجہ سے ہوئی تھی البتہ ان کے دوست تھے، مگر یہ بھی اتنے شکر گذار نہ تھے کہ ان کا پورا اعتبار کیا جاتا، مصحفی اور ابن ابی عامر کی لیاقتوں کے مقابلہ کرنے میں کوئی مناسبت نہ پائی جاتی تھی، ایک کی قابلیت معمولی تھی، دوسرے کی لیاقت آسمان تک پہنچی ہوئی تھی۔

مصحفی ان باتوں کو خوب سمجھتے تھے، اور اپنے بچاؤ کی صورت اسی میں دیکھتے تھے کہ کسی طرح غالب کو اپنے اوپر مہربان کر لیں، چنانچہ انہوں نے غالب کو خط لکھا، اور اس میں بہت سے ایسے وعدے وعید جو غالب کو پسند آئیں کیے، اور آخر میں تعلقات کو زیادہ مضبوط کرنے کے لیے اپنے لڑکے عثمان کی شادی کا پیغام غالب کی بیٹی اسماء سے دیا، غالب خوشامد سے خوش ہوئے، اور دل سے کدورت دور کر کے جواب دیا کہ جو جو وعدے کیے گئے ہیں اور شادی کا پیغام دیا گیا ہے وہ سب انہیں منظور ہیں۔ مصحفی نے

بہت جلد شادی کے متعلق ایک تحریر تیار کرا کے اُس پر غالب کے دستخط لے لیے۔

ابن ابی عامر کو اِن باتوں کی جو فی الحقیقت اُن کے نقصان کا باعث تھیں، کچھ خبر نہ تھی، جس وقت معلوم ہوا تو اُنھوں نے اِس شادی کو روکنے کے لیے جس قدر تدبیریں ممکن تھیں اختیار کیں، اور اُن کے کہنے سے دربار کے بڑے بڑے بارسوخ اُمرا نے، اور خود ابن ابی عامر نے غالب کو خط بھیجکر مُتنبّہ کیا کہ مصحفی نے درحقیقت یہ ایک جال پھیلایا ہے، غالب کو جو شکایتیں مصحفی سے تھیں اُن کی طرف بھی اشارہ کیا، اور اُن وعدوں کو یاد دلایا جو گذشتہ جنگ کے زمانہ میں ابن ابی عامر اور غالب میں ہوئے تھے، ابن ابی عامر نے شادی کے بارے میں لکھا کہ "اگر بیٹی کو عزت کے ساتھ بیاہنا منظور ہے تو بجائے مصحفی کے لڑکے کے میرے ساتھ اُس کی شادی کی جائے، اور ہرگز ایک ادنیٰ خاندان والے نَودولت شخص کے لڑکے سے یہ رشتہ پیدا نہ کیا جائے۔"

(۴۸۳) غالب کو اب یقین ہوگیا کہ واقعی اُن سے غلطی ہوئی، چنانچہ اُنھوں نے مصحفی کو لکھدیا کہ جو شادی مدنظر تھی وہ اب نہیں ہوسکتی۔

اگست یا ستمبر ۹۷۷ء (مطابق ذی الحجہ ۳۶۶ھ) میں ایک نئی تحریر تیار کی گئی، جس میں اسماء اور ابن ابی عامر کی شادی طے پائی، اِس کے کچھ دنوں بعد ۸ ستمبر ۹۷۷ء (مطابق ۱۲ محرم ۳۶۷ھ) کو ابن ابی عامر شمال کے عیسائیوں سے پھر لڑنے گئے، اور قرطبہ سے طلیطلہ کے راستے میں سرحد پر اپنی فوج کو غالب کے لشکر سے جا ملایا، عیسائیوں سے دو قلعے اور طَلمنکہ کے مضافات فتح کرلیے،

ابن ابی عامر جب اِس مہم سے فتح پاکر واپس آئے تو اُن کو ذوالوزارتین کا خطاب ملا اور ۸۰ دینارِ سُرخ اُن کا مشاہرہ مقرر ہوا، یہ مشاہرہ اِتنا تھا کہ حاجب مصحفی کو بھی اس سے زیادہ نہ ملتا تھا۔

شادی کی تاریخ اب قریب آنے لگی، سیدہ صبح نے اگر اُن کا تعلق ابن ابی عامر سے تھا بھی، تو اُنھوں نے اِس شادی پر کسی قسم کا رشک یا ناخوشی کا اظہار نہ کیا، اور خلیفہ ہشام یا یہ کہنا چاہیئے کہ ملکہ صبح نے غالب کو لکھا کہ وہ خود بھی اپنی بیٹی کے ساتھ قرطبہ آئیں

غالب اپنی لڑکی کے ساتھ قرطبہ آئے ، اور یہاں شاہانہ الطاف واکرام بہت کچھ اُن پر ہوئے حاجب کا خطاب اُنہیں عنایت ہوا ، ذوالوزارتین کا خطاب پہلے ہی مل چکا تھا ، اِس خطاب سے مصحفی اب تک محروم تھے۔

اب غالب اراکینِ دولت میں سب سے بڑے آدمی ہوگئے ، اور ہر بڑے موقع پر صدرنشین ہونے لگے ، مصحفی دائیں طرف اور ابنِ ابی عامر اُن کی بائیں طرف بیٹھتے تھے ، نوروز کو جو درحقیقت عیسائیوں کا تہوار تھا مگر مسلمان بھی اُس میں شریک ہوتے تھے ، ابنِ ابی عامر اور اسماء بنتِ غالب کا نکاح ہوا ، خلیفہ ہشام نے شادی کے کُل مصارف اپنے ذمّے لیے ، ضیافتیں اِس شان کی ہوئیں کہ کبھی نہ ہوئی تھیں ، اور جس وقت دُلھن اپنے گھر سے رخصت ہوکر دُولھا کے گھر آئی تو اُس کا جلوس ایسی دھوم دھام کا تھا کہ قرطبہ والوں کی نظر سے اِس شان کا جلوس کبھی پہلے نہ گذرا تھا۔

جس دن سے غالب نے اپنی بیٹی کی شادی مصحفی کے بیٹے سے کرنی نامنظور کی تھی مصحفی سمجھ گئے تھے کہ اب اپنی خیر نہیں ، اور واقعی اُن کا کوئی یار و مددگار نہ رہا تھا ، ایسے لوگ بھی جو اُن کے ساختہ و پرداختہ تھے اُن کے مخالفوں سے جاملے ، ایک وقت وہ تھا کہ جب اپنے محل سے نکل کر دربار کو جاتے تھے تو ہر شخص کوشش کرتا تھا کہ اُن کے پیچھے پیچھے چلے ، اب دربار کو جاتے تھے مگر کوئی ساتھ نہ ہوتا تھا ، اختیارات بھی اُن کے کم ہوتے ہوتے صفر رہ گئے ، سلطنت کے اہم ترین معاملات اُن کے پسِ پُشت طے ہونے لگے ، بدنصیبی سے اِس عالمِ ضعیفی میں یہ بھی دیکھنا پڑا کہ مطلعِ تقدیر پر مصیبت کا بادل خوب گھر کر آیا ہے اور اب کوئی دم میں طوفان سر پر ٹوٹنے والا ہے ، وہ لاچار اور مجبور ہوکر اس طوفان کے منتظر ہوگئے۔

(۴۸۴) مگر مصیبت کا مینہ وہم و گمان سے بھی بڑھ کر برسنا شروع ہوا ، ۲۶ مارچ ۹۷۸ء (مطابق ۱۳ شعبان ۳۶۷ھ) کو پیر کا دن تھا کہ مصحفی ، اُن کے بیٹے اور بھتیجے اپنے عہدوں اور خطابوں سے محروم کردیے گئے ، اِس کے بعد مصحفی اور اُن کے عزیز حراست میں لے لیے گئے ، اور مصحفی کی جائیداد کی نسبت حکم ہوا کہ اُس وقت تک ضبطِ سرکار سمجھی جائے

جب تک کہ بد دیانتی کے مقدمات کا جو اُن پر دائر ہوتے ہیں کچھ فیصلہ نہ ہو جائے،

اِس واقعہ پر مصحفی کو حیرت نہ ہونی چاہیئے تھی، مگر جب وہ پیش آیا تو زار و قطار رونے لگے، مُدّت دراز کی ملازمت میں جو جو بے انصافیاں دوسروں کے ساتھ کی تھیں ایک ایک کرکے یاد آنے لگیں، معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے کلیجے پر سل رکھدی ہے، جس وقت بیوی بچوں سے رخصت ہونے لگے تو کہا "اب تم مجھ کو پھر زندہ نہ دیکھو گے، ایک شخص نے مجھے بد دُعا دی تھی، اُس کی بد دُعا آج قبول ہوگئی، چالیس برس سے میں آج کے دن کا منتظر تھا۔"

جب لوگوں نے پُوچھا کہ "اِس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟" تو کہنے لگے، "عبدالرحمٰن الناصر تخت پر تھے کہ مجھ کو ایک قیدی کے مقدمہ میں فیصلہ سُنانا اور اُسے سزا دینی پڑی، میں نے اُسے دراصل بے گناہ پایا، لیکن خود غرضی سے مجبور ہو کر میں نے اُس پر جرم ثابت کر دیا اور اُس کو نہایت سخت سزا دی، اُس کی جائیداد ضبط کرلی اور اُسے قید خانہ بھیجدیا، مُدّتوں وہ بے گناہ زندان میں پڑا رہا، اُسی زمانہ میں ایک رات میں سوتا تھا کہ دفعتاً ایک آواز میرے کان میں آئی کہ 'اِس آدمی کو قید سے رہا کردے ہم نے اُس کی فریاد سُن لی ہے اور ایک دن تیرا بھی وہی حال ہوگا جو حال تُو نے اِس بے قصور کا کیا ہے' میں یہ آواز سُن کر چونک پڑا، بیحد خوف مجھ پر طاری ہوا، اُس قیدی کو میں نے بُلوایا اور اُس سے اپنے قصور کی معافی چاہی، لیکن اُس نے معاف کرنے سے انکار کیا، تب میں نے اُسے قسم دلا کر پُوچھا کہ اُس نے خدا کی جناب میں میری نسبت کوئی بد دُعا کی تھی؟ اُس نے جواب دیا 'ہاں۔ میں نے خدا سے دُعا مانگی تھی کہ تُو بھی ایسے ہی تنگ و تاریک قید خانے میں مرے جیسے کہ میں اس تنگ و تاریک زندان میں برسوں سے پڑا سسک رہا ہوں'۔" مصحفی کہنے لگے کہ "اِتنا سُن کر میں اپنی نا انصافی پر سخت نادم ہوا، اور میں نے اُس قیدی کو رہا کر دیا، لیکن افسوس یہ ندامت اور پشیمانی اُس وقت ہوئی جبکہ وقت نکل چکا تھا۔"

مصحفی اور اُن کے بیٹے مدینۃ الزہرا کے سرکاری قید خانہ میں پہنچا دیے گئے، سب سے

پہلے مصحفی کا بھتیجا ہشام مصحفی ابن ابی عامر کے حملے کا نشانہ بنا، یہ فوج میں افسر تھا، آخری لڑائی جو عیسائیوں سے ہوئی تھی اُس میں اس نے دعویٰ کیا تھا کہ لڑائی میں نے فتح کی ہے، یہ قید خانہ میں پہنچتے ہی قتل کر دیا گیا، اب رہے مصحفی، اُن کا مقدمہ مجلسِ وزراء کے سامنے ہوا اور مدّت تک چلتا رہا، اُنہوں نے زمانۂ ملازمت میں جو جو بد دیانتیاں کی تھیں اُنکی شہادت بہت کافی تھی، اسی شہادت کی بنا پر اُن کی جائیداد کا ایک حصہ ضبط کر کے باغ رصافہ کے قریب اُن کی سکونت کا عالیشان مکان نیلام کر دیا گیا، نئے نئے الزام اُن پر عائد کیے جانے لگے، ابن ابی عامر کے خوش کرنے کو وزراء نہایت شوق سے منتظر رہتے تھے کہ مصحفی پر نئے نئے الزام قائم ہوں۔

مصحفی پر اکثر الزامات پایۂ ثبوت کو پہنچتے رہے، اور اُن کی جائیداد جستہ جستہ نیلام ہو کر آخر بالکل ہی ختم ہو گئی، لیکن وزراء یہ سمجھ کر کہ ابھی جان باقی ہے مصحفی کو برابر ستاتے رہے (۴۸۵) اخیر مرتبہ جب وہ عدالت کے سامنے لائے گئے تو بڑھاپے اور قید کی تکلیفوں نے اُنہیں اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ قید خانہ سے دار الوزارت تک بمشکل گھسٹتے ہوئے چلے، سرہنگ جو ساتھ تھے بڑی درشتی اور بے رحمی سے کہتے تھے کہ "جلدی کیوں نہیں چلتا؟ وزیر کب تک تیرے انتظار میں بیٹھے رہیں گے؟" مصحفی جواب دیتے تھے "تھوڑے دن اور صبر کرو، تم میری موت چاہتے ہو، گھبراؤ نہیں یہ آرزو بھی ایک دن پوری ہو جائیگی۔ میں موت خریدنے کے لیے تیار ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کی قیمت اتنی زیادہ رکھی ہے کہ میں اُسے ادا نہیں کر سکتا۔" اُس کے بعد اپنے یہ اشعار اُنہوں نے پڑھے :-

"قسمت کا اعتبار نہ کرو، کیونکہ اُس میں تلوّن ہے، تھوڑے دن ہوئے کہ شیر
مجھ سے ڈرتے تھے اور اب میں ایک لومڑی کو دیکھ کر ڈر جاتا ہوں، افسوس!
یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ ایک لائق آدمی ایک کمینے سے رحم کا طالب ہوتا ہے،"

دار الوزارت میں پہنچکر مصحفی ایک گوشے میں جا بیٹھے، کسی وزیر کو اُنہوں نے سلام نہیں کیا، وزیر ابن جابر جو ابن ابی عامر کا بڑا خوشامدی تھا، مصحفی سے کہنے لگا "کیا تم ایسے بدتمیز ہو گئے ہو کہ معمولی اخلاق سے بھی واقف نہیں رہے؟" مصحفی خاموش رہے، مگر

جب ابن جابر نے اور زیادہ توہین کی تو مصحفی بولے "تو کب تمیز سے واقف ہے؟ میرے احسانات کے جواب میں ناشکر گذاری کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ مجھ میں تمیز نہیں۔" یہ سُن کر ابن جابر گھبرایا مگر فوراً سنبھل کر کہنے لگا "تم جھوٹے ہو، تم نے مجھ پر کونسا احسان کیا تھا؟" اس کے بعد ابن جابر نے اپنی شکایتیں جو مصحفی سے اُسے تھیں بیان کیں، جب وہ چُپ ہوا تو مصحفی بولے "جو باتیں تم نے کہی ہیں اُنکی بابت شکریہ کا میں مستحق نہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب روپیہ تمہارے پاس امانت رکھا گیا اور تم نے اُس میں خیانت کی جسکی سزا میں الحکم مستنصر باللہ تمہارا ہاتھ کٹوا دیتے، تو اُس وقت میری ہی سفارش سے تمہاری خطا معاف ہوئی تھی۔" ابن جابر نے قسم کھائی کہ "میرے ذمّے یہ ایک بہتان ہے" مصحفی نے بآوازِ بلند کہا "جو لوگ اس واقعہ کا علم رکھتے ہوں اُن سے میں قسم دلاکر پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟" اس پر وزیر ابن عباس نے کہا۔ "جو کچھ تم نے کہا اُس میں سے کچھ صحیح بھی ہے، لیکن اس وقت حالات ایسے ہیں کہ ان گذری ہوئی باتوں کا جتانا ہمیں زیبا نہیں۔" مصحفی نے کہا "یہ تم سچ کہتے ہو، لیکن ابن جابر پر مجھ کو صبر نہ رہا، اور مجبور ہو کر جو کچھ دل میں تھا وہ زبان پر آیا۔"

دوسرا وزیر ابن جوہر نامی اِس قصہ کو سُنتا تھا، اور اُس کا غصّہ تیز ہوتا جاتا تھا، مصحفی سے اُس کو محبت نہ تھی، اَوروں کے ساتھ وہ بھی مصحفی کو تباہ کرنے پر رضامندی ظاہر کرنے لگا تھا، لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ دشمن کی بھی عزت کرنی چاہیئے۔ بالخصوص ایسے دشمن کی جو مغلوب ہو چکا ہو، چنانچہ اُس نے ابن جابر سے ایسے تحکمانہ لہجے میں جو ابن عباس کو بوجہ قدیم ملازمِ سلطنت اور شرافتِ نسب میں تقریباً خلیفۂ وقت کے برابر ہونے کے زیب دیتا، کہا (۴۸۶) ابن جابر! کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ جن لوگوں پر خلیفہ کا عتاب ہوتا ہے وہ ارکانِ سلطنت کو سلام کرنے کے مجاز نہیں ہوتے، وجہ اُس کی صاف ہے، اگر ارکانِ سلطنت نے اُن کے سلام کا جواب دیا تو وہ خلیفہ کے تقصیروار ہوئے، اور اگر جواب نہ دیا تو خدا کی جناب میں خطاوار ٹھیرے، ایک شخص جو بے عزّت کیا گیا ہے اُس پر فرض نہیں ہے کہ وہ عمائدِ سلطنت کو سلام کرے، مصحفی اِس بات سے واقف ہے۔"

وزیر جوہری کی یہ گفتگو سن کر ابنِ جابر نادم ہوا اور پھر کچھ نہ بولا، اور مصحفی کی بے آب آنکھوں میں خوشی کی ایک خفیف سی جھلک پیدا ہوئی۔

اب مصحفی پر مقدمہ شروع ہوا، جب مزید جرمانہ کرنے کے لیے مصحفی پر نئے نئے الزام لگائے جانے لگے تو مصحفی نے کہا "مجھ سے جیسی چاہے قسم لیلو کہ اب جرمانہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس ایک حبّہ بھی نہیں ہے، اگر تم مجھے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو گے تب بھی جرمانہ دینے کو میرے پاس ایک درہم نہ نکلیگا۔" عدالت نے قیدی کی بات کا یقین کیا اور مصحفی قید خانے واپس کر دیے گئے۔

اب مصحفی کی حالت یہ تھی کہ کبھی قید خانے بھیجدیے جاتے تھے اور کبھی رہا کر دیے جاتے تھے، ہر طرح سے حالت سخت مصیبت کی تھی، ابنِ ابی عامر کو اُن کی ایذا رسانی میں ایک وحشیانہ خوشی حاصل ہوتی تھی، مصحفی کے ساتھ جن کی حیثیت اب ایک معمولی آدمی کی تھی اور جو دُنیا میں اب کسی متنفس کو نقصان نہ پہنچا سکتے تھے، ابنِ ابی عامر کو کیوں ایسی سخت عداوت تھی؟ اِس کا اصلی سبب دریافت کرنا مشکل ہے، ممکن ہے کہ قتلِ مغیرہ میں مصحفی کا ابنِ ابی عامر کو مجبور کرنا کہ اُس میں شریک ہو مصحفی کا ایسا فعل ہو جسے ابنِ ابی عامر معاف نہ کر سکتا ہو۔

بہرکیف جو کچھ بھی ہو ابنِ ابی عامر جہاں کہیں جاتے مصحفی کو اپنے ساتھ رکھتے، معمولی ضروریاتِ زندگی سے بھی اُن کو محروم کر دیا تھا، ابنِ ابی عامر کا ایک کاتب بیان کرتا ہے کہ شمال کے عیسائیوں سے ایک لڑائی میں ابنِ ابی عامر کے خیمے کے پاس مصحفی بیٹھے تھے اور پیٹ بھرنے کو پانی میں آٹا گھُلا ہوا پی رہے تھے[۵۱]، یہ غذا بہترین میسّر ہوئی تھی جو اُنکا

۵۱ نفح الطیب میں محمد بن اسمٰعیل کاتب منصور کی زبانی بیان ہوا ہے کہ "منصور مصحفی کو لڑائیوں میں اپنے ساتھ لیے پھرتے تھے، اتفاق سے ایک مرتبہ جلیقیہ کے مقابلہ میں ایک مہم گئی ہوئی تھی، ایک رات منصور نے حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے، تاکہ دشمن کو اسلامی فوج کے مقام کی اطلاع نہ ہو، واللہ میں نے دیکھا کہ مصحفی کے بیٹے عثمان نے کچھ آٹا لے کر پانی میں گھولا اور سدِ رمق کے لیے اُن کو پلایا۔ پانی میں آٹا گھول کر پلانے کی وجہ یہ تھی کہ آگ جلانے کی ممانعت کی وجہ سے روٹی پکا کر نہ دے سکتے تھے (مترجم)

بیٹا عثمان باپ کے لیے حاضر کر سکتا تھا۔

رنج اور مایوسی نے مصحفی کو گھلا دیا تھا، وہ نہایت پُردرد اور مُوثر اشعار میں اپنی اس حالتِ زار کو بیان کیا کرتے تھے، اور داروغہ محبس سے کہہ چکے تھے کہ میں ہر وقت موت کا منتظر ہوں، لیکن اس حال میں بھی وہ بہت دنوں زندہ رہے، جس طرح اقبالمندی کے زمانہ میں ناعاقبت اندیشی اور پست ہمتی طبیعت کا خاصّہ رہی تھی، اسی طرح حالتِ زوال میں غیرت بھی کم ہوگئی، چنانچہ ابنِ ابی عامر کے سامنے جسے ایک مرتبہ روباہ کہہ چکے تھے، چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے عرضیاں پیش کرتے تھے، ایک مرتبہ عرضی دی کہ اپنے بچّوں کے پڑھانے پر مجھے نوکر رکھ لو، ابنِ ابی عامر کو خیال ہوا کہ اس میں کوئی چال ہے، مصحفی ابھی دُنیا میں اتنا بے عزّت نہیں ہوا ہے کہ ایسی درخواست کرے، اُس کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ میری نیک نامی میں فرق پیدا کرے اور لوگوں پر ثابت کرے کہ میں سخت احمق ہوں۔ ایک زمانہ تھا کہ میں مصحفی کی ڈیوڑھی پر حاضر رہا کرتا تھا، ایسے لوگ ابھی تک زندہ ہیں جنھوں نے مجھے اس حال میں دیکھا تھا، اب مصحفی کی یہ درخواست کہ میرے صحن میں بیٹھ کر لڑکے پڑھائے، اس لیے ہے کہ اُس کی ذِلّت کی حالت کو دیکھ کر لوگ میری ذِلّت کا زمانہ یاد کریں۔

(۴۸۷)

مصحفی پانچ برس تک اس مصیبت اور ذِلّت کی حالت میں زندہ رہے، سخت جانی کا یہ حال ہوا کہ بیمار پڑ کر نہ مرے، موت بھی آئی تو پھانسی یا زہر کے ذریعہ سے آئی، مورخوں کو اس میں اختلاف ہے کہ گلا گھونٹ کر مارے گئے یا زہر دیا گیا۔

ابنِ ابی عامر نے جب سُنا کہ پُرانا حریف مرگیا، تو اپنے دو کاتبوں کو حکم دیا کہ میّت کی تجہیز وتکفین کا انتظام کریں، ان میں سے ایک کاتب محمد بن اسماعیل نامی نے مصحفی کو آخری منزل پہنچانے کا حال چشم دید اس طرح لکھا ہے:۔

"لاش سے کوئی علامت ایسی ظاہر نہ ہوتی تھی کہ موت کسی خارجی صدمہ سے ہوئی ہے ایک بوسیدہ و دریدہ قبا جو کسی دربان کی تھی لاش پر پڑی تھی، میرے ساتھی محمد بن مسلمہ نے ایک آدمی بھیج کر غسّال کو بُلوایا، یہ واقعہ میں صحیح بیان کرتا ہوں کہ کواڑ کے ایک پٹ پر

جو چول کے ٹوٹ جانے سے گر پڑا تھا مُردے کو غسل دیا گیا، جب جنازہ لے کر چلے تو صرف مسجد کا امام جسے نمازِ جنازہ پڑھنے کو بُلایا تھا، ساتھ تھا۔ کسی راہگیر کا جنازے کے ساتھ چلنا تو کجا! کوئی جنازے کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہ رکھتا تھا، زمانہ کی یہ گردش دیکھ کر میں نے عبرتناک سبق حاصل کیا، ایک دن جبکہ مصحفی امر و نہی کے مالک تھے میں نے چاہا تھا کہ خود قریب جا کر ایک عرضی پیش کروں، چنانچہ جدھر سے مصحفی کی سواری گذرنے والی تھی میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا، جب سواری آئی تو ایک جمِ غفیر اُن کے ساتھ تھا، اور راستے میں جو لوگ اُن کو قریب سے دیکھنا یا سلام کرنا چاہتے تھے وہ اِس کثرت سے تھے کہ باوجود سخت کوشش کے میں اُن تک نہ پہنچ سکا، اور ایک کاتب کو جو اُن کی سواری کے قریب عرضیاں لینے کے لیے گھوڑے پر سوار تھا میں نے اپنی عرضی دیدی جب مصحفی کو دفن کر کے گھر واپس آیا تو اُس دن کا اور آج کے دن کا مقابلہ کرنے لگا، تقدیر کی گردشوں کے خیال سے دل بیٹھنے لگا، اور میں نہایت افسردہ اور غمگین ہو گیا۔"

اسناد :-

ابن الابار ص ۱۴۱ تا ۱۴۲

ابنِ عذاری ج ۲ ص ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۸۲ تا ۲۹۱

نویری ص ۴۷۰

مقری ج ۱ ص ۳۹۵ تا ۳۹۶، ۲۷۵، ۲۷۶

ج ۲ ص ۶۰ تا ۶۲

کتابِ ثالث (خلافت) (۴۸۸)

نویں فصل

اَلْمَنْصُور

جس دن مصحفی حاجب کے منصب سے معزول ہو کر گرفتار ہوئے اور ابنِ ابی عامر ترقی پاکر حاجب کے درجے پر پہنچے، اُسی دن سے ابنِ ابی عامر اور غالب جن کی بیٹی سے ابنِ ابی عامر نے شادی کی تھی، مِل کر سلطنت کا انتظام کرنے لگے، ابنِ ابی عامر کے اختیارات اب اس قدر وسیع ہو گئے تھے کہ اُن کی مخالفت کرنی دیوانگی کے برابر تھی، مگر باوجود اِس کے مخالفت کی گئی، شروع میں جس فریق کی خواہش تھی کہ خلیفہ حَکَم کا کم سِن لڑکا ہشام تخت نشین نہ ہو بلکہ ہشام کا چچا تخت پر بیٹھے، وہ ابتک موجود تھا، اور جوذر صقلبی بدستور اُس فریق کا سردار تھا، قرطبہ کے گلی کوچوں میں باوجود پولیس کی نگرانی کے ہجویہ اشعار لوگوں کی زبانوں پر ایسے جاری تھے جن سے اِس مخالف فریق کے موجود ہونے کا کافی ثبوت ملتا تھا، ابنِ ابی عامر کے جو مراسم اور تعلقات سیّدہ صبح سے

تھے ، اور یہ تعلقات بہت قریب کے بتائے جاتے تھے ، اُن کی طرف کوئی شخص اشارہ کرتا تھا تو ابنِ ابی عامر کو سخت ناگوار ہوتا تھا ، چنانچہ جب ایک شخص نے اپنی کنیز کو جو گانا اچھا جانتی تھی کچھ اشعار جن کا موضوع سیّدہ صبح تھیں سکھا کر اس خیال سے پیش کیا کہ کنیز کے دام اچھے اُٹھائے گا ، تو ابنِ ابی عامر نے اُس لونڈی کو قتل کرا دیا ، باوجود اس کے لوگ گلیوں اور سڑکوں پر اس قسم کے بازاری اور فحش اشعار گاتے ہوئے نکلتے تھے :-

"دُنیا کا خاتمہ قریب ہے ، تباہی آن پہنچی ہے ، گناہوں کا زور ہے ، خلیفہ بچّہ ہے ، اور دو عاشق بچے والی میں حصّہ لگائے ہوئے ہیں۔"[۹۱]

جو لوگ دربارِ خلافت کی مذمت کرتے تھے اُن کو کوئی خطرہ نہ تھا ، لیکن جوذر نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا ، قاضی عبدالملک بن منذر سے مل کر ایک سازش کی ، جس کی غرض یہ تھی کہ نوعمر خلیفہ ہشام کو قتل کر کے عبدالرحمٰن الناصر کے ایک دُوسرے پوتے کو جس کا نام عبدالرحمٰن (بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن الناصر) تھا مسندِ خلافت پر

---

[۹۱] پروفیسر ڈوزی یہاں علامہ مقری کی عبارت کا نہیں بلکہ زیادہ تر ابنِ عذاری کی تحریر کا پابند معلوم ہوتا ہے ، علامہ مقری نے لکھا ہے کہ سیّدہ صبح کو ابنِ ابی عامر کے ساتھ "غلط طور پر متّہم کیا جاتا تھا ، یہ لوگوں کا بہتان تھا"۔ دوسرا عاشق قاضی ابنِ سلیم کو بتایا جاتا تھا - ابنِ عذاری نے جو اشعار لکھے ہیں اُن میں کوئی جملہ ان لوگوں کی صفائی میں نہیں لکھا ، وہ اشعار یہ ہیں :-

اِقْتَرَبَ الْوَعْدُ وَ حَانَ الْهَلَاكُ	وعدہٴ اجل قریب آگیا اور ہلاکت میں آسانی ہو گئی
وَ كُلُّ مَا تَحْذَرُهُ قَدْ أَتَاكَ	جن چیزوں سے تم بچتے اور ڈرتے ہو وہی سامنے آگئیں
خَلِيفَةٌ يَلْعَبُ فِي مَكْتَبٍ	خلیفہ ایسا ہے کہ مکتب میں کھیل رہا ہے
وَ أُمُّهُ حُبْلَى وَ قَاضٍ نَيَّاكُ	اور اُس کی ماں حاملہ ہے اور قاضی ......

مقری میں یہ مضمون کتاب اول کے صفحہ ۳۹۶ پر ، اور ابن العذاری کی دوسری جلد میں صفحہ ۳۰۰ پر آیا ہے (مترجم اُردو)

(۴۸۹) بٹھا دیا جائے ، اس سازش میں بہت سے قاضی اور فقیہہ اور عالم مع مشہور شاعر رمادی کے شریک تھے ، رمادی اُن لوگوں میں سے تھے جو مصحفی کے زمانۂ عروج ختم ہونے کے بعد بھی مصحفی کے دوست رہے ، مگر ابن ابی عامر سے اس شاعر کو جانی دشمنی تھی ، اور ہر وقت انتقام کی آگ اُس کے دل میں سلگتی رہتی تھی ، چنانچہ اُس نے ابن ابی عامر کی ہجو میں بعض نظمیں نہایت سخت لکھی ہیں ۔

اہل سازش کو اپنی کامیابی کا اس لیے یقین تھا کہ وزیر زیاد ابن افلح جو اس وقت عامل قرطبہ تھا وہ بھی سازش میں شریک تھا ، اسی ابن افلح سے مشورہ کر کے قتل کا دن اور مقام طے کیا گیا تھا ، جوذر گو اب درباریوں میں نہ تھا مگر اپنے منصب کے اعتبار سے خلیفہ تک اُس کی رسائی ہر وقت ممکن تھی ، اس لیے قتل کرنے کا کام اُس کے سپرد ہوا ، اور یہ فیصلہ کر لیا کہ قتل کے بعد ہی عبدالرحمٰن کی خلافت کا اعلان کر دیا جائیگا ۔

یوم مقررہ کو جونہی زیاد ابن افلح عامل شہر مع اپنے ملازمین کے قصر خلافت سے نکل کر اپنے گھر گیا جو شہر میں کسی دُور کے محلّے میں تھا ، جوذر نے خلافت پناہی کے حضور میں باریابی کی اجازت چاہی ، اجازت عطا ہوئی ، خلیفہ کے کمرے میں پہنچتے ہی جوذر نے چاہا کہ تلوار کا ایک ہاتھ ہشام پر لگائے ، لیکن جوذر وار نہ کرنے پایا تھا کہ ایک شخص ابن عروس جو اتفاق سے ہشام کے قریب تھا جوذر کو لپٹ گیا ، اب دونوں میں کُشتی ہونے لگی ، اس کشمکش میں جوذر کے کپڑے پھٹ گئے ، ابن عروس نے فوراً سپاہیوں کو آواز دی اور جوذر گرفتار کر لیا گیا ۔

زیاد ابن افلح اِتنا سُنتے ہی کہ معاملہ بگڑ گیا ہے ، دوڑا ہوا قصر خلافت میں آیا ، زیاد کو ابن عروس نے اُس کی غفلت پر بہت سخت دست کہا ، بلکہ یہاں تک صاف صاف کہدیا کہ جوذر کے جُرم میں زیاد کی بھی شرکت ہے ، عامل شہر زیاد نے اپنی غفلت کے متعلق بہت سے عُذر اور اپنی خیر خواہی کے ثبوت میں بہت سی دلیلیں پیش کیں ، اور اپنی طرف سے شُبہ رفع کرنے کے لیے جس قدر لوگ مشتبہ تھے اُنھیں گرفتار کر کے مع جوذر کے مدینۃ الزہرا کے جیل خانے میں بھیجدیا ۔

باغیوں کا مقدمہ بلا توقف شروع ہوا اور بہت جلد تجویز سنادی گئی، عبدالملک بن منذر پر جو عدالتِ مرافع کا صدر رہ چکا تھا بغاوت کا جرم ثابت ہو گیا، لیکن جرم کی سزا قاضیوں نے خود نہیں تجویز کی، صرف اتنا کہا کہ مقدمہ قرآن کی اس آیت کے تحت میں آتا ہے
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (سورۂ مائدہ، رکوع ۵) ترجمہ:- "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیے جائیں، یا ان کو سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیے جائیں، یا ان کو دیس نکالا دیا جائے۔" چونکہ یہاں مختلف سزائیں بیان ہوئی تھیں اس لیے عدالت نے اس امر کی تجویز کہ کون سی سزا دی جائے خلیفہ کی رائے پر چھوڑی، ہشام چونکہ امورِ سلطنت میں دخل نہ رکھتے تھے اس لیے سزا کا (۴۹۰) فیصلہ مجلسِ حکومت کی مرضی پر رہا، زیاد ابنِ افلح جو اس مجلس کا رکن تھا اور بہت چاہتا تھا کہ ابنِ ابی عامر کو اپنے اوپر پھر مہربان کرلے پہلا شخص تھا جس نے عبدالملک بن منذر کے لیے ان سزاؤں میں سے سخت ترین سزا تجویز کی، چنانچہ سزا منظور کی گئی اور عبدالملک کو سولی پر چڑھا دیا گیا، عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن الناصر جسے اہلِ سازش نے خلیفہ بنانا چاہا تھا وہ بھی قتل کر دیا گیا، یہ معلوم نہ ہوا کہ جوذر کی نسبت کیا حکم ہوا لیکن اس میں مطلق شبہ نہیں کہ اسے بھی سولی کی سزا ملی ہو گی، شاعر رمادی کی قسمت گو ایسی تو نہ رہی کہ جس کی کوئی تمنا کرتا، مگر پھر بھی قابلِ برداشت تھی، ابنِ ابی عامر نے اسے جلاوطن کرنا چاہا لیکن اس شاعر کے دوستوں نے منت سماجت کر کے اسے قرطبہ میں سکونت رکھنے کی اجازت دلوادی، مگر اس کے ساتھ ہی شہر میں منادی ہوئی کہ کوئی آدمی رمادی سے بات نہ کرے جو کوئی ایسا کریگا اسے سخت سزا دی جائے گی، رمادی کو اب ہر وقت چپ رہنا پڑا[۱]، ایک

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ اس شاعر کا قصور بعد میں معاف ہو گیا تھا، کیونکہ ۳۷۶ھ / ۹۸۶ء میں جو شعرا برشلونہ کی مہم میں ابنِ ابی عامر کے ساتھ گئے تھے ان میں رمادی بھی تھا۔

عرب مصنف لکھتا ہے کہ " قرطبہ کے بازاروں میں جہاں کثرت سے لوگ ہوتے تھے، رمادی اس طرح نظر آتا تھا جیسے کوئی مُردہ چل رہا ہو۔"

اِس سازش سے ثابت ہوگیا کہ اِس وقت ابنِ ابی عامر کے سب سے بڑے دشمنوں میں وہ لوگ تھے جن کے ساتھ زمانۂ طالب علمی میں ابنِ ابی عامر ادب اور فقہ پڑھا کرتا تھا، اِس دشمنی کا سبب کسی قدر رشک وحسد بھی تھا، کل کی بات تھی کہ یہی ابنِ ابی عامر اُنکا ہم مکتب اور برابر کا درجہ رکھنے والا آدمی تھا، مگر آج اُسے ایسا عروج ہوا کہ علمار وفقہار کو اُس سے رشک پیدا ہوجانا کوئی عجیب بات نہ تھی، لیکن رشک وحسد کی وجہ صرف یہ عروج نہ تھا، اور نہ یہ عروج رشک وحسد کی سب سے بڑی وجہ تھا، عالموں کی نظروں میں ابنِ ابی عامر کے گرجانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ علمار اُس کو مذہب کی طرف سے غافل اور بے پروا سمجھنے لگے تھے، قرطبہ کے علمار کے سامنے جن لوگوں نے زانوئے ادب طے کیا تھا اُن میں بجز چند شائقینِ فلسفہ اور کچھ آزاد خیال لوگوں کے، سب نہایت راسخ الاعتقاد مسلمان تھے، ابنِ ابی عامر صحیح یا غلط طور پر ایسا آدمی سمجھا جاتا تھا جو اسلام کا زیادہ پابند نہ تھا، مخالفوں سے یہ تو ممکن نہ تھا کہ مذہب کے متعلق ضعیف خیالات رکھنے کا الزام اُس پر علانیہ عائد کردیتے لیکن اُنھوں نے اِس مسئلہ پر بحث چھیڑ دی کہ کیا ابنِ ابی عامر فلسفے اور حکمت کے شائق نہیں ہیں؟ فلسفہ پڑھنا اُس زمانہ میں بڑا جرم سمجھا جاتا تھا، ابنِ ابی عامر اِس بات سے خوب واقف تھے، اُن کے فلسفی ہونے نہ ہونے میں تو کلام ہوسکتا ہے، مگر اس میں مطلقاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ فطرۃً وہ ایک مُدبّرِ سلطنت تھے، دشمنوں کا اعتراض کہ وہ فلسفہ سے رغبت رکھتے ہیں، ایسا اعتراض تھا جو ضرور ایک نہ ایک دن اُن کی تباہی کے لیے مخالفوں کی طرف سے اُٹھایا جانا تھا، پس اِس اعتراض کو رفع کرنے کے لیے اُنھوں نے ارادہ کرلیا کہ کوئی کام نہایت صحیح عقیدت مندی کا ایسا کرنا چاہیئے کہ اُن کا پکّا مسلمان ہونا تمام دشمنوں پر ثابت ہوجائے۔

چنانچہ ابنِ ابی عامر اصیلی بن زکوان اور زبیدی وغیرہ چند عالموں کو جو اُس وقت بڑی شہرت رکھتے تھے طلب کرکے خلیفہ مستنصر باللہ کے کتب خانے میں لائے، اور

وہاں اِن بزرگوں سے کہا کہ "فلسفہ اور ہیئت اور اسی قسم کی جس قدر کتابیں ایسی ہوں کہ اُن کا پڑھنا از رُوئے مذہب دُرست نہ ہو اُن سب کو تلف کر دینے کا میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے، اب آپ اِس قسم کی زہر آلودہ کتابوں کو چُن کر علیحدہ کر دیں" علماء سُنتے ہی اِس کام میں مصروف ہوگئے،

جب کتابیں علیحدہ کر دی گئیں تو حاجب ابنِ ابی عامر نے اُن کے جلائے جانے کا حُکم صادر کیا، اور اپنے خوش عقیدہ ہونے کے ثبوت میں بہت سی کتابیں خود اپنے ہاتھ سے آگ میں جھونک دیں۔

یہ فعل اگرچہ علم کو برباد کرنے کا تھا، اور ابنِ ابی عامر جیسا روشن ضمیر اِس بات کو اچھی طرح سمجھتا بھی تھا، لیکن جو کچھ بھی ہو کتابیں جلا ڈالنے کا اثر فقہا اور عام لوگوں پر بہت اچھا ہوا، اور اِس وجہ سے اور بھی اچھا ہوا کہ اُس دن سے ابنِ ابی عامر فلسفے کے دشمن اور مذہب کے حامی ہو گئے، واعظوں کی بیحد عزت کرکے طرح طرح کی عنایات اُن پر کرنے لگے، اُن کے وعظ و تلقین کو خواہ وہ اُن میں کتنا ہی طول پیدا کرتے بہت صبر اور توجہ سے سُنتے، نیز اپنے قلم سے کلام مجید لکھا اور ہمیشہ سفر میں اُسے اپنے ساتھ رکھا۔

اِس طرح راسخ الاعتقاد مسلمان ہونے میں شہرت پیدا کرکے، اور اِس شہرت کو ایسی پختہ بُنیاد پر قائم کرکے کہ آئندہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہو ابنِ ابی عامر نے اب ہشام کی طرف توجہ کی، کیونکہ ہشام اب جوان ہو کر اِس قابل ہو چلے تھے کہ اُن سے خوف کیا جاتا۔

علامہ زبیدی اتالیقِ ہشام کا بیان ہے کہ ہشام بچپن میں بہت ذہین اور ہوشیار معلوم ہوتے تھے، علم جلد اور آسانی سے سیکھتے تھے، قوتِ فیصلہ ایسی تیز تھی جو اور بچّوں میں کم پائی جاتی تھی، لیکن جب بالکل ہی نوعمری میں باپ کی جگہ تخت پر بیٹھے تو اُن کی ماں سلطانہ صبح اور ابنِ ابی عامر نے اُن کے قوائے عقلیہ کو کمزور کرنے میں مُسلسل کوشش کی، یہ کہنا کہ ان لوگوں نے ہشام کو قبل از وقت ہوا و ہوس میں منہمک کرا دیا دُرست نہیں ہے، یہ خیال بعد میں اِس وجہ سے پیدا ہوا کہ ہشام لاولد مرے تھے،

لیکن کوئی شہادت اِس امر کی کہ وہ عیاش بنا دیے گئے تھے موجود نہیں ہے، گو یہ سچ ہے کہ اُن کی عقل و ذہانت کو حتی الامکان مذہبی امور کی پابندی میں مصروف کرکے دُنیا کے کام کا اُن کو نہ رکھا تھا، اور اُن کے دل پر یہ بات نقش کر دی تھی کہ اگر سلطنت کے کاروبار اپنے ہاتھ میں لیے تو پھر دین کی طرف سے طبیعت ہٹ جائے گی، جس سے عاقبت کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

سلطانہ صبح اور ابن ابی عامر کو ان کوششوں میں کسی قدر کامیابی ہوئی، ہشام نیک کاموں میں مصروف ہوئے، قرآن مجید کی تلاوت نہایت ذوق و شوق سے کرتے، نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، لیکن باوجود ان سب باتوں کے اُن کی عقل و ذہانت اتنی کم نہ ہوئی تھی کہ ابن ابی عامر اُن سے خوف نہ کرتے، ابن ابی عامر کو ہر وقت اس کا ڈر تھا کہ کہیں کوئی شخص اِس نوجوان خلیفہ کی طبیعت پر قابو حاصل کرکے اصلی حالات سے اُسے آگاہ نہ کر دے۔ (۴۹۲)

جب تک امور سلطنت خلیفہ ہشام کے قصر میں طے پاتے تھے یہ خوف ابن ابی عامر کے دل سے دُور نہ ہو سکتا تھا، متعدد افسرانِ فوج و دیوانی ہر وقت قصرِ خلافت میں آمد و رفت رکھتے تھے اور ایسا اتفاق جلد پیدا ہو سکتا تھا کہ اُن میں سے کوئی نہ کوئی خلیفہ کے مزاج میں دخل پیدا کر لے۔ اگر ایسا آدمی قابل اور جاہ پرست ہوا تو وہ چشم زدن میں ابن ابی عامر کو تباہ کر دیگا۔ پس اِس خوف کو دُور کرنا ضروری ہوا، اور ابن ابی عامر نے یہ طے کر لیا کہ سلطنت کے تمام کاروبار قصرِ خلافت سے باہر کہیں انجام پانے چاہئیں، اِس خیال سے اُنہوں نے ایک نیا شہر قرطبہ سے مشرق میں وادی الکبیر کے کنارے بنوانا شروع کر دیا، اِس شہر میں ایک عالیشان قصر اپنے لیے اور باقی محل دیگر ارکانِ سلطنت کے لیے تیار کرائے، شہر کا نام مدینۃ الزاہرہ رکھا، دو برس میں اِس کی تعمیر ختم ہوئی، اور تیاری پر تمام سرکاری دفاتر اِس میں منتقل کر دیے گئے۔

مدینۃ الزاہرہ کی شہر پناہ کے اندر آبادی بہت جلد بڑھ گئی، بڑے بڑے لوگ قرطبہ سے اُٹھ کر نئے شہر میں آن بسے، تاکہ اُس شخص کے قریب رہیں جو اِس وقت مرجعِ خاص و عام

تھا، طبقۂ اعلیٰ کے لوگوں کے بعد اس شہر میں تاجر آکر آباد ہونے شروع ہوئے، یہاں تک کہ مدینۃ الزاہرہ کی آبادی اتنی بڑھی کہ اُس کے بیرونی حصے بڑھتے بڑھتے بہت جلد قرطبہ کے مضافات سے آملے۔

اب خلیفہ ہشام پر پُوری نگرانی اور معاملاتِ سلطنت سے اُنہیں بے سروکار رکھنا بہت آسان ہوگیا، ابنِ ابی عامر نے اِس کے علاوہ اور تدبیریں بھی ایسی کیں کہ خلیفہ ہشام کو اُمورِ سلطنت سے مطلق تعلق نہ رہے، ہشام جس قصر میں رہتے تھے اُس پر سپاہی اور دربان متعیّن کرنے کے ماسوا تمام قصر کے گرد دیواریں اور دیواروں سے ملی ہوئی خندقیں تیار کرادیں جو شخص اُن کے قریب جاتا اُسے سزا دی جاتی۔

اِس کُل اہتمام کے بعد خلیفہ ہشام کی حالت بالکل ایک قیدی کی سی ہوگئی، قصر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے تھے، اُن کی ہر بات اور ہر نقل و حرکت کی خبر ابنِ ابی عامر کو دیجاتی تھی، رعایا کے متعلق جو کچھ ابنِ ابی عامر خلیفہ کی خدمت میں عرض کردیتے تھے اُس کے سوا اُنہیں کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تھی۔

چونکہ اس پر بھی احتیاط کی ضرورت تھی، اِس لیے ابنِ ابی عامر نے مشہور کرا دیا کہ خلیفہ ہشام نے عنانِ حکومت اُن کے سپرد کردی ہے تاکہ خود یادِ الٰہی میں زیادہ توجہ کے ساتھ مصروف رہیں، لیکن بعد میں جب اپنی کامیابی کا پُورے طور پر اطمینان ہوگیا، تو ہشام کی مطلق پروا نہ رکھی، بلکہ خلیفہ کا نام تک لینے کی ممانعت کردی۔

اِسی زمانہ میں ابنِ ابی عامر نے ایک اور تدبیر سوچی جو سلطنت کے لیے نہایت بکار آمد تھی، یعنی اُنھوں نے فوج کی از سرِ نو تنظیم کرنی چاہی۔

دو بڑے مقاصد تھے جن کی بنا پر اُنھوں نے فوجی تنظیم کرنی چاہی، ایک قومی مفاد، دُوسرے اپنا ذاتی فائدہ۔

اِس خواہش سے کہ اسپین کا شمار بھی یورپ کی بڑی سلطنتوں میں ہونے لگے، اُنھوں نے پہلے اپنے ساتھی غالب کو اُس کی جگہ سے ہٹانا چاہا، فوجی انتظام اِس وقت جو کچھ تھا، اِس میں شک نہیں کہ وہ ناقص تھا، سردارانِ جُند کے اختیارات بہت بڑھے ہوئے

(۴۹۳)

تھے[51] اور جو سپاہ خاص خلیفہ کے تحت میں تھی وہ بہت کم تھی، یہ سچ ہے کہ خلیفہ اپنے حکم سے نہ صرف جند کے رسالوں کو بلکہ سرحد کی افواجِ سوارہ کو بھی طلب کر سکتا تھا، مگر عام دستور یہی تھا کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو سرحد کی فوجیں جو فوجوں میں بہترین تھیں اپنی جگہ سے نہ ہٹائی جائیں، سرحد کی فوجوں کے بعد جس قدر فوجیں باقی رہتی تھیں اُنمیں صرف پانچ ہزار سوار تھے، حالانکہ فوج میں سواروں کے رسالے نہایت ضروری تھے، کیونکہ لڑائیوں کا فیصلہ اُنہی پر مبنی تھا، اِس قلیل فوجِ سوارہ میں بہت سی باتیں اصلاح طلب تھیں، ابن حوقل لکھتا ہے کہ "اندلس کے سوار جن کے پاؤں رکاب میں نہیں ہوتے، گھوڑوں کی پیٹھ سے پاؤں لٹکائے رکھتے ہیں، اور یہ بات بہت بُری معلوم ہوتی ہے، اسپین کے سپہ سالاروں نے ہمت و مردانگی سے نہیں بلکہ حیلوں اور ترکیبوں سے فتوحات حاصل کی ہیں"۔

ابن حوقل نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا بجنسہٖ یقین کر لینا دُرست نہیں، کیونکہ اندلس کے حالات لکھنے میں اُس کی غرض یہ تھی کہ اُس کا آقا یعنی فاطمیوں کا خلیفہ جزیرہ نمائے اسپین کو فتح کرلے، یہی وجہ ہے کہ اسپینی فوج کی اُس نے بہت مذمت کی ہے، مگر باوجود اسکے اُس کا اعتراض کسی قدر دُرست بھی ہے، اور اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عیش و عشرت میں پڑکر اور موسم کے اثر سے کمزور ہو کر اسپین کے عربوں کی شجاعت اور ہمت میں کمی آچلی تھی ابن ابی عامر ایسی فوج سے ملک گیری میں ترقی کرنے کی اُمید نہ رکھ سکتا تھا، اِس کے علاوہ اُس کو بھروسا تھا کہ اُس فوج سے جو خلیفہ کے تحت میں تھی وہ غالب کی سرحدی فوج پر حملہ کر سکتا ہے، اور اِس حملے کا پیش آنا ایک نہ ایک دن ناگزیر معلوم ہو رہا تھا، غالب نے ابن ابی عامر کی اُس وقت بہت مدد کی تھی جبکہ وہ مصحفی کو اُس کے مرتبے سے گرانا چاہتا تھا، مصحفی کا جب تنزل پیش آگیا تو اب غالب، ابن ابی عامر کے کسی کام کا نہ رہا۔ بلکہ ترقی کی راہ میں مخل نظر آیا۔

غالب، ابن ابی عامر کی بعض باتوں کو بہت ناپسند کرتا تھا، خلیفہ ہشام کو جس طرح

---

[51] دیکھو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" مطبوعہ ۱۸۸۱ء جلد ۱ ص ۸۰ تا ۸۳

اُس نے قید میں کر رکھا تھا، وہ غالب کو سخت ناگوار تھا، غالب چونکہ خلیفہ الناصر کا مولیٰ اور سلاطین بنی امیہ کا وفادار خادم تھا، اس لیے اُس کو یہ دیکھ کر افسوس کے ساتھ غصہ بھی آتا تھا کہ اُس کے آقائے مرحوم کا پوتا کس طرح ایک مجرم کی طرح حالتِ اسیری میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

ابن ابی عامر کی حالت یہ تھی کہ جہاں کسی نے ایک مرتبہ اُس کی مخالفت کی، پھر وہ ہمیشہ کے لیے اُس کا دشمن ہو جاتا تھا، چنانچہ اب یہ دیکھتے ہی کہ غالب اُس کا مخالف ہو گیا ہے وہ غالب کو ختم کرنے کی فکر میں ہوا، تردد صرف یہ تھا کہ اس کام کے لیے کونسا طریقہ اختیار کرے۔

غالب، مصحفی تو تھا نہیں، کہ محض سازشیں اُس کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہو جاتیں وہ ایک مشہور، شیر دل و جانباز سپاہی اور لڑائی کے میدانوں کا پُرانا سُورما تھا، اگر اُس نے خلیفہ ہشام کو ابن ابی عامر کے پنجے سے نکالنے کا مصمم قصد کر لیا تو پھر اسپین کی کُل فوج اُسکی طرفدار ہو جائے گی، کیونکہ اہلِ فوج کا وہ چشم و چراغ تھا، ابن ابی عامر ان سب باتوں کو پہنچا ہوا تھا، سمجھ گیا کہ اس کا علاج سوائے اِس کے کچھ نہیں ہے کہ ایک فوج ایسی مرتب کی جائے جو ہمیشہ اُس کی ذات سے وابستہ رہے، اِس فوج میں جو لوگ بھرتی کیے جائیں وہ باہر کے ملک کے ہوں، موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) اور اسپین کے مسیحی علاقوں کی طرف اُس کی نظر گئی، اور خیال ہوا کہ وہاں کے لوگوں سے فوج مرتب کی جا سکتی ہے۔ (۴۹۴)

اب تک ابن ابی عامر نے موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) کی طرف توجہ نہ کی تھی، جس زمانہ میں وہ قاضی القضاۃ ہو کر مغرب میں ٹھیرا ہوا تھا، اُس وقت اُسے یقین ہو گیا تھا کہ جو علاقے اسپین سے دُور اور غیر آباد ہوں اُن پر حکومت رکھنے میں اسپین کا کوئی فائدہ نہیں ہے، مصحفی کی بھی اُس وقت یہی رائے تھی، ابن ابی عامر نے اِس رائے سے اتفاق کر کے صرف سبتہ میں ایک بڑی فوج مقیم رکھنی کافی سمجھی، باقی تمام مغرب اقصیٰ کا انتظام اُسی ملک کے رئیسوں کے سپرد کیا، اور ہر قسم کی مالی امداد سے اُن کو اپنا خیر خواہ بنائے رکھا۔

اسپین کے فائدے کے لیے یہ تدبیر اچھی تھی، لیکن موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) کے حق میں

اُس کے نتائج موجبِ تباہی ثابت ہوئے۔

یہ دیکھ کر کہ مغربِ اقصیٰ کو اب باہر سے مدد نہیں پہنچتی، حاکمِ افریقیہ بلکین نے ۳۶۹ھ / ۹۷۹ء میں مغربِ اقصیٰ پر حملہ کر دیا، بلکین کو فتح پر فتح حاصل ہوتی چلی گئی، اور والیانِ ریاست جو اُموی خلیفۂ اسپین کو بادشاہ تسلیم کرتے تھے، بھاگ کر سبتہ میں جمع ہو گئے۔ بلکین کی یہ فتوحات ابنِ ابی عامر کے منصوبے میں مخل نہ ہوئیں، بلکہ اُن سے مدد پہنچی۔

جس وقت سبتہ میں یہ والیانِ ریاست اور اُن کے ہمراہی بربر کثرت سے اکھٹے ہو گئے تو اُن کی حالت سخت تکلیف کی ہو گئی، بلکین نے اُن کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور اب اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ضروریاتِ زندگی کو کہاں سے اور کیونکر مہیا کریں یہ وقت تھا کہ ابنِ ابی عامر کو اپنی فوج کے لیے عمدہ سوار مہیا کرنے کا اچھا موقع ملا، سبتہ میں جس قدر بربر تھے اُن کو ابنِ ابی عامر نے کہلا بھیجا کہ "اگر وہ اسپین میں آکر فوجی خدمت قبول کریں گے تو پھر اُن کو کسی چیز کی کمی نہ رہے گی، اور تنخواہ بھی نہایت معقول دی جائے گی" یہ سُن کر بہت سے بربر نے اسپین میں فوجی ملازمت قبول کر لی، جعفر رئیسِ زاب جو دلاوری اور جوانمردی میں مشہور تھا اسپین میں چھ سو سواروں کا ایک رسالہ لایا، اور ابنِ ابی عامر کی ملازمت اختیار کی۔

غرض جس قدر بربر اُس وقت اسپین میں آئے وہ ہر طرح پر آسودہ حال ہو گئے، ابنِ ابی عامر نے اُن کے ساتھ بے مثل فیاضی کی۔ ایک عرب مورخ لکھتا ہے کہ "جب یہ بربر اسپین میں آئے تو اُن کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، چیتھڑے لٹکتے تھے، گھوڑے ہڈیوں کے ڈھانچے تھے، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہی بربر پُرتکلف لباس پہنے، تیز اور طرار گھوڑوں پر سوار بازاروں میں نظر آنے لگے، عالیشان حویلیاں اور مکان اُن کو رہنے کے لیے دیے گئے" رفتہ رفتہ اُن میں حرص بڑھی اور ابنِ ابی عامر سے طرح طرح کی فرمائشیں کرنے لگے، مگر ابنِ ابی عامر اُنہیں بہت کشادہ دستی سے انعام و اکرام دینے سے کبھی نہ اُکتائے، اور بربر جس قدر اُن کے شکر گذار ہوتے تھے اُسی قدر اُن کے دل پر اثر ہوتا تھا۔

(۴۹۵)

ابنِ ابی عامر عوام کے طعن و تشنیع سے اِن بربر کو بچاتے تھے، بربر ہمیشہ اپنی مادری زبان میں بات چیت کرتے تھے، اسپین کے عرب اُن کی بولی بالکل نہ سمجھتے تھے، جب بربر ٹوٹی پھوٹی عربی بولتے تو عرب اُن پر ہنستے۔ ابنِ ابی عامر کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے نووارد بربر کا مضحکہ اُڑانے کی سخت ممانعت کردی۔

ایک دن ابنِ ابی عامر فوجِ بربر کا معائنہ کر رہے تھے کہ ایک بربر سردار جس کا نام وان زمار تھا سامنے آیا اور بہت غلط عربی میں کہنے لگا "آقا! میرا سوال یہ ہے کہ ایک مکان مجھے دیا جائے جہاں میں رہ سکوں، آجکل مجھے میدان میں سونا پڑتا ہے"۔ ابنِ ابی عامر نے پوچھا "کیوں؟ یہ کیوں؟ کیا جو مکان ہم نے تمہیں دیا تھا وہ تم نے علیحدہ کردیا؟" بربر نے جواب دیا "حضور ہی کی دی ہوئی نعمتوں نے مجھے اُس مکان سے نکال دیا، جاگیریں جو وسیع اراضی حضور نے عطا فرمائی تھی اُس کے اناج سے سارا گھر بھر گیا ہے، رہنے کو بالکل جگہ نہیں رہی، شاید حضور یہ فرمائیں کہ اگر اناج سے تمہیں یہ تکلیف پہنچی ہے تو اناج کو گھر سے نکال کر باہر پھینک دو، لیکن حضور جانتے ہیں کہ میں بربر ہوں جو تھوڑا زمانہ ہوا کہ بالکل محتاج و تنگدست حالتِ فاقہ کشی میں تھا، ایسا شخص اناج جیسی نعمت کو کیونکر گھر سے نکال کر باہر پھینک سکتا ہے؟" ابنِ ابی عامر نے ہنسکر کہا "میں تمہیں اعلیٰ درجہ کا خطیب تو نہیں کہہ سکتا، لیکن تمہاری باتیں ہمارے عالموں کی بلیغ تقریروں سے کہیں زیادہ فصیح اور پُراثر ہیں"۔ اِس کے بعد ابنِ ابی عامر اسپین کے لوگوں سے جو قریب کھڑے تھے، مخاطب ہوئے اور کہا "دیکھو! ادائے منت اور حسنِ سوال کا طریقہ اِس بربر سے سیکھو۔ یہ شخص جس کی باتوں کی تم ہنسی اُڑاتے ہو، باوجود تمہاری شیریں بیانی کے اِس وقت تم سب پر چھا گیا ہے، جو کچھ اِس کو ہم سے ملا اُسے بھولا نہیں، تمہاری طرح نہیں ہے کہ انعام و اکرام پاتے بھی جاؤ اور حجت بھی کرتے جاؤ"۔ یہ کہکر ابنِ ابی عامر نے وان زمار کو ایک عالیشان مکان سکونت کے لیے دیا۔

ابنِ ابی عامر نے جس طرح بربر کو اپنی فوج میں بھرتی کیا، اُس کا حال تو آپ نے

سُن لیا، اب اسپین کی عیسائی ریاستوں سے عیسائیوں کی بھرتی کا حال سُنیے، ابن ابی عامر نے عیسائیوں کو بھی رسالوں میں نوکر رکھا، لیون، قشتالیہ اور نبرہ کے عیسائی مفلس اور تنگ دست، لالچی اور طامع تھے، قومی غیرت اُن میں نہ تھی، اچھی تنخواہوں کی طمع میں اُنھوں نے مسلمانوں کی فوجی ملازمت قبول کرلی[۵]، اور اسلامی عَلَم کے سایہ میں آتے ہی ابن ابی عامر کی فیاضی، لطف و کرم، اور عدل و انصاف سے جو ہر موقع پر اُن کے ساتھ کیا گیا، درآنحالیکہ عدل و انصاف اُس زمانہ میں بہت کم تھا، وہ ابن ابی عامر کا دم بھرنے لگے، عیسائی فوجوں پر ابن ابی عامر خاص طور سے مہربانی کرتے تھے، اتوار کا دن تمام سپاہیوں کے لیے خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں، تعطیل کا دن رکھا تھا، کسی عیسائی اور مسلمان میں کوئی نزاع ہوتا تھا تو ہمیشہ عیسائی کی طرفداری کی جاتی تھی، اس لیے تعجب کا مقام نہ تھا کہ عیسائی بھی ابن ابی عامر کی ذات سے ایسے ہی وابستہ ہوجائیں جیسے کہ بربر تھے، یہ عیسائی درحقیقت ابن ابی عامر کے آدمی ہوگئے تھے، اُدھر تو وہ اپنے وطن کو بھول گئے تھے، اِدھر اسلامی اسپین اُن کا وطن نہ بن سکتا تھا، کیونکہ وہ یہاں کی زبان مطلق نہ سمجھ سکتے تھے، پس اُن کا وطن جو کچھ تھا وہ لشکرگاہ تھا، تنخواہیں اُن کو خلافت کے خزانے سے ملتی تھیں، لیکن وہ اپنے آپ کو خلافت کا ملازم نہیں بلکہ ابن ابی عامر کا ملازم سمجھتے تھے، جو کچھ خوش حالی اُنہیں نصیب ہوئی تھی وہ ابن ابی عامر کی بدولت ہوئی تھی اور اُنھی کو وہ اپنا مالک اور آقا جانتے تھے اور جو حکم اُن سے ملتا تھا وہی بجالاتے تھے، (۴۹۶)

ابن ابی عامر نے فوج میں غیر ملک والوں کی تعداد بڑھا کر اسپینی فوجِ سوارہ کی کُل تنظیم بدل دی، اِس وقت تک فوجوں کی حالت ایسی نہ تھی کہ اُن پر سلطنت کو پورا قابو ہوتا، مدّت سے یہ طریقہ چلا آتا تھا کہ فوجیں اور فوجوں کی شاخیں قبائل اور قبائل کی شاخوں سے مرتب ہوتی تھیں، اگر فوج کسی ایک قبیلے کے لوگوں کی ہے تو اُس فوج کی شاخیں بھی اُسی قبیلے کی فروع سے قائم کی جاتی تھیں، ابن ابی عامر نے یہ طریقہ بند کردیا، عربوں کو

[۵] عیسائیوں کی طرفداری میں مصنف نے یہ ایک قسم کی معذرت کی ہے کہ کیوں عیسائیوں نے مسلمانوں کی خدمت منظور کی (مترجم اردو)

بلا امتیاز اِس بات کے کہ وہ کس قبیلے کے ہیں، مختلف فوجوں میں تقسیم کر دیا، ایک صدی پہلے جبکہ عربوں میں عصبیت کا جوش پُوری قوّت پر تھا اگر ایسا کیا جاتا تو سخت اعتراض پیدا ہوتا، بلکہ ممکن تھا کہ ملک میں بغاوتیں برپا ہو جاتیں، کیونکہ اس طریقے سے فوجوں میں داخلے کے قواعد بالکل بدل جاتے اور پُرانے امراء عرب کو جو اختیارات حاصل تھے وہ بھی سلب ہو جاتے۔ قبیلوں کی رعایت سے فوجوں کی ترتیب اب قِصّۂ پارینہ ہو چکی تھی، بہت سے عرب ایسے تھے جن کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ وہ کس قبیلے کے آدمی ہیں؟ لوگوں کے انساب میں جو خلطِ مبحث پیدا ہو گیا تھا اُس نے بڑے بڑے نسّابوں کو بھی مایوس کر دیا تھا، یہ سچ ہے کہ خلیفہ مستنصر نے جو بڑے قدامت پرست اور تاریخِ قدیم کے جیّد عالم تھے، جداولِ انساب کی ترتیب کے لیے بڑے بڑے عالموں کو مقرر کیا تھا، اور چاہا تھا کہ ہر شخص اپنے قبیلہ کے اعتبار سے اُسی قبیلہ میں سمجھا جائے، لیکن اُن کی یہ کوششیں مصلحت اور زمانے کی روش کے خلاف تھیں، کیونکہ ہر جگہ میلان اِس بات کا تھا کہ مختلف نسلیں ہِل مِل کر یکجا ہو جائیں، مختلف نسلوں کو تنِ واحد بنانے کا کام عبد الرحمٰن الناصر نے شروع کیا تھا، اور مسلمانوں نے اُسے پسند بھی کیا تھا، اب ابنِ ابی عامر نے خلیفہ الناصر کی کوششوں کی تکمیل کرنی چاہی۔

ابنِ ابی عامر نے اپنے خسر غالب سے لڑائی کی تیاری تو شروع کر دی مگر تعلقات کے ظاہری اخلاق میں فرق نہ آنے دیا، غالب بھی اتنے کم عقل نہ تھے کہ فوجی انتظام میں جو ردّ و بدل داماد کر رہا تھا اُس کی غایت کو نہ سمجھتے ہوں، وہ اِس بات کو تاڑ گئے تھے کہ یہ سب کچھ میری مخالفت میں عمل میں آ رہا ہے، ایک روز سرحد کے ایک قلعے کی دیوار پر کھڑے دونوں باتیں کر رہے تھے کہ غالب نے ابنِ ابی عامر کو بہت سخت و سست کہا ابنِ ابی عامر نے بھی کچھ کم سختی سے جواب نہیں دیا، بات اتنی بڑھی کہ غالب نے طیش میں آ کر کہا "کتّے، تو چاہتا ہے کہ کُل اختیارات تیرے ہی ہاتھوں میں رہیں اور شاہی خاندان کو تو غارت کر دے۔" غصہ تو آ ہی رہا تھا، تلوار سُونت کر ابنِ ابی عامر پر جھپٹ پڑے، چند فوجی افسر جو قریب تھے اُنھوں نے روکنا چاہا، مگر پُورے طور پر نہ (۴۹۷)

روک سکے اور غالب نے ابن ابی عامر کو زخمی کر دیا، مگر زخمی کرنے کے بعد غالب کو خوف پیدا ہوا اور وہ قلعہ کی دیوار پر سے نیچے کود گئے، کودنے میں اتفاق سے دیوار کا ایک پتھر پکڑ لیا، جس سے وہ نیچے نہیں گرے اور اس طرح جان بچ گئی۔

اس واقعے کے بعد جنگ ہونی لازمی تھی، اور اس میں کچھ زیادہ توقف بھی نہ ہوا، غالب نے خلیفہ ہشام کے حقوق کی حمایت اختیار کی اور سواروں کی ایک فوج اُن کے ساتھ ہو گئی، لیون کی عیسائی ریاست سے اُن کو کمک پہنچی، بہت سی لڑائیاں ہوئیں، جن میں بعض معزز و ممتاز اہلِ دربار کام آئے، اخیر لڑائی میں ابن ابی عامر کی فوج شکست کھا کر بھاگنے کو تھی کہ غالب نے ایک رسالہ کو لیکر دھاوا کیا، مگر بدقسمتی سے کاٹھی کے اُونچے سرے میں غالب کا سر زور سے لگا، اس صدمے سے زخمی ہو کر وہ گھوڑے کی پیٹھ سے گرے، اتنا دیکھتے ہی کہ غالب زمین پر گر پڑے ہیں، اُن کی فوج اور کمک کی عیسائی سپاہ میدان سے بھاگی اور ابن ابی عامر کو پوری فتح ہو گئی، غالب کی لاش میدان کے کشتوں میں سے برآمد ہوئی (۳۷۱ھ / ۹۸۱ء)

ابن ابی عامر نے غالب ہی کو شکست دینے پر بس نہیں کی، بلکہ لیون کے عیسائیوں کو بھی اس جُرم میں سزا دینی چاہی کہ اُنہوں نے دشمن کی مدد کی تھی، تاکہ قوم پر ظاہر ہو جائے کہ ایک عمدہ فوج مرتب کرنے سے اپنا ہی ذاتی نفع مقصود نہ تھا بلکہ قوم کے پاسِ عزت کا بھی خیال اُس میں شامل ہے، چنانچہ لیون کی عیسائی ریاست پر فوج کشی کر کے اُسے سخت سزا دی۔

اس لشکر کشی میں مقدمۃ الجیش کا سردار اموی خاندان کا ایک شہزادہ عبداللہ نامی تھا اُس نے لیون کے علاقے میں داخل ہو کر شہر سمورہ کا محاصرہ کر لیا (جولائی ۹۸۱ء مطابق محرم ۳۷۱ھ) قلعہ سمورہ پر قبضہ تو نہ ہو سکا، لیکن اُس کے مضافات کو خوب لُوٹا اور غارت کیا چار ہزار عیسائیوں کو قتل کیا[۱]، لیون کے صرف ایک ضلع میں ایک ہزار گاؤں اور قصبات

---

[۱] چار ہزار عیسائی قید ہوئے تھے اور چار ہزار قتل۔ زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) کے صفحات ۱۷۳ تا ۱۷۶ دیکھیں۔

کو جو بکثرت آباد تھے، اور اُن میں مسیحی خانقاہیں اور گرجا بھی تھے، بالکل تاراج کر ڈالا، رومیر ثانی بادشاہ لیون جس کی عمر اس وقت پُورے ۲۰ برس کی بھی نہ تھی گھبرا کر قومس قشتالیہ غرسیہ فردلند اور بادشاہ نبرہ سے جا ملا، اور یہ تینوں والیان ریاست متحد ہو کر ابن ابی عامر کے مقابلہ کو بڑھے، روطہ[۱] کے مقام پر جو شبت مانکش سے جنوب مغرب میں تھا جنگ ہوئی عیسائی بادشاہوں کو شکست ہوئی اور شبت مانکش کا مضبوط قلعہ مسلمانوں نے فتح کر لیا، (یہ وہی مقام ہے جس کے قریب عبد الرحمٰن الناصر کو عیسائیوں سے شکست ہوئی تھی، اور عیسائی مورخوں نے بڑی آب و تاب سے اُس کا حال لکھا تھا۔ مترجم) شبت مانکش کے لوگ قید کر لیے گئے، سپاہی اور شہر کے لوگ اکثر قتل ہوئے۔

جاڑا اگرچہ بڑھتا جاتا تھا مگر ابن ابی عامر کو اس کی پرواہ نہ ہوئی، اور وہ شمال مغرب کی سمت میں فوجیں لیے ہوئے آگے بڑھے، لیون کے شہر پر جو مسیحی سلطنت لیون کا پایہ تخت تھا حملہ کیا، رومیر شہر سے نکل کر مقابلہ پر آیا، اس جرأت پر تقدیر نے بھی اُس کی مساعدت کی، رومیر نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے اُن کے لشکر گاہ تک پہنچا دیا، لشکر گاہ میں ابن ابی عامر ایک بلند تخت پر بیٹھے تھے تاکہ جنگ کا حال بھی دیکھتے رہیں اور ضروری ہدایتیں بھی دیتے رہیں۔ (۴۹۸)

جس وقت ابن ابی عامر نے اپنی فوج کو ہٹتے دیکھا، تو غصہ اور رنج سے کانپ گئے، ٹوپی سر سے اُتار کر پھینک دی، اور پیشانی زمین پر رگڑنے لگے، فوج کے لوگ جانتے تھے کہ سپاہ جس وقت اپنے فرائض ادا کرنے میں قاصر رہتی ہے تو اظہار رنج و ملال میں ابن ابی عامر یہی حرکت کیا کرتے ہیں۔

آقا کی پیشانی زمین پر دیکھتے ہی اہل لشکر پر ایک طلسم کا سا اثر ہوا، اور وہ اپنی اس پسپائی پر اس قدر نادم ہوئے کہ یکلخت سب نے مل کر اس داغِ ناکامی کو مٹانا چاہا،

---

[۱] یہ وہ روطہ نہیں ہے جو سرقسطہ سے مغرب میں واقع ہے اور جس کا ذکر تاریخ اندلس میں اکثر آیا ہے یہ روطہ سائمنکاس (شبت مانکش) کے قریب ایک چھوٹا سا مقام تھا۔

زور زور سے نعرے لگا کر اس غضب کا یلغار کیا کہ عیسائی فوجیں تاب نہ لاسکیں، اور میدان سے بے تحاشا بھاگیں، مسلمانوں نے تعاقب کرتے کرتے شہر لیون کے دروازوں تک اُن کو پہنچادیا، اگر برف و باراں کا ایک سخت طوفان اُس وقت نہ آجاتا، تو شہر لیون کو فتح کر لینے میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔

اب چونکہ جاڑا بہت سخت پڑنے لگا تھا اس لیے موسم کی سختی سے مجبور ہوکر ابن ابی عامر قرطبہ واپس چلے آئے، اور یہاں آتے ہی اُنھوں نے المنصور کا لقب اختیار کیا، اس قسم کے القاب خلفاء کے لیے مخصوص ہوا کرتے تھے، اب ہم بھی ابن ابی عامر کو اس کتاب میں المنصور ہی کے خطاب سے یاد کریں گے۔

ابن ابی عامر نے علاوہ اس لقب کو اختیار کرنے کے حکم دیا کہ تمام آداب و مراسم جو خلفاء کے سامنے ادا کیے جاتے تھے وہی اُن کے سامنے بھی ادا کیے جائیں، چنانچہ وزراء بلکہ شہزادگانِ بنی اُمیّہ بھی جب منصور کے سامنے آتے تو اُن کے ہاتھ کو بوسہ دیتے، لوگ منصور کے لُطف و کرم کے اِس درجہ متمنّی رہتے تھے کہ منصور کے شیر خوار بچّوں کے ہاتھوں کو بھی چُومتے تھے۔

منصور کے اختیارات کی اب انتہا نہ تھی، اب مُلک میں کوئی ایسا بڑا آدمی نہ رہا تھا جسے اُن کا حریفِ مقابل سمجھیں، لیکن خود منصور کا یہ خیال نہ تھا، اُن کو یقین تھا کہ ابھی تک ایک شخص ایسا ہے جو اُن کا حریف بن سکتا ہے، اِس سے اُن کی مُراد جعفر بادشاہِ زاب تھی۔

غالب سے مقابلہ کے زمانہ میں جعفر نے منصور کی بہت مدد کی تھی، جعفر گو عالی نسبی اور شجاعت میں مشہور انام تھا، لیکن منصور اور امراء دربار کو اُس سے حسد پیدا ہو گیا تھا اب منصور سے ایک ایسی حرکت ہوئی کہ ہمیشہ کے لیے نام کو داغ لگ گیا، بنی تجیب کے دو شخصوں کو جن کے نام ابوالاحوص معن اور عبدالرحمٰن بن مطرف تھے، منصور نے خفیہ طور پر حکم دے کر جعفر کو ضیافت میں بُلایا، جعفر نے ضیافت میں آنا قبول کیا، دعوت میں بہت تکلف کیا گیا، عمدہ عمدہ شرابیں دسترخوان پر چُنی گئیں، ایک ملازم نے جامِ شراب (۴۹۹)

بھر کر منصور کو پیش کیا، منصور نے کہا "یہ جام اُس کو دو جس کی میں سب سے زیادہ عزّت کرتا ہوں" ملازم پریشان ہوا اور نہ سمجھا کہ شراب کس کو دے، تب منصور نے کہا "نادان، ساغر وزیر جعفر کو پیش کر" جعفر اِس عزّت افزائی پر خوش ہوا، اور ملازم کے ہاتھ سے شراب لے کر ایک ہی سانس میں چڑھا گیا: نشہ ایسا ہوا کہ کسی کا لحاظ نہ رہا، بے اختیار رقص کرنے لگا، اِس حرکت کو دیکھ کر اَور مہمان بھی بے تکلف ناچنے لگے،

رات کو دیر تک یہ جلسۂ رقص و سُرود قائم رہا، جس وقت لوگ چلنے لگے تو جعفر کو نشہ بہت زیادہ تھا، جُھومتا جھامتا دو چار نوکروں کے سہارے گھر کو جانے لگا، راستے میں دو نوں تجیبیوں کے سپاہیوں نے اُس پر حملہ کیا، جعفر مقابلہ کے لیے پُورا سنبھلا بھی نہ تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ (۲۲ جنوری ۹۸۳ء مطابق ۴ شعبان ۳۷۲ھ)

جعفر کی لاش سے اُس کا سر اور داہنا ہاتھ کاٹ کر منصور کے پاس پہنچایا گیا، منصور نے کہا کہ "میں اُن لوگوں سے واقف نہیں ہوں جو جعفر کے قتل کا باعث ہوئے ہیں" جعفر کی موت پر منصور نے بیحد افسوس اور غم کا اظہار کیا۔

اسناد

ابنِ حزم (دمشق) ص ۳۲، ۳۸، ۵۹، ۱۰۱

ابن الابار ص ۱۰۳، ۱۵۱ تا ۱۵۵

ابنِ عذاری ج ۱ ص ۲۴۰- ج ۲ ص ۲۵۸، ۳۱۶

مقری ج ۱ ص ۱۳۶، ۱۸۶، ۲۶۰ تا ۲۸۶، ۳۹۶ ج ۲- ۵۱، ۹۴، ۲۴۲

ابن خلدون (تاریخ بربر) جلد ۲ ص ۵۵۳ جلد ۳ ص ۲۳۷

عبدالواحد ص ۱۷

ابن الخطیب (قلمی نسخہ G) ص ۱۸۱

سعید طلیلی ص ۲۴۶

ابنِ حوقل ص ۴۰

سوناکی سی لین سس۔ C - ۷۰

نویری ص ۴۷۰

کتابِ ثالث (خلافت) (۵۰۰)

دسویں فصل

المنصور

ممکن ہے کہ جعفر کے قتل میں المنصور کی سازش کا شبہ لوگوں کو گذرا ہو، ممکن ہے نہ گذرا ہو، لیکن نئی نئی فتوحات کی خوشی میں سب کے دل سے یہ قتل بہت جلد فراموش ہو گیا، مسیحی سلطنت لیون کے اندرونی معاملات نے ایسی شکل اختیار کی کہ وہ المنصور کے حق میں مفید ثابت ہوئی، ۹۸۱ء (۳۷۱ھ) کی جنگ سے جو جو آفات[۱] رومیر بادشاہ لیون پر آئیں وہ آخر کار اُس کی تباہی کا باعث ہو گئیں، لیون کے شرفا اور اُمرا ایسے بادشاہ سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے تھے جس کی قسمت ایسی کھوٹی ہو، لیکن اس کے ساتھ خود تخت کا دعویٰ کرنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے، علاقہ جلیقیہ میں (جو ریاست لیون کا ایک حصہ تھا) بغاوت ہو گئی، یہاں کے رئیسوں نے رومیر بادشاہ لیون کے

---

[۱] دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۴۹۷ و ۴۹۸ - مترجم

چچا کے بیٹے برمند کو صاحبِ تخت بنانے کا ارادہ کرلیا، اور ۱۵ اکتوبر ۹۸۲ء (۲۳ ربیع الآخر ۳۷۲ھ) کو جلیقیہ کے شہر شنت یاقب میں تاجِ شاہی اُس کے سر پر رکھدیا گیا، گویا ریاست لیون کا بھی اُسے بادشاہ بنا دیا، رومیر بادشاہِ لیون نے یہ خبر سُنتے ہی برمند پر چڑھائی کردی، لیون اور جلیقیہ کی سرحد پر ایک مقام تھا جس کا نام پورتیلا دی ارنیاس تھا، یہاں رومیر اور برمند میں لڑائی ہوئی، لڑائی اگرچہ سخت تھی مگر کچھ فیصلہ نہ ہوسکا، اِس کے بعد برمند کو فتح پر فتح ہونی شروع ہوئی، یہانتک کہ مارچ ۹۸۴ء (شوال ۳۷۳ھ) میں برمند نے لیون کا شہر رومیر سے چھین لیا، رومیر نے اس زمانے میں شہر اشتورقہ کے قریب پناہ لی تھی، جب دیکھا کہ لیون ہاتھ سے نکل گیا تو قطعی شکست سے بچنے کے لیے المنصور سے مدد چاہی، اور المنصور کو اپنا بادشاہ ماننے کی درخواست کی، اِس کے تھوڑے ہی دن بعد بادشاہ رومیر مرگیا، اُس کے بعد اُس کی ماں نے مسلمانوں کی مدد سے حکومت کی، لیکن کچھ مُدّت کے بعد وہ مسلمانوں کی مدد سے محروم ہوگئی، کیونکہ برمند اِس بات کو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اگر رومیر کی طرح اُس نے منصور کو اپنا مالک اور سرپرست نہ بنایا، تو سرکش روسار مُلک کو قابو میں رکھنا بیحد مشکل ہوجائیگا۔ برمند نے منصور سے مدد مانگی، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اِس مدد کے معاوضہ میں برمند نے رومیر کی ماں سے بھی بڑھ کر قول و قرار کرلیے تھے، کیونکہ منصور نے برمند کی درخواست منظور کرکے ایک بڑی فوج اُس کے پاس بھیجدی اِسلامی فوج کی مدد سے برمند نے اپنی ریاست کے متمرّد عیسائی رئیسوں کو زیر کیا، لیکن اب برمند اپنی ہی ریاست میں المنصور کا ایک نائب یا زیردست ہوگیا، اور اسلامی فوج لیون میں ریاست کی نگرانی اور برمند کی حفاظت کے لیے رہنے لگی۔

منصور نے اِس طریقہ سے عیسائیوں کی ریاست لیون کو مسلمانوں کی ایک باجگذار ریاست بناکر اسپین کے شمال مشرقی صوبہ قیطلونیہ کا قصد کیا، چونکہ اسپین کا یہ علاقہ شاہانِ افرنجہ (فرانس) کے تحت میں تھا، اِس لیے اسپین کے خلفار نے اُس کے ساتھ دوستانہ (۵۰۱) برتاؤ رکھا تھا، تاکہ فرانسیسیوں سے خواہ مخواہ کوئی نزاع پیدا نہ ہوجائے، لیکن حاجب منصور کو اِس کی مطلق پروا نہ ہوئی، منصور کو معلوم تھا کہ فرانس خود طوائف الملوکی کا شکار

ہورہا ہے، اور قیطلونیہ میں جو اُمراء صاحب اختیار ہیں اُن کو فرانس سے کچھ مدد ملنے کی توقع نہیں ہوسکتی، غرض بہت سا لشکر فراہم کرکے حاجب المنصور ۵ رمئی ۹۸۵ء (۱۱ ر ذی الحجہ ۳۷۴ھ) کو قیطلونیہ روانہ ہوگئے، چالیس شاعر ساتھ تھے کہ فتح کے موقع پر قصیدے لکھ کر پڑھیں[۵۱]، قرطبہ سے کوچ کرکے البیرہ، بیاسہ، اور مورقہ کے شہروں سے گذرتے ہوئے صوبہ مُرسیہ میں آئے، یہاں المنصور ابنِ خطاب کے مہمان ہوئے، ابنِ خطاب کوئی سرکاری عہدہ نہ رکھتے تھے، لیکن وہ بہت بڑے زیندار اور وسیع علاقوں کے مالک تھے، اور اِن علاقوں کی آمدنی کثیر تھی، یہ بنی اُمیّہ کے مولیٰ بھی تھے، اور غالباً نسلِ فسیقوط سے یا دشاہ تدمیر قوطی کی اولادیں سے تھے، تدمیر صوبہ مُرسیہ کا بادشاہ تھا جس نے فتوحاتِ اسلامیہ کے شروع میں مسلمانوں سے اپنے حق میں عمدہ شرائط پر صلح کی تھی، اور ایک مُدّت تک خود اور اُس کے بیٹے اتھاناجلد نے مُرسیہ پر خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کی تھی، بہرکیف یہ جو کچھ بھی ہو ابنِ خطاب[۵۲] جس قدر دولتمند تھے اُسی قدر حوصلے سے المنصور کی خاطر و مدارات میں مصروف ہوئے، تیرہ دن تک المنصور، اور جو اُمراء اُن کے ہمرکاب تھے، اور تمام اہلِ فوج وزیر سے لے کر معمولی سوار تک اُن کے مہمان رہے، منصور کے سامنے جو دسترخوان بچھتا تھا اُس پر دُنیا بھر کی نعمتیں ہوتی تھیں، اُنہوں نے اپنے باورچیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر وقت نئی نئی قسم کے کھانے دسترخوان پر ہوں اُنہوں نے خاطر تواضع میں یہاں تک اہتمام کیا کہ منصور کے لیے ایک روز غسل کے پانی کی جگہ عرقِ گلاب رکھا گیا، المنصور خود نہایت تکلّف سے رہتے تھے، مگر میزبان کی تواضع نے اُنہیں متحیّر کردیا، اُنہوں نے ابنِ خطاب کی بہت تعریف کی اور اظہارِ خوشنودی میں زمین کے محصول کا ایک حِصّہ اُن کو معاف کردیا، اور صوبہ مُرسیہ کے عمال کو جو خلافت

---

۵۱ ابن الخطیب نے اِن شاعروں کے نام لکھے ہیں۔

۵۲ ساتویں صدی ہجری میں بنی خطاب اپنے تئیں عرب کہتے تھے، لیکن چوتھی صدی ہجری میں اِن کے بزرگوں کو عرب ہونے کا دعویٰ نہ تھا۔

کی طرف سے علاقے کا انتظام کرتے تھے ہدایت کر دی کہ ابن خطاب کے ساتھ ہمیشہ بہت ادب اور تعظیم سے پیش آیا کریں، اور ہر معاملہ میں اُن کی خوشی اور مرضی دریافت کرلیا کریں
مُرسیہ سے روانہ ہو کر منصور نے قیطلونیہ کی طرف کوچ کیا، راستے میں توسں بوریل کو شکست دیکر یکم جولائی ۹۸۵ء (۹ر صفر ۳۷۵ھ) چہار شنبہ کے روز شہر برشلونہ کے سامنے پہنچ گئے، اِس کے پانچویں دن یعنی دو شنبہ کو ہلّہ کر کے برشلونہ کا مشہور شہر فتح کرلیا، شہر میں جو باشندے یا سپاہی ملے اُن میں اکثر کو قتل کیا، باقی کو غلام بنایا، اِس کے بعد شہر لُوٹا گیا، اور پھر اُس میں آگ لگا دی گئی۔
المنصور لڑائی سے تھکنا نہ جانتے تھے، جتنی لڑائیاں لڑے اُن میں برشلونہ کی لڑائی اُن کی تیئسویں جنگ تھی[ف۱]، اُن کا فتوحات کا شوق کسی طرح کم ہونا نہ جانتا تھا، برشلونہ سے واپسی ہوئی تھی کہ موریتانیہ (مغرب اقصیٰ) میں جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا، کئی برس سے یہ مُلک بلکین والی افریقیہ کے تحت میں تھا، لیکن بلکین کے آخری دورِ حکومت میں اور اُس کے مرنے (مئی ۹۸۴ء مطابق ۳۷۴ھ) کے بعد مغرب اقصیٰ کے ایسے رئیسوں نے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر دیے تھے جو بنی اُمیّہ کے فریق سے تعلق رکھتے تھے، بہت سے شہر مثلاً فاس، سجلماسہ نے پہلے ہی سے فاطمیین کی حکومت سے آزادی حاصل کرلی تھی، اب یہاں افریقہ کا ایک بھولا بسرا شہزادہ پھر نمودار ہوتا ہے، یہ شہزادہ خاندانِ ادریس کا ابن قنون ہے، خلیفہ الحکم کے زمانہ میں جیسا کہ اُوپر آچکا ہے ابن قنون نے غالب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے، اور افریقہ سے وہ قرطبہ پہنچا دیا گیا تھا، قرطبہ کے زمانہ سکونت میں حاجب مصحفی نے اِسے تونس میں رہنے کی اِس شرط سے اجازت دیدی تھی کہ وہ مغرب اقصیٰ کو واپس نہ جائے، معلوم ہوتا ہے کہ اِس شرط پر قائم رہنے کی نیّت ابن قنون پہلے ہی نہ رکھتا تھا، چنانچہ وہ تونس سے فاطمی خلیفہ کے پاس حاضر ہوا، (۵۰۲)

ف۱ المنصور متعدد لڑائیاں رئیس قشتالیہ اور رئیس نبرہ سے لڑے تھے، مگر ان لڑائیوں کی تفصیل کہیں دستیاب نہیں ہوئی۔

اور دس برس تک اسی بات پر اصرار کرتا رہا کہ مغربِ اقصیٰ میں وہ پھر برسرِ حکومت کر دیا جائے آخرکار اُس کو کچھ فوج اور روپیہ دیا گیا، اور وہ مغرب اقصیٰ واپس آیا، اور یہاں روپیہ صرف کرکے بربر کے بہت سے سرداروں کو اپنا حامی بنا لیا، اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ جلد اپنا مقصد حاصل کر لیگا اور مغربِ اقصیٰ کا مالک ہو جائیگا، لیکن حاجب المنصور یہ کب پیش آنے دیتے تھے، فوراً اپنے چچازاد بھائی عسقیلیجہ کو بہت سی فوج دے موریتانیہ روانہ کر دیا، عسقیلیجہ اور ابنِ قنون میں لڑائی ہوئی مگر مدّت تک جاری نہ رہی، ابنِ قنون میں اتنی قوّت نہ تھی کہ دشمن کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتا، چنانچہ اِس شرط پر کہ اُس کی جان سلامت رکھی جائے اور پھر وہ قرطبہ بھیج دیا جائے ابنِ قنون نے اطاعت قبول کرنی چاہی، عسقیلیجہ نے یہ شرطیں منظور کرلیں اور ابنِ قنون نے اطاعت اختیار کرلی۔

عسقیلیجہ کا ایک ایسے شخص کی پیش کردہ شرائط کو منظور کرنا قرینِ مصلحت نہ تھا جو مُلک گیری کی حرص رکھنے کے علاوہ دھوکا دینے والا بھی ثابت ہو چکا تھا، اِس امر میں شبہ ہو سکتا ہے کہ عسقیلیجہ کو اِس قسم کی شرائط منظور کرنے کا اختیار بھی تھا یا نہیں، عربی مورخ اِس معاملہ پر زیادہ روشنی نہیں ڈالتے، لیکن حاجب المنصور سے اِس معاملہ میں جو کچھ عمل میں آیا اُس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ عسقیلیجہ کا شرائط کو منظور کر لینا اُس کے اختیارات سے خارج تھا، چنانچہ حاجب منصور نے اِن شرائط کو کالعدم قرار دیا، ابنِ قنون نظربند کرکے قرطبہ میں لایا گیا، اور رات کے وقت اُس سڑک پر جو جزیرۃ الخضرا سے قرطبہ کو آتی تھی ماہ ستمبر یا اکتوبر ۹۸۵ء (جمادی الاول ۳۷۵ھ) میں قتل کر دیا گیا۔

ابنِ قنون کو ایک جابر اور خودسر حاکم تھا جو قلعہ حجر النسر کی فصیلوں پر سے قیدیوں کو نیچے پھینکدیا کرتا تھا۔ لیکن جن حالات میں وہ قتل کیا گیا وہ ایسے تھے کہ سب کو اُس پر رحم آیا، ہر شخص کو اُس کے شریف و نجیب ہونے کا علم تھا، ابنِ قنون بنی ادریس سے تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے تھے، جن سواروں کو اُس کے قتل کا حکم ملا تھا اُنہوں نے بھی تامل اور تذبذب کے بعد اُسے قتل کیا تھا، قتل کے بعد ہوا کا ایک بگولہ اُٹھا اور جب اُس کے صدمے سے یہ تینوں سوار گر پڑے تو سمجھے کہ ہم اِسی خونِ ناحق کے عذاب

(۵۰۳ میں مبتلا ہوئے ہیں ۔ بعض لوگوں کو منصور کے اس فعل پر سخت غصہ آیا ، بعض نے کہا کہ منصور عہد شکنی کا مرتکب ہوا ہے ، کیونکہ جب عسقیلیجہ نے شرطیں منظور کر لی تھیں تو اُس کا فرض تھا کہ اُس کی منظوری کو اپنی منظوری سمجھتا ۔

اس قسم کے اعتراض علی الاعلان کیے جاتے تھے ، بالآخر رعایا میں ناراضی اس قدر بڑھنے لگی کہ منصور اُسے نظر انداز نہ کر سکے اور بہت فکر مند رہنے لگے ، جس وقت معلوم ہوا کہ عسقیلیجہ اور لوگوں سے بھی زیادہ ابن قنون کے قتل پر ناراض ہوا ہے ، اور منصور کے آدمیوں کے سامنے کہہ چکا ہے کہ ابن قنون کے قتل میں دھوکے اور فریب سے کام لیا گیا ہے تو منصور کو بہت غصہ آیا ، اور اُس نے عسقیلیجہ کو اس کلام پر سخت سزا دینی چاہی چنانچہ اُسے فوراً واپس اسپین آنے کا حکم بھیجا ، اور جب وہ آیا تو تصرفِ مجرمانہ اور بغاوت کا الزام لگا کر اُس کے قتل کا حکم دیا ، اور وہ اکتوبر یا نومبر ۹۸۵ء (جمادی الآخر ۳۷۵ھ) میں قتل کر دیا گیا ۔

اس قتل پر لوگوں میں اور بھی غل مچا ، ابن قنون کے قتل پر تو افسوس اور غصہ تھا ہی اب عسقیلیجہ کے قتل کا غم و غصہ اُس پر اضافہ ہوا ، لوگ کہتے تھے کہ اس سے بڑھکر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ عسقیلیجہ منصور کا عزیز تھا مگر منصور نے صلۂ رحم کا بھی خیال نہ کیا ، اور ایسے عزیز کی جان کے درپے ہو کر اُسے قتل کروا ڈالا ۔

ابن قنون کے عزیز و اقارب اس اُمید میں تھے کہ ابن قنون کی حکومت مغرب اقصیٰ میں قائم ہو جائیگی ، لیکن اُس کے قتل کے بعد وہ لوگوں کو منصور کے خلاف بھڑکا کر فتنے اُٹھانے میں بہت کوشش کرنے لگے ، جس وقت منصور کو ابن قنون کے عزیزوں کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو اُنہوں نے بنی ادریس کی جلاوطنی کا حکم دیا ، اب بنی ادریس اسپین اور مغرب اقصیٰ دونوں سے خارج کیے گئے ، جس وقت یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو ایک شخص نے جس کا نام ابراہیم بن ادریس تھا حاجب منصور پر ایک نظم میں آخری حملہ کیا ، یہ نظم اگرچہ بہت لمبی تھی مگر مقبولِ خاص و عام ہوئی ، نمونہ کے طور پر چند اشعار کا مطلب یہاں لکھا جاتا ہے :۔

"میں ایک مصیبت زدہ جلاوطن آدمی ہوں، میری بدقسمتی کی انتہا نہیں ہے، بدنصیبی میرے تعاقب میں ہے؛ قرض کی مدّت شروع ہوتے ہی قرضخواہ کا تقاضہ شروع ہوجاتا ہے .... واقعات ایسے پیش آئے، جنھوں نے عقل زائل کردی، ہماری مصیبتیں سخت و نا مختتم ہیں، آنکھوں کا یقین بھی دل سے جاتا رہا، کیونکہ وہ ہر وقت دھوکہ دیتی ہیں، کیسا بنی اُمیّہ اب تک زندہ ہیں؟ اور گوارا کرتے ہیں کہ یہ کوز پشت[۱] اُن کی سلطنت کا مالک بنا بیٹھا رہے؟ دیکھو! جس سواری میں ایک بھورا بندر بیٹھا ہے اُس کے جلو میں سپاہی چلتے ہیں .... اے اُمیّہ کے بیٹو! پہلے تو تم آدھی رات میں ستاروں کی مانند چمکتے تھے، اب وہ تمہاری شان و شوکت کیا ہوئی؟ ایک زمانہ تھا کہ تم شیر نیستان تھے، مگر اب کچھ بھی نہ رہے، اِسی وجہ سے تو یہ روباہ تمہاری سلطنت پر قابض ہوگیا ہے۔"

"روباہ" یا "ثعلب" کا لفظ منصور کی نسبت سب سے پہلے مصحفی نے اپنی نظم میں لکھا تھا، لیکن لوگوں میں اب تک منصور کا یہی لقب چلا آتا تھا، اب منصور کو فکر ہوئی کہ جہاں تک ممکن ہو جلد کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیئے کہ رعایا کو اُس کی طرف سے حسنِ ظن پیدا ہو، اِسی خیال سے جامع مسجد قرطبہ کو زیادہ وسعت دے کر تعمیر کرانا چاہا، چونکہ افریقہ کے لوگ بکثرت فوجوں میں بھرتی ہوکر قرطبہ میں رہنے لگے تھے اِس لیے اُن کے اور قرطبہ کے باشندوں کے لیے اب مسجد میں کافی گنجائش نہ رہی تھی، عمارت کو وسیع کرنے کے لیے زمین کی اور اُس پر جو مکانات تھے اُن کے مالکوں کو بے دخل کرنے کی ضرورت پیش آئی، یہ کام بہت نازک تھا، اور اُس کو اس طرح انجام دینا تھا کہ لوگ خوش ہو کر زمین اور مکان دیدیں، المنصور ان باتوں میں اُستاد تھے، مکان کے مالک کو اپنے سامنے بلواتے (۵۰۴)

[۱] یہ جھوٹی مذمت ہے، غیر طرفدارانہ شہادت سے ثابت ہے کہ منصور بہت وجیہہ شخص تھا

اوّل تو یہ ملاقات ہی مالکِ مکان کی عزت کا باعث ہوتی، پھر اُس سے کہتے "مجھی! میں جامع مسجد کی عمارت میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں، مسجد وہ مقام ہے جسمیں لوگ خدائے ذوالجلال کی عبادت کرتے ہیں، اور میں مسلمانوں کی فلاح کے لیے تمہارا مکان بیت المال کے صرف سے خریدنا چاہتا ہوں، خزانۂ عامرہ اِس وقت مالِ غنیمت سے جو میں نے کفار سے حاصل کیا ہے پُر ہے، اپنے مکان کی جو کچھ قیمت سمجھتے ہو بتاؤ، قیمت کم کرکے کہنے کی ضرورت نہیں، جو قیمت سمجھو بے تکلف کہو" یہ تقریر سُن کر مالکِ مکان اپنی دانست میں زیادہ سے زیادہ قیمت کہتا، مگر منصور کہتے "یہ قیمت تو تم نے کم کہی ہے، تم حد سے زیادہ انکسار کرتے ہو، اچھا جو کچھ تم نے کہا ہے اُس سے دوچند قیمت دونگا" اِس کے بعد اِس قسمت ور مالکِ مکان کو قیمت ہی نہیں دیجاتی تھی بلکہ مکان کے عوض میں ایک دوسرا مکان بھی سکونت کے لیے عطا ہوتا تھا۔

باوجود اِس فیاضی کے ایک عورت نے مدّت تک اپنا مکان بیچنے سے اِنکار کیا اُس کے مکان کے باغ میں ایک کھجور کا بہت ہی خوبصورت درخت تھا، جسے یہ بڑھیا بہت عزیز رکھتی تھی، آخرکار جب وہ مکان بیچنے پر راضی ہوئی تو یہ شرط کی کہ ایک مکان جس کے باغ میں ایسا ہی خوبصورت کھجور کا درخت ہو اُس کو علاوہ قیمتِ مکان کے دیا جائے، ایسا مکان ملنا مشکل تھا، لیکن جب منصور کو معلوم ہوا کہ عورت کیا مانگ رہی ہے، تو اُنھوں نے عُمّال سے کہا "جو کچھ وہ مانگتی ہے وہ پیدا ہونا چاہیئے، اِسمیں چاہے بیت المال خالی ہی کیوں نہ ہوجائے" غرض تلاش اور دِقّت کے بعد ایک مکان اُس بڑھیا کی مرضی کے مطابق ملا، اور بڑی بھاری قیمت دیکر اُسے خرید اگیا۔

اِس قسم کی فیاضی کا پھل بہت جلد مل گیا، بیت المال سے اِس طرح روپیہ بیدریغ صرف کرنے پر اعتراض ہوسکتا تھا، لیکن اِس سے کون انکار کرسکتا تھا کہ منصور اِس وقت بڑی فیاضی اور حوصلے سے لوگوں کے ساتھ سلوک کر رہا ہے، رعایا میں سے جو لوگ پابندِ صوم وصلوٰۃ تھے وہ کہتے تھے کہ مسجد کو بڑا کرکے بنانا واقعی بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

جس وقت مسجد میں اضافہ شروع ہوا تو قرطبہ کے لوگوں نے ایک عجیب کیفیت دیکھی اور وہ یہ تھی کہ عیسائی قیدی جن کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں مسجد کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں، مورخ لکھتا ہے کہ "اسلام کا ستارہ پہلے کبھی اس تیزی سے نہ چمکا تھا، اور کفار کی تذلیل کبھی اس درجہ نہ ہوئی تھی" مگر جہاں یہ کیفیت نظر آ رہی تھی وہاں دیکھنے والے یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ حاجب المنصور، سلطنتِ بنی اُمیّہ کے سفید و سیاہ کا مالک، سب سے بڑا شجاع اور بہادر، کبھی کدال، اور کبھی بیلچہ، کبھی آری اور کبھی بسولا ایک معمولی مزدور اور بڑھئی کی طرح ہاتھ میں لیے تعمیر کے کام میں مصروف ہے، اور یہ سب کچھ خدائے وحدہ لاشریک کی عظمت اور بزرگی کے لیے وہ کر رہا ہے، یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں کی تذلیل پر اعتراض کرنیوالوں کی زبان بند ہو جاتی تھی (۵۰۵)

جس وقت مسجد میں اضافۂ تعمیر کا کام جاری تھا لیون کی عیسائی ریاست سے لڑائی چھڑ گئی، اس ریاست میں جو اسلامی فوجیں مامور تھیں وہ اُسے اپنا مفتوحہ مُلک سمجھ کر وہاں کے لوگوں سے برتاؤ کرتی تھیں، والیٔ ریاست برمند ثانی نے ان فوجوں کی شکایت منصور سے کی، منصور نے سختی سے جواب دیا، برمند کو صبر نہ رہا، اور اُس نے ہمّت کر کے مسلمان فوجوں کو اپنی ریاست سے نکالدیا۔

منصور کو اب یہ ضرورت پیش آئی کہ برمند کی پھر گوشمالی کرے، لیون سے لڑائی پھر شروع ہو جانے سے منصور کو کچھ افسوس نہ ہوا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لڑائی اور فتح کی خبریں رعایا کے لیے اس قدر دلچسپ مضمون ہو جائیں گی کہ ایسے معاملات کی طرف سے جن سے رعایا کو بحث نہ رکھنی چاہیئے اُن کا خیال ہٹ جائیگا۔ حسب توقع لڑائیوں اور اُن کے انجام کی طرف لوگ متوجہ ہو گئے، جون ۹۸۷ء (ماہ صفر ۳۷۷ھ) میں منصور نے شہر قلمریہ پر قبضہ کیا، اور اُسے ایسا برباد کیا کہ سات برس تک یہ شہر بالکل ویران پڑا رہا۔

اِس مہم کے دُوسرے برس دریائے دویرہ کو عبور کر کے اسلامی فوجیں تمام علاقہ لیون پر سیلاب کی طرح پھیل کر ہلاکت اور تباہی اپنے ساتھ لائیں، شہر، قلعے، خانقاہیں، گرجا، اور گاؤں کسی کو سلامت نہ چھوڑا، برمند دارالحکومت لیون سے نکل کر سمورہ میں

چلا آیا تھا، اُسے یقین تھا کہ منصور پہلے سمورہ پر حملہ کریگا، لیکن منصور سمورہ کو رستے میں چھوڑتے ہوئے سیدھے شہر لیون پر جا دھمکے، اس سے پہلے بھی ایک موقع پر منصور نے لیون کے شہر پر تقریباً قبضہ کرلیا تھا، لیکن اُس کا مضبوط قلعہ مستحکم بُرج اور مورچے سنگِ مرمر کے دروازے، رومانی شہر پناہ جس کا آثار ۲۰ فیٹ سے بھی زیادہ کا تھا، ان سب چیزوں نے ایک عرصہ تک شہر کو دشمن کے حملوں سے بچائے رکھا، آخرکار مغربی دروازے کے قریب شہر پناہ میں ایک جگہ نقب لگائی گئی، جس وقت یہ نقب لگائی گئی تو لیون کی فوجوں کا سپہ سالار گون سالود گون زالیز، جو جلیقیہ کا ایک نامی رئیس تھا سخت بیمار ہوگیا تھا، لیکن شہر کے لیے یہ ایسے خطرہ کا وقت تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی بہادر گون سالو دمسلّح ہوکر پالکی میں سوار ہوا، اور مسلمانوں کو نقب کی راہ سے شہر میں داخل ہونے سے روکا، اپنی فوج کو للکار کر اُس کی ہمت بڑھائی، سپہ سالار کی موجودگی نے سپاہیوں کے دل گرما دیے، اور انہوں نے مسلمانوں کو نقب کے راستے شہر میں داخل نہ ہونے دیا لیکن چوتھے دن جنوبی دروازے سے مسلمان شہر میں گھس پڑے، اور اب انہوں نے قتلِ عام شروع کیا، سپہ سالار گون سالود کو باوجودیکہ وہ بیمار تھا زندہ نہ چھوڑا، شہر لیون کی اینٹ سے اینٹ بجادی، دروازوں کی سنگین عمارتیں، بُرج، مورچے، شہر پناہ، قلعہ، سکونت کے مکانات بالکل مسمار کردیے، شمالی دروازہ کے قریب صرف ایک بُرج (۵۰۶) کو منصور کے حکم سے سلامت رہنے دیا گیا، تاکہ جس شہر کو مسمار کیا ہے اُس کی مضبوطی کا حال آئندہ نسلوں کو معلوم ہوتا رہے۔

لیون کو تباہ کرکے اسلامی فوجیں سمورہ کی طرف بڑھیں، راستے میں شنت بطرہ اسلونسا اور ساہون کی مسیحی خانقاہوں کو جلاکر خاک کردیا، سمورہ پہنچکر شہر کا محاصرہ کیا، یہاں برمند بادشاہِ لیون موجود تھا، اس موقع پر اُس نے اتنی بھی جرأت نہ دکھائی جو لیون

---

۵۰۶ یہ بیان صرف لوکس باشندہ توئی کا ہے، اُس نے نام گورمی گون زالیز لکھا ہے، مگر یہ نام ممکن نہیں، دیکھو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) جلد ۱ ص ۱۸۱ - ۱۸۲

میں اُس کے سپہ سالار کون سالوو سے ظاہر ہوئی تھی، برمند خفیہ طور پر شہر سے بھاگ گیا، اہلِ شہر نے مجبور ہو کر شہر منصور کے حوالے کر دیا، منصور نے شہر کو لوٹنے کا حکم جاری کیا، اور اب ریاست لیون کے تمام عیسائی رُوسا نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی، اور سلطنت لیون کا صرف وہ قلیل حصہ جو بحرِ بسکے سے ملحق تھا برمند کے قبضے میں رہ گیا۔

جب اِس شاندار فتح کے بعد منصور مدینۃ الزاہرہ کو واپس آیا تو چند نہایت اہم معاملات کی طرف اُسے فوراً متوجہ ہونا پڑا، واپس آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے عمائد شہر نے منصور کے خلاف سازش کی ہے، اور انہی اہلِ سازش میں منصور کا بیٹا عبداللہ بھی جس کی عمر اُس وقت ۲۲ برس کی تھی شریک ہے۔

عبداللہ بڑا بہادر اور شہسوار تھا، لیکن باپ کو اِس بیٹے سے محبت نہ تھی، وجہ یہ تھی کہ اُس کے صحیح النسب ہونے میں منصور کو شبہ تھا، یہ حال عبداللہ کو معلوم نہ تھا مگر وہ یہ دیکھ کر دل میں جلتا تھا کہ اُس کے بھائی عبدالملک کو جو چھ برس چھوٹا، اور عقل و ذہانت اور دلیری میں بھی اُس سے کم ہے، باپ ہر بات میں عبداللہ پر ترجیح دیتا ہے، اِس وجہ سے عبداللہ منصور کی طرف سے ہر وقت غصہ میں رہتا تھا، اِسی حالت میں عبداللہ سرقسطہ آیا، سرقسطہ اِس وقت سرحد شمال مشرق کے حاکم عبدالرحمٰن بن مطرف تجیبی کا مستقرِ حکومت تھا، اِس حاکم کے دربار کا رنگ عبداللہ کے حق میں زہر ہو گیا، اُس کا میزبان یعنی عبدالرحمٰن بن مطرف ایک بڑے شریف عربی خاندان کا رئیسِ اعظم تھا، سو برس سے اُس کے خاندان میں سرقسطہ کی صوبہ داری چلی آتی تھی، چونکہ منصور سلطنت کے بڑے بڑے لوگوں کو ایک ایک کر کے گرفتار کر چکے تھے اِس لیے عبدالرحمٰن ہر وقت اِس خوف میں رہتا تھا کہ اب مجھ پر بھی ہاتھ صاف ہونے والا ہے، اور یہ خوف مقتضائے فطرت تھا، مگر عبدالرحمٰن نے یہ قصد کیا کہ منصور کی طرف سے کوئی بات ہونے سے پہلے ہی وہ بغاوت کر دے، عبداللہ کے سرقسطہ پہنچتے ہی عبدالرحمٰن نے خیال کیا کہ اب اپنے قصد کو پورا کرنے کا موقع اچھا ہے، بغاوت کرنے کے لیے عبداللہ ایک اچھا حیلہ بن سکتا ہے، چنانچہ عبدالرحمٰن نے عبداللہ کے دِل میں جو دشمنی باپ کی طرف سے

تھی اُسے اُکسانا اور بھڑکانا شروع کیا، اور بغاوت کا خیال اُس کے دل میں پیدا کیا،
آخر کار عبدالرحمٰن اور عبداللہ نے فیصلہ کرلیا کہ موقع پاتے ہی دونوں مل کر منصور سے (۵۰۷)
بغاوت کریں گے، اگر فتح ہوئی تو اسپین کی حکومت کو آپس میں اس طرح تقسیم کرلینگے
کہ جنوبی حصہ عبداللہ کے پاس رہے گا اور شمالی حصہ عبدالرحمٰن کے قبضے میں۔ دیوانی
اور فوج دونوں صیغوں کے اکثر معزز عہدہ دار اس سازش میں شریک ہوگئے، منجملہ
اُن کے مروانی شہزادہ عبداللہ بھی تھا جو اُس وقت طلیطلہ کا حاکم تھا، یہ "سنگدل"
کے لقب سے مشہور تھا۔

منصور کے خلاف یہ سازش بہت سنگین تھی، مگر اُس کی شاخیں اتنی دُور دُور
تک پھیل چکی تھیں کہ منصور کی تیز نظر سے وہ زیادہ دنوں تک چھپی نہ رہ سکتی تھی۔

اب منصور کو طرح طرح کی خبریں پہنچنی شروع ہوئیں، منصور فوراً اس سازش کو
توڑنے اور دشمنوں کو زک دینے کی تدبیر سوچنے لگے، اپنے فرزند عبداللہ کو سرقسطہ سے
واپس بُلا کر اُس سے بہت محبت اور لُطف سے پیش آئے، یہاں تک کہ بیٹے کو باپ پر
بھروسہ ہوگیا، اُس کے بعد شہزادہ عبداللہ اُموی ملقب بہ "سنگدل" حاکم طلیطلہ کو
طلیطلہ سے علیحدہ کیا، مگر ایسی معقول وجوہ کی بنیاد اور اس درجہ اخلاق کے ساتھ کہ شہزادہ
کو کسی بات کا بھی شبہ نہ گذرا، اس کے تھوڑے دن بعد عبداللہ اموی کو منصور نے
وزارت سے برخاست کرکے حکم دیا کہ اپنے مکان سے باہر نہ نکلنے پائیں۔

غرض اس طرح سازش کے دو بڑے بانیوں کو بیکار کرکے حاجب المنصور نے
قشتالیہ سے جنگ کی تیاری کی، جملہ سرداران فوج کو حکم ہوا کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر سرحد
پر حاضر ہوں، تمام سرداروں کی طرح عبدالرحمٰن بن مطرف التجیبی حاکم سرقسطہ نے بھی اس
حکم کی تعمیل کی، اب منصور نے خفیہ طور پر سرقسطہ کے اہل فوج کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے
حاکم عبدالرحمٰن کی شکایتیں منصور کے سامنے پیش کریں، اہل فوج نے ایسا ہی کیا،
جس وقت عبدالرحمٰن پر اس بات کا الزام لگایا گیا کہ سپاہیوں کی تنخواہ کا ایک حصّہ
عبدالرحمٰن نے خورد برد کردیا ہے تو منصور نے اُسے سرقسطہ کی حکومت سے معزول کردیا

(۸ رجون ۹۸۹ء مطابق ربیع الاول ۳۷۹ھ)
منصور کو یہ پسند نہ ہوا کہ کل بنی ہاشم سے بگاڑ لے، اس لیے عبدالرحمٰن کو معزول کرکے اُس کی جگہ اُس کے بڑے بیٹے یحییٰ سمیجہ کو سرقسطہ کا حاکم مقرر کیا، چند روز کی معزولی کے بعد عبدالرحمٰن کو گرفتار کرلیا، مگر اُس کو یہ علم نہ ہونے دیا کہ سازش کا حال منصور پر کھل گیا ہے، گرفتار کرنے کے وقت صرف یہ بیان کیا گیا کہ عبدالرحمٰن کے سپرد جو رقمیں فوج کی تنخواہ کی تھیں اُن کے متعلق اس امر کی تحقیقات ضروری ہے کہ وہ رقمیں کس طور پر صرف میں لائی گئیں۔

اس کے تھوڑے دن بعد منصور نے اپنے فرزند عبداللہ کو فوج میں شریک ہونیکا حکم دیا، عبداللہ حکم بجالایا، منصور نے بہت کوشش کی کہ بیٹا کسی طرح اُس سے راضی ہوجائے، لیکن سب کوششیں بیکار گئیں، عبداللہ نے باپ سے قطعی علیحدگی اختیار کرنے کا مصمم قصد کرلیا تھا، چنانچہ جس وقت اسلامی فوجیں قلعہ شنت اشتیبان غرماج کا محاصرہ کیے ہوئے تھیں عبداللہ چھ غلاموں کو ساتھ لیکر خفیہ طور سے قشتالیہ کے عیسائی حاکم غرسیہ فردلند کے پاس چلا گیا، غرسیہ نے اُسے اپنی پناہ میں رکھنے کا وعدہ کرلیا، منصور کو جس وقت معلوم ہوا تو اُس نے غرسیہ کو بہت دھمکیاں دیں، مگر غرسیہ نے ایک سال تک عبداللہ سے اپنا عہد قائم رکھا، اس ایک سال میں غرسیہ کو بہت سی شکستیں ہوئیں، صرف شکستیں ہی نہیں ہوئیں بلکہ اگست ۹۸۹ء (جمادی الاول ۳۷۹ھ) میں قلعہ وشمہ اس کے قبضے سے نکل گیا، منصور نے اس قلعے میں اسلامی فوج مقیم کردی اکتوبر ۹۸۹ء (رجب ۳۷۹ھ) میں منصور نے القبہ کا شہر بھی چھین لیا، آخرکار غرسیہ اس قدر مجبور اور پریشان ہوا کہ اُس نے منصور سے امان کی درخواست کی اور عبداللہ کو منصور کے حوالے کردیا۔

قشتالیہ کے سپاہی اس نوجوان باغی کو منصور کے لشکر کی طرف لے چلے، عبداللہ ایک خچر پر سوار تھا جس کا زین نہایت پُرتکلف تھا، اور جسے بادشاہ قشتالیہ غرسیہ نے تحفہ میں دیا تھا، عبداللہ کو پورا یقین تھا کہ منصور اُس کا قصور معاف کردیں کے

(۵۰۸)

اِس لیے اُسے اطمینان تھا، راستہ میں سواروں کا ایک رسالہ جس کا افسر سعد تھا اُسے مِلا، سعد نے عبداللہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اُسے یقین دلایا کہ ہرگز کسی بات کا خوف نہ کریں، کیونکہ جو کچھ اُن سے ہوا ہے منصور اُس کو ایک نوجوان آدمی کی اُن غلطیوں میں تصور کرتے ہیں جو قابلِ معافی ہوتی ہیں، جس وقت تک بادشاہِ قشتالیہ کے سپاہی ساتھ رہے، سعد اِسی قسم کی دلجوئی کرتا رہا، لیکن جب یہ سپاہی رخصت ہوئے اور سعد کا رسالہ مع عبداللہ کے دریائے دویرہ کو عبور کر چکا تو سعد عبداللہ کا ساتھ چھوڑ فوج کے عقب میں چلا گیا، اُس کے جاتے ہی چند سپاہی عبداللہ کے قریب آئے اور اُس سے کہا کہ گھوڑے سے اُتر کر موت کی تیاری کریں۔ یہ جملہ سُن کر اِس بہادر عامری کو مطلق ہراس نہ ہوا، بے تکلف خچر سے نیچے اُتر پڑا، اور نہایت اطمینان کے ساتھ جلّاد کے سامنے گردن رکھدی، جلّاد نے سر تن سے جُدا کر دیا (۹ رستمبر ۹۹۰ء مطابق ۱۵ ر جمادی الآخر ۳۸۰ھ) عبداللہ بن منصور کا ساتھی عبدالرحمٰن بن مطرف التجیبی پہلے ہی اپنے کیے کو پہنچ چکا تھا، سرکاری روپے میں تصرفِ بیجا کا جرم ثابت ہونے پر مدینۃ الزاہرہ میں قتل کر دیا گیا تھا، اموی شہزادہ عبداللہ کسی طرح بھاگ کر برمند بادشاہِ لیون کے پاس پناہ گزیں ہوا۔

المنصور اپنے خلاف اِس سازش کو مٹا کر بھی چین سے نہ بیٹھے، غرسیہ بادشاہِ قشتالیہ کا یہ قصور کہ اُس نے عبداللہ بن منصور کو جس حالت میں کہ وہ باپ سے باغی ہو گیا تھا، پناہ دی، منصور نے کبھی معاف نہ کیا، اور اِس قصور کی سزا میں غرسیہ کے بیٹے شانجہ کو باپ سے باغی ہونے کی تحریک کی۔

منصور اپنی اِس کوشش میں کامیاب ہوئے اور شانجہ اِس کے لیے تیار ہو گیا کہ اپنے باپ سے باغی ہو جائے، قشتالیہ کے عیسائی سرداروں نے جو بڑے صاحبِ اقتدار تھے شانجہ کا ساتھ دیا، اور ۹۹۴ء (۳۸۴ھ) میں شانجہ نے اپنے باپ غرسیہ سے بغاوت کر دی، منصور نے شانجہ کو قشتالیہ کا بادشاہ تسلیم کر کے شنت اشتیبان غرماج اور قلنہ پر قبضہ کر لیا۔

منصور نے اِس لڑائی کو زیادہ طول نہ دینا چاہا، منصور کے درباریوں نے جو آقا کی

ہر بات سے خواہ گوارا ہو یا ناگوار، اتفاق ظاہر کیا کرتے تھے، لڑائی بند کرنے کے لیے بے صبری ظاہر کی، اسی دوران میں شاعر صاعد ایک بزِ کوہی کی گردن میں رسّی ڈالے منصور کے سامنے حاضر ہوا، اور اس جانور کو تحفے میں پیش کر کے ایک نظم پڑھی جو کچھ بہت اچھی نہ تھی، اس نظم کے تین شعر یہ تھے:-

مولایْ مونسُ غربتی متخفظی	اے میرے آقا! میری غربت کے مونس! مجھ کو زمانہ کی دست بُرد سے بچانے والے!
مِنْ ظفر ایامیْ ممنع معقلی	مجھ کو محفوظ رکھنے والے اور سرپرست
عبدٌ نشَلْتَ بِضبعهٖ وغرسیّه	ایک غلام تیرے پاس ایک بزِ کوہی لایا ہے
فی نعمةٍ اهدیٰ الیک بایدٖ	تو نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی مدد کی، اور اپنے نعمت واحسان میں اُسے جگہ دی۔
سمّیتهٗ غرسیّةً وبعثتهٗ	میں نے اُس کا نام غرسیہ رکھا ہے اور اُسے رسّی سمیت تیرے
فی حبلةٍ لیتاح فیه تفاؤلی	پاس بھیجا ہے، تاکہ میرا تفاؤل اُس سے معلوم کیا جاسکے۔[ف ۱]

(۵۰۹) یہ عجیب اتفاق تھا کہ شاعر کی پیشین گوئی پوری اُتری، غرسیہ اُسی دن یعنی مئی کی ۲۵ تاریخ ۹۹۵ء (۱۲ ربیع الآخر ۳۸۵ھ) کو دوشنبہ کے دن دریائے دویرہ کے کنارے القصر اور لنجہ کے درمیان گرفتار ہو گیا، اور گرفتاری کے پانچ دن بعد زخموں کے اثر سے مر گیا، اُس کے مرنے کے بعد شانجہ کی حکومت میں اب کوئی مزاحم نہیں رہا اور وہ مسلمانوں کو سالانہ خراج ادا کرنے لگا۔

اسی سال موسم خریف میں منصور نے بادشاہ لیون برمند سے جنگ کی، برمند نے اموی شہزادہ عبداللہ کو جو دوسرا بڑا باغی تھا اپنے ہاں پناہ دی تھی، برمند کی حالت

ف ۱ انگریزی ترجمہ میں ان اشعار کا خلاصہ اس طرح ہے "میں تیرا غلام جسے مفلسی سے آزاد کر کے تُو نے نعمتوں سے مالامال کیا تھا یہ ہرن پیش کرتا ہوں، اس کا نام میں نے غرسیہ رکھا ہے، اور اُس کی گردن میں رسّی ڈال کر تیرے پاس اس غرض سے لایا ہوں کہ میری پیشین گوئی پوری ہو۔" مترجم

اِس وقت بہت خراب تھی، اختیاراتِ شاہی اب نام کو نہ رکھتا تھا، مُلک کے رئیسوں نے اُس کی تمام زمینوں، غلاموں اور گلّوں پر قبضہ کرکے اُن چیزوں کو باہم تقسیم کرلیا تھا اور جب برمند نے اعتراض کیا تو یہ رئیس ہنس کر چُپ ہوگئے۔ بعض زمیندار بھی جن کو برمند نے بعض قلعے اِس غرض سے دیے تھے کہ مسلمانوں سے اُن کی حفاظت کرتے رہیں برمند سے بغاوت کر بیٹھے، اُس کے مرنے کی خبر بار بار مشہور کردیتے تھے، اور اتنا بھی تحقیق نہ کرتے تھے کہ واقعہ سچ ہے یا جھوٹ۔

اِس زبون حالت میں برمند کا منصور سے مقابلہ کرنا ایک سخت نادانی کا فعل تھا، اور نہ منصور جیسے جنگ آور سے جو ہر معرکے میں فتحیاب ہوتا تھا لڑائی میں ور رہنے کی کوئی اُمید ہوسکتی تھی، لیکن برمند سے بہت جلد یہ حماقت ظہور میں آئی، اور اُس نے منصور کے حملے کا جواب کرنا چاہا، نتیجہ یہ ہوا کہ شہر اشتورقہ برمند کے قبضے سے نِکل گیا، بالآخر مجبور ہو کر وہ منصور سے امان کا خواستگار ہوا، منصور نے اِس شرط سے امان دی کہ عبداللہ اموی کو حوالے کرکے سالانہ خراج ادا کیا کرے۔

علاقہ کاریون[۵۱] کے مسیحی قوسوں نے منصور کے حکم سے سرتابی کی تھی، اُس کی سزا میں منصور نے اُن کے دارالریاست یعنی شہر کاریون کو فتح کرلیا، اِس فتح کے بعد منصور قرطبہ واپس آئے، عبداللہ اُموی جو ماہِ نومبر ۹۹۵ء (شوال ۳۸۵ھ) میں منصور کے حوالے ہوچکا تھا ساتھ تھا، اِس مروانی شہزادے کو منصور نے سخت سزا دی، بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال کر اُونٹ پر سوار کرایا، اور اِس صورت سے قرطبہ کے بازاروں میں اُس کی تشہیر کی گئی، آگے آگے ایک منّاد تھا جو کہتا جاتا تھا "دیکھو عبداللہ ابن عبدالعزیز کو جو دشمنانِ اسلام سے مِل کر تارکِ اسلام ہوا تھا"۔ جب عبداللہ نے یہ الفاظ سُنے تو منّاد سے کہا "تو جھوٹا ہے، یہ کیوں نہیں کہتا کہ اُس آدمی کو دیکھو جسے خوف نے بھگا دیا تھا، اُس کو دعوئے خلافت ضرور تھا، مگر وہ نہ مشرک تھا نہ مرتد"۔

---

[۵۱] لیون سے جنوب مشرق میں تھوڑے فاصلے سے یہ ایک عیسائی ریاست تھی۔ مترجم

(۵۱۰) بہرکیف عبداللہ اموی مضبوط دل کا آدمی نہ تھا، اُس کو معلوم نہ تھا کہ ایک باغی میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہمت اور حوصلہ ہوتا ہے، وہ جس زمانہ میں محبس میں پڑا روزِ موت کا منتظر تھا، تو اپنے خاندان کی ہمت و مردانگی کے خلاف اُس سے بزدلی ظاہر ہوئی، اُس کے ساتھی عبداللہ بن منصور عامری نے جس پامردی اور استقلال سے جان دی تھی، وہ بات اِس عبداللہ میں مطلق نہ تھی، وہ منصور کی خدمت میں قصیدے لکھ کر بھیجتا تھا، اور اُن میں لکھتا تھا کہ دُوسروں کے بہکانے سے وہ فرار ہوگیا تھا، وہ خوشامد کر کے منصور کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ ایک دفعہ منصور کو اشرف بنی نوعِ انسان کہکر لکھا کہ "کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی بدنصیب نے آپ سے رحم کی درخواست کی ہو اور وہ منظور نہ ہوئی ہو، آپ کی فیاضی اور رحم دلی آسمان سے بارانِ رحمت کی طرح برستی ہے۔"

باوجود اِس خوشامد کے منصور کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا، عبداللہ اموی کو قید خانے میں ڈال دیا، جان اُس کی اِس لیے سلامت رکھی کہ منصور اُسے ایک حقیر اور ذلیل آدمی سمجھتے تھے۔

عبداللہ قید خانے میں مُدّت تک رہا، اور جب تک حاجب المنصور کا انتقال نہ ہوگیا قید سے رہائی نہ ہوئی۔

اسناد:۔

ابن خلدون (نصرانی ملوک الاندلس کے حالات) ترجمہ مندرجہ ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" (۱۸۸۱ء) جلد ۱ ص ۸۹ تا ۱۱۶

و تاریخ بربر جلد ۳ ص ۲۱۹، ۲۲۷

ساملیرو C - ۲۹

کرونیکون ایرنسی C - ۱۲

ابن الابار ص ۱۱۳ تا ۱۱۹، ۱۵۴، ۲۵۱ تا ۲۵۳

ابن الخطیب (قلمی نسخہ G) ص ۱۸۰ تا ۱۸۱

ابن عذاری۔ ج ۱ ص ۲۴۸ ج ۲ ص ۳۰۱

قرطاس ص ۵۸ تا ۵۹

مقری ج ۱ ص ۳۵۹ تا ۳۶۰ ، ۳۸۹

ج ۲ ص ۵۷

عبدالواحد ص ۲۴ تا ۲۵

ابوالفدا جلد ۲ ص ۵۳۴

کرونیکون برگنسی۔ ص ۳۰۹

انالیس کومپلوٹن سیس۔ اسپیناسگرادا۔ ص ۳۱۲۔ ایضاً ص ۳۲۰

انالیس تولیڈومینس۔ جلد ۱ ص ۳۸۴

اسپیناسگرادا۔ جلد ۱۹ ص ۳۸۲

جلد ۳۶ ص ۴

کتاب ثالث (خلافت) (۵۱۱)

گیارھویں فصل

شذت یاقب (دی کومپوسٹیلا)

حاجب المنصور کو اسپین پر عملاً فرمانروائی کرتے ہوئے اب بیس برس گذر لیے تھے، گو بادشاہی کرنے کا حق انہیں حاصل نہ تھا، مگر شروع ہی سے اس حق کو حاصل کرکے واقعی بادشاہ بن کر حکومت کرنا اُن کا مقصودِ اصلی تھا، وہ لوگ حقیقت میں بے بصیرت تھے جو یہ نہ دیکھ سکتے تھے کہ کس طرح آہستہ آہستہ نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ ایک ایک قدم جماتے ہوئے ایسے تثبت و اصرار کے ساتھ جس کے سمجھنے میں غلطی کا احتمال نہ تھا، وہ اِس راہ میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

سنہ ۹۹۱ء (۳۸۱ ھ) میں حاجب کا لقب خود ترک کرکے اپنے بیٹے عبد الملک کو عطا کیا، جس کی عمر اُس وقت پورے اٹھارہ برس کی بھی نہ تھی، اور اپنی نسبت اعلان کیا کہ اُن کو صرف المنصور کے لقب سے یاد کیا جائے۔

~~۹۹۲ء~~ ~~۳۸۲ھ~~ میں حکم دیا کہ دفترِ وزارت سے جس قدر کاغذات اجرا ہوں، اُن پر خلیفہ ہشام المؤید کی مہر ثبت ہونے کی جگہ خاص اُن کی مہر لگائی جائے، اور خود بھی المؤید کا لقب جو دراصل خلیفہ ہشام کا لقب تھا اختیار کر لیا۔

~~۹۹۶ء~~ ~~۳۸۶ھ~~ میں فرمان جاری کیا کہ "سَیِّدُ" کا لفظ صرف اُنہی کے لیے استعمال کیا جائے، اِس کے ساتھ "مَلِکِ کَرِیْم" کا لقب بھی خود اختیار کیا۔

پس دراصل المنصور مُلک کے بادشاہ ہو گئے، گو خلیفہ ابھی تک نہ ہو سکے تھے، خلیفہ بننے میں اگر کوئی امر مانع تھا تو وہ خلیفہ ہشام کے باعث سے نہ تھا، ہشام ایسی چیز نہ رہے تھے جن سے خوف کیا جاتا، اگرچہ ہشام پورے جوان ہو گئے تھے مگر اُن کی جانب سے کسی قسم کی جنبش یا کوشش اِس بات کی مطلق ظہور میں نہ آئی تھی کہ وہ منصور کے اختیارات کا بارِ گراں اپنی گردن سے دُور کرنا چاہتے ہیں، ہشام سے قطع نظر کر کے مروانی شہزادوں میں بھی کوئی اتنا نہ تھا کہ دم مار سکتا، اُن میں جو لوگ زبردست اور صاحبِ اقتدار تھے، اُن کو منصور پہلے ہی قتل یا جلاوطن کر چکے تھے۔ جو باقی تھے اُن کو مفلس اور تنگدست کر دیا تھا، فوج کی طرف سے بھی المنصور کو اندیشہ نہ تھا کہ حصولِ مقصد میں وہ کوئی شورشہ اُٹھائے گی، کیونکہ فوج میں زیادہ تر بربر یا شمالی اسپین کے عیسائی تھے، یا صقالبہ اور ایسے عیسائی تھے جو بچپن میں لڑائیوں میں قید ہو کر آئے تھے، اور جوان ہونے پر فوج میں بھرتی کر لیے گئے تھے، غرض فوجوں میں ہر قسم کے لوگ تھے، اور کُل فوجیں درحقیقت المنصور ہی کی ساختہ پرداختہ، اور آنکھیں بند کر کے اُن کے حکم پر چلنے والی تھیں۔ پھر وہ کون تھا جس سے المنصور ڈرتے؟

منصور جس چیز سے ڈرتے تھے وہ قوم تھی، ہشام المؤید اپنی ہی قوم میں اجنبی ہو گئے تھے، خاص دار الخلافہ قرطبہ میں بھی کم لوگ ایسے تھے جنھوں نے کبھی اُن کی صورت دیکھی ہو، اگر کبھی اتفاق سے اپنے سونے چاندی کے قید خانے سے نکل کر مضافاتِ (۵۱۲) شہر کے کسی قصر میں وارد ہوئے تو حرم سرا کی عورتوں کا ایک غول اُن کے ساتھ ہوتا تھا، اِنہی خواصوں کی طرح وہ بھی نیچا سا لباس پہنے ہوتے تھے، اور اِس کا تمیز کرنا مشکل تھا کہ

عورتوں میں ایک مرد بھی موجود ہے، قصرِ زہرار سے برآمد ہوکر جن بازاروں میں سے سواری گذرتی تھی وہاں منصور کے خاص حکم سے دو طرفہ فوج کھڑی کردی جاتی تھی۔
مگر باوجود اس کم آمیزی اور تنہائی کے ہشام کی رعایا اُن سے محبت کرتی تھی، کیا وہ عادل و نیک بخت خلیفہ الحکم کے فرزند اور مشہور آفاق النّاصر کے پوتے نہ تھے؟ کیا وہ صحیح النسب داور حق دار اپنی سلطنت کے نہ تھے؟
شرافتِ نسب ایسی عزت تھی جس کی قدر ہر کہ ومہ کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی، اُمرا سے لیکر عوام تک کو اُس کا پاس و لحاظ تھا، اُمرا میں زیادہ تر لوگ عربی النسل تھے، اُن کے خیال میں بادشاہی کا ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہونا کبھی مفید بلکہ ضروری بھی ہوسکتا تھا، لیکن عوام میں جو اسپینی نسل کے تھے ایسا کوئی خیال نہ تھا، مذہبی خیالات اور خاندانِ خلافت کے ساتھ موانست اُن کے دلوں میں نقش تھی، منصور نے سلطنت کو وہ شان وعظمت بخشی تھی جو پہلے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آسکتی تھی مگر اس پر بھی رعایا منصور کے اس قصور کو معاف نہ کرسکی کہ اُنھوں نے خلیفہ ہشام کو ہر اعتبار سے ایک قیدی بنا رکھا ہے۔ پس رعایا آمادہ تھی کہ اگر منصور نے تختِ خلافت حاصل کرنے کی ذرا بھی کوشش کی تو وہ فوراً بغاوت کردے گی۔
المنصور ان باتوں کو خوب سمجھے ہوئے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ وہ بادشاہ بننے میں تامل کرتے تھے، لیکن اُن کو اُمید تھی کہ رائے عامہ میں رفتہ رفتہ ایک انقلاب پیدا ہوجائیگا اور وہ توقع رکھتے تھے کہ آخر کار ہشام المؤید کو سب لوگ بھول جائیں گے، پھر رعایا کے خیالات سوائے اُن کے دوسری طرف مرکوز نہ ہوں گے، اور اس صورت میں بادشاہی دوسرے کی طرف منتقل ہوجانے سے کوئی ہنگامہ برپا نہ ہوگا۔
پس منصور اعظم کے لیے یہی بہتر تھا کہ اپنے سر پر تاجِ خلافت رکھنے کو وہ معرض التوار میں رکھتے، وہ اس بات کو بہت جلد سمجھ گئے کہ جس قدر قوت اور وزن اُن کو حاصل ہے، وہ ایک کچے دھاگے میں بندھا ہوا معلّق ہے، باوجود فتوحات کی شان وشہرت اور اپنی ناموری کے بالکل قریب تھا کہ ایک کمزور عورت اُن کے تنزل کا باعث ہوجاتی

وہ خاتون کون تھی؟ وہ سلطانہ صبح تھیں، ایک زمانہ تھا کہ وہ منصور سے بہت محبت رکھتی تھیں، لیکن اب پرانی موانست کے خیالات دونوں کے دلوں سے محو ہوچکے تھے، باہم کشیدگی تھی، اور جیسا کہ قاعدہ ہے دلوں میں فرق آنے پر بے تعلقی ہی نہیں بلکہ دشمنی پیدا ہوگئی تھی، سیّدہ صبح ایسی عورت نہ تھیں کہ جو کام شروع کرتیں اُسے اُدھورا چھوڑ دیتیں جب محبت تھی تو پُوری محبت تھی، جب غصہ آیا تو اب وہ کم ہونا نہ جانتا تھا، غرض وہ منصور کی تباہی کے درپے ہوگئیں، اور اسی غرض سے اُنھوں نے حرم سرائے خلافت میں جہاں ہر طرح کا امن داماں رہتا تھا ایک ہیجان پیدا کردیا، اپنے فرزند کو نصیحت کی اور سمجھایا کہ "غیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ مرد بن کر کوشش کرو، اور ایک ظالم وزیر نے جو قیدیں تم پر لگائی ہیں اُن کو دُور کرو۔"

(۵۱۲) ملکۂ صبح کا یہ ایک کرشمہ سمجھنا چاہیئے کہ اُنھوں نے کمزور سے کمزور انسان میں بھی ارادے کی قوت پیدا کردی، گو کیسی ہی خفیف سہی، ہشام نے اب منصور سے سرد مہری کا برتاؤ شروع کیا، پھر زیادہ جرأت کرکے ایک آدھ مرتبہ حاجب کو کسی بات پر ملامت بھی کی، اِس اُٹھتے طوفان کو روکنے کے لیے منصور نے بعض لوگوں کو جو خطرناک معلوم ہوئے شاہی حرم سرا سے علیحدہ کردیا، لیکن سیّدہ صبح سے کیونکر نجات ملتی جو اِس سازش کی اصل بانی تھیں،

اِس حرکت پر کہ حرم سرا سے کچھ لوگ علیحدہ کردیے گئے دشمن کا غصّہ اور تیز ہوا۔ سلطانہ صبح بھی نبرہ کی رہنے والی قوم بشکنس کی عورت تھی، جس کام میں ہاتھ ڈالا، پھر اُس سے منہ پھیرنا نہ جانا، ارادے میں سختی فولاد کی مثل تھی، منصور جیسے سخت تھے ویسا ہی سخت دشمن اُن کو ملا،

ملکۂ صبح کے آوردوں نے ہر جگہ مشہور کرنا شروع کیا کہ خلیفہ ہشام نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اب وہ سلطنت کا کل کاروبار اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور بغیر کسی وزیر کے عمل دخل کے خود حکومت کریں گے، اور اُن کو اپنی رعایا پر پُورا بھروسا ہے کہ وہ اُن کو اِس حاجب سے جو حاجب کیا بلکہ اُن کا قید کرنے والا ہوگیا ہے جلد نجات دلوائے گی

سلطانہ صبح کے ایلچی آبنائے جبل طارق اتر کر مغرب اقصیٰ میں پہنچے، قرطبہ میں ہنگامے شروع ہونے کے ساتھ ساتھ مغرب اقصیٰ میں وہاں کے حاکم زیری بن عطیہ نے اس امر کا اعلان کر کے کہ حاجب منصور نے بہ اختیار خود خلیفہ ہشام کو جو بادشاہ جائز ہیں قید کر رکھا ہے علم بغاوت بلند کر دیا۔

زیری بن عطیہ ہی ایک ایسا شخص اس وقت زندہ بچا تھا جس سے منصور ڈرتے تھے، گو اب وہ اپنے دشمنوں کو ایسا حقیر اور ذلیل سمجھنے لگے تھے کہ اُن کا خوف اُن کو مطلق نہ رہا تھا، لیکن زیری بن عطیہ ایسا شخص تھا جس سے وہ ہمیشہ خائف چلے آئے تھے، اس نیم وحشی بربر سردار نے افریقہ کے صحرا نشینوں میں وہ زور اور نسل کا غرور پیدا کر رکھا تھا جو زیادہ تر زمانہ ماضی کے شایانِ حال ہو سکتا تھا، منصور کو یہ بات ناگوار تھی مگر زیری کی عقل و ذہانت کے قائل ہو چکے تھے، چند سال قبل زیری قرطبہ میں آیا تھا، اُس موقع پر منصور نے اُس کی بہت عزت کی تھی، وزیر کا خطاب اُسے دیا تھا، اور تمام مراتب و اکرام جو منصب وزارت سے متعلق تھے اُسے عطا کیے تھے، جس قدر لوگ اُسکے ساتھ آئے تھے اُن کے نام لشکر کے تنخواہ داروں کی فہرستوں میں درج کر دیئے، چلتے وقت سفر خرچ، اور جس قدر تحائف زیری لایا تھا اُن کی قیمت کے برابر روپیہ اُسے دیا، لیکن زیری پر ان عطایا کا کچھ اثر نہ ہوا، جس وقت قرطبہ سے رخصت ہو کر افریقہ پہنچا تو سر پر ہاتھ رکھ کر افریقہ کی زمین سے کہا "فی الحال تو میں ہی تیرا مالک ہوں" پھر جب اُس کے ایک ملازم نے اُسے وزیر کہکر خطاب کیا تو بولا "وزیر، وزیر، کیا بکتا ہے، وزیر کیا چیز ہے میں امیر ابن امیر ہوں، اس ابن ابی عامر خسیس نے بجائے درہم و دینار دینے کے خالی خولی ایک ذلیل سا خطاب دیدیا ہے، قسم ہے خدا کی، اگر اسپین میں احمقوں اور کم ہمتوں کے سوا کوئی دوسرا بھی بستا ہے تو جو منصور آج ہے وہ کل نہ رہیگا، خدا کا شکر ہے کہ میں پھر اپنی سرزمین پر آگیا، اور اب وہ مثل صادق آتی ہے کہ شیطان کا حال کسی کی زبان سے سُننا اُس کی صورت دیکھنے سے بہتر ہوتا ہے۔"

یہ جملے اگر کسی اور کے منہ سے نکلے ہوتے تو فوراً سر قلم کر دیا جاتا، منصور کے گوش گذار

(۵۱۴)

کیے گئے، مگر انہوں نے کچھ خیال نہ کیا، اور تھوڑے دنوں کے بعد زیری کو مغرب اقصیٰ کا حاکم مقرر کر دیا،

منصور اگرچہ زیری سے ڈرتے اور نفرت کرتے تھے مگر اُس کو سچا آدمی اور سلطنت کا خیر خواہ بھی ضرور سمجھتے تھے، لیکن واقعات نے اُن کا یہ خیال غلط ثابت کر دیا، زیری بظاہر صاف اور سیدھا آدمی تھا مگر در پردہ چالاک اور طامع تھا، سلطانہ صبح نے جب رشوت کا لالچ دیکر جو کام اُس سے لینا تھا اُس کا ذکر کیا تو بہت آسانی سے آمادہ ہو گیا، اور خلیفہ ہشام کی گردن سے منصور کا جُوا اُٹھا کر اپنا جُوا رکھنے کو تیار معلوم ہوا۔

سلطانہ صبح جانتی تھیں کہ جس رشوت کے دینے کا وعدہ کیا ہے اُس کا ایک حصّہ پیشگی ادا کرنا ہوگا، عورت کی تیز سمجھ ایک ترکیب ایسی نکالی کہ رشوت کے لیے روپیہ بہم بھی ہو جائے، اور افریقہ میں زیری کے پاس پہنچ بھی جائے، خزانے کی عمارت قصرِ خلافت کے احاطہ کے اندر تھی، اِس وقت خزانے میں ساٹھ لاکھ اشرفیاں موجود تھیں، اُن میں سے اسی ہزار اشرفیاں نکال کر سَو مٹکوں میں بھریں، پھر اِن مٹکوں میں سے کسی میں شہد، کسی میں مُفرّح مُرقیات، کسی میں مسالے وغیرہ بھر دیے، اور مٹکوں پر اُن چیزوں کے ناموں کے پرچے بھی لگا دیے، پھر چند صقلبی غلاموں کو بُلا کر مٹکے اُن کے حوالے کیے کہ شہر کے باہر جو جگہ ملکہ نے بتائی ہے وہاں اُن کو رکھدیں، یہ ترکیب پُوری چل گئی، عامل شہر کو مطلق شبہ نہ گذرا، اور غلاموں کو مع اُن کے بوجھ کے باہر جانے کی اجازت مِل گئی اشرفیاں جس وقت مغرب اقصیٰ روانہ ہولیں تو منصور کو کسی طرح خبر ہو گئی، منصور سخت متردد ہوئے، اگر اُن کو یہی معلوم ہوتا کہ سلطانہ صبح خلیفہ کے ذخائر پر بے پُوچھے گچھے ہاتھ صاف کر رہی ہیں تو اُن کو زیادہ پریشانی نہ ہوتی، مگر قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے خلیفہ کے ایما اور اجازت سے ہوا ہے، اگر یہ خیال صحیح تھا تو حقیقت میں منصور کے لیے یہ بہت نازک معاملہ تھا، چنانچہ اُنھوں نے اِس کا تدارک فوراً سوچا، اور ایک مجلس وزرار، اور عمال، اور فقہار کی منعقد کی، اُسمیں دیگر عمائد بھی جنکا تعلق عدالت یا شہر سے تھا شریک کئے گئے۔

جب مجلس جمع ہوگئی تو بیان کیا کہ "حرم سرا کی عورتیں خزانہ کا روپیہ سرقہ کرتی رہتی ہیں خلافت پناہی ہر وقت عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، اُن کو اتنی مہلت نہیں کہ لوگوں کو ایسی حرکتوں سے روکیں، اِس لیے اجازت ملنی چاہیئے کہ خزانہ کسی دوسری جگہ جو محفوظ مقام ہو منتقل کردیا جائے" ۔ مجلس نے اجازت دیدی مگر اِس اجازت کا کچھ نتیجہ نہ نکلا، جس وقت منصور کے بھیجے ہوئے آدمی خزانہ لینے کے لیے قصر کے دروازے پر آئے تو سلطانہ صبح نے اُن کو اندر آنے کی اجازت نہ دی، اور زبانی کہلا بھیجا کہ خلافت پناہی نے حکم دیدیا ہے کہ خزانے کے صندوقوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے ۔ (۵۱۵)

اب منصور عجیب مشکل میں ہوئے، زور یا زبردستی سے کام لینا گویا خلیفہ سے لڑنا ہوتا، اور اگر ایسا کیا بھی تو فوراً بغاوت ہوجانے کا خطرہ ہے، شہر کے لوگ پہلے ہی سے فساد پر آمادہ بیٹھے ہیں، اب ذرا سا اشارہ انہیں کافی ہوجائیگا، سوچنے لگے کہ موقع نہایت نازک اور اندیشے کا پیدا ہوگیا ہے، مگر جب تک زیری بن عطیہ لشکر لے کر اسپین میں آئے اور خلیفہ ہشام بھی اپنے ارادے میں مستقل رہیں تو اِس سے پہلے ہی اِس معاملہ کو دُرستی پر لانے سے کیوں ناامید ہوجائے، زیری ابھی تک افریقہ میں تھا، اور خلیفہ ہشام حالتِ تذبذب میں تھے، اِس لیے منصور کو نااُمید ہونے کی ضرورت نہ تھی، ہمت کرکے سلطانہ صبح کی لاعلمی میں خلیفہ ہشام سے ملاقات کی، ہشام کا دل کمزور، اِدھر منصور کے ارادے میں قوّت، چند منٹ کی گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ منصور کو پھر بادشاہی مل گئی، ہشام نے صاف صاف کہا کہ "بذاتِ خود میں حکومت کرنے سے قاصر ہوں اور خزانہ کہیں اور لے جانے کی تمہیں اجازت دیتا ہوں" مگر منصور نے اِس زبانی گفتگو کو کافی نہ سمجھا، بلکہ اپنے مخالفوں کو بے دست وپا کرنے کے لیے ایک تحریر بھی اِسی مضمون کی ہشام سے فوراً حاصل کرنی چاہی، ہشام نے اُن سے وعدہ کرلیا کہ جو کچھ تحریر وہ اُن کے پاس بھیجیں گے اُس پر دستخط کردیے جائیں گے، منصور نے ایک تحریر اِس مضمون کی خلیفہ کی خدمت میں فوراً دستخط کے لیے بھیجی کہ خلافت مآب نے سلطنت کا کُل انتظام منصور کے سپرد کردیا ہے، جیسا کہ اب تک طریقہ رہا ہے، اِس

تحریر پر دربار کے بہت سے امرار کے مواجہ میں ہشام نے اپنے دستخط کر دیے، اُمرا نے بھی اس وثیقے پر اپنی مہریں کر دیں (فروری یا مارچ ۹۹۷ء مطابق ماہ صفر ۳۸۷ھ) اس کے بعد منصور نے جہاں تک ممکن ہوا اس فرمانِ خلافت کا اعلان کیا۔

اب قرطبہ میں کسی ہنگامے کا خوف بالکل نہ رہا، سچ ہے اُس قیدی کو کون آزاد کرے جو آزاد ہونے سے ڈرتا ہو۔

منصور نے اب رعایا کا دل رکھنا چاہا، مدّت سے شہر کے لوگ غل مچا رہے تھے کہ خلیفہ کا دیدار عرصۂ دراز سے نصیب نہیں ہوا، منصور نے خلیفہ کی سواری شہر میں نکالنے کا بندوبست کیا، چنانچہ ایک روز ہشام المؤید ہاتھ میں عصائے سلطنت، سر پر ایک اُونچی کلاہ جو صرف خلفا پہن سکتے تھے، گھوڑے پر سوار، بڑے جلوس کے ساتھ شہر میں نکلے، منصور اور تمام اہلِ دربار ہم رکاب تھے، جہاں جہاں سے سواری نکلی ہزارہا مخلوق خلیفہ کی صورت دیکھنے کے لیے کھڑی تھی، کسی قسم کی بدنظمی کسی طرف سے پیدا نہ ہوئی، اور نہ بغاوت کی آواز کہیں سے سُنائی دی۔

سلطانہ صبح نے قسمت پر صبر کیا، خستہ و دل شکستہ دُنیا سے مایوس ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوئیں[۵]، اور گذشتہ کو فراموش کر کے نااُمیدیوں کی تلافی کی۔ منصور کا مزاحم (۵۱۶) اب سوائے زیری بن عطیہ کے اور کوئی نہ رہا، مگر وہ بھی زیادہ خطرناک نہ رہا تھا، کیونکہ ہشام کی طرف سے ہمت افزائی اور سلطانہ صبح سے روپیہ ملنے کی اب کوئی توقع اُسے نہ رہی تھی۔ منصور نے یہ خیال کر کے کہ اب زیری سے نامہ و پیام کی ضرورت نہیں رہی ہے فوراً زیری کے باغی ہونے کا اعلان کر دیا، اور اپنے مولیٰ واضح کو حکم دیا کہ فوج لے کر زیری کے مقابلے کے لیے مغرب اقصیٰ روانہ ہو جائے۔

یہ خیال گذر سکتا تھا کہ مغرب اقصیٰ میں لڑائی ختم ہونے سے پہلے منصور کہیں اور جنگ کا قصد نہ کریں گے، مگر منصور لڑائی سے کب رُکتے تھے، عیسائی ریاست لیون کے

---

[۵] دیکھو آخری اشعار ابن دراج قسطلی کے مرثیہ کے جو اس شاعر نے ملکہ صبح کی موت پر لکھا۔ ثعلبی یتیمہ (قلمی نسخہ بوڈلین)

والیانِ اضلاع کو شریک کر کے برمند کے مقابلہ میں ایک مہم کی تیاریاں پہلے ہی سے شروع کردی تھیں، برمند نے یہ سمجھ کر کہ زیری سے جنگ ہوگئی ہے منصور کو اب میری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہ ہوگی سالانہ خراج بھیجنے سے انکار کردیا، گو حالات بہت کچھ بدل چکے تھے، لیکن منصور اعظم اپنے ارادہ میں ثابت قدم رہے، تاکہ زیری اور برمند اور اُن کے اور مخالفوں پر جو اِس وقت دشمن تھے یا آئندہ دشمن ہونے والے تھے واضح ہوجائے کہ منصور ایک ہی وقت میں دو لڑائیاں اچھی طرح لڑ سکتے ہیں، بہرکیف منصور نے اپنی قوت کا اندازہ غلط نہیں کیا تھا، کیونکہ عیسائیوں سے جو لڑائی اب وہ لڑنے والے تھے اُسے منصوری فتوحات میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ یہ لڑائی تاریخ میں حرب شنت یاقب کے نام سے مشہور ہے۔

شنت یاقب حواری کا مزار صوبہ جلیقیہ میں کمپوستیلا کے شہر میں تھا، رومۃ الکبریٰ سے قطع نظر کرکے یورپ میں کوئی شہر کمپوستیلا کے برابر عیسائیوں میں مقدس نہ مانا جاتا تھا، لیکن اُس کی شہرت بہت قدیم نہ تھی، قصہ یوں مشہور تھا کہ بادشاہ فرانس قرلہ (شارلیمن) کے زمانہ میں جلیقیہ کے شہر ایرا کے اُسقف سے جس کا نام تھیودومیر تھا لوگوں نے کہا کہ ہم نے رات کے وقت ایک جھاڑی سے عجیب وغریب روشنی پیدا ہوتے دیکھی ہے، اور وہاں سے گانے کی آوازیں بھی آرہی تھیں، یہ خیال کرکے کہ عنقریب کوئی معجزہ ہونے والا ہے پادری نے اُس کے ظہور کے لیے تین دن اور تین راتیں روزے رکھ کر خدا کی جناب میں دُعا کی، اِس کے بعد وہ اُس جھاڑی میں گیا تو وہاں سنگِ مرمر کی ایک قبر دیکھی، پادری نے فوراً الہام کے ذریعہ سے مطلع ہو کر اعلان کیا کہ یہ قبر یعقوب ابن زبدی حواری مسیح علیہ السلام کی ہے جس کی نسبت مُدّت سے روایت چلی آتی ہے کہ اسپین میں انجیل کی تعلیم سب سے پہلے انہی بزرگ نے دی تھی۔ پادری نے ازرُوئے الہام یہ بھی بیان کیا کہ جب ہیرودوس کے حُکم سے یروشلم میں یعقوب قتل کیا گیا تو اُس کے تلامذہ اُس کی لاش کو جلیقیہ میں اُٹھا لائے اور یہیں اُسے دفن کردیا۔

اگر کوئی اور زمانہ ہوتا تو اِن باتوں پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں ہوتیں، لیکن وہ زمانہ اعتقاد بلا دلیل کا تھا، کسی کی مجال نہ تھی کہ کلیسہ کا کوئی بزرگ جب کوئی خبر دے تو اُس میں شک اور شبہ کر سکے، اور اگر اِس قضیے میں کسی کو شبہ گذرا بھی تو وہ پاپائے رومہ لیوسوم کے اِس مقدس فرمان سے رفع ہو گیا کہ قبر جو جھاڑی سے برآمد ہوئی ہے فی الواقع یعقوب شہید کی ہے۔

(۵۱۷) غرض اُسقف تھیو دومیر نے جو خبر دی تھی وہ الہام سمجھی گئی اور جلیقیہ کے لوگوں کو اِس بات پر فخر ہوا کہ ایک حواری مسیحؑ کی ہڈیاں اُن کی زمین میں دفن ہیں، بادشاہ لیون ادفونش نے ایرا کے اسقف کو حکم دیا کہ جہاں قبر دریافت ہوئی ہے وہیں سکونت اختیار کرے، چنانچہ اُسقف وہیں آباد ہو گیا، اور قبر پر اُس نے ایک گرجا تعمیر کرایا، اسکے بعد ادفونش نے اسی قبر پر ایک وسیع اور عالیشان بہت خوبصورت عمارت تیار کرائی، چونکہ اِس عمارت کے اندر عجیب وغریب کرشمے اور کرامات ظاہر ہوتے رہتے تھے، اِس وجہ سے اِس مقام کو بڑی شہرت ہوگئی، اور دسویں صدی عیسوی (چوتھی صدی ہجری) کے اخیر میں "کمپوستیلا والے یعقوب شہید" کا مزار فرانس۔ اٹلی اور جرمنی کے لوگوں کی زیارتگاہ بن گیا، بلکہ مشرق کے ملکوں سے بھی دُور دُور کے زائر یہاں آنے لگے۔

اسپین اسلامیہ میں مسلمانوں نے شہر کمپوستیلا اور اُس کے بڑے گرجا کا حال سنا تھا، اور بقول ایک عرب مورخ کے یہ مقام عیسائیوں کی نظر میں وہی رتبہ رکھتا تھا جیسے مسلمانوں کی نظر میں مکہ معظمہ، لیکن مسلمانوں کو اِس مقام کے تقدس کا حال دوسروں ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا، اُسے جا کر کسی نے نہ دیکھا تھا، کیونکہ مسلمانوں کو وہاں جانے میں یہ خدشہ تھا کہ کہیں عیسائی اُنہیں قید نہ کرلیں، کسی عرب سپہ سالار کو بھی فوج لے کر ایسے دشوار گذار اور دُور مقام کو فتح کرنے کا خیال نہ آیا تھا۔

لیکن جس چیز کا کسی نے قصد تک نہ کیا تھا منصور نے اُسے کر دکھایا، منصور کو یہ بتانا منظور تھا کہ جو کام دوسروں کے لیے ناممکن ہے وہ اُس کے لیے کوئی بڑی بات نہیں، چنانچہ اب یہ ارادہ کیا کہ دشمنانِ اسلام کے ایسے مقام کو منہدم کرنا چاہیئے جسے

وہ سب سے زیادہ مقدس خیال کرتے ہیں، یعنی اُس حواریِ مسیح کی یادگار کو مٹانا چاہیئے جو عیسائیوں کے عقیدے میں غائبانہ طور پر اُن کا ساتھ دیکر لڑائیوں میں لڑا کرتا ہے۔

٣ر جولائی ۹۹۷ء (۲۳ر جمادی الآخر ۳۸۷ھ) ہفتے کے روز منصور سواروں کی ایک فوج لیکر قرطبہ سے روانہ ہوئے، قوریہ کے راستے سے بازو کے شہر میں (جو پرتگال میں ہے) پہنچے، یہاں بہت سے قومس (عیسائی رئیس) جنہوں نے منصور کی اطاعت قبول کر رکھی تھی ساتھ ہولیے، بازو سے منصور کی فوج سوارہ شہر برتقال کے سامنے آئی، شہر برتقال دریائے دویرہ کے دوسری طرف واقع تھا، دریا کے کنارے ایک بڑا جہازوں کا تیار ملا، یہ بیڑہ پیدل فوج اور سامانِ رسد لیے ہوئے قصر ابی دانس (واقع پرتگال) سے جو ساحل پر واقع تھا، دریائے دویرہ میں داخل ہونے کے لیے پہلے سے روانہ کر دیا گیا تھا، تاکہ خشکی میں پیدل فوج کو زیادہ مسافت طے نہ کرنی پڑے،

سمندر طے کرنے کے بعد یہ بیڑہ دریائے دویرہ کے طول میں اس طرح داخل ہوا کہ ایک جہاز کے پیچھے دوسرا جہاز تھا، شہر برتقال کے سامنے پہنچ کر جہازوں کو دریا کے عرض میں اس طرح لنگر انداز کیا کہ جہازوں سے دریا پر ایک پُل بندھ گیا، اور اس جہازوں کے پُل سے سواروں کے رسالے جو منصور کے ساتھ تھے شہر برتقال کی جانب اُتر گئے، اب دریائے دویرہ اور دریائے مینہ کے بیچ میں ایک وسیع زمین پڑتی تھی اُس زمین پر عیسائی سردار حکومت کرتے تھے، یہ سب سردار مسلمانوں کے دوست اور مطیع تھے، اس قطعۂ زمین کو طے کرنے میں سوائے چند مقامات کے جو دشوار گذار تھے اور کہیں اسلامی لشکر کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی، دشوار مقامات سے گذرنے میں سب سے زیادہ مشکل ایک بلند پہاڑی سلسلے کے حائل ہو جانے سے ہوئی، لیکن منصور (۵۱۸) کی سفر مینا پلٹن نے ایک سڑک اس پہاڑی سلسلے میں سے گذرنے کے لیے بہت جلد تیار کر دی۔

دریائے مینہ کو عبور کر کے سوار اور پیدل فوجیں دشمن کے ملک میں پہنچ گئیں، یہاں منصور کو بے انتہا احتیاط اور نگرانی کی ضرورت ہوئی، کیونکہ لیون کی عیسائی فوج جو

اِس مہم میں مسلمانوں کے ساتھ تھی اُس کے تیور بدلے ہوئے نظر آتے تھے، اِن عیسائیوں کو پہلے تو کچھ خیال نہ آیا تھا، لیکن بعد کو مسلمانوں کا ساتھ دیکر عیسائیوں سے لڑنا اُن کو اپنے مذہب کی سخت توہین معلوم ہوئی۔

غرض اِن فوجی عیسائیوں نے دشمن سے جو اُن کا ہم مذہب تھا سازش کرنی چاہی اور سازش بھی ایسی کہ اگر اُس کا پتہ نہ چل جاتا تو یہ اسلامی مہم قطعی غارت ہوجاتی۔ منصور نے عین وقت پر عیسائیوں کے منصوبوں کو معلوم کرکے اُن کی سازش کو بے اثر کردیا۔

مورخوں نے یہ قصہ جس طرح لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے :-

"ایک رات بہت سردی تھی، بارش ہورہی تھی کہ منصور نے اپنے ایک معتبر سوار کو طلب کرکے حکم دیا کہ جلد درۂ طلیارش کو چلا جائے اور اُس درے پر پہرا دے، اور جو پہلا آدمی درے میں سے گذرے اُسے ہمارے سامنے حاضر کرے، سوار فوراً روانہ ہوا، اور درۂ طلیارش پر پہنچ کر پہرا دینے لگا، تمام رات برف اور مینہ میں کھڑے گذر گئی مگر کوئی راہ گیر اُدھر سے نہ گذرا، جب صبح ہونے کو ہوئی تو دیکھا کہ لشکر گاہ کی طرف سے ایک بڈھا آدمی گدھے پر سوار درے کی سمت آرہا ہے، صورت سے لکڑہارا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ لکڑیاں کاٹنے کا اوزار اُس کے پاس ہے، سوار نے اُسے ٹوکا اور پوچھا کہ "کہاں جاتے ہو؟" بڈھے نے جواب دیا "جنگل میں لکڑیاں کاٹنے جاتا ہوں"۔ اب یہ سوار دل میں کہنے لگا کہ "اِس بڈھے کو منصور نے کیا طلب کیا ہوگا، ایسے ضعیف اور محتاج سے اُسے کیا کام ہوسکتا ہے؟" پس سوار نے اُس بڈھے لکڑہارے کو درے سے گذرنے دیا، لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ منصور کا حکم بالکل صاف تھا، اگر نافرمانی کی تو سزا کا خوف ہے، فوراً گھوڑا دوڑا کر لکڑہارے کو جالیا، اور کہا کہ "میں تم کو اپنے مالک منصور کے پاس لے چلونگا"۔ بڈھے نے کہا کہ "مجھ غریب سے منصور کو کیا کام ہوسکتا ہے؟

---

۵۱ یہ درہ دریائے مینہ کے قریب تھا، عیسائی بادشاہ برمودو ثانی کے ایک فرمان میں یہ نام اور اُس کا موقع بیان ہوا ہے (اسپینا سگرادا۔ جلد ۱۹ ص ۳۸۱)

مہربانی کرو، مجھے اپنے رستے جانے دو، ورنہ میری روزی میں خلل پڑیگا" سوار نے کہا "نہیں تم کو میرے ساتھ چلنا ہوگا" بڈھا مجبوراً ساتھ ہولیا، اور دونوں لشکرگاہ میں آئے۔

منصور رات بھر نہ سوئے تھے، بڈھے لکڑہارے کو دیکھ کر انہیں کچھ تعجب نہ ہوا اور انہوں نے فوراً صقلبی غلاموں کو حکم دیا کہ اِس بڈھے کی تلاشی لیں، حکم کی تعمیل ہوئی مگر تلاشی میں کچھ برآمد نہ ہوا، منصور نے اشارہ کیا کہ گدھے کی پالان کو دیکھا جائے، اب جو دیکھا تو منصور کا شُبہ واقعی دُرست نکلا، پالان میں سے ایک خط نکلا جو لیون (۵۱۹) کے چند عیسائیوں نے جو اسلامی لشکر کے ساتھ تھے دشمن کو جو اُن کے ہم مذہب تھے اِس مضمون کا لکھا تھا کہ "اسلامی لشکرگاہ کا ایک رُخ ایسا ہے جس کی پُوری حفاظت نہیں کی گئی ہے، اس پر دشمن کامیابی کے ساتھ حملہ کرسکتا ہے۔" اِس خط سے منصور کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کِس کِس نے یہ سازش کی تھی، چنانچہ باغی عیسائیوں کو مع اُس بڈھے کے جو لکڑہارے کے بھیس میں قاصد بنا تھا معاً قتل کردادیا۔

منصور کی یہ تدبیر بہت مؤثر ثابت ہوئی، اور پھر کسی عیسائی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس مہم کے دَوران میں دشمن سے جا ملتا۔

اب مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھا، اور بہت جلد وسیع اور ہموار میدانوں میں (جن میں سے ایک کا نام بلنبو لکھا ہے) سیلاب کی مثل پھیل گیا، موجودہ شہر بیونہ اور توئی کے درمیان دَیرِ قُسطان یا قُسمان اور دَیرِ دامیان[۵۱] کو لُوٹ لیا، اور قلعہ شنت بلایہ کا محاصرہ کرکے اُسے فتح کرلیا، قریب ہی خلیج ویگو میں دو چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے، اُن میں جو جزیرہ بڑا تھا اُس میں نواح شنت بلایہ کے رہنے والے جان بچانے کے لیے بھاگ آئے تھے، اِس جزیرے میں پہنچنے کے لیے ساحل پر ایک جگہ ایسی مل گئی جہاں

---

۵۱ دَیرِ دامیان کا موقع اُن پہاڑوں میں تھا جو بیونہ اور توئی کے درمیان واقع تھے، دَیرِ دامیان کو بعد میں دیرِسان کلما دو کہنے لگے۔ دیکھو "توئی کے قدیم آثار" مصنفہ سندووال۔ ص ۱۲۰

سے سمندر پایاب تھا، یہاں سے مسلمان اس جزیرے میں پہنچ گئے؛ اور جو لوگ وہاں بھاگ کر آئے تھے اُن کا مال و اسباب لُوٹ لیا، اِس کے بعد لشکر نے دریائے بلہ یا ایلہ کو عبور کیا، اور آگے بڑھ کر ایریا کے شہر کو (جس کا نام آجکل الپدرون ہے) مسمار کر دیا، یہ مقام بھی عیسائیوں کی پرانی زیارتگاہ تھا، اور اسی شہر کے اسقف تھیودومیر نے یعقوب ابن زبدی کی قبر دریافت کی تھی۔

غرض ۱۱ اگست ۹۹۷ء (چہارشنبہ ۳ شعبان ۳۸۷ھ) کو اسلامی فوجیں کمپوستیلا (شنت یاقب) میں پہنچ گئیں، وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی خبر سُنتے ہی شہر والے گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں، صرف ایک راہب یعقوب حواری کے مزار پر مراقبے میں بیٹھا ہے، منصور نے راہب سے پُوچھا کہ "تم یہاں کیا کرتے ہو؟" راہب نے جواب دیا کہ "اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں" منصور نے کہا "اچھا عبادت کیے جاؤ"۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس راہب کو کوئی نہ ستائے۔

منصور نے یعقوب حواری کے مزار کی حفاظت کے لیے، اور اس خیال سے کہ کوئی اُس کی بے ادبی نہ کرے فوج مقرر کردی، لیکن باقی شہر کو منہدم کرنے کا حکم صادر کیا، چنانچہ شہر پناہ، بڑا گرجا، اور مکانات گرا دیے گئے، ابن حیان نے لکھا ہے کہ شہر کی عمارتیں بہت مضبوط تھیں، لیکن وہ اس طرح مسمار کی گئیں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ یہاں کبھی پہلے کوئی شہر تھا، اِس کے بعد سواروں کے دستوں نے قرب وجوار کی زمینوں کو لُوٹا، اور آگے بڑھ کر شنت مانکش تک پہنچ گئے، جو شہر کرونہ کے قریب ایک مقام تھا

کمپوستیلا میں ایک ہفتہ قیام کے بعد منصور نے لشکر کو لمیقیہ[۱] کے شہر کی طرف واپسی کا حکم دیا، لمیقیہ پہنچکر عیسائی فوجوں کے سرداروں کو جو اس مہم میں شریک ہوئے تھے بہت سا انعام دیا، جن میں بہت سے قیمتی کپڑے بھی تھے، پھر اُن کو رخصت کیا، اور لمیقیہ ہی سے اس مہم کی پوری کیفیت لکھ کر دربارِ قرطبہ کو روانہ کی، عرب مورخوں نے　(۵۲۰)

[۱] ابن عذاری نے یہ نام ملیقو لکھا ہے (کتابت کی غلطی سے م۔ ل سے پہلے آگیا ہے)

اِس تحریر کا مطلب ہی نہیں بلکہ اُس کے الفاظ تک اپنی تصانیف میں محفوظ رکھے ہیں۔

آخر کار منصور بہت سے عیسائی قیدی ساتھ لیے قرطبہ میں داخل ہوئے، اِن قیدیوں کو شنت یاقب والے گرجا کے کواڑ اور گھنٹے اپنے کندھوں پر لانے پڑے، گرجا کے کواڑ تو مسجد کے بالاخانے پر جس کی تعمیر ابھی تک ناتمام تھی لگائے گئے[۵۱]، اور گھنٹے اسی مسجد میں اِس طرح آویزاں کیے گئے کہ اُن سے گھنٹوں کی بجائے چراغوں کا کام لیا جائے اُس وقت کس کو خبر تھی کہ آئندہ زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ یہی چیزیں مسلمان قیدیوں کے سروں پر رکھ کر قرطبہ سے شنت یاقب پہنچائی جائیں گی۔

مغرب اقصٰی میں منصور کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی، اِس میں شبہ نہیں کہ شروع میں چند فتوحات واضح کو حاصل ہوئیں، ارزیلہ اور نکور پر اُس نے قبضہ کیا، زیری بن عطیہ کو بہت نقصان پہنچایا، لیکن اِس کے بعد قسمت نے زیادہ ساتھ نہ دیا، اور واضح کو ایک موقع پر شکست کھانی پڑی، مجبور ہو کر طنجہ میں پناہ لی، طنجہ سے واضح نے ایک مراسلہ منصور کی خدمت میں اِس غرض سے روانہ کیا کہ فوجِ کمک فوراً روانہ کی جائے، فوج کے آنے میں دیر نہ لگی، واضح کا خط پہنچتے ہی منصور نے ایک فوج قرطبہ سے جزیرۃ الخضرار کو روانہ کر دی، اور اِس خیال سے کہ جزیرۃ الخضرار سے مغرب اقصٰی کی روانگی میں فوجوں کو جہازوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچنے میں دیر نہ ہو، منصور خود جزیرۃ الخضرار تک فوج کے ساتھ آئے۔

اس فوج نے جو منصور کے فرزند عبد الملک المظفر کی سرکردگی میں تھی آبنائے جبل طارق کو عبور کیا اور سبتہ میں جا اُتری، اِس خبر نے کہ اسپین سے فوج آرہی ہے مغرب اقصٰی میں

---

۵۱ دیکھو کتاب "تحقیقات" (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) جلد ۱ ص ۱۰۱ (اسپین کی تاریخ میں اِن دروازوں کا قصہ بھی ایسا ہی ہے جیسے ہندوستان کی تاریخ میں سومناتھ کے مندر کے کواڑوں کا تھا کہ محمود غزنوی اُنہیں اُکھیڑ کر غزنی لے گیا، اور وہاں سے لارنس صدیوں کے بعد اُسے پھر ہندوستان لایا ایک قصہ تو جھوٹا ثابت ہو چکا ہے، یہ دوسرا بھی جھوٹا ثابت ہو جائیگا) (مترجم)

اچھا اثر پیدا کیا، بہت سے بربر سردار جو ابتک زیری کا ساتھ دے رہے تھے اُس سے علیحدہ ہوکر عبدالملک المظفر کے علَم کے نیچے آگئے، عبدالملک مع فوج کمک کے واضح کے لشکر سے آملا، زیری کی فوجیں مقابلہ کے لیے آگے بڑھ رہی تھیں، عبدالملک جلد اُن سے لڑنے کے لیے میدان میں اُتر آیا، اور اکتوبر ۹۹۸ء (شوال ۳۸۸ھ) کو ایک مقام پر فریقین میں جم کر سخت لڑائی ہوئی، اور صبح سے شام تک جاری رہی، قریب تھا کہ عبدالملک کی سپاہ شکست کھاجائے، لیکن ایک اَسودِی نے جس کے بھائی کو زیری نے قتل کرادیا تھا زیری کو زخمی کیا، تین گہرے زخم پہنچاکر یہ اسودی گھوڑا دوڑاتا ہوا عبدالملک کے پاس اِس واقعے کی خبر سنانے آیا، عبدالملک نے پہلے تو اُس کی بات کا یقین نہ کیا کیونکہ زیری کا علَم ابھی تک بلند تھا، لیکن جب زیری کے زخمی ہونے کا یقین ہوگیا تو عبدالملک نے دشمن پر ایلغار کرکے اُسے قطعی شکست دیدی

(۵۲۱) اِس جنگ نے زیری بن عطیہ کی قوّت کا خاتمہ کردیا، جن علاقوں پر وہ مُسلّط ہوگیا تھا وہ پھر خلافتِ قرطبہ کے عمل میں آگئے، اور اس واقعہ کے تین برس بعد یعنی ۱۰۰۱ء (۳۹۲ھ) میں زیری بن عطیہ پُرانے زخموں کے پھوٹ جانے سے فوت ہوگیا۔

اسناد:-

ابنِ عذاری۔ جلد ۱ ص ۲۶۲

جلد ۲ ص ۳۱۵ تا ۳۱۸

قرطاس ص ۶۵ تا ۶۷، ۷۳

مقری جلد ۱ ص ۳۸۹، ۳۹۲

جلد ۲ ص ۶۴، ۱۴۶، ۳۱۸ تا ۳۱۹

نویری ص ۴۷۱

ابنِ خلدون (تاریخ بربر) جلد ۲ ص ۴۱

جلد ۳ ص ۲۴۳، ۲۴۸

(۵۲۲)

کتاب ثالث (خلافت)

بارھویں فصل

المنصور کی وفات

منصور کی زندگی اب خاتمے کے قریب آن لگی ہے، ۱۰۰۲ء (۳۹۳ھ) کی ربیع میں منصور شمال کے عیسائیوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے، وہ ہمیشہ دعا مانگا کرتے تھے کہ میدانِ جنگ میں میرا دم نکلے، اور اُنہیں اِس دعا کے قبول ہونیکا اس قدر یقین تھا کہ جب کبھی لڑائی پر جاتے تو سامان میں کفن بھی ضرور رکھ لیتے، یہ کفن اُن کی بیٹیوں نے سیا تھا، اور کفن کا کپڑا باپ دادا کی جاگیر طُرّش کی آمدنی سے خریدا گیا تھا کسی اور آمدنی کو وہ اتنا پاک نہ سمجھتے تھے کہ اُس سے ایسی چیز خریدی جائے، عمر جُوں جُوں بڑھتی گئی عبادت میں زیادہ مصروف رہنے لگے، چونکہ خدا کا حکم تھا کہ جس کے پاؤں پر راہِ خدا کی گرد ہوگی اُس پر آتشِ دوزخ حرام ہو جائے گی، اِس لیے جہاد میں جب کبھی لڑنے کے بعد کہیں قیام کرتے تو اپنے کپڑوں کی گرد احتیاط سے جھاڑ کر ایک

تھیلی میں جمع کرتے جاتے تھے، اور یہ کہہ رکھا تھا کہ دفن کرنے سے پہلے یہ خاک میرے جسم پر چھڑک دینا۔ اُن کو یقین تھا کہ جہاد میں جو محنتِ شاقہ اُنہوں نے اُٹھائی ہے وہ قیامت میں اُن کی نجات کا باعث ہوگی۔

منصور کی آخری جنگ قشتالیہ کی عیسائی ریاست کے مقابلہ میں ہوئی، جس طرح اور لڑائیاں جیتے تھے اِس لڑائی میں بھی فتح پائی، اور قشتالیہ کے علاقے میں بڑھتے بڑھتے شہر قنالیش[51] تک پہنچے، یہاں شنت الیمیان کے مزار کی عمارت جو مُلکِ قشتالیہ کے نگہبان ولی سمجھے جاتے تھے، اِس طرح منہدم کرادی جس طرح پانچ برس پہلے شنت یاقب کا گرجا مسمار کرا دیا تھا۔

منصور جب اِس لڑائی کے بعد قرطبہ کو واپس آنے لگے تو بیمار پڑ گئے، اور ایک مرض جس کی شکایت پہلے سے تھی عود کر آیا، اطبّا تشخیصِ مرض اور علاج سے ناچار تھے، اِس لیے دوا نہ پیتے تھے، اور اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اب نہ بچوں گا۔ چونکہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے اِس لیے تختِ رواں پر سوار کیے گئے، تکلیف سخت تھی، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ "اِس وقت ۲۰ ہزار آدمی میرے لشکر میں ہیں مگر ایک کو بھی وہ تکلیف نہیں جو مجھے ہے"۔ (۵۲۳)

پندرہ دن تک تختِ رواں پر سوار رہ کر منصور آخرکار مدینہ سالم میں پہنچے، صرف ایک خیال اُس وقت اُن کے ذہن میں تھا، اُن کی حکومت کبھی ایسی نہ رہی تھی کہ اُس پر معترض نہ پیدا ہوئے ہوں، اور بعض نازک وقت ایسے بھی آئے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ باوجود شہرت اور ناموری کے جو فتوحات سے حاصل ہوئی تھی وہ معرضِ زوال میں آنے کو ہیں، اب یہ خیال اُن کے دل میں رہنے لگا کہ مرنے کے بعد تمام اختیارات اُن کی اولاد کے قبضے سے نکل جائیں گے، اِس خیال سے اُن کو ہر وقت تکلیف رہنے لگی اور زندگی کا آخری زمانہ تلخ گذرا، ایک روز اپنے سب سے

---

[51] یہ شہر موجودہ صوبہ ربوجہ میں شہر ناجرہ سے ۲۰ میل جنوب میں واقع ہے۔

بڑے فرزند عبدالملک کو قریب بُلایا، اور بہت سی نصیحتیں کرکے حکم دیا کہ سپہ سالاری کا کام اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو سپرد کرکے قرطبہ چلے جاؤ، اور وہاں پہنچتے ہی کُل اختیارات اپنے قبضے میں کرلو، اگر بغاوت کی علامتیں دیکھو تو اُس کو فرو کرنے کے لیے تیار رہو،

عبدالملک نے باپ کا حکم بجالانے کا وعدہ کیا، لیکن منصور کچھ ایسے مضطرب تھے کہ جب کبھی عبدالملک یہ سمجھ کر کہ گفتگو ختم ہوگئی ہے اُٹھ کر چلنے کو ہوتے تو اُن کو پھر واپس بُلاتے، کمزوری کی حالت میں بار بار خیال کرتے کہ کوئی بات کہنے سے رہ گئی ہے بیٹے کو پھر کچھ نصیحت و ہدایت کرکے بیٹھنے کو کہتے، عبدالملک جب رونے لگے تو اُن کو منع کیا اور کہا "دیکھو یہ رونا کمزوری اور عجز کی پہلی نشانی ہے"، عبدالملک کو جب رخصت ہونے کی اجازت دی تو اُس کے بعد مرض میں کچھ افاقہ ہوا، اور سرداروں کو جو لشکر میں تھے سامنے طلب کیا، یہ لوگ حاضر ہوئے، منصور اِس قدر ناتوان اور لاغر ہوگئے تھے کہ صورت بھی مشکل سے پہچانی جاتی تھی، بات بھی اب منہ سے کم نکلتی تھی، کچھ اشاروں سے کچھ لبوں کی جنبش سے اُن سرداروں سے آخری رخصت چاہی، اور اُس کے چند روز کے بعد ۱۰ اگست سنہ ۱۰۰۲ء (۲۸ رمضان سنہ ۳۹۲ھ) دوشنبہ کے روز اِس جہان سے رحلت کی، مدینہ سالم ہی میں دفن کیے گئے، اور قبر پر یہ اشعار کندہ ہوئے سے

آثارُہٗ تُنْبِئُکَ عَنْ اَخْبَارِہٖ حَتّٰی کَاَنَّکَ بِالْعِیَانِ تَرَاہُ

تَاللّٰہِ لَا یَاتِی الزَّمَانُ بِمِثْلِہٖ اَبَداً وَّلَا یَحْمِی الثُّغُوْرَ سِوَاہُ

ترجمہ۔ خود اُس کے آثار و نشانات اُس کی تاریخ سے تجھے آگاہ کریں گے، اور اِس طرح آگاہ کریں گے کہ گویا تو اُن کو بچشم خود دیکھ رہا ہے، خدا کی قسم! زمانہ اب اُس کی مثل پیدا نہ کریگا، اور نہ اب اُس کے سوا کوئی دوسرا اِس ملک کی سرحدوں کا حامی اور محافظ پیدا ہوگا۔

یہ کتبہ تو مسلمانوں نے منصور کی قبر پر لکھا، لیکن ایک (دشمن اسلام) عیسائی راہب نے اپنی تاریخ میں منصور کی موت کا ذکر اِن الفاظ میں کیا "المنصور سنہ ۱۰۰۲ء میں مرگیا اور [۵۱]

[۵۱] کرنیکون برگنسی صفحہ ۳۰۹

جہنم میں دفن ہوا"۔ یہ سادے اور مختصر الفاظ ایک پا افتادہ اور درماندہ دشمن نے نفرت اور عداوت کے جوش میں لکھے ہیں، لیکن ان میں جو فصاحت ہے وہ بڑھیا سے بڑھیا قصیدے کی تعریف میں بھی نظر نہیں آسکتی (گالیاں تعریف سے ہمیشہ زیادہ فصیح ہوتی ہیں۔ مترجم)

(۵۲۴) حقیقت یہ ہے کہ شمالی اسپین کے عیسائیوں کو منصور جیسے دشمن صعب سے کبھی پہلے مقابلہ کرنا نہیں پڑا تھا، منصور پچاس لڑائیوں سے زیادہ ان عیسائیوں سے لڑے، عام طریقہ یہ تھا کہ دو لڑائیاں ہر سال لڑتے تھے، ایک ربیع میں اور دوسری خریف میں، ان پچاس سے زائد لڑائیوں میں ایک لڑائی بھی ایسی نہ تھی جس میں منصور ہارے ہوں، اس ہمیشہ کی فتح نے اُن کو بیحد نامور کردیا، ماسوا عیسائیوں کے متعدد شہروں کے جنمیں اُنکے تین دار الحکومت یعنی لیون، بنبلونہ اور برشلونہ بھی شامل تھے منصور نے جلیقیہ اور قشتالیہ کے محافظ اور نگراں اولیائے مسیحی کے مزاروں اور گرجاؤں کو بھی مسمار کردیا تھا، ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ[۵۲] " اس زمانہ میں مسیح کی عبادت عیسائیوں سے مفقود ہوگئی، خادمانِ مسیح کی شان وعظمت مٹ گئی، کلیسہ کے خزانے جن میں صدیوں کی دولت جمع تھی لُٹ گئے"۔

غرض منصور کے نام سے عیسائیوں کا دم فنا ہوتا تھا، یہ خوف اس قدر تھا کہ بعض موقعوں پر منصور خطروں میں گھر جانے کے بعد بھی صحیح سلامت نکل آئے، اور اگر کبھی عیسائیوں کے قابو میں بھی آگئے تو بھی اُن کا ڈر اس قدر تھا کہ عیسائی اُن کا کچھ نہ کرسکتے مثلاً ایک مرتبہ عیسائیوں کے ملک میں ایک تنگ پہاڑی درے میں سے گذرتے ہوئے جس کے دونوں جانب اُونچے اُونچے پہاڑ تھے دُور نکل گئے، مسلمانوں نے جو ساتھ تھے

۵۱ دیکھو ۱۸۶۰ء کا تورینتی دالافرمان، سیدر ۱۸۰۶ء ج ۳ ص ۳۵۵

۵۲ مونا کی سسی لین سیس کرونیکون (اسپینا سگرا دا، ج ۱۷ ص ۷۲)۔

گرد و نواح کے علاقوں کو خوب تباہ و غارت کیا، عیسائی اُن کو مطلق نہ روک سکے، لیکن جب منصور واپسی میں اُسی پہاڑی درے کے قریب آئے جس سے گذر کر آگے بڑھے تھے تو دیکھا کہ عیسائیوں نے درے پر قبضہ کر رکھا ہے۔

عیسائیوں کو اب اِس درے سے ہٹانا اور درے میں سے گذرنا مسلمانوں کو بہت خطرناک معلوم ہوا، وہ اِسی فکر میں تھے کہ منصور نے ایک تدبیر کی، یعنی ایک اچھی سی جگہ دیکھ کر کچھ شامیانے نصب کرائے اور چند جھونپڑیاں ڈلوادیں، عیسائی قیدی جو ساتھ تھے اُن سب کو وہاں قتل کیا، اور اُن کی لاشوں کو اُوپر نیچے چُن کر ایک دیوار سی بنائی، سوار گھوڑوں کے لیے چارہ تلاش کرنے لگے، جب چارہ نہ ملا تو منصور کے حکم سے آلاتِ کشاورزی نکالے گئے اور سپاہیوں کو حکم ہوا کہ زمین جوتیں اور بوئیں، یہ کیفیت دیکھ کر عیسائی بہت گھبرائے اور سمجھے کہ اب تو یہ مسلمان مُلک سے ٹلتے نظر نہیں آتے، اِس کا ڈر ایسا بیٹھا کہ اُنھوں نے منصور سے امان چاہی، مگر شرط یہ کی کہ مسلمانوں نے جو مالِ غنیمت عیسائیوں سے حاصل کیا ہے وہ واپس کر دیا جائے، منصور نے اِس شرط کو منظور کرنے سے قطعی انکار کر دیا، اور جواب دیا کہ "ہمارے سپاہی جہاں ہیں وہیں آباد ہونا اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہیں، وطن واپس جانے کی اب اُن کو ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اِس سال میں ابھی پہلی لڑائی ختم ہوئی ہے اور دوسری کا وقت قریب آگیا ہے" تھوڑی سی اور گفتگو کے بعد عیسائی اِس بات پر راضی ہوگئے کہ منصور مالِ غنیمت اپنے ہی پاس رکھیں، اور اُن کے ملک سے کسی طرح واپس چلے جائیں۔

(۵۲۵) عیسائیوں کو منصور کا اِس قدر خوف تھا کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو بار برداری کے جانور دینا، اور اُن کا سامانِ رسد خود اسلامی سرحد تک پہنچانا، اور راستے کو جس میں لاشیں لشکر[1] کے گذرنے میں حائل تھیں خود ہی صاف کرنا قبول کر لیا۔

ایک مرتبہ عیسائیوں کے ایک شہر کے سامنے ایک بلند پہاڑی پر مسلمانوں نے

---

[1] مقابلہ کرو روڈریگو دی ٹولیڈو کی "ہسٹری ایرابم" صفحہ ۱۳۱۔

اپنی فوج اُتاری، عَلَم بردار نے پہاڑی کے سب سے اُونچے مقام پر اسلامی جھنڈا نصب کیا، جب مسلمانوں کی فوج وہاں سے کوچ کر گئی تو عَلَم بردار جھنڈا اُکھاڑنا بھول گیا، بہت دن تک پہاڑی پر یہ جھنڈا لہراتا رہا لیکن کسی عیسائی کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ پہاڑی پر جاکر اتنا تو دیکھ لیتا کہ مسلمان وہاں موجود ہیں یا چلے گئے۔

بیان ہوا ہے کہ منصور کا ایک سفیر نبرہ کے عیسائی بادشاہ غرسیہ کے پاس گیا، غرسیہ نے اُسے بہت انعام و اکرام دیا، یہ سفیر نبرہ کے سارے علاقے میں دورہ کرتا پھرا اتفاق سے اُسے ایک گرجا میں ایک مسلمان بڑھیا ملی، اُس نے بیان کیا کہ وہ بچپن سے عیسائیوں کی قید میں ہے اور ایک لونڈی کی حیثیت سے گرجا میں رہتی ہے، سفیر سے اُس نے کہا کہ میرے حال سے منصور کو آگاہ کر دینا، سفیر نے بڑھیا سے وعدہ کیا، اور تھوڑے دن کے بعد قرطبہ واپس آکر سفارت کے کل حالات منصور کی خدمت میں عرض کیے، جب کل حالات سُنا چکا تو منصور نے خود ہی پوچھا کہ نبرہ میں تم نے کوئی بات ایسی تو نہیں دیکھی جو ناگوار ہوئی ہو؟ اتنا سُنتے ہی سفیر کو وہ بڑھیا یاد آئی، اور اس نے منصور سے اُس کا کل حال کہا، منصور بولا "واللہ! سفارت کے حالات سے پہلے تمہیں اس واقعہ کا ذکر کرنا چاہیئے تھا۔" اتنا کہکر جنگ کی تیاری کی اور نبرہ کی سرحد پر لڑنے روانہ ہو گئے۔

غرسیہ بادشاہِ نبرہ نے سُنا کہ منصور لڑنے آئے ہیں تو سخت پریشان ہوا، اور ایک خط اُن کی خدمت میں بھیجا اور اُس میں لکھا کہ "مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے جو یہ نوبت آئی، اپنی دانست میں تو مجھ سے کوئی قصور نہیں ہوا۔" قاصدوں سے جو غرسیہ کا خط لائے تھے منصور نے کہا "کیا غرسیہ نے مجھ سے اس بات کی قسم نہیں کھائی تھی کہ کوئی مسلمان عورت یا مرد اُس کے ملک میں قید نہیں رہے گا، اُس نے جھوٹی قسم کھائی، کیونکہ مجھے خبر لگی ہے کہ تمہارے گرجا میں ایک مسلمان عورت قید ہے میں نبرہ کی زمین سے اُس وقت تک نہ ٹلونگا جب تک وہ عورت مجھے نہ ملے گی۔"

غرسیہ کے پاس جس وقت یہ جواب پہنچا تو اُس نے اُس مسلمان بڑھیا کو اور دو

اور عورتوں کو جو تلاش کرنے پر اُس کے علاقے میں ملیں فوراً منصور کے پاس بھیجدیا اور بقسم عرض کیا کہ اِن عورتوں کو نہ کبھی اُس نے دیکھا تھا، اور نہ اُس کو اس کا علم تھا کہ وہ نبرہ میں موجود ہیں، اِس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ "جس گرجا کا ذکر آپ نے کیا ہے اُس کے مسمار کیے جانے کا حکم میں نے خود دے دیا ہے۔"

دشمنوں کا تو یہ حال تھا کہ منصور کے ڈر سے اُن کی جان نکلتی تھی، اور فوجوں کی یہ کیفیت تھی کہ منصور پر اپنی جان فدا کرتی تھیں، اور اُس کو اپنے باپ کے برابر سمجھتی تھیں منصور کو اہلِ فوج کی تمام ضرورتوں کا بیحد خیال رہتا تھا، لیکن فوجی قواعد کی پابندی (۵۲۶) میں نہایت سخت گیر تھا، ایک دن فوج کا معائنہ کرتا تھا کہ کسی سپاہی کی تلوار جو اُس وقت نیام میں ہونی چاہیئے تھی نیام سے باہر چمکتی نظر آئی، فوراً حکم دیا کہ یہ سپاہی سامنے حاضر کیا جائے، جب سپاہی سامنے آیا تو اُس سے پوچھا کہ تم نے بغیر حکم کے تلوار کیوں برہنہ کی؟ سپاہی نے کہا کہ تلوار میں اپنے ایک ساتھی کو دکھانی چاہتا تھا، میں نے خود اسے نیام سے نہیں نکالا تھا بلکہ وہ خود پھسل کر باہر نکل آئی، منصور نے کہا "تمہارا عذر نامعقول ہے" پھر فوراً افسرانِ فوج کی طرف دیکھ کر کہا کہ اِسی تلوار سے اس کی گردن اُڑا دیجائے اور اُس کی لاش تمام فوج کے سامنے سے نکالی جائے تاکہ سب لوگوں کو تنبیہ ہو جائے کہ فوجی قواعد و ضوابط کی پابندی کیسی لازمی چیز ہے۔"

اِس مثال نے فوج کے لوگوں پر بیحد اچھا اثر کیا، بیان ہوا ہے کہ جس وقت فوجیں منصور کے سامنے سے گذرتی تھیں تو بالکل خاموش ہوتی تھیں، ایک عرب مصنف لکھتا ہے کہ "آدمی تو آدمی گھوڑے تک اپنا کام سمجھتے تھے، اور اُن کے ہنہنانے کی آواز شاذونادر ہی سُنائی دیتی تھی۔"

یہ المنصور ہی کی تربیت دی ہوئی قواعد داں فوج تھی جس نے اسپین کو سطوت و اقبال میں اُس بلندی پر پہنچایا جو کبھی پہلے اُس کو نصیب نہ ہوئی تھی، یہاں تک کہ یہ عروج اُس کو خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں بھی نہیں ہوا تھا، لیکن منصور کا صرف یہی ایک کارنامہ نہ تھا، یہ وہ شخص تھا جس نے نہ صرف مُلک کو بلکہ تہذیب اور تمدن کو بھی

اپنا ممنونِ احسان کیا تھا، اہلِ ملک کی علمی و ذہنی قابلیتوں کی قدر کر کے ہمیشہ اُنکی عزت افزائی کی، یہ سچ ہے کہ سیاسی مشکلات کی وجہ سے اُنھوں نے فلسفہ کی تعلیم کو ترقی نہیں دی، لیکن جب کبھی ممکن ہوا فلسفیوں کو پناہ دی، اور یہ بھی اِس طرح کہ فقیہوں کو ناگوار نہ گذرے، مثلاً ایک موقع ایسا آیا کہ قاسم ابن محمد سنبوسی[1] کو کافر ہونے کے اشتباہ میں گرفتار کر کے قید خانے بھجوا دیا گیا، سب لوگوں نے ابن السنبوسی کے خلاف شہادت دی اور فقہا نے اُس کے خلاف سزائے موت تجویز کر دی، ابن السنبوسی قریب تھا کہ قتل کر دیے جائیں، لیکن ایک بڑے فقیہہ ابن المقوار جنھوں نے اِس مقدمے میں قاضی بن کر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا مجلس عدالت میں آئے اور ابن السنبوسی کی صفائی میں ایک ایسی تقریر کی جو اگرچہ منطقی اعتبار سے ناقص تھی مگر ابن المقوار کی شرافت اور نیکدلی پر گواہ تھی، صدر مجلس قاضی ابن السری دورانِ تقریر میں ابن المقوار کی برابر مخالفت کرتے رہے مگر ابن المقوار نے آخرکار قتل کا حکم مجلس سے مسترد کرا ہی دیا منصور قاضی ابن السری کی اِس سختی پر اُن سے ناراض ہو گئے، اور اِس فکر میں ہوئے کہ قضا کی سخت گیری کا کوئی انتظام کریں، چنانچہ ایک موقع آیا اور منصور نے کہا "تائیدِ دین ہمارا فرض ہے اور مومنین ہماری پناہ کے مستحق ہیں، اِس میں شبہ نہیں کہ قاضی ابن السری (۵۲۷) صدر مجلس نے ابن السنبوسی کو مجرم ثابت کرنے میں بے مثل کوشش کی، لیکن مجلس کو آخر الامر یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ سچے مسلمان ہیں، پس اِس سے ثابت ہوا کہ قاضی ابن السری ایک ظالم شخص ہیں اور اِس قابل نہیں کہ آئندہ زندہ رہنے دیے جائیں۔"

یہ تقریر صرف ہدایت اور تنبیہ کے طور پر تھی، قاضی صاحب کچھ عرصہ کے بعد قید خانے بھیجدیے گئے، اور یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ قید سے رہا ہو کر اپنی جگہ پر بحال ہوئے

[1] بعض اور عالم بھی ان کے ساتھ گرفتار ہوئے تھے، ہر جمعہ کو مسجد کے دروازے پر یہ لوگ بٹھا دیے جاتے تھے اور ایک آدمی پُکار پُکار کر کہتا تھا "جس کسی کو ان لوگوں کے خلاف کچھ کہنا ہو وہ کہے۔" کتاب "تحقیقات" مولفہ ڈوزی (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) ج ۲ ص ۲۳۷

ہوں گے تو اُنہوں نے ایسے لوگوں پر جو عام اور مُسلّم دینی عقائد سے تجاوز کر کے فلسفیانہ خیالات میں مصروف ہوتے تھے سختی کم کر دی ہوگی۔

دربارِ منصور میں علمار کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جاتا تھا، درباریوں میں بہت سے شاعر بھی تھے جن کو معقول تنخواہیں ملتی تھیں، اور یہ شاعر بعض وقت لڑائیوں میں منصور کے ہمراہ جایا کرتے تھے، انہی شعرار میں ابوالعلار صاعد بن الحسن ربعی بغدادی تھے، یہ علم وفضل میں سب سے زیادہ تھے مگر بڑے پُر لطف اور زندہ دل شخص تھے، اندلس خاص کے علمار ہمیشہ غیر ملک کے باکمال لوگوں کو رشک کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، لیکن ابوالعلار صاعد کو بہرکیف وہ بھی مانتے تھے، لُغت، ادب اور تاریخ کے وہ بڑے عالم تھے، اور حاضر جوابی میں جواب نہ رکھتے تھے، لیکن سچ بولنے سے بے پروا اور بات گھڑ لینے میں اُستاد تھے، جب کچھ کہنا شروع کرتے تو اُن کو کوئی روک نہ سکتا تھا، باتیں بھی جتنی سُناتے تھے وہ عجیب وغریب ہوا کرتی تھیں، اگر کسی ایسے لفظ کے معنی جس کا کہیں وجود نہ ہوتا اُن سے پوچھے جاتے تھے تو بلا تکلف فوراً ایک معنی بیان کر کے سند میں کسی پُرانے شاعر کا کلام اُسی وقت پیش کر دیتے تھے، اگر اُن کا بیان تسلیم ویقین کیا جاتا تو دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جسے اُنہوں نے پڑھا نہ ہو، ایک روز منصور کی موجودگی میں چند عالموں نے اُن کی قلعی کھولنے کے لیے اُن کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کی جس میں از اول تا آخر سادے ورق تھے، صرف سرورق پر کتاب کا نام اور اُس کے مصنف کا نام ابوالغوث صنعانی تحریر تھا، کتاب اور مصنف دونوں فرضی چیزیں تھیں، لیکن صاعد سرورق پڑھتے ہی فرمانے لگے "اچھا۔ یہ کتاب تو میری پڑھی ہوئی ہے" اور اتنا کہکر کتاب کو چوما، اور پھر اُس شہر کا نام بتایا جہاں اُنہوں نے یہ کتاب پڑھی تھی اور اُس عالم کا بھی نام بتایا جو اُس کا درس دیا کرتا تھا، یہ سب باتیں سُن کر منصور بولے۔ تو پھر آپ کو کتاب کا مضمون بھی خوب معلوم ہوگا"، صاعد نے کہا "اِس میں کیا شک ہے مگر اس کو پڑھے ہوئے اِتنی مدت ہوگئی ہے کہ اب اُس کا مضمون ازبر نہیں ہے، مگر اِتنا خوب یاد ہے کہ اس میں صرف نحو کے مباحث ہیں، تاریخ اور شاعری سے اُسے کوئی

تعلق نہیں ہے۔" حاضرین صاعد کی یہ گفتگو سن کر بے اختیار ہنس پڑے۔

ایک اور موقع پر منصور کے پاس اسپین کے ایک صوبہ دار مبرمان بن یزید[۵۱] کا ایک خط آیا جس میں 'قلب' اور 'تنزبیل' (یعنی کاشتکاری اور کھاد) کا بیان تھا، منصور نے صاعد سے پوچھا کہ "تم نے مبرمان بن یزید کی کتاب 'القوالب والزوالب' بھی دیکھی ہے؟" صاعد بولے "واللہ! یہ کتاب میں نے دیکھی ہے، ابن درید (۵۲۸) نے اِس کتاب کی ایک نقل تیار کی تھی، اور یہ نقل بغداد میں میں نے مطالعہ کی تھی، حاشیہ پر ایسے نشان تھے جیسے چیونٹیاں چلی ہوں"۔ منصور نے کہا "صاعد تم بڑے دروغ گو ہو، نام جو میں نے تمہارے سامنے بیان کیا تھا وہ کسی مصنف کا نہ تھا بلکہ وہ ہمارے ایک صوبہ دار کا نام ہے، اُس نے مجھے ایک خط زراعت اور قلبہ رانی کے متعلق لکھا ہے"۔ صاعد بولے "یہ سب درست ہے، لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے کوئی غلط بات آپ سے کہی ہے، میں کبھی ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جس کتاب اور مصنف کا نام آپ نے لیا ہے وہ واقعہ ہے، اور اگر آپ کے صوبہ دار کا وہی نام ہے جو مصنف کا ہے تو پھر یہ محض ایک توارد ہے"۔

ایک اور موقع پر منصور نے اُن کو ابوعلی قالی کی کتاب الامالی[۵۲] دکھائی، صاعد کتاب دیکھ کر کہنے لگے "اگر آپ فرمائیں تو اِس سے بہتر کتاب آپ کے کاتبوں کو زبانی لکھوا دوں اور اُس میں وہ باتیں بھی بیان ہوں جو ابوعلی قالی سے چھوٹ گئی ہیں"۔ منصور نے جواب دیا "بہت مناسب ہے"۔ منصور واقعی چاہتے تھے کہ کتاب الامالی جیسے اُس کے مصنف نے المستنصر باللہ کی خدمت میں لکھ کر پیش کیا تھا اُس سے بڑھ کر کوئی تصنیف اُن کے سامنے پیش ہو، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ منصور نے صاعد کو بغداد سے

---

[۵۱] کتاب المعجب میں علامہ عبدالواحد المراکشی نے یہ نام مبدمان لکھا ہے، مگر پروفیسر ڈوزی نے اسے مبرمان لکھا ہے۔ مترجم

[۵۲] اِس کتاب میں عربی ادبیات کے عمدہ نمونے اور زباندانی سے متعلق لطائف درج ہیں۔ دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۴۵۵

اِسی اُمید میں بُلایا تھا کہ ابوعلی قالی کی شہرت کو جس نے ناصر اور مستنصر کے دربار کو رونق بخشی تھی صاعد مٹا دیں گے ،

صاعد منصور کی فرمائش سنتے ہی تصنیف میں مصروف ہوئے ، اور مدینۃ الزاہرہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر منصور کے کاتبوں کو کتاب لکھوانے لگے ، جب کتاب ختم ہوئی تو بڑے بڑے علمائے معاصر نے نہایت ذوق و شوق سے اُسے پڑھا ، لیکن پڑھنے کے بعد بظاہر اُن کو حیرت اور درپردہ خوشی ہوئی کہ کُل کتاب از اول تا آخر صاعد کی من گھڑت ہے ، چنانچہ یہی رائے علما نے اِس کتاب کی نسبت قائم کی اور منصور نے بھی اِس رائے کو تسلیم کیا ۔

اِس موقع پر منصور صاعد سے واقعی ناخوش ہوگئے اور حکم دیا کہ صاعد کی لکھی ہوئی کتاب دریا میں پھینک دیجائے ، لیکن باوجود اِس کے مصنف کے حق میں اپنی مہربانیاں کم نہیں کیں ، جس دن سے صاعد نے غرسیہ والی قشتالیہ کی گرفتاری کی پیشین گوئی کی تھی اور وہ سچی نکلی تھی اُس دن سے منصور اُن کی عزت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اُن کی کرامات کے بھی قائل ہوگئے تھے ۔

صاعد اپنی شکرگذاری کا ہزارہا طریقوں سے ثبوت دیتے تھے اور منصور بھی اِس بات کو خوب سمجھتے تھے ، ایک مرتبہ صاعد نے بہت سی تھیلیاں جن میں اُن کو وقتاً فوقتاً انعام میں روپیہ ملا تھا ، جمع کیں ، اور اُن کو جوڑ جوڑ کر ایک لمبی سی قبا بنائی اور یہ قبا اپنے ایک حبشی غلام کو جس کا نام کافور تھا پہنا کر قصرِ منصور میں حاضر ہوئے ۔ (۵۲۹)
دو چار باتوں کے بعد جب دیکھا کہ منصور خوش ہیں تو کہنے لگے " میں حضور سے ایک مہربانی چاہتا ہوں " منصور نے پوچھا " وہ کیا ؟ " صاعد کہنے لگے کہ " صرف اتنی درخواست ہے کہ میرے حبشی غلام کافور کو حضور کے سامنے حاضر ہونے کی اجازت مِل جائے " منصور نے کہا " یہ عجیب درخواست ہے ، اچھا بُلاؤ " اِتنا حکم ہوتے ہی حبشی غلام کافور جو لمبے قد کا آدمی تھا چھوٹے چھوٹے رنگ برنگ پارچوں کی ایک لمبی سی قبا پہنے جیسے کسی درویش کی گدڑی ہو کمرے میں داخل ہوا ، منصور نے

دیکھتے ہی کہا "اس غریب کو یہ قبا کس نے پہنائی ہے، کیسا نامعقول لباس ہے، ایسے کپڑے کیوں پہنائے ہیں؟" صاعد بولے "یہ تو آپ پر بخوبی روشن ہے کہ مجھے بہت بہت سا روپیہ اکثر تھیلیوں میں بھر کر آپ عنایت فرماتے رہے ہیں، انعام مجھے اتنی بار ملا کہ تھیلیاں میرے پاس بکثرت جمع ہوگئیں اور اتنی جمع ہوگئیں کہ اس حبشی غلام کافور جیسے دراز قد آدمی کے لیے ایک نیچی قبا تیار ہوگئی۔" منصور یہ سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے "صاعد! واقعی خوبصورتی سے کسی کا شکر ادا کرنا تم کو خوب آتا ہے، میں تمہاری اس حرکت سے بہت خوش ہوا۔" اس کے بعد منصور نے اور بہت سے تحائف صاعد کو بھیجے، اُن میں ایک لباس کافور کے لیے بھی تھا۔

یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ دربارِ منصور میں صاعد جیسے شاعر اور عالم کا موردِ عنایات ہونا ایک خاص وجہ سے تھا، اور وہ وجہ یہ تھی کہ سلاطینِ مروانیہ کی طرح منصور امورِ علمیہ میں اعلیٰ درجہ کا مذاق نہ رکھتے تھے، شاعروں کو وابستۂ دولت رکھنا ایک ضروری فرض اور اپنے درجے کے شایان اور دربار کا زیور سمجھتے تھے، لیکن اتنا وقوف نہ تھا کہ سچے اور جھوٹے موتیوں میں تمیز کر لیتے۔

بہرکیف علم اُن کی طبیعت کا خاص جوہر نہ تھا لیکن عمل میں کمال اُن پر ختم ہوگیا تھا۔ مُلک کے حق میں تمام مادّی فوائد کے وہ ایک روشن ضمیر حامی اور سرپرست تھے، ذرائع رسل و رسائل میں ترقی کا خیال اُن کو ہمیشہ رہا، متعدد سڑکیں اور شاہراہیں تیار کرائیں۔ شہر استجہ میں دریائے شنیل پر ایک پُل اور قرطبہ میں وادی الکبیر پر پُرانے پُل کے علاوہ ایک نیا پُل تیار کرایا۔

اُن کے تمام کاموں میں چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے اُن کی لیاقت اور ذہانت صاف نظر آتی تھی، جب کبھی کوئی بڑا عزم کرتے یا کسی بڑی مہم پر جاتے تو اکابرِ سلطنت سے مشورہ کرتے، لیکن کبھی اس مشورے کو مانتے نہ تھے، مشیرانِ دولت جو قاعدے بندھے ہوئے تھے اُنہی کے مطابق رائے دیتے تھے، سب کے سب تقلید پرست تھے صرف اتنا یاد رکھنا کافی سمجھتے تھے کہ ایسی حالت میں منصور نے یہ کیا تھا اور مستنصر نے یہ

کہا تھا، اس کے علاوہ کوئی بات اُن کے ذہن میں نہ آتی تھی، جب دیکھتے کہ منصور اپنی بات پر اصرار کیے جاتے ہیں تو سمجھتے کہ اس خود رائی سے منصور ضرور نقصان اُٹھائیں گے اور نوبت ہلاکت تک پہنچیگی، لیکن انجام میں شیروں کا خیال غلط اور نتیجہ منصور کے حق میں اچھا نکلتا تھا۔

(۵۳۰) ابن ابی عامر المنصور کی طبیعت اور اوصاف کا اندازہ کرنے میں ہم اس بات کو نہیں بھول سکتے کہ قوّت اور اختیارات کو حاصل کرنے، اور حاصل کرنے کے بعد اُن کو برقرار رکھنے میں اخلاقی قواعد سے وہ بالکل ہٹ جاتے تھے، اور نہ صرف یہ بلکہ اُن سے واقعی جرائم بھی سرزد ہوئے، جن کو ہم نے ہمیشہ بے کم و کاست لکھا ہے، اُن کی تاویل میں کوشش نہیں کی، لیکن انصاف ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ جہاں کہیں اُن کے حُبِ جاہ و منزلت میں کوئی امر مخل و مزاحم نہ ہوتا تھا وہاں ابن ابی عامر المنصور صادق العمل، فیاض اور عادل ثابت ہوتے تھے، حصولِ مقصد میں شدید اصرار جسکی مثالیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُن کی طبیعت کا سب سے بڑا خاصہ تھا، جب کسی بات کا ارادہ کر لیتے تو پھر اُس سے نہ ٹلتے، ہمت اور ارادے کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جسمانی اور دماغی دونوں قسم کی سخت اذیتیں بے تکلف برداشت کر لیتے تھے، ایک روز مجلسِ شوریٰ میں بیٹھے تھے، پاؤں میں کوئی مرض تھا، جراح نے گوشت جلانا شروع کیا، منصور بدستور جس مسئلہ پر بحث کر رہے تھے بحث کرتے رہے۔ جب گوشت جلنے کی بو پھیلی تو اربابِ مجلس پر حال کُھلا، اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید اُن لوگوں کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ میر مجلس کے پاؤں پر عملِ جراحی ہو رہا ہے۔

منصور کے ہر فعل سے حزم و استقلال ظاہر ہوتا تھا، دوستی کے بھی ایسے ہی پکے تھے جیسے دشمنی کے، اگر کسی نے اُن کی خدمت کی تھی تو اُسے کبھی نہ بھولے، اسی طرح اگر کسی نے نقصان پہنچایا تو وہ بھی کبھی دل سے نہ مٹا۔

منصور کے ان اوصاف کا ثبوت اُن طالب علموں کو خوب ملا جن سے شروع زمانہ میں کہا تھا کہ "جو عہدہ مانگنا ہے اب مانگ لو، جب میں وزیر ہو جاؤں گا تو وہی عہدہ

دوں گا۔" اِن طلبہ میں سے تین نے منصور کی بات کو سچ سمجھ کر جو منصب چاہے تھے منصور نے وزیر ہو کر وہی اُن کو دیئے ۔ لیکن چوتھے طالب علم کو جس نے منصور کی بات لغو خیال کی تھی اور بہت جل کر جواب دیا تھا اپنی گستاخی کی پوری سزا بھگتنی پڑی ۔ منصور نے کسی قصور میں اِس شخص کی جائیداد ضبط کرلی۔

اِس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ جب منصور کو علم ہوجاتا تھا کہ واقعی اُنہوں نے کسی کے ساتھ بے انصافی کی ہے تو وہ اپنی خود رائی اور اصرار کو ترک بھی کر دیتے تھے ۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ خاص خاص قیدیوں کی رہائی کے لیے اُن کے ناموں کی ایک فہرست منصور کے حضور میں پیش ہوئی ، اِس فہرست میں منصور کی نظر اپنے ایک نوکر کے نام پر پڑی جس سے وہ سخت ناراض تھے اور وہ مُدّت سے بے قصور قید خانے میں پڑا تھا ، منصور نے اُس کا نام دیکھتے ہی فہرست کے حاشیہ پر لکھا "یہ آدمی جب تک جہنم واصل نہ ہوجائے اُسکی رہائی کی کوئی صورت نہیں۔" اتنا لکھنے کے بعد منصور کو رات بھر نیند نہ آئی ، دل بار بار پکڑا جاتا تھا ، اور سوتے جاگتے یہ معلوم ہونے لگا کہ کوئی بڑی مہیب صورت انسان سے زیادہ طاقت رکھنے والی سامنے موجود ہے ، اور کہتی ہے کہ "اِس آدمی کو قید سے رہا کردو ، ورنہ اپنی بے انصافی کی سزا برداشت کرو۔" منصور نے بہت کوشش کی کہ یہ مہیب صورت سامنے نہ آئے مگر وہ صورت کسی طرح سامنے سے نہ ٹلتی تھی ، آخر کار خوابگاہ ہی میں پڑے پڑے قلمدان منگوایا اور قیدی کی رہائی کا حکم اِن الفاظ میں لکھا کہ "یہ شخص ابن ابی عامر کی مرضی کے خلاف خدا کا رہا کردہ ہے۔" (۵۲۱)

ایک اور موقع پر مدینۃ الزاہرہ کے ایک پُرفضا باغ میں بیٹھے ندیم ابومغیرہ ابن حزم کے ساتھ مے نوشی میں مصروف تھے ، باوجود پابند مذہب ہونے کے شراب پینے کی عادت رکھتے تھے ، مرنے سے صرف دو برس پہلے تائب ہوگئے تھے ، شام کا وقت بڑی بہار کا تھا ، ایک خوبصورت کنیز سامنے بیٹھی گا رہی تھی ، اِس حسین گانے والی کو منصور بہت چاہتے تھے مگر وہ ابومغیرہ پر فدا تھی ، چنانچہ اُس نے چند اشعار اِس مضمون کے گائے :۔

سلہ دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۷۵۶

"دن رخصت ہونے کو ہے، ماہتاب کا نصف دائرہ آسمان پر ظاہر ہو چکا ہے، غروب ہوتا ہوا آفتاب معشوق کے عارضِ گلگوں کی طرح روشن ہے، ساغر کا شیشہ برف کی مثل شفاف ہے، اور اُس میں شراب آتشِ رقیق معلوم ہوتی ہے، میری آنکھیں ایسے ایسے گناہ کر چکی ہیں جو معاف ہونے کے قابل نہیں، لوگو! افسوس، میں ایک ایسے نوجوان سے محبت رکھتی ہوں جو مجھے اپنے عشق سے دُور رکھنا چاہتا ہے، گو میرے قریب ہے، اے کاش! میں اُس سے وصل ہو جاتی اور وہ مجھے اپنے سینے سے لگا لیتا۔"

ابو مغیرہ اِن الفاظ کا مطلب خوب سمجھ رہا تھا، اب خود اُس نے اُن کا جواب اِن اشعار میں گانا شروع کیا:۔

"میں اُس حسین صورت تک کیونکر پہنچ سکتا ہوں جس کے گرد تلواریں اور برچھیاں عَلَم ہیں، افسوس! اگر میرے دل کو یہ یقین ہوتا کہ تیری محبت میرے ساتھ سچی ہے تو تیرے لیے جان کھو دیتا، جو شریف دل اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنا چاہتا ہے اُسے کوئی خطرہ نہیں روک سکتا۔"

منصور کو اب تاب نہ رہی، غصہ سے للکارا، نیام سے تلوار نکالی اور بڑی مہیب آواز میں گانے والی سے پُوچھا "سچ بتا، اشعار جو تُو نے گائے ہیں کیا اُن میں تیری مُراد مغیرہ سے تھی؟" اُس نوجوان گانے والی نے کہا "شاید جھوٹ بولنے سے میری جان بچ جائے، لیکن میں جھوٹ نہ بولوں گی، بیشک اُس کی نظر میرے کلیجے کے پار ہو چکی ہے عشق ایسی بات کو برملا کہلوا رہا ہے جسے میں کبھی زبان پر نہ لاتی، میں حضور کے قبضے میں ہوں، لیکن حضور دریا دل ہیں اور قصور کے اقرار پر قصور معاف کر دیتے ہیں۔" یہ کہکر وہ عورت رونے لگی۔ منصور نے عورت کا قصور قریب قریب معاف کر دیا، لیکن ابو مغیرہ کی طرف دیکھ کر اُسے نہایت سخت وسُست کہا، ابو مغیرہ بالکل خاموش سب باتیں سُنتا رہا۔ جب منصور چُپ ہوئے تو ابو مغیرہ نے کہا "آقا! میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھ سے بہت بڑی خطا ہوئی ہے، لیکن میں کیا کر سکتا ہوں، تقدیر سے انسان لاچار ہے، کوئی شخص اپنی

تقدیر خود نہیں مقرر کرتا، میری قسمت میں یہی تھا کہ مجھے اُس سے عشق ہو جس سے عشق نہ ہونا چاہیئے تھا۔" منصور یہ سُن کر کچھ دیر خاموش رہے، پھر بولے "اچھا میں تم دونوں کا قصور معاف کرتا ہوں، ابو مغیرہ! جس سے تم کو عشق ہے وہ آج سے تمہاری ہے میں اُسے تمہیں دیتا ہوں۔"

(۵۳۲) منصور کا انصاف ضرب المثل ہوگیا تھا، اُن کا حکم تھا کہ انصاف بغیر رعایت کے اور بغیر اِس امتیاز کے کہ فریقین کس درجے کے آدمی ہیں، کیا جائے۔ جن لوگوں پر وہ مہربان ہوتے وہ بھی قانون کی گرفت سے باہر نہ تھے، ایک مرتبہ عوام الناس میں سے ایک شخص نے اُن کے سامنے آکر غل مچانا شروع کیا کہ "اے مظلوموں کے دادرس! اِس آدمی نے جو حضور کے پیچھے کھڑا ہے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" اِتنا کہکر اُس نے ایک صقلبی کی طرف اشارہ کیا جو منصور کا سپر بردار تھا اور آقا اُس کو بہت مہربانی کی نظر سے دیکھتا تھا، پھر اِسی فریادی نے کہا "میں نے اِس کو عدالت میں طلب کرایا تھا مگر اِس نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔" منصور نے آواز تیز کر کے پوچھا "کیا عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کیا اور قاضی نے اِسے مجبور نہیں کیا؟ قاضی عبد الرحمٰن ابن فوطس سے مجھے بہتر توقع تھی، لیکن یہ تو بتاؤ کہ وجہ شکایت کیا تھی؟" اِس پر فریادی بولا کہ "اِس صقلبی نے مجھ سے ایک عہد کر کے اُسے توڑا ہے۔" پورا قصہ سُن کر منصور نے کہا "اِن خدمتگاروں نے میرا نفس تنگ کر دیا ہے۔" صقلبی خوف سے کانپنے لگا اور منصور نے غصہ سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا "تیرے پاس جو آدمی کھڑا ہے اُس کو ہماری سپر دیدے اور تو خود عدالت میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہو، اور جو الزام تجھ پر ہے اُس کا جواب دے تاکہ انصاف ہو سکے۔" اِس کے بعد افسر پولیس سے کہا کہ "اِن دونوں آدمیوں کو صاحب المظالم (مجسٹریٹ) کے پاس لیجاؤ، اور کہو کہ اگر اِس صقلبی پر جرم ثابت ہو تو میں چاہتا ہوں کہ اُس کو قید یا کسی اور طرح کی سخت سزا دی جائے۔" قاضی نے مدعی کے حق میں مقدمہ فیصل کیا، مدعی منصور کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوا، منصور نے کہا "شکریہ کی ضرورت نہیں، تمہارا انصاف ہوگیا اور تم کو اطمینان ہوگیا، مگر مجھے ابھی اطمینان نہیں ہوا

کیونکہ مجھے اُس نالائق صقلبی کو سزا دینی ہے جس نے باوجود اس کے کہ میرا ملازم تھا ایک ذلیل کام کرنے میں شرم نہ کی۔" یہ کہکر فریادی کو رخصت کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ منصور کے ایک خدمتگار کا جو داروغہ تھا ایک افریقی سوداگر سے جھگڑا ہوگیا، نوبت عدالت تک پہنچی، قاضی نے سوداگر سے کہا کہ "حلف لیکر شہادت دو۔" لیکن جب داروغہ سے بھی حلف کے لیے کہا گیا، تو اُس نے یہ سمجھ کر کہ منصور کے مزاج میں اُسے بہت دخل ہے، عدالت اُس کا کیا کرسکتی ہے، حلف لینے سے انکار کیا، ایک دن منصور جامع مسجد جارہے تھے، داروغہ ساتھ تھا، سوداگر راستے میں ملا اور اُس نے دہائی دیکر جو واقعہ گذرا تھا بیان کیا، منصور نے اُسی وقت داروغہ کو گرفتار کرا دیا، اور حکم دیا کہ اس کو قاضی کے پاس لے جائیں، پھر یہ سُن کر کہ قاضی نے داروغہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے داروغہ کو اپنی خدمت سے برطرف کردیا۔

خلاصہ یہ کہ جہاں ایسے وسائل و ذرائع کو جن سے منصور نے اختیاراتِ شاہی حاصل کیے، ہم بُرا کہنے پر مجبور ہوتے ہیں، وہاں اس بات کا اقرار کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ جب سطوتِ سلطانی حاصل کرلی تو پھر نہایت شریفانہ طریقہ پر اُس سے کام لیا، اگر تقدیر اُن کو ایک شاہی گھرانے میں پیدا کرکے تختِ سلطنت پر بٹھاتی تو دنیا کو بہت کم موقع اُنہیں بدنام کرنے کا ملتا، اور اس صورت میں اُن کا شمار اُن سلاطینِ عظام میں ہوتا جنکے کارنامے تاریخ نے محفوظ کر رکھے ہیں، لیکن وہ ایک جاگیردار کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اس لیے مجبور تھے کہ اپنا مقصودِ دلی حاصل کرنے میں ہزارہا موانع کو جو سنگِ راہ ہوں ہٹاتے ہوئے اپنا رستہ نکالیں، اور ہم اس کا افسوس نہیں کرسکتے کہ ان موانع کو دُور کرنے میں جو طریقے اُنھوں نے اختیار کیے وہ جائز نہ تھے، اکثر وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے شخص تھے، لیکن اگر اخلاق کے مضبوط قوانین کو پیشِ نظر رکھ کر اُن کی نسبت کوئی فیصلہ نہ بھی کیا جائے تو بھی وہ ایسے شخص تھے جن سے محبت کرنی ناممکن اور جن کی تعریف کرنی مشکل تھی ✦

(۵۳۳)

اسناد:-

ابن عذاری- جلد ۲ ص ۳۰۹ تا ۳۱۱ ، ۳۲۰ تا ۳۲۱

مقری جلد ۱ ص ۲۵۹ ، ۲۷۳ تا ۲۷۴ ، ۳۸۷ ، ۳۹۲ ، ۴۰۶ تا ۴۰۷

جلد ۲ ص ۵۲ ، ۶۵

ابن الابار ص ۱۵۱

ابن الخطیب (قلمی نسخہ ت) ص ۱۱۸ ، ۱۸۱

حمیدی ص ۱۰۰ تا ۱۰۳

عبدالواحد ص ۱۹ تا ۲۵

ابن خلکان (سلین) جلد ۱ ص ۳۲۲

کتاب ثالث (خلافت)

تیرھویں فصل

سنخول

(۵۳۴) منصور کے فرزند عبدالملک جن کا لقب منظفر تھا باپ کے مرنے پر جس وقت قرطبہ پہنچے تو ایک ہنگامہ برپا دیکھا، تمام رعایا نے غل مچادیا کہ اب بادشاہ جائز وحقدار کو زمام سلطنت خود سنبھال کر حکومت کرنی چاہیئے۔ ہشام المویّد نے بہت کہا کہ وہ سلطنت کی فکروں سے آزاد رہ کر زندہ رہنا چاہتے ہیں، مگر کسی نے نہ مانا، رعایا نے ایک بلوے کی شکل اختیار کرکے اپنی مراد کو پہنچنا چاہا، منظفر نے اِس بلوے کو بزورِ شمشیر فرو کیا، اور کچھ دنوں کو امن ہوگیا، یہ واقعہ بھی سچ ہے کہ خلیفہ ناصر کے ایک پوتے نے جس کا نام بھی ہشام تھا عبدالملک منظفر کو جان سے مارنے کی سازش کی تھی، مگر منظفر کو وقت پر اطلاع ہوگئی اور اُس نے اِس سازش کو درہم برہم کرکے خلیفہ ناصر کے اِس پوتے ہشام کو قتل کرادیا۔
(دسمبر ۱۰۰۶ء مطابق ربیع الاول ۳۹۷ھ)

حکومت اور انتظام کے اعتبار سے منظفر اپنے باپ کے قدم بقدم چلے، عیسائیوں پر بہت سی فتوحات حاصل کیں، جب تک برسرِ حکومت رہے مُلک ترقی پر رہا، بعد کے

لوگوں نے اُن کے زمانہ کو دورِ زریں کہا ہے۔ مگر باوجود ترقی کے ملک میں رفتہ رفتہ ایک انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ پُرانے شرفا رعب اب باقی نہ رہے تھے، عبدالرحمٰن الناصر اور منصور دونوں نے یہی کوشش کی تھی کہ اسپین کی مختلف قومیں شیر و شکر ہو کر ایک قوم ہو جائیں، اِس میں آخر کار اُن کو کامیابی بھی ہوئی تھی، عربی خاندانوں نے بنی اُمیّہ سے خلافت چھین کر خود مسلط ہونے کے لیے ہمیشہ نزاع برپا رکھا تھا، اِن خاندانوں کو نہ صرف مغلوب کیا گیا بلکہ اُن کا زور توڑنے کے لیے اُن کو مفلس اور تنگدست بنا دیا، ہر روز سننے میں آتا تھا کہ آج کوئی پُرانا نام جس کی لوگ عزت کیا کرتے تھے دنیا سے مٹ گیا، امرائے دربار جن کا بڑا تعلق یہ تھا کہ بنی امیہ کے موالی تھے اچھی حالت میں تھے، ابوعبدہ، شہید، جہور اور فطیس کے خاندان والے اب بھی مناصبِ جلیلہ پر ممتاز تھے، لیکن اس زمانہ میں سب سے زیادہ با اختیار اور صاحبِ قوت بربر کے فوجی افسر اور صقالبہ تھے جن میں شمالی اسپین کے ایسے عیسائی بھی شامل تھے جو اسلامی فوجوں میں ملازم تھے، مگر اِن لوگوں کے پردیسی اور نو دولت ہونیکی وجہ سے ملک والے اُن کی عزت کم کرتے تھے، اُنکو وحشی سمجھتے تھے، اور اُن کی زیادتیوں اور ظلموں کی شکایت سب کی زبان پر رہا کرتی تھی (۵۳۵) متوسط الحال جماعتیں صنعت اور تجارت کی وجہ سے بہت مالدار ہو گئی تھیں، امیر عبداللہ بن محمد کے زمانہ میں بھی جبکہ ہر طرف بدنظمی اور بدعملی تھی اِن متوسط درجہ کی جماعتوں نے بہت دولت جمع کر لی تھی، اہلِ تجارت و صنعت کا سرمایہ وہی روپیہ ہوتا تھا جو اُن کے دوست اُنہیں قرض دیتے تھے، چونکہ زمانہ امن و امان کا تھا اس لیے اِن سرمایوں میں اکثر آسانی سے اضافہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی، باوجودیکہ ظاہر میں سلطنت بہت سرسبز اور خوشحال تھی مگر خرابی کے جراثیم اُس میں مضمر تھے، قبیلوں کے نزاعات جو پہلے ہوا کرتے تھے اب بند ہو گئے تھے، مگر صرف اِس وجہ سے بند ہو گئے تھے کہ نئی شکل میں نمودار ہوں، یہ نئی شکل اُنہوں نے مختلف جماعتوں کے باہمی نزاع کی صورت میں پیدا کی۔

ف۵ اس زمانہ کے حالات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں۔

کام کرنے والے کام لینے والوں کے دشمن تھے، متوسط درجے والے امیروں سے جلتے تھے، اور سب لوگ فوجی سرداروں کے اور ان میں خاص کر بربر کے فوجی افسروں کے دشمن ہوگئے تھے، عام ناتجربہ کاری نے لوگوں میں ایسی چیزیں حاصل کرنے کا شوق پیدا کردیا تھا جن میں نہ کبھی پہلے ہاتھ ڈالا تھا اور نہ جن کے متعلق پہلے کسی قسم کا علم تھا، مذہب پر سخت حملے ہونے لگے، فلسفیوں کے خلاف جو طریقے منصور نے اختیار کیے تھے اُن کے نتائج فقہا کے حسب مراد پیدا نہ ہوئے، آزاد خیال لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی، مذہبی شکوک نے جن کی طرف عرب ہمیشہ سے رجحان رکھتے تھے زیادہ تر علمی شکل اختیار کی، میاسرہ یعنی ابن میسرہ کے پیرو بہت بڑھ گئے، اہل بدعت نے بہت سے طریقے ایسے وضع کیے جو مخرب دین تھے، خود علمائے دین میں ایک فرقہ ایسا پیدا ہوا کہ گو علم حدیث اُسے حاصل تھا مگر اُس کے عقائد سچے مسلمانوں کی نظر میں سطحی اور اکثر ایسے دہریوں کی مشکوک و مشبوہ تصانیف پر مبنی تھے جو اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑنا چاہتی تھیں، اس عالم موجودات کی نسبت اُن کا عجیب خیال تھا، کہتے تھے کہ یہ دنیا ایک مچھلی پر اور مچھلی بیل کے سینگ پر قائم ہے، اور بیل ایک چٹان پر کھڑا ہے، اور یہ چٹان ایک فرشتے کے کندھے پر رکھی ہے، اور اس فرشتے سے نیچے تاریکی ہے جس میں ایک بحر ناپیدا کنار موجیں مار رہا ہے۔[۵۱] علمائے دین سمجھتے تھے کہ ان مبہم اور عجیب عقائد میں جو زیادہ تر اشارے اور رموز تھے کفر چھپا ہوا ہے۔

اس فرقہ نے کائنات کو لاحد و لامتناہی مان لیا، اور اس بات کی تعلیم دی کہ مذاہب جبر اور دھوکے سے شائع ہوسکتے ہیں، اور دلائل سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ انسان کی عقل ان مذاہب میں سے کس کو سچ اور کس کو جھوٹ ماننے پر مجبور ہے۔

باوجود اس آزادی کے یہ لوگ حکمائے یونان کی تعلیم کو دشمنی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر ایک دوسرا فرقہ ایسا تھا جس نے اپنے عقائد کی بنیاد فلاسفۂ یونان کی تعلیم پر رکھی تھی۔ (۵۳۶)

---

۵۱ دیکھو ابن خلدون "مقدمہ" (دسلین کا ترجمہ) جلد ۱ ص ۲ — ۳ تعلیقہ ۳

اس اخیر فرقے کے اصول فطرت کے مطابق تھے۔ ریاضی کی تحصیل نے انکو علم ہیئت کی طرف متوجہ کیا، اور پھر انہوں نے یہ بحث چھیڑ دی کہ مذہبی عقائد اپنی تصدیق کے لیے ثبوت ریاضیہ کے محتاج ہیں، اور چونکہ کوئی ایسا ثبوت ملتا نہیں اس لیے مذہب ایک لغو چیز ہے، تمام احکام شریعت ہیچ، اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، انہیں ایک غلطی معلوم ہونے لگے۔ فقہا ان لوگوں کی نسبت ملامت کے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے باز نہ رہے جو دنیا میں بالعموم ہر مذہب کے عالم ایسے لوگوں کی نسبت استعمال کرتے ہیں جو تسلیم شدہ مذہب کے عقائد کے خلاف اپنی رائے ظاہر کیا کرتے ہیں، ان لوگوں پر فقیہوں نے یہ الزام لگایا کہ وہ بخس دولت کمانے میں اپنی تمام عمر اس لیے گنواتے ہیں کہ اخلاقی قواعد سے آزاد ہوکر ہوا و ہوس میں بے روک ٹوک زندگی بسر کریں۔

بہرکیف جو فرقے اسلام پر علانیہ معترض ہوتے تھے وہ اس قدر خوف کی چیز نہ تھے جیسے کہ ایک دوسرا فرقہ تھا، اس فرقے میں مسلمان، عیسائی، یہودی تینوں مذہبوں کے لوگ شامل ہوئے، انہوں نے ایک نیا مذہب "المِلَّتُ الکُلِّیہ" کے نام سے ایجاد کیا، اس مذہب کے پردے میں وہ دین سے بے پروائی کرنی سکھاتے تھے، فقہائے اسلام اس بات سے خوب واقف تھے کہ جب کوئی مذہب غارت ہونے کو ہوتا ہے تو اندرونی اختلافات یہ غارتگری پیدا کرتے ہیں نہ کہ بیرونی حملے، مگر مِلَّتُ الکُلِّیہ کے ماننے والوں میں بھی جن کے عقائد اس قدر نرم تھے کہ جدھر چاہو موڑ لو بعض باتوں میں باہمی اختلاف تھا، کوئی کسی درجہ پر تھا کوئی کسی درجہ پر، مگر منطقی مباحث سے سب بیزار تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "دنیا ادیان اور ادیان کی بدعتوں اور مذاہب فلسفہ سے بھری پڑی ہے، عیسائیوں کی مثال لیجیے، ملوکی عیسائی[۵۱] نسطوری عیسائی[۵۲] کا روادار نہیں، نسطوری کو یعقوبی عیسائی[۵۳]

۵۱ مشرقی عیسائی۔

۵۲ یہ مسیح کی ایک ذات میں دو اقنوموں کا مجتمع ہونا نہیں مانتے تھے۔

۵۳ یہ شام کے رہنے والے ایسے عیسائی تھے جو ذاتِ مسیح میں دو اقنوموں کا جمع ہونا تسلیم نہ کرتے تھے، یہ یعقوب باراد یوس کے نام پر یعقوبی کہلائے گئے، ایسے عیسائی ابتک کم تعداد میں موجود ہیں۔

سے نفرت ہے اور پھر یہ سب ایک دوسرے پر لعن کرتے ہیں، مسلمانوں میں معتزلہ[۵۱] اُن لوگوں کو جو اُن سے متفق الکلام نہیں بُرا کہتے ہیں، خارجی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ دوسرے فرقوں کا کام ہی تمام کر دیں، سنی کوئی بات خارجیوں اور معتزلہ کی نہیں رکھتے، یہودیوں میں بھی اختلافات کا یہی حال ہے، فلسفی گو لڑتے کم ہیں مگر اُن میں بھی اختلافات کی کثرت ہے، اگر ہم تحقیق کریں کہ ان بے شمار طریقوں اور مذہبوں میں کونسا حق پر ہے تو کسی میں کوئی بات ایسی نہ پائیں گے کہ دوسرے پر ترجیح دیکر اُسے قبول کر لیں، ان میں ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لیے جو دلائل پیش کرتا ہے وہ ایسے ہی درست یا غلط معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ دوسرے کے دلائل و براہین۔ فرق اگر کچھ نظر آتا ہے تو اس میں نظر آتا ہے کہ منطقی مہارت کس میں بڑھی ہوئی ہے، اگر ان باتوں کی تصدیق کرنی ہو تو مختلف مذاہب کے لوگوں کی بحثوں کو جا کر سُنیئے، پھر معلوم ہوگا کہ آج جس کو فتح ہو گئی تھی کل وہ شکست کھا گیا، علماء کی مجلسوں میں جو ہتھیار کام میں لائے جاتے ہیں وہ بھی لڑائی کے ہتھیاروں کی طرح پُورے بھروسے کے نہیں ہوتے، واقعہ یہ ہے کہ ہر بحث کرنے والا جن باتوں پر بحث کرتا ہے اُن کا صحیح علم نہ کبھی پہلے اُس کو تھا اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔"

(۵۳۷)

بہرکیف بعض اہلِ شک ایسے تھے جو خاص خاص نتائج کو تسلیم کرتے تھے، بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خدائے واحد خالقِ کون و مکاں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کے قائل تھے، یہ لوگ دوسرے مذہبوں کی نسبت کہتے تھے کہ "ممکن ہے وہ سچ ہوں ممکن ہے وہ باطل ہوں، ہم کو اُن کا اقرار ہے نہ انکار، ہم اُن کی نسبت کچھ نہیں بتا سکتے، اور ہمارا ایمان ایسے اُصول کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا جن کی سچائی پر ہم کو ہدایت نہ کی گئی ہو۔" یہ فریقِ معتدل کے لوگ تھے، بعض لوگ صرف ایک خالق کا وجود مانتے تھے، اور

---

[۵۱] معتزلہ کے حالات کے لیے دیکھو نکلسن کی "عربوں کی ادبی تاریخ" (مطبوعہ ۱۹۰۷ء) صفحہ ۲۲۲ اور اس کے بعد۔

جو لوگ زیادہ ترقی یافتہ تھے اُن میں کوئی مذہب جس میں وہ پورا یقین رکھتے ہوں موجود نہ تھا، اُن کا قول یہ تھا کہ نہ خدا کا وجود ثابت ہو سکا ہے، اور نہ اِس عَالَم کا مخلوق ہونا، لیکن اِس کے ساتھ ہی کوئی ثبوت اِس بات کا بھی نہیں ہے کہ خدا نہیں ہے، اور یہ کہ اِس عَالَم کی کبھی ابتدا نہیں ہوئی۔

بعض کہتے تھے کہ کم از کم ظاہر داری کی بنا پر اِس بات کی ضرورت ہے کہ جس مذہب میں پیدا ہوئے ہیں اُسے مانا جائے، بعض ایک ایسے جامع مذہب کی ضرورت سمجھتے تھے جس میں تمام اخلاقی اصول جن کو عقل نے اور تمام مذہبوں نے مانا ہو شامل ہوں۔

مذہبی معاملات میں جو لوگ نئے نئے شگوفے کِھلاتے تھے وہ اُن لوگوں سے بہتر تھے جو نظمِ سلطنت میں نئے طریقے ایجاد کرنے چاہتے تھے، اُن کو اتنا تو معلوم تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں، اِس کے برعکس سیاسی دنیا میں کسی کے خیالات بھی واضح اور صاف نہ تھے، موجودہ سیاسی حالت سے سب ناخوش تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حالاتِ حاضرہ نے سوسائٹی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ وہ ایک سیاسی انقلاب پیدا کرنے پر مجبور ہو گئی ہے، اِس قسم کے انقلاب کو منصور کی نظرِ دُور بین نے پہلے ہی سے دیکھ رکھا تھا، ایک دن وہ مدینۃ الزاہرہ کے ایک پُرفضا باغ میں کھڑے قصر کی عالیشان عمارت کو دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے لگے "زاہرہ! تجھ پر سخت افسوس ہے۔ کاش! مجھے وہ آدمی معلوم ہو جاتا جس کے ہاتھوں تُو بہت جلد خراب ہونے والا ہے۔" مصاحبوں میں سے ایک نے جو قریب تھا متعجب ہو کر اُن کے اِس خیال کی وجہ پُوچھی، منصور بولے "واللہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ تم خود جلد دیکھ لوگے، میں دیکھ رہا ہوں کہ زاہرہ کا نام مٹ رہا ہے، اُس کی بُنیادیں اُکھاڑ کر پھینکی جا رہی ہیں، اُس کے خزانے لُوٹے جا رہے ہیں اور آتشِ فتنہ سب کو جلائے ڈالتی ہے۔"

سوال یہ تھا کہ اگر یہ سیاسی انقلاب پیدا ہوا تو اُس کی غرض اور اُس کا طریقہ کیا ہوگا مگر کوئی شخص اِس سوال کا ٹھیک جواب نہ دے سکتا تھا، لیکن اِس پر سب متفق الرائے تھے کہ خاندانِ منصور کو جو اختیارات حاصل ہو گئے ہیں اُن کو سلب کر لینا چاہیئے، اِس (۵۳۸)

رائے پر تعجب کی ضرورت نہیں، جو قومیں کسی مطلق العنان حکومت کی مطیع ہوتی ہیں وہ سوائے بادشاہ کے اور کسی کے اختیارات کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتیں، ایسے وزرار جن کو بادشاہوں کے سے اختیارات حاصل ہوئے، گو وہ کیسے ہی لائق ثابت ہوئے ہوں ہمیشہ رعایا کی عداوت اور نفرت کا نشانہ بنے رہے۔ اور یہی چیز عامریوں سے عداوت رکھنے کی کافی وجہ ہوگئی، لیکن اس کے ساتھ یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ جو لوگ خلیفۂ وقت ہشام المویدکے خیرخواہ تھے اُن کے دلوں کو عامریوں نے طرح طرح سے زخمی کیا تھا، اب تک بنی عامر محض خلیفہ کے نام سے حکومت کرنے پر قانع معلوم ہوتے تھے، لیکن اُن کی اصلی نیّت یہی تھی کہ تاج وتخت کے بالکل مالک ہوجائیں، اُن کی یہ حرص ایسی تھی جس نے نہ صرف خاندانِ امیہ کے شہزادوں کو جو بکثرت تھے ناراض کردیا بلکہ فقہا ربھی بہت ناخوش ہوگئے، کیونکہ فرمانروا خاندان میں سے خلیفہ مقرر ہونے کا جو طریقہ چلا آتا تھا اُسے وہ دل سے پسند کرتے تھے، اور یہی حال عام رعایا کا تھا جو شاہی خاندان بنی امیہ کی دل سے شیدا تھی، اِس کے علاوہ اہلِ دربار بھی عامریوں کا زوال چاہتے تھے، کیونکہ عامریوں کے تنزل سے اپنے اختیارات بڑھنے کی اُمید زیادہ ہوتی جاتی تھی، عام رعایا بھی سیاسی انقلاب کی آرزو رکھتی تھی۔ اِس خیال سے کہ دولتمندوں سے بدلہ بھی نکال لیں گے اور اُن کی دولت بھی ہاتھ آئیگی، یہ خیال ایسا تھا جس نے دولتمندوں کو پہلے ہی سے ہوشیار کردیا ہوگا، صنعت وحرفت کے اعتبار سے قرطبہ بہت بڑا شہر تھا، مختلف صنعتوں کے ہزارہا کام کرنے والے اُس میں آباد تھے، اور تھوڑا سا فساد بھی اتنی ترقی پکڑ سکتا تھا کہ دولتمندوں اور مفلسوں میں ایک فتنۂ عظیم کی شکل اختیار کرلے۔ لیکن ناتجربہ کاری اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اِس خطرے کی طرف کسی کا خیال تک نہ گیا، دولتمندوں نے اہلِ حرفہ کو اپنا دوست سمجھا، اور سب اِس خیال میں رہے کہ عامریوں کو نکالتے ہی کُل باتیں ٹھیک ہوجائیں گی۔

بنی عامر کے زوال کے سب خواہشمند تھے کہ اِسی حالت میں عبدالملک المظفر کا انتقال ہوگیا (۳۹۹ھ ۱۰۰۸ء) مظفر کے انتقال پر اُن کے بھائی عبدالرحمٰن حاجب مقرر ہوئے

یہ نوجوان تھے اور فقیہوں کو ان سے سخت نفرت تھی، اولاً تو وہ انہیں نسب کا اچھا نہ سمجھتے تھے، کیونکہ عبدالرحمٰن کی ماں شانجہ کی بیٹی تھیں، یہ شانجہ یا توقشتالیہ کا عیسائی رئیس یا نبرہ کا عیسائی بادشاہ تھا، اسی وجہ سے نانا کے نام پر عبدالرحمٰن کا نام شنجول یا سنخول یعنی چھوٹا شانجہ ہوگیا تھا، اور تاریخ میں اسی نام سے وہ پکارا گیا ہے، عبدالرحمٰن کے کام بھی ایسے نہ تھے جو خرابی نسب کی تلافی کر دیتے، آزاد منش اور بے پروا سا آدمی تھا، سب کے (۵۳۹) سامنے شراب پینے میں مطلق باک نہ تھا، اکثر لوگ نہایت افسوس اور غصے سے اس بات کا ذکر کیا کرتے تھے کہ ایک موقع پر جب موذن نے "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ" (آؤ نماز کے لیے) کہا تو عبدالرحمٰن بولا کہ "اس کی جگہ حَیَّ عَلَی الْخَمْرِ (آؤ شراب کے لیے) کیوں نہ کہا جائے؟ یہ کہنا شاید بہتر ہوگا۔" اس کے علاوہ اس پر یہ الزام بھی لگایا جاتا تھا کہ اس نے اپنے بھائی مظفر کو زہر دے کر مارا ہے، مشہور یہ ہوا کہ عبدالرحمٰن نے ایک چھری سے جس کے ایک رخ زہر لگا ہوا تھا ایک سیب کاٹا، اور سیب کا وہ ٹکڑا جس میں زہر لگ گیا تھا اپنے بھائی مظفر کو دیا[۲]، اس قسم کے الزام کم و بیش لوگوں کی گھڑنت تھے، لیکن یہ امر یقینی تھا کہ سنخول میں منصور یا مظفر کی سی لیاقت اور ہوشیاری نہ تھی، باوجود اس کے اس نے ایک ایسے کوچے میں قدم رکھنا چاہا جہاں اس کے باپ اور بھائی کی ہمت بھی قاصر رہی تھی۔

حکومت فی الحقیقت بنی عامر کر رہے تھے، ہشام المؤید برائے نام خلیفہ تھے، بنی عامر ابھی تک خلیفہ نہ ہوئے تھے گو دل سے چاہتے تھے کہ خلیفہ ہو جائیں۔ اب عبدالرحمٰن سنخول کو یہ حماقت سوجھی کہ وہ کسی طرح ہشام المؤید کا ولیعہد مقرر کر دیا جائے، بعض ذی وقعت

ف۱ اسپینی زبان میں اب بجائے سنخول کے سنچیلو ہوگیا ہے، سانکو رئیس قشتالیہ کے حالات کیلئے دیکھو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" (۱۸۸۱ء) جلد ۱ صفحات ۲۰۳ تا ۲۱۰

ف۲ مقابلہ کرو اسپینا سگرادا، ج ۲۳ ص ۴۰۳، اس طریقہ سے زہر دینے کی دوسری مثال البکری نے بیان کی ہے (صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ سلین)

لوگوں سے جن میں قاضی ابو ذکوان اور ابنِ برد کاتب الانشا خاص طور پر شریک ہوئے، اِس معاملہ میں گفتگو ہوئی، سنخول کو جس وقت ان لوگوں کی طرف سے تائید ہونیکا یقین ہوگیا تو اُس نے خلیفہ ہشام سے اپنے ولی عہد مقرر کیے جانے کی درخواست کی، ہشام اگرچہ نام کے خلیفہ تھے مگر ایسا عجیب کام کرنے میں اُن کو بھی تذبذب ہوا، اور یہ کام اِس وجہ سے اور بھی خطرناک معلوم ہوا کہ کسی موقع پر پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ "حکومت بنی معد سے دوسری طرف کبھی نہ جانی چاہیئے"، ہشام المؤید نے بعض علمار سے اِس امر میں استصواب کیا، لیکن یہ سب علمار قاضی ابن ذکوان کے سکھائے پڑھائے تھے، اُنھوں نے ہشام کو یہی مشورہ دیا کہ سنخول کی درخواست قبول فرمانی چاہیئے، اور زیادہ شبہات رفع کرنے کے لیے ایک حدیث اِس مضمون کی بیان کی کہ "جب تک حکومت بنی قحطان کے ایک آدمی کے ہاتھ میں نہ جائیگی قیامت کا دن نہ آئیگا"۔ ہشام المؤید نے عبدالرحمٰن سنخول کی درخواست منظور کرلی، اور عبدالرحمٰن اپنے بھائی مظفر کی وفات کے ایک مہینے بعد ایک وثیقہ کے ذریعہ خلیفہ ہشام المؤید کے ولی عہد مقرر کردیے گئے، یہ وثیقہ ابنِ برد نے لکھا تھا۔

اِس تقرر نے اہلِ قرطبہ کے جوش وخروش کو درجۂ انتہا پر پہنچا دیا، بعض اشعار جو اس واقعہ کی مذمت میں کہے گئے وہ سب کی زبان پر تھے۔ مثلاً

"ابنِ ذکوان اور ابنِ بُرد نے توہینِ مذہب کا یہ نیا طریقہ نکالا ہے، یہ خُدا اور حق کے دشمن ہیں، کیونکہ انہوں نے شانجہ کے نواسے کو وارثِ خلافت بنایا ہے"۔

اس کے علاوہ لوگوں نے بہت خوش ہوکر یہ قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ مدینۃ الزاہرہ میں ایک ولی اللہ کا گذر ہوا، شہر کی عماراتِ عالیہ اور رونقِ فائقہ کو دیکھ کر وہ کہنے لگے "اے مکان تُو بہت سے مکانوں کی لُوٹ سے مالا مال ہے، خدا ایسا کرے کہ تیری لُوٹ سے ہر مکان مالا مال ہو"۔

(۵۴۰)

خلاصہ یہ کہ عبدالرحمٰن سنخول کے سب بدخواہ اور دشمن ہورہے تھے، مگر ابھی تک

کوئی ہنگامہ نہیں ہوا تھا، شہر میں چونکہ فوج موجود تھی اس لیے سب ڈرے اور رُکے ہوئے تھے، لیکن فتنہ برپا ہونے میں زیادہ دیر نہ تھی، اس دھوکے میں آکر کہ قرطبہ میں امن ہے عبد الرحمٰن سنخول نے لیون پر حملہ کرنے کا قصد کیا، اور ۱۴ر جنوری ۱۰۰۹ء (۱۴ر جمادی الاول ۳۹۹ھ) کو جمعہ کے دن قرطبہ سے فوجیں لیے ہوئے لیون روانہ ہوگیا ایک حماقت یہ کی کہ سر پر عمامہ رکھا، اور فوج والوں کو بھی یہی حکم دیا، حالانکہ قرطبہ میں سر کا یہ لباس علماء و فقہا کے ساتھ مخصوص ہوچکا تھا، قرطبہ کے لوگوں نے اس حرکت کو بھی مذہب اور مذہب کے عالموں کی توہین سمجھا۔

سرحد شمال سے گذرنے کے بعد عبد الرحمٰن سنخول نے اوفونش پنجم کو اس کے پہاڑی قلعوں سے باہر نکالنے کی کوشش کی[۵۱] مگر کامیابی نہ ہوئی، برف و باران کی شدت نے راستوں کو ناقابل گذر کردیا تھا، سنخول نے مجبور ہوکر واپسی کا قصد کیا، جس وقت طلیطلہ میں قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ قرطبہ میں بغاوت ہوگئی ہے۔

ایک اموی شہزادہ جس کا نام محمد[۵۲] (ابن ہشام بن عبد الجبار بن عبد الرحمٰن الناصر) تھا، اس بغاوت کا سرگروہ تھا، یہ محمد اسی ہشام کا فرزند تھا جسے عبد الملک المظفر ابن منصور نے قتل کرا دیا تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۵۳۴) رشتے کے لحاظ سے یہ محمد بن ہشام خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر لدین اللہ کا پڑپوتا تھا، اس کا باپ ہشام بن عبد الجبار جب

---

۵۱ اس مہم کا نام اسپینی زبان میں "کیچڑ والی لڑائی" تھا۔

۵۲
عبد الرحمٰن الناصر لدین اللہ
- سلیمان
  - ابوبکر
  - الحکم
    - سلیمان (المستعین)
  - ہشام
- عبد الجبار
  - ہشام
    - محمد (المہدی باللہ)
- الحکم المستنصر باللہ
  - خلیفہ ہشام المؤید
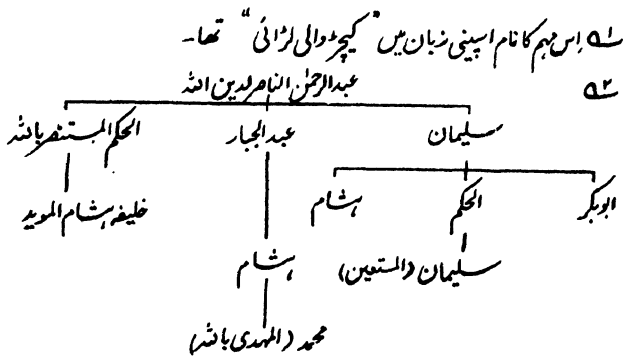
قتل ہوا تو اِس خوف سے کہ باپ کی طرح وہ بھی نہ مارا جائے محمد بن ہشام قرطبہ میں کہیں روپوش ہوگیا۔ قرطبہ کے لوگ اِس اموی شہزادے کے نام سے خوب واقف ہوگئے تھے، دولت اِس شہزادے کے پاس بہت تھی اور بخیل نہ تھا، ایک بڑے فقیہہ حسن بن یحییٰ نے اِس کی مدد کی، غرض اِن وجوہ سے اور بہت سے اُمویوں کے سہارے سے محمد بن ہشام نے ایک بڑا گروہ بہادر اور دلیر لوگوں کا جمع کرلیا، عبدالرحمٰن سنخول روانگی کے وقت قرطبہ کا انتظام ابنِ عسقیلیجہ عامری کے سپرد کرگیا تھا، ابنِ عسقیلیجہ کے کانوں تک کچھ اُڑتی سی خبر پہنچی تھی کہ عبدالرحمٰن سنخول کے خلاف کوئی سازش ہونے والی ہے، لیکن یہ خبر کچھ ایسی مبہم تھی کہ گو بعض لوگوں کی خانہ تلاشی لی گئی مگر کوئی سامان ایسا برآمد نہ ہوا جس سے سازش کا گمان پختہ ہوجاتا۔

محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن ناصر نے ۲۵ر فروری ۱۰۰۹ء یعنی ۱۸ر جمادی الآخر ۳۹۹ھ جمعہ کا دن بغاوت کے لیے مقرر کیا، اور جن لوگوں کو جمع کیا اُن میں سے تیس بڑے جانبازوں کو منتخب کرکے حکم دیا کہ قصرِ خلافت سے متصل جو اونچا چبوترہ ہے وہاں شام کو جمع ہوجائیں، ہتھیار اپنی قباؤں میں چھپائے رکھیں، پھر اُن سے کہا کہ "میں غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے تمہارے پاس پہنچ جاؤنگا، مگر اتنی احتیاط کرنا کہ جب تک میں اشارہ نہ کروں بالکل خاموش کھڑے رہنا۔"

(۵۴۱)

تیسوں جوان مقررہ جگہ پر پہنچ گئے، کسی کو اُن پر کوئی شبہ نہ گذرا، کیونکہ قصر کے اِس چبوترے پر جہاں سے بڑی سڑک اور دریا نظر آتا تھا، سیر تماشا دیکھنے کو اکثر لوگ جمع رہا کرتے تھے، اِس اثنا میں محمد بن ہشام نے جو گروہ تیار کیا تھا اُس کے لوگوں کو ہتھیار دیکر بالکل تیار رہنے کا حکم دیا۔

اب محمد بن ہشام اِس گروہ کو ساتھ لیے خود خچر پر سوار اُس بلند چبوترے پر آیا۔ جہاں اُس کے تیس جوان پہلے سے موجود تھے اور آتے ہی اُنہیں اشارہ کیا، تیسوں جوانوں نے ایک دم قصر کے دروازے پر جو سپاہی پہرا دے رہے تھے اُن پر حملہ کیا، سپاہی بالکل بے خبر کھڑے تھے، حملہ آوروں نے اُن کے ہتھیار چھین لیے،

محمد بن ہشام فوراً قصر میں داخل ہوا، اور وہاں پہنچا جہاں ابنِ عسقیلیجہ عامری اپنی حرم سرا میں بیٹھا دو کنیزوں کے ساتھ شراب پی رہا تھا، ابنِ عسقیلیجہ سنبھلنے بھی نہ پایا کہ قتل کر دیا گیا۔

محمد بن ہشام کے باقی گروہ والوں کو جس وقت معلوم ہوا کہ ابنِ عسقیلیجہ مارا گیا تو وہ فوراً قرطبہ کے بازاروں اور کوچوں میں یہ پکارتے ہوئے دوڑے کہ "لوگو! ہتھیار اُٹھالو، محمد بن ہشام کے فریق کو اُمید سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔" شہر کے لوگ جو بغاوت کرنے کے لیے فقط اشارے کے منتظر تھے خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے اِس گروہ کے ساتھ ہو لیے، اب یہ لوگ خلیفہ ہشام المؤید کے محل کے سامنے آئے اور محل کی فصیل کو دو جگہ سے توڑ دیا، خلیفہ ہشام ابھی تک اِس خیال میں تھے کہ شاہی فوج آکر اِن بلوائیوں سے اُنہیں بچا دے گی، سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار اِس وقت منصور کے تعمیر کردہ قصر الزاہرہ میں تھے، یہاں کچھ پیدل فوجیں صقالبہ کی اور چند رسالے سواروں کے موجود تھے جن کو یہ عہدہ دار حکم دے سکتے تھے، مگر جب اِس ہنگامے کی خبر اُن کو پہنچی تو وہ سمجھے کہ ابنِ عسقیلیجہ تو قصرِ خلافت میں موجود ہی ہے وہ اِس شورش کو جلد فرو کر دے گا، لیکن جب بعد میں معلوم ہوا کہ ہنگامہ پوری بغاوت ہے تو یہ عہدے دار خوف سے نیم جان ہو گئے، سب کے حواس باختہ ہوئے اور کسی نے خلیفہ ہشام کو اِس خطرے سے نکالنے کی کوشش نہیں کی، خلیفہ ہشام نے جب دیکھا کہ اب کوئی دم میں لوگ اُن کے محل پر حملہ کر دیں گے تو اُنہوں نے ایک قاصد محمد بن ہشام کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "اگر تم میری جان سلامت چھوڑ دو گے تو میں تمہارے حق میں تخت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔" محمد بن ہشام نے قاصد سے کہا "کیا خلافت پناہی یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اُن کے قتل کے لیے یہ بغاوت کی ہے، نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے، میری بغاوت کی وجہ صرف یہ ہے کہ جس وقت میں نے دیکھا کہ آپنے ہمارے خاندان سے سلطنت کو نکلتے ہوئے دیکھنا گوارا کر لیا تو مجھے سخت صدمہ ہوا، آپ کی جو خوشی اور مرضی ہو وہ کریں، لیکن اگر تختِ خلافت آپ مجھے خوشی سے دینا

چاہتے ہیں تو میں شکریہ کے ساتھ اُسے قبول کرتا ہوں، اور اِس صورت میں جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ مجھے سب منظور ہے۔"

اِس کے بعد محمد بن ہشام نے علمار اور بعض مؤقر روسار کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ ایک عہدنامہ خلیفہ ہشام المؤید کے سلطنت سے سبکدوش ہونے کا تیار کریں، چنانچہ عہدنامہ تیار ہوا، خلیفہ ہشام المؤید نے اُس پر اپنے دستخط کر دیے، اور محمد بن ہشام رات بھر ہشام المؤید کے قصر میں رہا، دوسرے دن اُس نے اپنے ایک عزیز (۵۴۲) اُموی کو اپنا حاجب مقرر کیا، اور ایک دوسرے اُموی کے سپرد شہر کا انتظام کیا، اور اُن کو حکم دیا کہ جس قدر لوگ فوج میں بھرتی ہونا چاہیں اُنہیں بھرتی کیا جائے۔ شہر کے لوگوں میں اِس قدر جوش و خروش تھا کہ ہر قسم کے لوگوں نے فوج میں کثرت سے بھرتی ہونا شروع کر دیا، معمولی لوگوں کے علاوہ مالدار تاجر، اضلاع کے زمیندار اور کاشتکار، مسجدوں کے امام، فقرار اور گوشہ نشین مشائخ بھی فوج میں بھرتی ہونے لگے اُمویوں کی طرفداری میں جو سلطنت کے اصلی حقدار تھے اور سنخول کو نکالنے میں جس نے تختِ خلافت غصب کیا تھا اور جو بے دین تھا ہر شخص اپنا خون بہانے کو تیار تھا،

محمد بن ہشام نے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ مدینۃ الزاہرہ کو جائے، حاجب جب وہاں پہنچا تو سرکاری عہدہ داروں کو جو وہاں حاضر تھے مقابلہ کرنے کا خیال تک پیدا نہ ہوا بلکہ بہت جلد سب کے سب نئے خلیفہ کی بیعت کرنے اور اُس سے عفوِ تقصیر چاہنے کے لیے قصرِ خلافت میں حاضر ہو گئے، محمد بن ہشام نے اُن کا قصور معاف کیا۔ لیکن پہلے اُن لوگوں کو سخت ملامت کی جنہوں نے عبدالرحمٰن سنخول کو ولی عہد بنانے میں مدد کی تھی۔

اِس طرح چوبیس ۲۴ گھنٹے سے کم میں بنی عامر کی حکومت خاک میں مل گئی، مخالفوں میں کسی کو توقع نہ تھی کہ کامیابی اِس قدر جلد ہو جائیگی، قرطبہ میں ہر جگہ شادیانے بجنے لگے ادنیٰ درجے کے لوگ بالخصوص بہت خوش تھے، یہ ادنیٰ طبقے کے آدمی جن کی خوشی اور ناراضی ہمیشہ انتہا درجے کی ہوا کرتی ہے خیال کرنے لگے کہ اب اُن کے لیے تموّل

اور خوشحالی کا زمانہ آگیا، لیکن اگر متوسط درجے کی جماعتوں کو اس کا کچھ بھی خیال پہلے سے گذرا تھا کہ اِس ملکی انقلاب سے کیسے کیسے بُرے اور دُور تک اثر کرنے والے نتائج پیدا ہوں گے تو اُن کا فرض تھا کہ بغاوت میں شرکت سے پہلے ایک بار نہیں بلکہ بار بار غور کر لیتے، اور اِس بات کو بھی سمجھ لیتے کہ عامریوں کی حکومت گو شخصی اور مطلق العنان سہی مگر وہ ایک شائستہ اور مہذب حکومت تھی، جس نے ملک کو اقبالمندی اور حربی طاقت میں اوجِ کمال کو پہنچا دیا تھا، اور اُس کی قدر و قیمت اُس بدنظمی و فوجی تسلط سے جو اب اُن پر ہونے والا تھا کہیں زیادہ تھی۔

اِس موقع پر بھی ظلم و زیادتی جو عامۃ الناس کے ہنگاموں میں ظاہر ہوا کرتی ہے پیش آئی، محمد بن ہشام گو قتل و غارت کا حکم دے سکتا تھا، لیکن اِن چیزوں کو جب وہ شروع ہو جائیں روکنے کی قوّت ابھی تک اُس میں نہ تھی، چنانچہ اُس نے بڑی دُور اندیشی سے جس کی قدر کرنی چاہیئے، یہ حکم دیا کہ قصر الزاہرہ میں جو خزانہ اور بیش بہا ذخائر و مصنوعات موجود ہیں اُن کو حفاظت سے نکال کر قرطبہ پہنچا دیا جائے، لیکن لُوٹنے والوں نے اِس سے پہلے ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا، اِن لوگوں نے عامریوں کے قصر کو اتنا لُوٹا کہ اُس کے کواڑ اور جالیاں تک اُتار لیں، المنصور اور اُن کے خاندان کے ملازموں کے جس قدر مکانات تھے اُنہیں بھی اکثر کا یہی درجہ کیا، چار دن تک محمد بن ہشام کی یہ مجال نہ تھی کہ لُوٹنے والوں کو لُوٹ سے روک سکتا، لیکن اس کے بعد اُس نے لوگوں کو غارتگری سے روکا اور لُوٹ بند کرائی، مگر قصر الزاہرہ کی دولت ایسی فراواں تھی کہ اِس لُوٹ پر بھی پندرہ[۱۵] لاکھ سکّہ طلائی اور اکیس[۲۱] لاکھ سکّہ نقرئی خزانے میں محفوظ رہا، اِس کے کچھ عرصہ بعد بعض پوشیدہ مقامات میں دفینے تلاش کیے گئے، اور اِن سے بھی بیس[۲۰] لاکھ اشرفیاں دستیاب ہوئیں، جس وقت قصر سے یہ کُل خزانہ نکال لیا گیا تو قصر میں آگ لگا دی، اور قصر الزاہرہ کی عالیشان عمارت جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔

(۵۴۳)

اِس کے بعد ۱۸ فروری ۱۰۰۹ء (۱۹ جمادی الآخر ۳۹۹ھ) کو جامع قرطبہ میں نماز کے بعد دو فرمان سُنائے گئے، ایک میں عبدالرحمٰن سنخول کی بُری حرکتیں بیان

تھیں اور حکم تھا کہ نماز کے بعد اُس کے حق میں ہمیشہ بد دعا کی جایا کرے، دوسرے فرمان میں بعض محصول جو حال میں جاری ہوئے تھے معاف کیے گئے۔ اس کے ایک ہفتے کے بعد محمد بن ہشام نے المہدی باللہ کا لقب اختیار کیا، اور اِس خلیفہ کو آئندہ ہم اسی لقب سے یاد کریں گے۔

محمد بن ہشام جس وقت یہ لقب اختیار کر کے تخت سے نیچے اُترا تو اعلانِ عام کیا کہ عبد الرحمٰن سنخول سے لڑنے کے لیے ہتھیار اُٹھائے جائیں، اِس حکم کا بہت بڑا اثر ہوا، قرطبہ سے لے کر دُور دُور شہروں کے لوگ سنخول سے لڑنے کو جمع ہوگئے، اور چند روز کے اندر خلیفہ المہدی باللہ کے تحت میں ایک لشکرِ جرار نظر آنے لگا، لیکن اِس سیاسی انقلاب کا عمل میں آنا دراصل عوام الناس کا کام تھا، اور عوام الناس سپاہی بننے کے بعد ایسے افسروں کی ماتحتی میں لڑنا قبول نہ کرسکتے تھے جو المہدی باللہ سے پہلے دربارِ خلافت میں رسوخ رکھتے تھے، اِس لیے جو فوج اِس وقت مرتّب ہوئی تھی اُس کے سپہ سالار اور افسر ادنیٰ اور متوسط طبقے کے لوگوں میں سے منتخب کیے گئے تھے، یعنی پنساری، جلاہے، قصائی اور زین ساز وغیرہ فوج کے افسر مقرر ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ اسپینِ اسلامیہ میں جمہوریت کی شان پیدا کی گئی، اور اختیارات صرف بنی عامر ہی کے ہاتھ سے نہیں بلکہ امراءِ سلطنت کے ہاتھ سے بھی نکل گئے۔

سنخول کو قرطبہ کی بغاوت کا حال طلیطلہ میں معلوم ہوا، سنتے ہی قلعہ رباح کی طرف کوچ کیا، مصمم ارادہ کیا تھا کہ بغاوت کو بزورِ شمشیر فرو کرے گا، مگر راستہ ہی سے اُسکی فوج کے لوگ علیحدہ ہونے شروع ہوگئے، جو لوگ ساتھ رہے جب اُن سے کہا کہ خیر خواہ رہنے پر حلف اُٹھائیں تو اُنھوں نے یہ کہکر انکار کیا کہ "ہم تو پہلے ہی آپ کی اطاعت کی قسم کھا چکے ہیں، دوبارہ قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے؟" یہ جواب بربر نے دیا تھا، اور یہ بربر وہ تھے جن کو بنی عامر نے دولت دے دے کر مالا مال کر دیا تھا، اور عبد الرحمٰن سنخول سمجھتا تھا کہ وہ اِن پر بھروسہ کرسکتا ہے، مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ احسانمندی اور خیر خواہی بربر کی نیکیوں میں شامل نہیں تھیں، بربر نے اِس خیال

سے کہ اُن کے سابقہ سرپرستوں کا عروج ختم ہوا، اپنی دولت بچانے کے لیے بہت جلد خلیفہ المہدی باللہ کی اطاعت قبول کرنے کا ارادہ کر لیا، اور اِس ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی، چنانچہ جس وقت عبدالرحمٰن سنخول نے اپنے ایک فوجی افسر محمد بن یعلیٰ سے پوچھا کہ "اہلِ فوج کا میری نسبت کیا خیال ہے؟" تو ابن یعلیٰ نے کہا "میں اپنے اور دیگر اہلِ فوج کے خیالات اِس بارے میں آپ سے مخفی رکھنے نہیں چاہتا، میں صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ ایک متنفس بھی آپ کا طرفدار ہو کر لڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔" (۵۴۴)

سنخول فوج کے ایک حصہ کی خیرخواہی سے تو پہلے ہی مایوس ہو چکا تھا، مگر اُس کو ہرگز توقع نہ تھی کہ وہ محمد بن یعلیٰ کے منہ سے بھی ایسی بات سُنے گا، حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا "کیا ایک متنفس بھی میری طرف سے نہ لڑے گا؟ مجھے کیونکر یقین آئے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے؟" ابن یعلیٰ نے کہا "اپنے حرم کے ملازموں کو طلیطلہ جانے کا حکم دیجیے اور یہ بھی ارادہ ظاہر کیجیے کہ آپ اُن کے ساتھ ہوں گے، پھر دیکھیے کہ ایک سپاہی بھی آپ کے ساتھ چلنے پر تیار نہ ہو گا۔"

سنخول نے افسوس کر کے کہا "ابن یعلیٰ! شاید تم سچ کہتے ہو۔" لیکن ابن یعلیٰ نے سنخول سے جو کچھ کہا تھا سنخول نے اُسے آزمایا نہیں، فوج نے خود ہی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا، صرف ایک شخص ایسا باقی رہا جو عبدالرحمٰن کا سچا دوست اور خیرخواہ تھا، یہ ریاست کاریون کا عیسائی رئیس اور عبدالرحمٰن کے لیونی اتحادیوں میں مسیحی خاندان گومیز کی یادگار تھا، اِس شریف عیسائی نے سنخول سے کہا "آپ میرے ساتھ چلئے میرے قصر میں پناہ لیجیے، اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو جب تک ایک قطرہ بھی خون کا میرے جسم میں رہے گا آپ کی جان بچانے کو تیار رہونگا۔" سنخول نے کہا "میرے معزز دوست! میں آپ کا بیحد شکرگذار ہوا، لیکن میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا، مجھے قرطبہ جانا لازمی ہے، جہاں میرے دوست میرے منتظر ہوں گے اور جس وقت میرے آنے کی خبر سُنیں گے تو سب تن واحد بن کر میری مدد پر آمادہ ہو جائیں گے، اِسکے علاوہ

مجھے توقع ہے کہ جس وقت میں شہر میں قدم رکھونگا تو جو لوگ اِس وقت محمد بن ہشام کے طرفدار ہیں اُس کا ساتھ چھوڑ کر میرے پاس چلے آئیں گے۔

رئیس کاریون نے کہا "اِن غلط اُمیدوں کو چھوڑیے، میری بات کا یقین کیجے اب آپ سب کچھ کھو چکے ہیں، جس طرح فوج نے آپ سے کنارہ کیا ہے اسی طرح قرطبہ میں ایک شخص بھی آپ کو ایسا نہ ملیگا جو آپ کی مدد کرے"۔ عبدالرحمن سنخول نے جواب دیا "اِس کا ثبوت ملنا باقی ہے، بہرکیف میں نے ارادہ کرلیا ہے اور میں قرطبہ ضرور جاؤنگا"۔ رئیس کاریون نے کہا "میں آپ کے اِس ارادے کو پسند نہیں کرسکتا، اور مجھے یقین ہے کہ آپ اِس وقت دھوکے میں ہیں، خیر جو کچھ بھی آپ کی مرضی ہو میں آپ کا ساتھ کسی حال میں نہ چھوڑوں گا"۔

فوج کے جس قدر لوگ باقی رہ گئے تھے اُنہیں ساتھ لیے ہوئے عبدالرحمن نے اپنا سفر جاری رکھا، رئیس کاریون ساتھ رہا، جب ایک مقام پر جس کا نام منزل ہانی تھا یہ لوگ پہنچے تو شب کو وہاں قیام کیا، یہاں جس قدر بربر عبدالرحمن کے ساتھ تھے وہ رات کے اندھیرے میں سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح اُٹھ کر عبدالرحمن کو معلوم ہوا کہ سوائے گھر کے نوکروں اور رئیس کاریون کے اور کوئی ساتھ نہیں ہے، عیسائی دوست نے پھر ایک بار اصرار کیا کہ اُس کے ساتھ کاریون چل کر پناہ لیں، لیکن عبدالرحمن پر اِس کہنے کا کچھ اثر نہ ہوا، معلوم ہوتا تھا کہ تقدیر سنخول کو موت کی طرف ہانک رہی تھی، سنخول رئیس کاریون سے کہنے لگا کہ "میں نے قاضی کو قرطبہ بھیجا ہے وہ میرے لیے خلیفہ سے امان مانگ لے گا"۔

(۵۴۵) جمعرات کے دن ۴ مارچ ۱۰۰۹ء (۲۶ جمادی الآخر ۳۹۹ھ) کو سنخول اور رئیس کاریون مسیحی خانقاہ شاش میں اُترے، دوسرے دن خلیفہ مہدی باللہ نے جو سوار روانہ کیے تھے وہ بھی شاش میں وارد ہوئے، سنخول نے اُن سے پوچھا "آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟ میری جان سلامت رہنے دیجیے کیونکہ میں نے خلیفہ مہدی کی اطاعت قبول کرلی ہے"، سواروں کے افسر نے کہا "اگر یہ بات ہے تو آپ میرے

ہمراہ قرطبہ چلیں۔

عبدالرحمٰن سنخول کو اب کوئی چارہ سوائے اس حکم کے ماننے کے نہ رہا، کچھ قیام کے بعد وہ مہدی کے سواروں کے ساتھ قرطبہ چلا، اُسی دن تیسرے پہر خلیفہ مہدی باللہ کا حاجب بہت سی فوج لیے ہوئے آیا، یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن نے قیام کیا، ستّر مستورات کو جو عبدالرحمٰن کے ہمراہ تھیں قرطبہ روانہ کرنے کے بعد عبدالرحمٰن کو حاجب کے سامنے حاضر کیا گیا، حاجب بنی اُمیّہ میں ۔ سے تھا، عبدالرحمٰن بار بار اُس کے سامنے زمین بوس ہوا، لوگوں نے غل مچا کر کہا کہ حاجب کے گھوڑے کے سُم کو بوسہ دے سنخول نے یہی کیا، رئیس کاریون خاموش کھڑا اس حالت کو دیکھ رہا تھا کہ کس طرح وہ شخص ذلیل وخوار ہو رہا ہے جس کے سامنے تھوڑے دن ہوئے ایک عظیم الشان سلطنت لرزہ براندام رہتی تھی، عبدالرحمٰن اب ایک گھوڑے پر سوار کیا گیا جو اُس کا نہ تھا، اُس کا عمامہ سر سے اُتار لیا گیا، اور اس شکل سے یہ قافلہ روانہ ہوا۔

شام ہوتے جب ایک منزل پر پہنچے تو سواروں کو حکم ہوا کہ عبدالرحمٰن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جائیں، سواروں نے ایسی سختی سے ہاتھ پاؤں باندھے کہ عبدالرحمٰن نے کہا "مجھے ایذا نہ پہنچاؤ، تھوڑی دیر کو بند ڈھیلے کر دو، اور میرے ہاتھ کھول دو"۔ جونہی اُس کی یہ درخواست منظور کی گئی عبدالرحمٰن نے اپنے موزے سے خنجر نکالکر خودکشی کرنی چاہی، لیکن اس کی نوبت نہ آئی، سواروں نے خنجر اُس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ حاجب نے کہا "خودکشی کی تکلیف میں آپ کو نہ اُٹھانے دونگا"۔ اتنا کہتے ہی عبدالرحمٰن سنخول کو زمین پر گرا کر حاجب نے قتل کر دیا، اور حکم دیا کہ لاش سے سر کاٹ لیا جائے، اس کے بعد رئیس کاریون بھی قتل کر دیا گیا۔

دوسرے دن سوار قرطبہ پہنچے، سنخول کا سر اور اُس کی لاش خلیفہ مہدی کے سامنے پیش ہوئی، مہدی نے لاش کو گھوڑوں کے سموں سے کچلوایا، پھر لاش کو ایک شلوار اور نیچی قبا پہنا کر قصر کے دروازے کے قریب صلیب پر لٹکوا دیا، اور اُس کے قریب ہی ایک نیزے پر سنخول کا سر نصب کیا، اس لاش اور سر کے قریب ایک شخص کھڑا پکارتا

تھا " دیکھو سنخول کو، خدا کی لعنت ہو اُس پر اور مجھ پر " یہ شخص سنخول کی فوجِ محافظ (۵۴۶)
کا افسرِ اعلیٰ تھا، اِس کا قصور اِس شرط سے معاف کیا گیا تھا کہ وہ اپنے آقا کے ساتھ
خیرخواہی کی شہرت اِس طرح حاصل کرے۔

اسناد:-

نویری ص ۴۷۲ تا ۴۷۹

ابن الآبّار ص ۱۴۹ تا ۱۵۰، ۱۵۹

ابن حیّان (ابنِ بسّام۔ ج ۱ ص ۳۰ تا ۳۱)

ابنِ عذاری ج ۲ ص ۲۹۰

خوشانی ص ۳۲۷

ابنِ حزم (ادیان) ج ۱ ص ۱۲۷ تا ۱۲۸، ۲۲۸ تا ۲۳۰
ج ۲ ص ۸۰، ۱۴۶

مقرّی ج ۱ ص ۲۷۷ تا ۲۷۸، ۳۷۹، ۳۸۷ تا ۳۸۸

ابن الاثیر (۳۶۶ہجری)

ابن بسّام ج ۱ ص ۲۴

کتاب ثالث (خلافت)

چودھویں فصل

محمد بن ہشام بن عبد الجبار المہدی باللہ

(۵۴۷) شروع میں المہدی باللہ نے آسانی سے حکومت کی، اہل قرطبہ نے اُنہیں مسندِ خلافت پر بٹھایا تھا، بربر نے اُن کی خلافت تسلیم کی تھی، اور عبد الرحمن سنخول کے قتل کے پانچ دن بعد ایک خط واضح عامری کا جو صقالبہ میں سب سے ممتاز شخص اور شمالی سرحدوں کا حاکم تھا خلیفہ مہدی کی بیعت قبول کرنے اور اُن کے خلیفہ ہونے پر اظہارِ مسرت کا آچکا تھا، چونکہ واضح کو ابنِ ابی عامر المنصور کی وجہ سے عروج ہوا تھا اس لیے مہدی کو یہ توقع نہ تھی کہ واضح اس قدر جلد اُن کا مطیع ہو جائیگا، واضح کے خط کے جواب میں خلیفہ مہدی نے اُس کو بہت سا روپیہ مع ایک خلعتِ فاخرہ اور ایک گھوڑے کے جو پُر تکلف ساز و سامان سے آراستہ تھا بطور انعام بھیجا، اور اس کے علاوہ تمام سرحدوں کا اُسے حاکم اور منتظم مقرر کر دیا۔

بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا کہ تمام فریق مہدی باللہ کی خلافت پر متفق اور رضامند ہو گئے ہیں، لیکن یہ اتفاق صرف ظاہری طور پر مکمل نظر آتا تھا، فی الواقع ایسا نہ تھا، سلطنت میں جو سخت انقلاب عمل میں آیا تھا وہ غصے اور طیش کی حالت میں آیا تھا، فہم و فراست کو اس میں دخل نہ تھا، لیکن جب طبیعتیں ٹھنڈی ہوئیں اور اس ملکی انقلاب پر غور کیا گیا تو یقین ہو گیا کہ بنی عامر کے زوال سے نہ تو ہر ایک پچھلی شکایت رفع ہوئی ہے اور نہ ہر نقصان کی تلافی اور نہ ہر تکلیف کا علاج ہوا ہے، بلکہ بہت سی شکایتیں اور بے اطمینانی کے اسباب جو پہلے تھے وہی اب تک موجود ہیں، مہدی باللہ نہ لیاقت رکھتے تھے نہ نیکی، فسق و فجور میں مبتلا اور ظلم کے خوگر تھے، عقل و تدبیر سے ایسے عاری تھے کہ تمام فریقوں کو جو اُن کے طرفدار ہوئے تھے رفتہ رفتہ اپنا مخالف بنا لیا سب سے پہلے یہ حرکت کی کہ سات ہزار اہلِ حرفہ جو فوج میں بھرتی ہوئے تھے انہیں یکلخت برخاست کر دیا، اس میں شبہ نہیں کہ یہ کام اچھا تھا، کیونکہ اہلِ حرفہ ادنیٰ طبقہ کے لوگ تھے اور ظلم و زیادتی اُن کی عادت میں شامل تھی، قرطبہ کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑے رکھنا درست نہ تھا، لیکن اُن کی برطرفی سے عوام ناخوش ہوئے، عوام کو اس بات پر فخر و ناز تھا کہ وہی اس انقلاب سلطنت کے بانی ہیں، مگر یہ فخر و ناز اُن کو اس بات سے باز نہ رکھ سکا کہ بغیر کسی کام اور خدمت کے مفت کی تنخواہیں سلطنت سے وصول کرتے رہیں،

مہدی باللہ نے دوسری حرکت یہ کی کہ بہت سے عامری صقالبہ کو جو قرطبہ میں رہتے تھے شہر بدر کر دیا، اور جو صقالبہ قصر میں ملازم تھے اُن کی موقوفی کا حکم جاری کیا اور اس طرح گویا ان سب لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ دشمنوں سے جا ملیں، حالانکہ اگر ذرا بھی خوش تدبیری سے کام لیتے تو ان سب کو اپنا بنائے رکھتے، اس کے ساتھ علمائے وقت کو بھی ناراض کر دیا، عادت یہ اختیار کی کہ کبھی قصر سے قدم باہر نہ نکالتے، وہیں (۵۴۸) عیاشی و اوباشی میں زندگی بسر کرتے، نیک بخت مسلمان حیرت سے ذکر کرتے کہ خلیفہ کی ایک ایک ضیافت میں سَو سَو بانسریاں اور نفیریاں بجتی ہیں، اب انہی لوگوں نے

کہنا شروع کیا کہ "یہ مہدی بھی عبدالرحمن سنخول کی طرح بُرا اور بدآدمی ہے۔" مہدی کا نام اُنھوں نے 'شراب خوار' رکھ دیا، اور بہت سے گھروں کی عزت و آبرو اور امن وسلامتی میں خلل ڈالنے کا الزام اُس پر عائد کیا، اب رعایا کی زبان پر خلیفہ کی مذمت میں اشعار رہنے لگے۔

غرض مہدی باللہ نے چند بیہودہ حرکتوں سے اپنے مقبولِ عام رہنے کی خوبی کو غارت کر دیا، واضح عامری نے جب چند آدمیوں کے سر کاٹ کر جنھوں نے مہدی کی بیعت سے انکار کیا تھا خلیفہ کے پاس بھیجے تو حکم ہوا کہ "ان سروں کی کھوپریوں کو گلدانوں کی جگہ برتا جائے، اور قصر کے سامنے دریا کے کنارے اُنھیں آراستہ کیا جائے۔"

مہدی باللہ اس ڈراونے پھولوں کے باغ کو اپنے قصر سے دیکھ کر خوش ہوتے تھے، اور شاعروں سے کہتے تھے کہ اس مضمون پر بھی طبع آزمائی کریں، شاعروں میں ابوالعلا صاعد بھی تھے جو پہلے عامریوں کی قصیدہ خوانی میں سرگرم رہتے تھے، اور اب اُنھوں نے عامریوں کی مخالفت میں اُن کے دشمنوں کی مدح سرائی اپنا شیوہ کر لیا تھا۔

خلیفہ مہدی باللہ نے قرطبہ کے ادنیٰ طبقوں اور شہر کے متقی اور شریف لوگوں اور صقالبہ کو تو بالعموم اپنا مخالف کر ہی لیا تھا، مگر بربر کا دل رکھنے کی بھی اُنھوں نے کوئی تدبیر نہ کی، بربر قدرتی طور پر مہدی باللہ کا ساتھ دینے کو تیار تھے، یہ سچ ہے کہ قرطبہ میں یہ لوگ جو بالکل اُجڈ سپاہی یا سوار تھے بُری نظر سے دیکھے جاتے تھے، لوگوں کے دل اب تک اُن سے جلے ہوئے تھے، کیونکہ بنی عامر کی خودمختاری کے زمانے میں اُنکے دست و بازو یہی بربر تھے، اور اگر مہدی علانیہ بربر پر لطف وکرم ظاہر کرتے تو جو کچھ تھوڑی بہت عزت لوگوں میں اُن کی تھی وہ بھی نہ رہتی، یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ بربر اسپین سے افریقہ واپس کر دیے جاتے، ان تمام صورتوں میں مہدی باللہ کا فرض تھا کہ کسی طرح بربر کی تسلّی وتشفّی کرتے رہتے، لیکن اُنھوں نے ایسا نہ کیا، بلکہ کوئی بات ایسی نہ چھوڑی جسمیں بربر کی تحقیر وتذلیل نہ ہوتی ہو، چنانچہ حکم دیا کہ بربر گھوڑے پر

سوار نہ ہوں، ہتھیار نہ لگائیں اور قصرِ خلافت میں حاضر نہ ہوا کریں۔

مہدی باللہ کی یہ سُوء تدبیر حیرت انگیز تھی، بربر یہ دیکھ چکے تھے کہ پہلے لوگ اُنکی عزت کیا کرتے تھے، دربارِ خلافت میں اُن کی قدر افزائی ہوا کرتی تھی، اِس لیے اب اُنکو اپنی عزت و آبرو اور قوت و اختیارات کا بہت زیادہ خیال رہنے لگا، بربر کو گوارا نہ تھا کہ سب کی نظر میں وہ حقیر ہو جائیں یہاں تک کہ کچھ بھی نہ سمجھے جائیں، اِس حالت پر صبر سے بیٹھنا اُن کے لیے ناممکن تھا، چنانچہ جب شہر والوں نے ہنگامہ کر کے اُن کے گھروں کو لوٹنا شروع کیا، اور پولیس نے اُس کا کچھ انسداد نہ کیا تو زاوی بن مناد اور دو اَور بربر سردار قصرِ خلافت میں حاضر ہوئے، اور بہت دلیری سے خلیفہ سے کہنے لگے کہ مجرموں کو سزا دی جائے، یہ دیکھ کر کہ اِس وقت سردار بہت غصے کی حالت میں ہیں، مہدی باللہ نے بلوائیوں کے سرغنوں کو قتل کروا دیا، اِس کے بعد جب بربر کا خوف مہدی باللہ کے دل سے جاتا رہا تو پھر اُنھوں نے بربر کو ستانا شروع کیا۔

باوجود ان باتوں کے مہدی باللہ اپنی نازک حالت سے بے خبر نہ تھے، اُنکو سب سے زیادہ خوف اِس بات کا رہتا تھا کہ کہیں اُن کے دشمن اور مخالف ہشام المؤید کے گرد جو تخت سے دست بردار ہو چکے تھے جمع نہ ہو جائیں۔ اسلیے ہشام المؤید کو بغیر جان سے مارے مشہور کرا دیا کہ وہ مر چکے ہیں، اپریل ۱۰۰۹ء (شعبان ۳۹۹ھ) میں اتفاق سے ایک عیسائی جسکی شکل ہشام المؤید سے بہت ملتی تھی مر گیا، مہدی نے اِس عیسائی کی لاش خفیہ طور پر قصر میں منگوالی، یہاں یہ لاش اُن لوگوں کو دکھائی گئی جو ہشام کو پہچانتے تھے، یا تو عیسائی کی صورت واقعی ہشام المؤید سے ملتی جلتی تھی یا جن لوگوں کو مُردہ دکھا کر اُن کا بیان لیا گیا اُن کو پہلے سے روپیہ پہنچا دیا گیا تھا، بہرکیف سب نے یہی شہادت دی کہ یہ مُردہ ہشام المؤید خلیفۂ سابق کا ہے، اِس کے بعد مہدی نے ہر مذہب کے عالموں اور شہر کے خاص و عام لوگوں کو طلب کیا، جنازہ اُٹھایا گیا، اور نماز پڑھانے کے بعد یہ عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ ایک عیسائی کا مُردہ

(۵۴۹)

مسلمانوں کے قبرستان میں شاہانہ تزک و احتشام سے دفن کیا جاتا ہے، ہشام المؤید بڑی احتیاط کے ساتھ نہایت پوشیدہ طور پر ایک وزیر کے گھر میں قید تھے۔

جب مہدی باللہ کو ہشام المؤید کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو پھر بے احتیاطیاں شروع کیں، ماہ مئی ۱۰۰۹ء (رمضان ۳۹۹ھ) میں سلیمان ابن عبدالرحمٰن الناصر کو جو کچھ دن پہلے تخت کے وارث قرار دیے گئے تھے قیدخانے بھیجدیا، اس کے بعد یہ مشہور کردیا کہ بربر کے دس بڑے بڑے سرداروں کو قتل کرنے کا ارادہ ہے، یہ خبر اس قسم کی تھی کہ تمام افریقی بغاوت کرنے پر آمادہ ہوگئے، سلیمان کے بیٹے ہشام نے بربر کو اور بھی بغاوت پر اشتعال دلایا، اور بغاوت کا سامان کرنے میں کچھ زیادہ مشکل پیش نہ آئی۔ اہل حرفہ کی سات ہزار فوج جسے مہدی باللہ برطرف کرچکے تھے فوراً دستیاب ہوگئی، اور ۲ر جون ۱۰۰۹ء (۵ر شوال ۳۹۹ھ) کو یہ فوج ہشام بن سلیمان (بن عبدالرحمٰن الناصر) کے مکان کے سامنے جمع ہوئی اور اس ہشام کے خلیفہ ہونے کا اُس نے اعلان کیا، ہشام بن سلیمان اپنے مکان سے نکلا، اور اس کُل فوج کو شہر سے باہر ایک میدان میں لے آیا، یہاں بربر بھی اُس سے آن ملے، اور اب یہ سب مل کر مہدی باللہ کے قصر کی طرف چلے۔

مہدی عیش و نشاط میں مصروف تھے، قصر کے باہر شور سُنا تو لوگوں سے پوچھا کہ کیوں یہ شور مچایا جاتا ہے، ہشام بن سلیمان نے کہا کہ "آپ نے میرے باپ سلیمان کو قید کردیا ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ اب وہ کس حال میں ہیں؟"

مہدی باللہ نے اتنا سنتے ہی سلیمان کو قید سے رہا کردیا، لیکن اگر مہدی نے

ص۔۱

عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ

- سلیمان
  - ابوبکر
  - ہشام
  - الحکم
    - سلیمان (المستعین)
- عبدالجبار
  - ہشام (قتل ہوا)
    - محمد (المہدی باللہ)
- الحکم المستنصر باللہ
  - ہشام المؤید

یہ سمجھ کر سلیمان کو قید سے رہا کیا تھا کہ خلقت کے اِس ہجوم سے نجات ملیگی تو یہ غلطی تھی کیونکہ باپ کی رہائی کے بعد ہشام نے تخت کا دعویٰ پیش کیا، مہدی نے ہشام سے اِس معاملہ میں گفتگو شروع کی، مطلب یہ تھا کہ کچھ وقت ٹل جائے، ایک مُدّت تک خط و کتابت ہوتی رہی، اہلِ حرفہ جو ہشام بن سلیمان کی فوج میں تھے اور بربر، یہ دونوں گروہ اِس تعویق سے پریشان ہوئے، اور اُنھوں نے ظروف سازوں کے بازار میں جو دوکانیں تھیں اُنہیں لوٹنا اور جلانا شروع کیا، قرطبہ کے رہنے والوں نے بھی ہتھیار سنبھالے، مہدی باللہ کی مدد کے لیے نہیں بلکہ اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے۔

مہدی باللہ نے اِس دوران میں جو فوج طلب کی تھی وہ شہر والوں کی کمک پر پہنچ گئی، ایک دن اور ایک رات سخت ہنگامہ رہا، لیکن ۳ جون ۱۰۰۹ء (۵ شوال ۳۹۹ھ) کو جمعہ کے دن بربر کو شکست ہوگئی، اور وہ نہایت بے ترتیب حالت میں پسپا ہوئے قرطبہ کے کچھ لوگوں نے اُن کا پیچھا کرکے وادی ملا تو تک اُنہیں ہٹا دیا، کچھ لوگوں نے بربر کے گھروں کو لوٹا اور اُن کی بیویوں کو اُٹھا کرلے گئے، اور اشتہار جاری ہوا کہ جو شخص کسی بربر کا سر کاٹ لائے گا اُس کو اتنا اتنا انعام دیا جائے گا۔

ہشام بن سلیمان جس نے مہدی باللہ کے سامنے سلطنت کا دعویٰ کیا تھا گرفتار کیا گیا، اور وہ اور اُس کا باپ سلیمان دونوں قتل کردیے گئے۔

بربر شکست کے بعد جب پھر جمع ہوئے تو اُنھوں نے قسم کھائی کہ دشمنوں سے بدترین قسم کا انتقام لیں گے، لیکن اُن میں اتنی لیاقت نہ تھی کہ حملہ کرنے کی کوئی تدبیر پہلے سے ٹھیک ٹھیک سوچ لیتے، یہ البتہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ زاوی بن مناد صنہاجی اُن کے ساتھ تھا۔ (۵۵۰)

زاوی بن مناد بربر کے قبیلہ صنہاجہ کا رئیس تھا، اور افریقہ کے اُس حصّہ پر جس کا دارالحکومت قیروان تھا حکومت کرتا تھا، زاوی اپنے دیگر قوم والوں کے مقابلہ میں زیادہ شائستہ اور ہوشیار تھا، یہ اُسی کی تجویز تھی کہ مہدی باللہ کے جوڑ پر ایک خلیفہ اپنی طرف سے علیحدہ مقرر کرنا چاہیئے، شہزادگانِ بنی اُمیہ میں سے ایک شہزادہ اِس

کام کے[۵۰] لیے موجود تھا، یہ ہشام (بن سلیمان بن عبدالرحمٰن الناصر) کے بھائی حکم کا بیٹا سلیمان تھا، جس وقت سلیمان کے چچا ہشام نے مہدی سے بغاوت کی تھی تو سلیمان بربر کے ساتھ بھاگ گیا تھا، غرض زاوی بن مناد نے اِس سلیمان کو خلیفہ بنانے کی تحریک اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کی، بربریں سے بعض لوگوں نے اعتراض کیا، اور کہا کہ گو اَور لحاظ سے سلیمان اچھا ہو، لیکن سرگروہ بننے کی قابلیت یا لڑائی کا تجربہ بالکل نہیں رکھتا، بعض بربر ایسے تھے جن کو گوارا نہ ہوا کہ ایک عرب اُن کا سرگروہ مقرر کیا جائے، اِس موقع پر بربر کو سمجھانے کے زاوی نے ایک پرانی مثال اگرچہ بربر کے لیے وہ ایک نئی مثال تھی پیش کی، اُس نے پانچ نیزوں کو اکٹھا کرکے باندھا اور ایک آدمی سے کہا کہ ان کو توڑے، آدمی نے بہت زور لگایا مگر وہ کب ٹوٹنے والے تھے زاوی نے کہا "اچھا، اِن کا بندھن کھول دو، اور ایک ایک کرکے اِنہیں توڑ دو"، یہ بات کچھ بھی مشکل نہ تھی اور وہ فوراً توڑ دیے گئے، زاوی نے کہا "بس اِسی مثال سے نصیحت پکڑو، اگر متفق اور متحد رہے تو پھر کوئی ہمیں مغلوب نہ کرسکیگا، اور اگر متفرق ہوگئے تو ہم برباد ہوجائیں گے، اپنے خطرے کا خیال رکھو اور جو کچھ ارادہ کرو وہ مجھ پر فوراً ظاہر کردو"۔ تمام حاضرین نے یک زبان ہوکر جواب دیا کہ "آپ جو صلاح دینگے وہی ہم کریں گے، لیکن اگر اُس پر ہم کامیاب نہ ہوئے تو پھر ہمارا قصور کچھ نہ ہوگا"۔ اتنا سُن کر زاوی نے سلیمان کو آگے بڑھا کر کہا "اچھا، اب اِس قرشی کے ہاتھ پر بیعت کرو پھر بربر کو کوئی یہ الزام نہ دے سکیگا کہ اُن کی نیّت اِس ملک پر قبضہ کرنے کی ہے، اور چونکہ یہ قرشی عرب ہے لہٰذا اُس کی قوم کے بہت سے لوگ اُس کے اور ہمارے طرفدار

۵۰

عبدالرحمٰن الناصر

- سلیمان
  - ابوبکر
  - ہشام
  - حکم
    - سلیمان المستعین
- عبدالجبار
  - ہشام
    - محمد المہدی باللہ
- الحکم مستنصر باللہ
  - ہشام المؤید
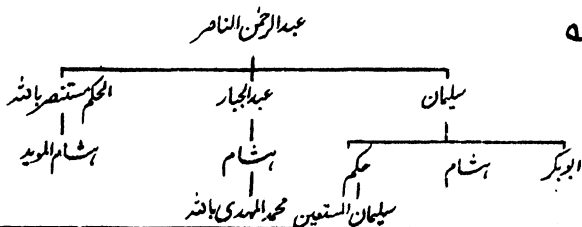
ہو جائیں گے۔"

جس وقت بربر نے سلیمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور سلیمان نے المستعین باللہ کا لقب اختیار کرلیا تو زاوی نے پھر بربر سے ان الفاظ میں خطاب کیا "ہماری حالت اس وقت خطرناک ہے، بس اس کا خیال رہے کہ ہم میں سے کوئی شخص حصولِ قوت کے شوق میں ناجائز اختیارات حاصل نہ کرے، ہم میں سے ہر قبیلے کو اپنا ایک سردار منتخب کرلینا چاہیئے، اور یہ سردار ذمہ دار ہوگا کہ جو قبیلہ اس کے ماتحت ہے وہ خلیفہ کا خیر خواہ رہے۔" اس تقریر کے ختم ہونے پر بربر صنہاجہ نے زاوی کو اپنے قبیلے کا سردار مقرر کیا۔

اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان المستعین کو براہِ راست بربر پر کوئی قابو اور اختیار نہ رہا، کیونکہ بربر کے ہر قبیلے نے اپنا سردار علیحدہ مقرر کرلیا تھا، المستعین صرف نام کو اُن کا سردار تھا، اور اخیر تک اُس کی یہی کیفیت رہی۔

اب بربر کی فوجوں نے جمع ہو کر شہر وادی الحجارہ کی طرف کوچ کیا، اور اس شہر پر قبضہ کرکے واضح العامری حاکم سرحد سے درخواست کی کہ اُن کا ساتھ دے، اور اپنے مستقرِ حکومت یعنی مدینہ سالم میں اُنہیں داخل ہونے کی اجازت دے، لیکن واضح نے اُن کی یہ درخواست نامنظور کی، اتنے میں مہدی باللہ کے پاس سے واضح کو کمک پہنچ گئی اور اُس نے بربر کی فوجوں پر حملہ کردیا، لیکن شکست کھائی، بربر کو واضح کی اس شکست سے نفع نہ پہنچا، کیونکہ واضح نے بربر کی فوجوں میں سامانِ رسد کا پہنچنا بند کردیا تھا، پندرہ دن تک بربر کی فوجوں کو کھانے پینے کی سخت تکلیف رہی، ساگ پات پر گذر ہونے لگا جب حالت اس درجہ زبوں ہوئی تو اُنھوں نے شانجہ عیسائی بادشاہ قشتالیہ کے پاس اپنے ایلچی اس پیغام کے ساتھ بھیجے کہ اگر مہدی اور واضح نے ہم سے صلح نہ کی تو پھر شانجہ ہمارا ساتھ دے۔ (۵۵۱)

جس وقت بربر کے ایلچی شانجہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ مہدی باللہ کے پاس سے بھی چند سفیر اُس کے دربار میں آئے ہوئے ہیں، اور ان سفیروں نے شانجہ کو گھوڑے اور

خچر، روپے اور خلعت، قیمتی جواہرات اور طرح طرح کے دیگر تحائف پیش کیے ہیں اور اقرار کیا ہے کہ اگر خلیفہ مہدی کی اُس نے مدد کی تو بہت سے شہر اور قلعے اُسے انعام میں دیے جائیں گے۔

یہ عبرت کا مقام ہے کہ چند ماہ میں مسلمانوں کی حالت کیا سے کیا ہو گئی، اب مسلمان وہ نہ رہے کہ عیسائی والیانِ ملک سے جس طور پر چاہیں عہد نامے لکھوالیں، اب نوبت یہ پہنچی کہ قشتالیہ کا ایک عیسائی بادشاہ اسپین کی قسمت کا فیصلہ کرے۔

شانجہ بادشاہِ قشتالیہ اسلامی سلطنت کی موجودہ حالت سے پُورے طور پر واقف تھا، اُسے علم تھا کہ مہدی کی حکومت معرض خطر میں ہے، اِس حالت پر نظر کر کے اُس نے بربر کو مدد پہنچانے کا وعدہ اِس شرط سے کیا کہ جو شہر اور قلعے مہدی باللہ کے سفیر اِسوقت دینے کا وعدہ کر رہے ہیں وہی شہر اور قلعے تم بھی دینے منظور کرو۔

بربر کے ایلچیوں نے اِس شرط کو مان لیا، شانجہ نے مہدی کے سفیروں کو رخصت کیا اور بربر کے لشکرگاہ میں ایک ہزار بیل، پانچ ہزار بھیڑیں، اور ایک ہزار گاڑیاں کھانے پینے کے سامان سے بھر کر بھیجیں، فوج بھی مدد کے لیے روانہ کی، اب بربر مع شانجہ اور اُس کی فوج کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے، اور مدینہ سالم کی طرف جو واضح عامری کا مستقرِ حکومت تھا بڑھے۔

مدینہ سالم میں پہنچکر بربر نے واضح کو اپنا طرفدار بنانے کی پھر کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی، اور یہ دیکھ کر کہ وقت ضائع ہو رہا ہے بربر مدینہ سالم سے قرطبہ کی طرف روانہ ہو گئے (جولائی ۱۰۰۹ء مطابق ذیقعدہ ۳۹۹ھ)

بربر کے ہٹتے ہی واضح عامری سواروں کے رسالے ساتھ لیکر اُن کے تعاقب میں میں چلا، لیکن بربر نے مقابلہ کر کے واضح کو بہت نقصان کے ساتھ پسپا کیا، بہرکیف واضح کسی طرح قرطبہ پہنچ گیا، مگر اُس وقت اُس کے پاس صرف چار سَو سوار رہ گئے تھے، اُس کے چند فوجی افسر جو جان بچانے کے لیے راستہ ہی میں سے علیحدہ ہو گئے تھے پھر آن ملے، اور اِن افسروں کے ساتھ صرف دو سَو سوار تھے۔

مہدی باللہ کو جس وقت معلوم ہوا کہ بربر قرطبہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو وہ جس قدر فوج فراہم کرسکا اُسے ساتھ لیکر قرطبہ سے مشرق میں ایک میدان میں آیا، اور یہاں حصار باندھ کر لڑائی کے لیے تیار ہوگیا، مگر غلطی یہ کی کہ دشمن کے حملے کا انتظار نہ کیا، خود ہی حصار سے باہر آکر دشمن پر حملہ کردیا، مہدی اور بربر کی فوجوں کا مقابلہ ۵ نومبر ۱۰۰۹ء (۲۴ ربیع الاول ۴۰۰ھ) کو ایک مقام پر ہوا جس کا نام قنتش تھا، فوج بربر کے صرف تیس آدمیوں نے مہدی کے پورے لشکر کو جس میں بالکل ناتجربہ کار لوگ بھرے ہوئے تھے پراگندہ کردیا، شہر کے باشندے، اہل حرفہ اور فقہا جو مہدی کی فوج میں شریک تھے اِس طرح بھاگے کہ بہت سے آپس میں کچل کر مر گئے، بربر اور قشتالیہ کی فوجوں نے مہدی کے صدہا آدمیوں کو تہ تیغ کردیا، اور بہت سے لوگ وادی الکبیر میں ڈوب کر مر گئے، (۵۵۴) اندازہ کیا گیا تھا کہ تقریباً دس ہزار آدمی اِس لڑائی میں کام آئے[۵۱]

واضح کو پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ دشمن کو ضرور فتح ہوجائے گی، اِس لیے وہ اپنے چھ سو سواروں کو لیے ہوئے سرحد شمال کی طرف روانہ ہوگیا، مہدی نے بھاگ کر اپنے قصر میں پناہ لی، بربر نے قصر کا جلد محاصرہ کرلیا، مہدی باللہ نے کہلا بھیجا کہ اگر ہشام المؤید کو پھر تخت نشین کردیا جائے تو وہ خلافت سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں، چنانچہ ہشام المؤید کو قید سے نکال کر ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ سب لوگوں کو اچھی طرح نظر آئیں، اور قاضی ابن ذکوان کی معرفت بربر کو پیغام بھیجا کہ "ہشام المؤید ابتک زندہ ہیں اور مہدی، ہشام المؤید کے محض حاجب ہیں، خلیفہ نہیں ہیں۔" بربر یہ پیغام سن کر ہنسے اور قاضی ابن ذکوان سے کہنے لگے "کل تو ہشام المؤید کا انتقال ہوگیا تھا، اور تم نے اور تمہارے امیر نے اُن کے جنازہ کی نماز پڑھی تھی، جب وہ کل مر چکے تھے تو آج کیسے زندہ ہوگئے؟ خیر، اگر تم سچے ہو تو خدا کا شکر ہے کہ ہشام زندہ ہیں، مگر اب ہم کو

---

[۵۱] یہ بیان ابن حیان کا ہے جو قدیم تر اور سب سے زیادہ معتبر مورخ ہے، اور مورخوں نے یہ تعداد تیس ۳۰ ہزار بلکہ چھتیس ۳۶ ہزار تک لکھی ہے۔

اُن کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم نے سلیمان کو خلیفہ تسلیم کرلیا ہے۔"

قاضی ابنِ ذکوان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اپنے آقا مہدی کی صفائی کرلیں ابھی گفتگو جاری تھی کہ سلیمان کی فوجوں سے مرعوب ہوکر اہلِ قرطبہ سلیمان کے سامنے مبارکباد دینے حاضر ہوگئے اور سب نے اُن کا خلیفہ ہونا تسلیم کرلیا۔

جس وقت سلیمان المستعین قرطبہ میں داخل ہوئے، اور بربر اور قشتالیہ کی فوجوں نے شہر والوں پر ظلم شروع کیے تو مہدی ایک شخص محمد نامی کے گھر میں روپوش ہوئے جو طلیطلہ کا رہنے والا تھا، اِسی شخص نے بندوبست کیا کہ مہدی قرطبہ سے طلیطلہ پہنچ جائیں، کیونکہ طلیطلہ میں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ مشرق میں طرطوشہ سے لے کر مغرب میں اشبونہ تک سرحد کے تمام علاقے ابھی تک مہدی کا حکم مانتے تھے، چنانچہ جب شانجہ نے سلیمان مستعین سے ایفائے وعدہ کا تقاضہ کیا تو سلیمان کو یہی جواب دیتے بن پڑا کہ سردست وعدہ ایفا نہیں ہوسکتا، کیونکہ جن شہروں اور قلعوں کے دینے کا اقرار تھا اُن پر اپنا قبضہ ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ بہرکیف سلیمان نے شانجہ سے اپنے وعدہ کی تجدید کی اور کہا کہ جس وقت اِن شہروں اور قلعوں پر قبضہ ہوجائیگا وہ شانجہ کے حوالے کردیے جائیں گے، یہ عہد لے کر شانجہ قرطبہ سے مع اپنی فوج کے اپنے علاقے کو چلا گیا، شانجہ کی فوج والوں نے قرطبہ کے لوگوں کا مال لُوٹ کر اپنی جیبیں بھرنے سے پرہیز نہیں کیا

(۱۴ نومبر ۱۰۰۹ء مطابق ۳ ربیع الآخر ۴۰۰ھ)

ہشام المویدجیسے تھے پھر ویسے ہی ہوگئے، سلیمان المستعین نے اُنہیں مجبور کیا کہ خلافت سے علیحدہ ہوکر سلطنت مستعین کے نام کردیں، اِس طرح ہشام المویدپھر معزول ہوکر قید خانے پہنچ گئے، سلیمان المستعین نے عبدالرحمٰن سنخول ابنِ منصور کی لاش کو جو صلیب پر ایک مدّت سے لٹک رہی تھی اُتروا کر معمولی رسوم کے ساتھ دفن کروادیا۔

(۵۵۳) اِس عرصے میں مہدی طلیطلہ پہنچ گئے تھے، یہاں لوگوں نے اُن کا خیر مقدم کیا، اب سلیمان المستعین مہدی پر حملہ کرنے نکلے، علمار کو پہلے سے روانہ کیا تاکہ طلیطلہ

کے لوگوں کو سمجھائیں کہ اگر سلیمان مستعین کی اطاعت قبول نہ کی تو سلیمان سخت ناراض ہو جائیں گے، لیکن اس تہدید کا اثر اہل طلیطلہ پر کچھ نہ ہوا، چونکہ طلیطلہ جیسے مضبوط اور مستحکم شہر کا محاصرہ کرنے کا قصد نہ تھا اس لیے سلیمان مستعین بغیر لڑے مدینہ سالم روانہ ہوئے، اس عرصہ میں واضح عامری مدینہ سالم کو خالی کرکے طرطوشہ پہنچ گیا تھا، طرطوشہ سے اُس نے سلیمان کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ اگر آپ مجھے وہیں رہنے دیں جہاں میں پہلے تھا تو آپ کی اطاعت قبول کرتا ہوں، اس خط و کتابت کی غرض یہ تھی کہ واضح کو سنبھلنے کے لیے وقت مل جائے، چنانچہ یہ تدبیر چل گئی، سلیمان دھوکے میں آگئے اور واضح کو سرحد کی حکومت پر بدستور چھوڑ کر قرطبہ کی طرف واپس چلے آئے۔

اب واضح آزاد تھا، بہت جلد قیطلونیہ کے عیسائی رئیسوں سے اتحاد قائم کیا، ان میں سے ایک ریمند حاکم برشلونہ تھا، اور دوسرا ارمنی جلد حاکم ارجل تھا، ان عیسائی رئیسوں نے امداد کے معاوضہ میں جو کچھ طلب کیا واضح نے سب منظور کرلیا، اور اب واضح اپنی اور ان عیسائی رئیسوں کی فوج کمک کو ساتھ لیے مہدی کی فوج سے طلیطلہ میں جا ملا، سلیمان مستعین نے یہ خبر سُن کر قرطبہ کے لوگوں سے مُسلّح ہونے کو کہا، مگر قرطبہ کے لوگ یہ نہ چاہتے تھے کہ بربر افسروں کے ماتحت ہو کر لڑائی کے لیے اُٹھیں، اس لیے اُنھوں نے یہ کہہ کر عذر کیا کہ جنگ و جدل کی لیاقت اُن میں نہیں ہے، یہ بات اُنھوں نے کچھ غلط بھی نہیں کہی تھی، کیونکہ جنگِ قنتش میں اُن کی ناتجربہ کاری ظاہر ہو چکی تھی۔

بربر نے ایسے کمزور لوگوں کی فوج تیار کرنے سے اختلاف ظاہر کرکے سلیمان سے کہا کہ صرف بربر ہی کو فتح حاصل کرنے کا موقع دیا جائے، سلیمان مستعین نے بربر کی درخواست منظور کی۔

جس وقت بربر قرطبہ سے چار فرسخ ایک مقام پر جس کا نام عقبۃ البقر تھا[۹۵] پہنچے تو

۹۵؎ شریف ادریسی نے یہ نام "دارالبقر" لکھا ہے۔ ج ۲ ص ۶۴ تا ۶۵۔ آجکل اُس کو "کاسٹیلو دل بیکر" کہتے ہیں۔

واضح عامری کے لشکر سے جس میں برشلونہ اور ارجل کی عیسائی فوجیں موجود تھیں مقابلہ ہوا، اِس لشکر میں بیس ہزار مسلمان اور نو ہزار عیسائی لڑنے والے تھے، بربر کے افسرانِ فوج نے سلیمان مستعین سے کہا کہ فوج کے عقب میں ایک محفوظ جگہ وہ اپنا قیام رکھیں، اور کسی حال میں وہاں سے نہ ہٹیں، خواہ دشمن وہاں آکر اُن کو پامال ہی کیوں نہ کر ڈالے،

اِس کے بعد بربر نے مہدی کے اُس حصۂ فوج پر جس میں قیطلونیہ کے عیسائی تھے حملہ کیا، اور اپنے طریقے کے مطابق حملہ کرتے ہی پیچھے کو بھاگے، تاکہ پلٹ کر دشمن پر زور کا دھاوا کریں۔

سلیمان نے بربر کے مقدمۃ الجیش کو اِس طرح بھاگتے دیکھا تو خیال کیا کہ واقعی اُنہیں شکست ہوگئی اور اب کچھ باقی نہیں رہا، بربر کے افسرانِ فوج نے جو تاکید سلیمان مستعین کو کی تھی کہ اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلیں اُس کا اُنہوں نے کچھ خیال نہ کیا، گھوڑے پر سوار ہو میدان سے سرپٹ بھاگے۔ جو سوار اُن کے قریب تھے وہ بھی میدان سے ہٹ گئے، بربر کچھ دُور بھاگ کر پلٹے اور دشمن پر اِس زور کا ایلغار کیا کہ قیطلونیہ کی فوج کے ساٹھ افسروں کو قتل کر ڈالا، مقتولین میں ارجل کا رئیس ارمنی جلد بھی تھا،

(۵۵۴) لیکن جب بربر نے دیکھا کہ سلیمان مستعین اپنی جگہ پر نہیں ہیں تو وہ مدینۃ الزاہرہ کی طرف چلے گئے اور میدان قیطلونیہ کی فوجوں کے ہاتھ رہا۔

غرض اِس طرح سلیمان مستعین نے اپنی ناتجربہ کاری اور بزدلی سے عقبۃ البقر کی لڑائی بربر کو ہروادی، سلیمان مستعین اگر فوجی افسروں کی ہدایت پر چلتے اور جو حیلۂ جنگ اُنہوں نے لڑائی شروع کرتے ہی کیا تھا اُس کو سمجھے ہوئے ہوتے تو عقبۃ البقر میں غالباً اُنہی کی فتح ہوئی ہوتی، رہی مہدی کی فتح، وہ جیسی کچھ بھی ہوئی زیادہ تر قیطلونیہ کی فوجوں کی وجہ سے ہوئی، کیونکہ یہی فوجیں تھیں جو واقعی لڑی تھیں، مہدی اور واضح کی فوجوں نے معلوم ہوتا ہے کہ اِس معرکہ میں کوئی حصّہ نہیں لیا۔

مہدی قرطبہ واپس آئے، اور یہ بدنصیب شہر جسے چھ مہینے پہلے قشتالیہ کے عیسائی سپاہی اور بربر لُوٹ چکے تھے، اب قیطلونی سپاہیوں کی لُوٹ اور غارتگری کا

نشانہ بنا، مہدی نے اب بربر کا تعاقب کیا جو جزیرۃ الخضراء کی طرف جارہے تھے اور راستے میں جو ملتا تھا اُسے قتل کردیتے تھے، گاؤں اور قصبوں کو لوٹتے چلے جاتے تھے جب معلوم ہوا کہ مہدی تعاقب میں ہے تو بربر نے قیام کیا اور جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی پلٹ پڑے۔

۲۱ جون ۱۰۱۰ء (۶ ذیقعدہ ۴۰۰ھ) کو ایک مقام پر جہاں وادی آرہ کا اتصال وادی الکبیر سے ہوتا ہے، مہدی اور بربر کی فوجوں کا مقابلہ ہوگیا، یہاں عقبۃ البقر کی شکست کا بدلہ بربر نے مہدی کی فوجوں سے خوب لیا، آخرکار مہدی کی فوجوں کو شکست ہوگئی، بہت سے صقالبی افسر مارے گئے، اور تین ہزار قیطلونی عیسائی کھیت رہے، وادی الکبیر نے پھر ایک مرتبہ صدہا آدمی بھینٹ لیے۔[ف]

دو دن کے بعد مہدی کی شکست خوردہ فوج قرطبہ میں داخل ہوئی اور اب قیطلونی سپاہیوں نے جو لڑائی میں مرنے سے بچے تھے، نہایت قابل نفرت ظلم و ستم کے ساتھ اپنی شکست کا غصہ اس طرح اُتارا کہ جو شخص شہر میں بربر کی صورت اور وضع کا ملا وہ اُن کا شکار ہوگیا۔ لیکن جب مہدی نے قیطلونیوں اور اپنی اور فوجوں سے پھر دشمن کا مقابلہ کرنے کو کہا تو اُنہوں نے یہ جواب دے کر کہ ہمارا سخت نقصان ہوچکا ہے اُنکار کردیا، مہدی کی قیطلونی اور دیگر فوجوں نے ۸ جولائی ۱۰۱۰ء (۲۳ ذیقعدہ ۴۰۰ھ) کو قرطبہ سے کوچ کیا، شہر کے لوگوں نے گو اِن فوجوں کے ہاتھ سے بہت ظلم اُٹھائے تھے مگر اُن کے جانے پر افسوس کیا، کیونکہ شہر والوں کے دل میں بربر کا خوف جس سے یہ قیطلونی فوجیں اُنہیں بچا دیتیں اب اور بھی زیادہ ہوگیا تھا، ایک عربی مورخ لکھتا ہے کہ "جب قیطلونی فوجیں چلی گئیں تو قرطبہ کے لوگ جب گلی کوچوں میں ملتے تھے تو اس طرح افسوس ظاہر کرتے تھے جیسے اُن کا کوئی عزیز مرگیا ہو، یا کوئی بڑا

ف۱ نویری نے دریا کا نام نہیں لیا، سمندر کی موجیں لکھا ہے، مگر واضح رہے کہ جہاں قتل ہوا تھا وہ مقام دریا سے قریب تھا اور دریا میں یہاں جوار بھاٹا آتا تھا۔

مالی نقصان ہو گیا ہو"۔
مہدی نے سپاہ کو روپیہ دینے کے لیے شہر پر ایک نیا محصول لگایا، اور اب ایک مرتبہ پھر مہدی بربر سے لڑنے میدان میں اترے، لیکن جس دن سے قیطلونی فوجیں قرطبہ سے چلی گئی تھیں تو باقی فوجوں کی ہمت ٹوٹ گئی تھی، لڑائی کے لیے سات فرسخ بھی کوچ نہ کیا تھا کہ یہ خیال آتے ہی کہ بربر سے پھر مقابلہ ہے دل پر ایک خوف طاری ہوا، اور بجائے آگے بڑھنے کے قرطبہ واپس چلے آئے۔

(۵۵۵) مہدی باللہ کو اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ قرطبہ میں بیٹھ کر دشمن کے حملے کا انتظار کریں، حفاظت کے خیال سے انہوں نے اس موقع پر قرطبہ کے گرد ایک نئی فصیل اور خندق تیار کرا دی تھی، لیکن تقدیر میں جو کچھ لکھا تھا وہ یہ تھا کہ بربر نہیں بلکہ صقالبہ مہدی کے زوال کا باعث ہوں۔

صقالبہ میں سے کچھ لوگ جن کا سردار واضح عامری تھا مہدی کی فوج میں شامل ہو کر دشمن سے لڑے تھے، لیکن ان کے سوا صقالبہ کے بڑے سردار خیران اور عنبر مہدی باللہ کے دشمنوں میں شمار کیے جاتے تھے، غرض صقالبہ نے سوچا کہ اپنے مقاصد کے لیے باہمی اتفاق لازمی ہے، اسی سلسلہ میں ارادہ کر لیا کہ ہشام المؤید کو خلیفہ بنانا چاہیئے، اس نیت سے واضح نے شہر والوں میں مہدی کے خلاف اشتعال پیدا کرنا شروع کیا، اور مہدی کو شراب خوار کہہ کہہ کر ان کی برائیاں مشہور کیں، فوج کی بداعمالی پر علانیہ افسوس ظاہر کر کے خود بدعملی پیدا کرنی چاہی، جب اس طرح کی باتوں سے مہدی باللہ کی نسبت جو کچھ تھوڑے بہت اچھے خیالات تھے وہ بھی لوگوں کے دلوں سے جاتے رہے تو خیران اور عنبر اور سلیمان المستعین کے دیگر صقلبی افسروں نے مہدی باللہ سے درخواست کی کہ ان کو اپنی فوج میں داخل کر لیں، مہدی نے انکی درخواست منظور کی، مگر جس وقت یہ صقلبی اپنے ساتھیوں کو لیے قرطبہ میں داخل ہوئے تو مہدی باللہ کو معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی نیت شروع ہی سے ان کو تباہ کرنے کی تھی، مہدی باللہ میں اب اتنا زور نہ تھا کہ ان صقالبہ کا مقابلہ کر سکتے، اس وجہ سے پھر قصد ہوا کہ طلیطلہ

میں جا کر پناہ لیں، لیکن صقالبہ نے اُنہیں طلیطلہ نہ جانے دیا، ۲۳ رجولائی سنہ ۱۰۱۰ء (مطابق ۷ ذی الحجہ سنہ ۴۰۰ھ) کو ہفتے کے دن صقالبہ گھوڑوں پر سوار ہشام المؤید کی سلامتیٔ جان کے نعرے لگاتے ہوئے شہر کے بازاروں میں نکلے، اُس کے بعد قید خانے سے ہشام المؤید کو نکالا، اور شاہانہ لباس پہنا کر مسندِ خلافت پر لا بٹھایا۔

مہدی باللہ اِس وقت حمام میں تھے، لیکن جس وقت معلوم ہوا کہ قصر کے دیوانِ عام میں کیا گذر رہا ہے تو فوراً وہاں گئے، چاہتے تھے کہ ہشام المؤید کے پہلو میں بیٹھ جائیں، لیکن عنبر نے اُن کا بازو سختی سے پکڑ کر اُن کو مسند سے گھسیٹ لیا، اور ہشام المؤید کے سامنے بٹھا دیا، ہشام المؤید نے جو جو تکلیفیں اُٹھائی تھیں اُن کو بیان کر کے مہدی کو بہت سخت و سست الفاظ کہے، عنبر نے پھر مہدی کا بازو پکڑا اور مسند کے قریب لا کر تلوار نکالی تاکہ اُن کا سر قلم کر دے، مہدی نے عنبر کی کمر پکڑ لی، اِتنا دیکھتے ہی اور صقلبی جو قریب کھڑے تھے تلواریں لیکر مہدی پر جُھک پڑے، مہدی باللہ صقالبہ کے ہاتھ سے قتل ہو گئے، اور آج اُن کی لاش اُسی جگہ پڑی تھی جہاں سترہ مہینے پہلے ابنِ عسقیلیجہ کا مُردہ پڑا تھا، ایک سازش نے تختِ خلافت دلوایا تھا، دوسری سازش نے تخت بھی لیا اور جان بھی۔[۵۱]

---

۵۱ خلاصہ اِس شجرہ سے ظاہر ہوگا۔

عبد الرحمٰن الناصر
- سلیمان (پہلے قید رہے پھر مہدی نے قتل کرا دیا)
  - ابوبکر
  - ہشام (مہدی نے قتل کرایا)
  - حکم
    - سلیمان المستعین
- الحکم المستنصر باللہ
  - ہشام المؤید
- عبد الجبار
  - ہشام (سنخول نے قتل کیا)
    - عبد الرحمٰن
    - محمد المہدی باللہ (صقالبہ نے قتل کیا)
      - عبید اللہ
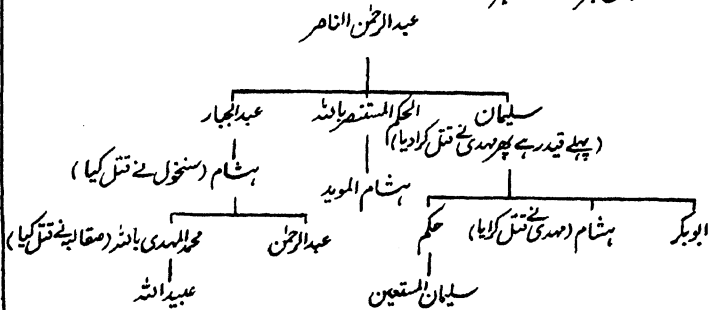
اسناد:-

نویری	ص ۴۷۹ تا ۴۸۴
ابنِ خلدون	ص ۹
ابنِ حیّان	(ابنِ بسّام) جلدا ص ۷ تا ۸
عبدالواحد	ص ۲۸ تا ۳۰
ابن الأبار	ص ۱۵۹ تا ۱۶۰
ابن الاثیر	(۳۶۶ھ)
مقرّی	ج ۱ ص ۲۷۸
روڈریگو دی ٹولیڈو۔	ہسٹ : ارابم۔ C ۔ ص ۳۲ تا ۳۵
عبار	ج ۱ ص ۲۴۴
ابن الخطیب	(زادی پر مضمون۔ قلمی نسخہ G) ص ۱۳۳

کتاب ثالث (خلافت)

پندرھویں فصل

قرطبہ کا لُوٹا جانا

(۵۵۶) ہشام المؤید جیسے کمزور بادشاہ کے زمانہ میں صقالبہ ملک کے سیاہ اور سپید کے مالک ہوگئے، واضح جسے اب تک حاجب کا درجہ حاصل تھا، یہ نیت رکھتا تھا کہ اپنے آقائے مرحوم منصور کی طرح اسپین پر حکومت کرے، لیکن حالات دگرگوں ہوچکے تھے اور واضح منصور نہ تھا، شروع میں دارالحکومت میں کسی نے اُس کی مخالفت نہ کی، مہدی باللہ کا سر بازاروں میں گشت کرایا گیا، کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی، اور ایسے خودسر بادشاہ کے مرنے پر کسی کو افسوس نہ ہوا، واضح کو توقع تھی کہ جس شخص کو اُسنے خلیفہ بنایا ہے اُسے بربر بھی خلیفہ تسلیم کرلیں گے۔ لیکن یہ اُمید بہت جلد غلط ثابت ہوگئی، مہدی کا سر چند ایلچیوں کی معرفت سلیمان المستعین اور سرداران بربر کے پاس اِس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ سلیمان اور بربر ہشام المؤید کی اطاعت قبول کریں، لیکن

بربر اِس درجہ برہم تھے کہ واضح کے ایلچیوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے، سلیمان المستعین نے بمشکل اُن کی جان بچائی، مہدی باللہ کا سر دیکھ کر جو چچا کے بیٹے بھائی ہوتے تھے سلیمان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، سر کو تحنیط کرکے مہدی کے لڑکے عبیداللہ کے پاس بھیجدیا، عبیداللہ اِس وقت طلیطلہ میں مقیم تھے۔

بربر کی طرف سے تو واضح کو ناامیدی ہو ہی چکی تھی، اب معلوم ہوا کہ قرطبہ میں بھی اُس کے دشمن موجود ہیں، بنی امیہ میں بعض لوگ ایسے تھے جو صقالبہ کی حکومت کو گوارا نہ کرسکتے تھے، اِن لوگوں نے سوچا کہ اپنے فوائد کو مدنظر رکھنے کے لیے سلیمان المستعین کو ترقی دینے کی فکر ضروری ہے، چنانچہ اُنہوں نے سلیمان کو خفیہ طور پر کہلا بھیجا کہ اگر ۱۲ اگست ۱۰۱۰ء (۲۸ ذی الحجہ ۴۰۰ھ) کو سلیمان قرطبہ کے دروازے کے سامنے آجائیں تو اُنہیں شہر میں داخل کرلیا جائیگا، سلیمان اِس پر رضامند ہوگئے، لیکن خیران اور عنبر نے بنی امیہ کی اِس سازش کا حال واضح پر ظاہر کردیا، سازش کرنے والے گرفتار ہوگئے، اور سلیمان المستعین جب یوم مقررہ پر قرطبہ کی فصیلوں کے نیچے آئے تو اُن پر سخت حملہ کیا گیا، مگر وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے۔

اب واضح نے یہ سمجھ کر کہ سلیمان پر اِس وقت جو حملہ ہوا ہے اُس سے بربر کا مزاج کسی قدر درست ہوگیا ہوگا پھر بربر سے گفتگو شروع کی، لیکن واضح کی یہ کوشش بیکار گئی۔

اِسی زمانہ میں سلیمان المستعین نے اپنے سابقہ معاون شانجہ بادشاہِ قشتالیہ سے مدد چاہی، اور اس کے معاوضہ میں وہ قلعے دینے چاہے جو قشتالیہ کے علاقے میں منصور نے فتح کیے تھے، یہ تحقیق نہیں کہ یہ وہی قلعے تھے جو پہلے دینے کو کہے تھے یا دوسرے تھے۔

بہرکیف شانجہ کو خوب موقع ملا کہ بغیر فوج کشی کے اپنی عملداری کی حدود اِس طریقے سے بڑھاتا رہے، چونکہ یہ قلعے ابھی تک سلیمان المستعین کے قبضے میں نہ تھے بلکہ واضح کے قبضے میں تھے اِس لیے شانجہ نے واضح کو کہلا بھیجا کہ اگر قلعے اُس کے حوالے نہ کیے گئے تو

(۵۵۷)

وہ قشتالیہ کی فوجوں کو اپنے ساتھ لے کر بربر کو کمک پہنچائیگا، فیصلہ جو کچھ کرنا ہے جلد کیا جائے۔

واضح نے شہر کے عمائد کو جمع کر کے شانجہ کا معاملہ پیش کیا اور اُن کی رائے دریافت کی، اہل مشورت نے اس خوف سے کہ کہیں بربر کو قشتالیہ کی فوجوں سے مدد نہ ملجائے فیصلہ کیا کہ شانجہ جو کچھ طلب کرتا ہے وہ اُس کو دے دیا جائے، چنانچہ اگست یا ستمبر ۱۰۱۰ء (ماہ محرم ۴۰۱ھ) میں واضح نے شانجہ بادشاہ قشتالیہ سے ایک عہدنامہ کیا، عربی مورخ لکھتے ہیں کہ اس عہدنامہ کے مطابق شانجہ کو دو سو قلعے تفویض کر دیے گئے، عیسائی مورخوں نے ان قلعوں میں شنت اشتیبان، کرونہ دل کوندے، غرماج اور وشمہ کے قلعوں کو شمار کیا ہے،

اس مثال سے اور عیسائی ریاستوں کو بھی جرأت ہوئی اور یہ سمجھ کر کہ مضبوط سے مضبوط قلعے بھی محض دھمکیوں سے ملجاتے ہیں ان عیسائی ریاستوں نے بھی مسلمانوں سے قلعے مانگنے شروع کیے، اور کہا کہ اگر قلعے نہ دیے گئے تو وہ سلیمان کو مدد پہنچائیں گے ان عیسائی ریاستوں کی درخواستوں کو بھی مسلمان نامنظور نہ کرسکے، غرض سلطنت اسلامیہ جو خانہ جنگیوں کا شکار ہورہی تھی اب پارہ پارہ ہوکر برباد اور تباہ ہونے لگی، اس حالت میں یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ اہل قرطبہ آج بھی بنی عامر کی تباہی پر ایسے ہی خوش تھے جیسے کہ محمد بن ہشام (مہدی باللہ) کو خلیفہ بنانے اور منصور کے فرزند عبدالرحمٰن سنجول کو معزول و قتل کرنے کے دن کوتاہ اندیشی نے اُنہیں خوش کیا تھا۔

بہرکیف قرطبہ والوں کے خیالات جو کچھ ہوں مگر جو کچھ ہوچکا تھا اب وہ اَن ہُوا نہ ہوسکتا تھا، اور مسلمانوں کی حالت ایسی مجبوری کی ہوگئی تھی کہ اپنے دین کے دشمنوں یا جس کسی کو صقالبہ یا بربر اُن پر حکمراں بنادیں اُن کے سامنے سر جھکادیں، اور اُن کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنے رہیں، خلاصہ یہ کہ باشندگان قرطبہ کی حالت اس وقت وہی تھی جو دُنیا میں ہر ایسی قوم کی ہوتی ہے جس کے پیش نظر صاف اور واضح مقاصد اور جس کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے مذہبی یا سیاسی اُصول نہیں رہتے اور وہ غلطیوں میں

مبتلا ہو کر ملکی انقلاب کے ورطۂ ہلاکت میں آجاتی ہے۔

اِس زمانۂ خاص میں بربر کی وحشیانہ حرکتوں سے قرطبہ کے رہنے والوں کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا جس قدر کہ قرطبہ کی اور چیزوں کو تباہی کا سامنا ہوا، بربر نے اِدھر تو چھ ہفتے تک قرطبہ کا محاصرہ جاری رکھا اور اُدھر مدینۃ الزہرا پر حملہ کر دیا، مدینۃ الزہرا کا دو دن محاصرہ کیے رہے، تیسرے دن ایک نمک حرام افسر نے شہر کا دروازہ اندر سے کھولدیا، بربر نے مدینۃ الزہرا پر قبضہ کر لیا، یہ واقعہ ۴ نومبر ۱۰۱۰ء (۲۳ ربیع الاول ۴۰۱ھ) کا ہے، بربر نے اِس بادشاہی شہر میں داخل ہوتے ہی شہر کے لوگوں کا قتلِ عام شروع کیا۔

(۵۵۸) آدمیوں کے اِس قتلِ عام اور مدینۃ الزہرا کی بربادی کو دیکھ کر قرطبہ کے لوگوں کو جو اپنے شہر میں محصور تھے مطلق شبہ نہ رہا کہ جس وقت بربر اُن کے شہر میں داخل ہونگے تو اُن کا بھی یہی درجہ کریں گے، مدینۃ الزہرا میں جس قدر فوج موجود تھی بربر نے اُس کا ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا، خلقت نے جامع زہرا میں پناہ لی، مگر ان افریقیوں سے لوگوں کو وہاں بھی پناہ نہ ملی، مرد، عورتیں اور بچے سب ہی قتل کر دیے گئے، مدینۃ الزہرا کو لوٹنے کے بعد بربر نے اُس میں آگ لگا دی، اور یہ عالیشان اور خوبصورت بادشاہوں کے رہنے کا شہر جو تمام یورپ میں عدیم المثال تھا ایسا ہی تودۂ خاک ہو گیا جیسے کہ اُس کا خوشنما حریف مدینۃ الزاہرہ منصور کا تعمیر کردہ شہر کچھ دن پہلے راکھ کا ڈھیر ہو چکا تھا۔

لشکرِ بربر کے ایک حصہ نے قرطبہ کے مضافات کو جاڑے بھر لوٹا اور غارت کیا، شہر میں ہر قسم کی رسد بند کر دی، جب دیہات کے لوگ لُٹ چکے تو جان بچانے کے لیے وہ شہر کے اندر آنے شروع ہوئے، اب قرطبہ میں اُن کی اتنی کثرت ہوئی کہ شہر والوں سے بھی تعداد میں بڑھ گئے، کھانے پینے کی چیزیں اِس قدر گراں ہو گئیں کہ بہت لوگ فاقوں سے مرنے لگے، سرکاری خزانے میں روپیہ نہ رہا، واضح حاجب ہشام المؤید نے روپیہ فراہم کرنے کے لیے خلیفہ مستنصر باللہ کے کتب خانے کی زیادہ تر کتابیں فروخت

کرڈالیں، بربر کی فوجوں کے علاوہ افریقہ کے اور گروہوں نے اسپین کے صوبوں میں لوٹ مار شروع کی، بڑے بڑے شہر اُن کے قبضے میں آگئے، اور اکثر صورتوں میں ان شہروں کے باشندوں پر بھی وہی گذری جو مدینۃ الزہرا کے لوگوں پر گذری تھی، اسپین میں ہر مقام ایک قابلِ رحم منظر پیش کرتا تھا، دیہات آدمیوں سے خالی ہوگئے، اور جن سڑکوں پر چند روز پہلے بکثرت مسافر چلا کرتے تھے وہاں کئی کئی دن کے سفر میں ایک آدمی تک نظر نہ آتا تھا۔

۱۰۱۱ء (۴۰۲ھ) کے موسم گرما میں اسپین میں بالعموم اور قرطبہ میں بالخصوص آفات و مصائب کی زیادتی رہی، معلوم ہوتا تھا کہ اس بدنصیب شہر کو جہاں اب وبائی امراض کی بھی شدت ہوگئی تھی ایک دردناک مسرت اپنے مصائب کو خانہ جنگی سے بڑھانے میں حاصل ہوتی تھی، فوج کے لوگ اِن آفات کا باعث واضح حاجب کو قرار دیتے تھے، صقلبی سپہ سالار ابن ابی وداعہ نے جو واضح سے جانی دشمنی رکھتا تھا، واضح کے خلاف لوگوں کو اور بھی اشتعال دلانا شروع کیا، جب واضح کی توہین علی الاعلان ہونے لگی تو اُسے خیال ہوا کہ اب اس حالت میں اپنا سلامت رہنا مشکل ہے، اس لیے ایک شخص کو جس کا نام ابوبکر تھا اُس نے مصالحت کے پیغام کے ساتھ سلیمان المستعین کے پاس بھیجا، سلیمان اس وقت بربر کے ساتھ قرطبہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، واضح کی اس حرکت سے قرطبہ کے لوگوں میں اور بھی غصہ بڑھا، چنانچہ ابوبکر جس وقت سلیمان المستعین کا جواب لے کر مجلسِ وزراء میں آیا تو سپاہیوں نے اُس پر حملہ کیا، اور وہ سلیمان المستعین کا جواب ابھی سنانے بھی نہ پایا تھا کہ خلیفہ ہشام المؤید اور واضح کی آنکھوں کے سامنے اُسے قتل کرڈالا، حاجب واضح نے جب یہ حال دیکھا تو بربر کے پاس جاکر پناہ لینے کا قصد کرلیا، لیکن ابن ابی وداعہ کو واضح کا یہ ارادہ معلوم ہوگیا اور اُس نے واضح کو قرطبہ سے باہر نکلنے نہ دیا، بلکہ صقالبہ کو ساتھ لیے واضح کے محل میں داخل ہوا، اور اُسے تلوار مار کر کہنے لگا "بدبخت تو نے اُس روپیہ کو برباد کیا ہے جس کی ہمیں سخت ضرورت تھی اور اب ہم کو بربر کے قبضے میں دینا چاہتا ہے۔" ابن ابی وداعہ سپہ سالار صقالبہ کے

(۵۵۹)

ساتھ جو سپاہی تھے اُنھوں نے حاجب واضح کا بہت جلد کام تمام کردیا، اور تھوڑی دیر کے بعد واضح کا سر قرطبہ کے بازاروں میں گشت کرایا جانے لگا، جو لوگ واضح کے طرفدار تھے اُن کا گھر بار لُٹنا شروع ہوا، اور آخر کار واضح کی لاش بھی وہیں پھینکدی گئی جہاں محمد بن ہشام المہدی باللہ اور ابن عسقیلیجہ کی لاشیں پھینکدی گئی تھیں، یہ واقعات ۱۶ اکتوبر ۱۰۱۱ء یعنی ۱۵ ربیع الثانی ۴۰۲ھ کے ہیں۔

ابھی بربر اور سلیمان المستعین کے جو قرطبہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، شہر میں داخل ہونے اور قرطبہ کے لوگوں کو اُن کے باہمی نزاعات سے سبکدوش کرنے میں ڈیڑھ برس اور باقی ہے، اور یہ زمانہ ایک مسلسل شورش کا ہے، اس ڈیڑھ برس میں ابن ابی وداعہ نے نہایت ظلم اور سختی سے قرطبہ پر حکومت کی، فقہا نے اُس کی مدد کی، اور فتویٰ دیا کہ بربر سے لڑنا جہاد ہے، محصورین قرطبہ کو کئی بار لڑائیوں میں کامیابی ہوئی، مئی ۱۰۱۲ء (شوال ۴۰۳ھ) میں بربر کا ایک بڑا سردار اُن کے ہاتھ پڑگیا، یہ زادی بن مناد کا بھتیجا جباسہ تھا، جباسہ قرطبہ کے محصوروں سے لڑتا ہوا دشمن کے منجھ میں پہنچا ہی تھا کہ اُس کے گھوڑے کا زیر بند ٹوٹ گیا، جب وہ اُسے دُرست کرنے جھکا تو ایک عیسائی صقلبی نے برچھی مار کر اُسے گھوڑے سے گرادیا، اُس کے گرتے ہی اور صقالبہ نے جباسہ کو فوراً قتل کردیا، جباسہ کے بھائی حبوس نے بہت کوشش کی کہ صقالبہ سے اپنے بھائی کی لاش چھین لے، لیکن لڑائی سخت ہوئی اور حبوس کو پیچھے ہٹنا پڑا، صقالبہ جباسہ کا سر بڑی خوشیاں مناتے ہوئے قصر خلافت میں لائے، اور جباسہ کی لاش کو قرطبہ کے لوگوں میں چھوڑا تاکہ وہ اُس کی بے عزتی کریں، قرطبہ کے لوگوں نے لاش کو گھسیٹا، ہاتھ پاؤں کاٹے اور آخر کار اُسے جلا ڈالا، اِس پر بربر کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ ہم اپنے سردار جباسہ کے خون کا بدلہ ایسا لیں گے کہ وہ قرطبہ کے تمام آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد بھی کم نہ ہوگا۔

اب بربر نے محاصرہ میں سختی دوچند کردی، لیکن جب زندگی سے ناامیدی ہوئی تو قرطبہ والوں کی ہمت میں انسان کی ہمت سے بڑھ کر طاقت پیدا ہوگئی، اور ابن ابی

وداعہ کی سرکردگی میں شہر پناہ سے باہر نکل کر بربر پر اس زور کا حملہ کیا کہ بربر نے مجبور ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا، اہلِ قرطبہ نے اشبیلیہ سے بھی بربر کو خارج کیا، لیکن جب بربر نے قلعہ رباح پر قبضہ کیا تو اُن کو نہ روک سکے، اس کے تھوڑے دن بعد بربر پھر قرطبہ کی شہر پناہ کے سامنے نمودار ہوئے، باوجود قرطبہ والوں کی کوشش کے بربر نے قرطبہ کے گرد جو خندق تھی اُسے پاٹ دیا، اور قرطبہ کے مشرقی حصے کے وہ مالک ہو گئے، ایک مرتبہ پھر تقدیر نے کچھ دیر کے لیے قرطبہ والوں کا ساتھ دیا، اور اُنھوں نے بربر کو اُس مقام سے جہاں وہ خوب جم گئے تھے ہٹا دیا، لیکن اہلِ قرطبہ کی یہ اخیر کامیابی تھی، اتوار کے دن ۱۹ اپریل ۱۰۱۳ء یعنی ۵ شوال ۴۰۳ھ کو بربر باب شقندہ سے شہر میں داخل ہو گئے، شہر کا دروازہ ایک افسر نے جسے بربر نے رشوت پہنچا دی تھی کھول دیا تھا۔

(۵۶۰) تین برس تک دشمن کا مقابلہ کرتے رہنے کی سزا یہ ملی کہ قرطبہ میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، صقالبہ جان سے مایوس ہو کر چھپنے کی جگہ ڈھونڈنے لگے، بربر نے قرطبہ کے ہر گلی کوچے کو وحشیانہ شور مچا کر لُوٹا، کہیں لُوٹا کہیں بے عزت کیا، کہیں جان سے مارا، اسی طرح سارے شہر پر بالکل قبضہ کر لیا، ایسے بے گناہ بھی جن کو فتنہ و فساد سے کچھ سروکار نہ تھا بربر کے قہر و غضب کا نشانہ بن گئے، کہیں واجب التعظیم سعید ابن منذر جو مستنصر باللہ کے وقت سے جامع قرطبہ میں امامت کرتے آئے تھے اور نہایت نیک نفس اور باخدا شخص تھے مرے پڑے تھے، کہیں مروان کی لاش پڑی تھی جو بنی حدیر کے نہایت شریف خاندان کی یادگار تھے اور کسی کے عشق میں مجنون سے رہا کرتے تھے، فاضلِ اجل ابن الفرضی[۵۱] جنھوں نے ایک بڑی اعلیٰ تصنیف فنِ رجال پر لکھی تھی، اور قاضی بلنسیہ جو خلیفہ مہدی باللہ کے زمانہ میں قاضی مقرر ہوئے تھے اسی ہنگامے میں مارے گئے، ان اخیر بزرگ نے کبھی دعا مانگی تھی کہ شہید ہو کر مروں، یہ دعا اُن کی قبول ہوئی،

[۵۱] ابوالولید عبداللہ ابن الفرضی ۳۵۱ھ ۹۶۲ء میں قرطبہ میں پیدا ہوئے، دیکھو ہوارٹ کی تصنیف "عربی ادبیات" (مطبوعہ ۱۹۰۲ء) صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۴۔

مقتولوں کی تعداد اتنی تھی کہ اُن کا شمار ممکن نہ تھا، اِس قتلِ عام کے منظر کو آگ کے شعلوں نے اور بھی ہیبت ناک کر دیا، خوبصورت سے خوبصورت قصر آگ کی نذر ہو گئے،
ابنِ حزم نے ایک جگہ لکھا ہے "آخر کار مجھے اپنے محل کا حال معلوم ہوا جو بلاطِ مغیث میں تھا، قرطبہ سے ایک شخص بھاگ کر آیا، اُس نے بیان کیا کہ وہ محل اب اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے، اپنی بیویوں کا حال بھی معلوم ہوا، بعض گوشۂ قبر میں پہنچ چکی ہیں اور بعض دُور دراز ملکوں میں آوارہ گرد ہیں۔"
شہر پر جس دن بربر کا قبضہ ہوا اُس کے دوسرے دن سلیمان المستعین قصرِ خلافت میں گئے، قرطبہ کے لوگ جو بربر کی تلوار سے بچ گئے تھے سب کے سب المستعین کے سلام کے لیے گھروں سے نکلے، گو قتل وغارت کے ہولناک واقعات کے بعد اُن کے دل زخمی ہو رہے تھے مگر پھر بھی سلیمان المستعین کے حق میں دعا کرنے لگے، سلیمان اُن کے تصنّع کو سمجھ گئے، اور کسی شاعر کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اُن کی زبان سے میرے حق میں درازیٔ عمر کی دُعا نکل رہی ہے، لیکن اُن کے ہاتھ سے میری موت بہت جلد آسکتی ہے۔"
قصر میں آ کر سلیمان نے ہشام المویدّ کو بُلایا اور اُن سے کہا "کیا تم نے میرے لیے تختِ خلافت نہیں چھوڑا تھا؟ کیا تم نے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تخت کا دعویٰ پھر نہ کروں گا؟ یہ عہد شکنی تم نے کیوں کی؟" ہشام المویدّ نے کہا "افسوس، تم کو معلوم ہے کہ میں دوسروں کے ہاتھ میں ہوں، جو کچھ وہ کہتے ہیں مجھے کرنا پڑتا ہے، میری جان لینے سے باز آؤ، میں پھر تمہارے حق میں خلافت سے دست کش ہوتا ہوں اور تم کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔"
بربر پہلے ربضِ شقندہ میں آباد ہوئے، لیکن تین مہینے کے بعد قرطبہ کے تمام لوگوں کو سوائے اُن کے جو شہر کے مشرقی حصے میں یا اُس حصے میں رہتے تھے جسے پرانا شہر کہتے تھے شہر بدر ہونے کا حکم دیا گیا، اُن کی جائیدادیں ضبط کر کے فاتحوں میں تقسیم کر دی گئیں، اور اب یہی فاتح اُن مکانوں میں جو منہدم ہونے سے بچ گئے تھے رہنے لگے۔ (۵۶۱)

اسناد :-

نویری ص ۴۸۴ تا ۴۸۶

ابن الاثیر (سنہ ۴۰۰ھ)

ابنِ حیّان (ابنِ بسّام ج ۱ ص ۸)

روڈریگو دی ٹولیڈو۔ ص ۳۶ تا ۳۹

مقرّی ج ۱ ص ۲۵۰ ، ۵۴۶

ابنِ حزم (عشق) ص ۳۸ ، ۸۷ تا ۸۸ ، ۹۶ ، ۱۰۲ ، ۱۰۶

ابن الخطیب (جاسہ پر مضمون۔ قلمی نسخہ G) ص ۱۲۴

ابن بسّام ج ۱ ص ۱۶۱

ج ۳ ص ۱

ابن الابار ص ۱۶۴

عبدالواحد ص ۲۸

کتاب ثالث (خلافت)

سولھویں فصل

بنی حمود

(۵۶۲) جس وقت سے خانہ جنگی شروع ہوئی تھی، اسپین کے بہت سے صوبوں کے حاکموں نے خود مختاری شروع کر دی تھی، جب بربر نے قرطبہ پر جو دار الخلافت تھا قبضہ کر لیا تو سلطنت کی احدیت شکست ہو گئی، شیرازۂ حکومت بکھر گیا صقلبی سپہ سالاروں نے مشرقی اسپین کے بڑے شہروں پر تصرف کر لیا، بربر کے سردار بھی جنہیں بنی عامر نے بڑی بڑی جاگیریں اور صوبے حکومت کرنے کے لیے دے رکھے تھے مطلق العنان ہو گئے چند عربی خاندان جو ابتک صاحبِ قوت تھے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتے تھے، انہوں نے سلیمان المستعین کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، سلیمان المستعین کی حکومت اس وقت صرف پانچ بڑے شہروں پر یعنی قرطبہ، اشبیلیہ، لبلہ، اکشونبہ اور باجہ پر محدود تھی۔

اب کسی سیاسی تبدیلی کا احتمال نہ تھا، بربر اُس دولت کے صرف کرنے میں مصروف ہوئے جو قرطبہ اور اَور شہروں کو لُوٹ کر حاصل کی تھی، سلیمان بھی جو چار برس تک مجبور ہو کر لڑائیوں میں مصروف رہے تھے اب جنگ کی طرف متوجہ نہ تھے، یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ سلیمان المستعین جن کو بربر کے اُن وحشی قوموں کی سرداری نصیب ہوئی تھی، جنہوں نے سلطنتِ اسلامیہ کو غارت و تباہ کیا تھا اپنی ذات سے اِنصاف پسند، نرم دل اور فیاض تھے، ادبیات کے شیدا اور اچھے شاعر تھے، عورتوں کا بہت لحاظ کرتے تھے، عاشق مزاج تھے، جہاں تک امکان میں تھا اُنکی کوشش یہی تھی کہ اِس طوفانِ عظیم کے بعد جو سکون پیدا ہوا ہے اُسے ہمیشہ برقرار رکھا جائے، بدقسمتی سے فوجِ بربر کے ظلموں سے جنکو وہ دیکھتے تھے مگر روک نہ سکتے تھے وہ سخت بدنام ہو چکے تھے، بربر اُن کے اِس شرط پر مطیع ہوئے تھے کہ اُنکی آزادی میں کوئی مُخل نہ ہو، اندلسیوں کی نظر میں المستعین ظالم اور کافر تھے، غاصبِ تاج و تخت تھے، بربر اور شمال کے عیسائیوں نے جن میں دونوں قابلِ نفرت تھے، اُنہیں خلیفہ بنایا تھا، جس وقت سلیمان نے بعض شہروں کے باشندوں کو دھمکی دی کہ اگر وہ اطاعت قبول نہ کریں گے تو قرطبہ کی مثل اُن کے شہروں کو بھی غارت کر دیا جائیگا، تو تمام رعایا اُنکے حق میں بد دُعا کرنے لگی، کسی شاعر نے کہا:-

> اللہ تمہارے سلیمان پر رحم نہ کرے، کیونکہ وہ سلیمان (علیہ السلام) کی ضد ہے، سلیمان (علیہ السلام) نے تمام شیاطین کو قید کر دیا تھا، اور اِس سلیمان (المستعین) نے تمام شیطانوں کو آزاد کر دیا، اور اِسی کا نام لے کر یہ شیاطین تمام ملکوں میں قتل و غارت کرتے پھرتے ہیں، میں نے قسم کھائی ہے کہ ظالموں کے سینے میں اپنی تلوار اُتار دُونگا، اور مذہب کی جو شان جاتی رہی ہے پھر اُسے قائم کرونگا، عجیب بات ہے کہ عبدِ شمس کی اولاد میں سے ایک شخص بربر ہو جائے، اور شرفائے عرب کے ہوتے ہوئے تاج اُس کے سر پر رکھا جائے، میں کبھی ایسے شیطانوں کا مطیع نہ ہونگا، تلوار اِس بات کا

(۵۶۴)

فیصلہ کرے گی، اگر وہ مغلوب ہوئے تو پھر زندگی میں میرے لیے راحت ہے
اور اگر میں مارا گیا تو کم سے کم ظلموں کے دیکھنے سے بچ جاؤنگا۔"

اہل اندلس اور نیز صقالبہ کے خیالات سلیمان المستعین کی طرف سے اسی قسم کے تھے جو ان اشعار میں بیان ہوئے ہیں، خطبے میں وہ اب تک ہشام المؤید کے حق میں دعا کرتے تھے، حالانکہ سلیمان ان سے درخواست کر چکے تھے کہ میں اور کسی قسم کی تم سے امداد نہیں چاہتا، لیکن خطبے میں ہشام المؤید کی جگہ میرا نام پڑھا جائے، یہ بات ابھی تک یقینی طور پر معلوم نہ تھی کہ ہشام المؤید زندہ ہیں، عجیب وغریب متضاد خبریں ان کی نسبت مشہور تھیں، کوئی کہتا تھا کہ سلیمان نے ان کو مروا ڈالا ہے، کوئی کہتا تھا کہ قید کر رکھا ہے، زیادہ تر خیال یہ تھا کہ وہ قید خانے میں ہیں مارے نہیں گئے، کیونکہ قاعدہ یہ تھا کہ معزول بادشاہ کا جانشین معزول بادشاہ کی لاش رعایا کو دکھا دیا کرتا تھا، اگر ہشام المؤید مارے گئے ہوتے تو اس قاعدے کے مطابق ان کی لاش رعایا کو دکھا دی گئی ہوتی، لیکن ابھی تک کسی نے ان کی لاش دیکھی نہ تھی۔ صقالبہ ابھی تک ہشام المؤید ہی کے نام سے لڑائیاں لڑتے تھے، خیران صقالبہ کا سب سے بڑا سردار تھا، یہ محمد ابن ابی عامر المنصور کا مولیٰ تھا اور منصور ہی نے اپنے زمانہ میں اس کو المریہ کا حاکم مقرر کیا تھا، جس وقت بربر قرطبہ میں داخل ہوئے تو خیران قرطبہ ہی میں تھا، لیکن قرطبہ میں بربر کے داخل ہوتے ہی وہ وہاں سے بھاگا، جب دشمن نے پیچھا کیا تو بھاگنے سے رک گیا، ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا، دشمن سے معرکہ ہوا، خیران زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرا، دشمن یہ سمجھکر کہ ٹھنڈا ہو چکا ہے چھوڑ کر چل دیے، مگر خیران زندہ رہا اور پھر قرطبہ میں چلا آیا، یہاں اس کے ایک دوست نے جو فاتح فریق سے تھا اسے اپنے گھر مہمان کیا، جب زخم اچھے ہو گئے تو دوست نے اسے کچھ روپیہ دیا، خیران میں اب اتنی جان آگئی تھی کہ المریہ کا رستہ لے، چنانچہ بہت سے صقالبی اور اندلسی خیران کے علم کے نیچے جمع ہو گئے المریہ پہنچ کر خیران نے شہر کا محاصرہ کیا اور بیس دن کے محاصرے کے بعد المریہ پر قبضہ کر لیا سلیمان المستعین کے سپہ سالاروں میں سے ایک شخص ایسا نکلا جو خیران کا بڑا سچا اور پکا

دوست ثابت ہوا، اِس سپہ سالار کا نام علی بن حمود تھا، علی بن حمود حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد میں سے تھے، لیکن چونکہ اُن کا خاندان دو سو برس سے افریقہ میں آباد ہو گیا تھا اِس لیے اِس خاندان کے لوگ تقریباً بربر ہو گئے تھے، علی بن حمود صحیح عربی نہ بول سکتے تھے، افریقہ میں سبتہ اور طنجہ کے حاکم تھے، ان کے بڑے بھائی قاسم بن حمود جزیرۃ الخضرا کے والی تھے، علی اپنی جگہ تقریباً خود مختار تھے، مگر یہ خود مختاری اُن کے لیے کافی نہ تھی، اسپین پر حکومت کرنے کا شوق پیدا ہوا، اسی طمع میں قصد کیا کہ صقالبہ سے سازش کرنی چاہیئے، چنانچہ خیران سے اُنھوں نے ملاقات کی، اور حصولِ مقصد کے لیے ایک عجیب قِصّہ گھڑا، وہ یہ کہ ہشام المؤید نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ اندلس میں بنی امیہ کے زوال پر ایک علوی جس کا نام "ع" سے شروع ہوگا حکومت کرے گا، اور یہ بھی بیان کیا کہ قرطبہ کے محاصرہ کے زمانہ میں ہشام المؤید نے اُن کے پاس ایک تحریر اِس مضمون کی بھیجی تھی کہ "میرا قیاس ہے کہ سلیمان المستعین مجھے قتل کر دیگا، اِسلیے میں تم کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں، میرے خون کا بدلہ لینا تمہارا فرض ہوگا۔" خیران نے جب دیکھا کہ علی بن حمود جیسا معاون و مددگار ہاتھ آتا ہے اور ہشام المؤید ابھی جیتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا، اور علی بن حمود نے جو قِصّہ بیان کیا تھا اُسے بلا تامل یقین کر لیا، علی بن حمود نے خیران سے اِس بات کا وعدہ کیا کہ اگر ہشام المؤید زندہ نہ ہوئے تو علی بن حمود کو وہ خلیفہ تسلیم کر لے گا۔ (۵۶۴)

جب یہ ابتدائی امور طے ہو گئے تو علی بن حمود بحرِ زقاق عبور کر کے اسپین میں آئے عامر ابن فتوح فائقی اُس وقت مالقہ کا حاکم تھا، علی نے عامر سے مالقہ کی حکومت مانگی عامر جو ایک شخص فائق کا مولیٰ تھا، اور فائق خود خلیفہ مستنصر کا مولیٰ رہا تھا، پہلے ہی سے صقالبہ سے میل ملاپ رکھنے پر آمادہ تھا، کیونکہ بربر سے اُسے یہ شکایت چلی آتی تھی کہ بربر کے سرداروں نے زندہ کی حکومت سے اُسے معزول کر دیا تھا، غرض عامر بن فتوح نے مالقہ کی حکومت بھی علی بن حمود کے سپرد کر دی، اب علی نے شہر المنکب میں خیران والی المریہ سے ملاقات کی اور یہ دونوں مل کر قرطبہ پر حملہ کرنے کے لیے چلے۔

علی بن حمود نے صرف صقالبہ کی مدد پر بھروسہ نہ کیا بلکہ بربر کی بھی ایک بڑی جماعت سے ساز کرلیا، بربر بالعموم سلیمان المستعین کو کچھ نہ سمجھتے تھے، سلیمان کو خلیفہ اُنھوں نے اِس لیے بنایا تھا کہ اُس وقت کسی نہ کسی کو خلیفہ بنانے کی ضرورت تھی اور سوائے سلیمان کے دوسرا کوئی دستیاب نہ ہوتا تھا، بربر کی طبیعت وحشی اور جنگجو تھی، سلیمان نرم دل کے تھے، اِس لیے بربر اُن کو اور بھی ناپسند کرتے تھے، علی بن حمود بہادر اور شجاع تھے، یہ چیزیں بربر کے دل میں اُن کی عزت پیدا کرتی تھیں اِس کے علاوہ علی بن حمود کو بربر اپنا ہموطن بھی سمجھتے تھے، بربر کا سب سے بڑا سردار جو اُس وقت غرناطہ کا حاکم تھا زاوی بن زیری تھا، اُسی نے سلیمان کو خلیفہ بنایا تھا مگر بنی امیہ سے بالعموم اُسے سخت عداوت تھی، کیونکہ اُس کا باپ زیری افریقہ میں بنی امیہ کے دوستوں کے مقابلہ میں لڑا تھا، جب لڑائی میں مارا گیا تھا تو اُس کا سر کاٹ کر قرطبہ میں قصرِ خلافت کی دیوار پر نصب کیا گیا تھا، یہ سر اُس وقت تک دیوار پر نصب تھا جبکہ زاوی اپنی فوج کو لیے ہوئے قرطبہ کو لوٹنے کے لیے شہر میں داخل ہوا تھا، زاوی کے لیے باپ کے مُردے کی یہ توہین ایسی تھی جسے وہ کبھی معاف نہ کرسکتا تھا، پس جس وقت علی بن حمود نے سلیمان المستعین کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا تو زاوی، علی کے ساتھ ہوگیا، زاوی کی مثال نے اَور بربر پر بھی اثر کیا، چنانچہ سلیمان المستعین نے جس بربر فوج کو علی بن حمود کے مقابلہ میں بھیجا تھا اُس نے قصداً علی بن حمود سے شکست کھالی، اور اِس بربر فوج کے سپہ سالار نے سلیمان المستعین سے کہا کہ اگر آپ فتح چاہتے ہیں تو خود فوج کے سپہ سالار بن کر لڑائی پر چلیے، سلیمان مستعد ہوگئے، لیکن جب وہ لڑائی کے میدان کے قریب پہنچے تو اُنہیں ایک خچر پر سوار کراکے علی بن حمود کے حوالے کردیا گیا،

یکم جولائی ۱۰۱۶ء (۲۲ محرم ۴۰۷ھ) کو اتوار کے دن علی بن حمود اور اُنکے ہمراہی قرطبہ میں داخل ہوئے، خیران اور دیگر صقالبہ کا پہلا کام یہ تھا کہ ہشام الموید کو تلاش کریں جب یہ تلاش بے سود ہوئی تو علی بن حمود دل میں خوش ہوئے، اب اُنھوں نے وزیروں

اور فقیہوں کے مواجہ میں سلیمان المستعین سے پوچھا کہ ہشام المؤید کہاں ہیں؟ سلیمان نے فوراً جواب دیا کہ اُن کا انتقال ہوگیا، علی بولے، اگر ایسا ہوا ہے تو اُن کی قبر بتاؤ کہاں ہے سلیمان نے ایک قبر بھی بتا دی، قبر کھولی گئی، علی بن حمود نے ہشام کے ایک ملازم کو بلایا اور لاش دکھا کر پوچھا کہ "کیا یہ تمہارے آقا کی لاش ہے؟" اس ملازم کی نسبت ہمیں یقین ہے کہ اُسے ہشام المؤید کے زندہ ہونے کا علم تھا، لیکن علی بن حمود نے اسے پہلے سے سکھا پڑھا دیا تھا، غرض ملازم نے بے تکلف جواب دیا کہ لاش بیشک اُس کے آقا کی ہے، اور شناخت کے لیے منہ میں ایک سیاہ دانت کی طرف اشارہ بھی کیا، اِس نوکر کی شہادت کی تائید اور لوگوں نے بھی کی، یہ لوگ وہ تھے جو علی بن حمود کو ناخوش کرنے سے ڈرتے تھے، یا اُسے اپنے اُوپر مہربان بنانا چاہتے تھے۔ (۵۶۵)

غرض صقالبہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ اُن کا خلیفہ اور آقا ہشام المؤید اب زندہ نہیں ہے اس لیے اُس کی جگہ اب علی بن حمود کو بادشاہ ماننا چاہیئے، علی بن حمود نے اب سلیمان المستعین، اور اُس کے باپ حکم، اور باپ کے بھائی ابوبکر کو قتل کرنے کا حکم سنایا، جس وقت سلیمان کا باپ حکم مقتل میں پہنچا تو علی بن حمود نے اُس سے کہا کہ "تم نے ہشام کو قتل کیا ہے۔" حکم، جن کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے اور سیاسی معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے، کہنے لگے، "نہیں، خدا میرا گواہ ہے کہ ہم نے ہشام کو ہلاک نہیں کیا، وہ ابتک زندہ ہیں......" یہ الفاظ اُن کی زبان سے ابھی پورے نکلے بھی نہ تھے کہ علی بن حمود ڈرے کہ خدا جانے آگے اور کیا کیا باتیں کھلیں، فوراً جلاد کی طرف اشارہ کیا، بڈھے حکم قتل کر دیے گئے جو لاش قبر سے نکالی گئی تھی اور اُسے ہشام المؤید کی لاش بتایا گیا تھا، اُسے پھر اُسی قبر میں شاہانہ عزت و عظمت کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ آیا ہشام المؤید واقعی مر چکے تھے؟ اس مسئلہ پر فریقی اختلافات نے ایسا پردہ ڈال رکھا ہے جسے اُٹھانا تقریباً ناممکن ہے، یہ امر یقینی ہے کہ سلیمان المستعین کے قرطبہ میں داخلہ کے بعد ہشام المؤید کسی کو نظر نہ آئے، اور جو شخص بعد کو ہشام المؤید کہلایا گیا

وہ ایک فرضی شخص تھا، لیکن برخلاف اِس کے یہ امر کبھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ سلیمان المستعین نے ہشام المؤید کو قتل کرا دیا تھا، یا وہ سلیمان کے زمانۂ حکومت میں اپنی موت سے مرے تھے، اور نہ موالی بنی امیہ کا یہ بیان پایہ ثبوت کو پہنچ سکا کہ علی بن حمود نے جو لاش قبر کھلوا کر نکلوائی تھی وہ ہشام المؤید کی نہ تھی، یہ سچ ہے کہ عمائدِ سلطنت کے سامنے سلیمان المستعین کہہ چکے تھے کہ ہشام المؤید اب زندہ نہیں ہیں، لیکن سلیمان المستعین کی شہادت اِس امر میں قابلِ اعتبار نہیں معلوم ہوتی، یہ بھی ممکن ہے کہ علی بن حمود نے سلیمان المستعین سے کہا ہو کہ جان کی سلامتی چاہتے ہو تو یہی کہو کہ ہشام المؤید اب زندہ نہیں ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سلیمان المستعین ظالم آدمی نہ تھے، اور یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ سلیمان المستعین ایک ایسا جُرم کرتے جو مہدی جیسے غضبناک آدمی سے بھی بن نہ پڑا تھا، یہ امر بھی غور کے قابل ہے کہ اگر سلیمان المستعین کے زمانۂ حکومت میں ہشام کا انتقال ہوا ہوتا تو لازمی تھا کہ سلیمان اُن کی لاش حسبِ دستور اور اپنے فائدے کے لیے اہلِ قرطبہ کو دکھا دیتے، موالی بنی امیہ کا بیان ہے کہ سلیمان المستعین اہلِ قرطبہ سے اِس قدر بیزار تھے کہ وہ کبھی اُن کو لاش نہ دِکھاتے، اِس بیان میں یہ موالی اِس بات کو بھول گئے تھے کہ سلیمان المستعین کو اہلِ قرطبہ سے بیزاری ہو، لیکن صقالبہ سے تو وہ بیزار نہ ہوسکتے تھے، کیونکہ بہت کوشش کے بعد صقالبہ کو خوش کرکے سلیمان نے اپنی بیعت اُن سے حاصل کی تھی، اور کوئی طریقہ اِس سے بہتر نہ تھا کہ اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے صقالبہ کو ہشام المؤید کی موت کا یقین دلا دیتے، سب سے اخیر میں سلیمان المستعین کے بڈھے باپ حَکَم کی شہادت تھی جس نے باوجود اپنے فرزند کے بیان کے خدا کو گواہ کرکے کہا کہ ہشام المؤید ابتک زندہ ہیں۔ کیا یہ ممکن تھا کہ ایک زاہد و عابد بڈھا آدمی جو خدا کے حضور میں حاضر ہونے کو تھا، مرتے وقت ایسا جھوٹ بولتا؟ اِس بات کو قیاس ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

(۵۶۶)

ان کُل امور پر غور کرنے کے بعد یقین ہوتا ہے کہ عورتوں اور حریم خلافت کے خواجہ سراؤں میں جو روایت مشہور تھی وہی کسی قدر سچ تھی، اور وہ یہ تھی کہ سلیمان المستعین

کے زمانۂ حکومت میں ہشام المؤید کسی ترکیب سے قصر سے نکل کر شہر میں جا چھپے ، اور یہاں کچھ دن تک چوری چھپے مزدوری کرکے اپنا گذر کرتے رہے ، اس کے بعد وہ ایشیا چلے گئے ، یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا ایشیا کی طرف اُن کی فراری سلیمان المستعین کے اشارے سے عمل میں آئی تھی ؟ کیا ہشام المؤید نے قسم کھالی تھی کہ وہ مستعین کی راہ میں اب کسی طور پر مزاحم نہ ہوں گے ؟ کیا ہشام اور مستعین میں خط و کتابت رہتی تھی ؟ یہ کل سوالات سلیمان المستعین کے بڈھے باپ حَکَم کے بیان سے پیدا ہوتے ہیں ، لیکن اِن سوالوں کا کوئی ٹھیک جواب نہیں دیا جاسکتا ، یہ امر خلافِ قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ ہشام المؤید اُن لوگوں سے تنگ آگئے ہوں جنہوں نے ہر قسم کے اختیارات سے اُنہیں محروم کردیا تھا ، لیکن لڑائیوں میں ہمیشہ اُنہی کا نام لیکر لڑتے تھے ، اور اس حالت میں اُنھوں نے ایشیا کے کسی گوشے میں اپنی ستائی ہوئی کمزور جان کو جس پر مصیبتوں کا ہجوم تھا آرام دینا چاہا ہو۔

بہرکیف یہ جو کچھ بھی ہو علی بن حمود اب حکمراں ہوگئے ، اور معلوم ہونے لگا کہ امن و امان کا زمانہ پھر عود کرنے کو ہے ، علیؔ جو حکمراں خاندان بنی حمود کے بانی ہوئے اگرچہ تقریباً بربر تھے مگر اہلِ اندلس پر اُنھوں نے مہربانی اور شفقت ظاہر کی ، اندلسی شعرا کا کلام خوش ہوکر سُنتے تھے گو عربی زبان مشکل سے سمجھتے تھے ، اندلس کا کوئی آدمی جو اُن سے ملنا چاہتا مِل سکتا تھا ، بربر کے دستِ تعدی کو نہایت سختی سے روکتے تھے ، ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک بربر گھوڑے پر سوار اپنی کاٹھی کے سامنے ایک ٹوکرا انگوروں سے بھرا ہوا لیے جارہا تھا ، علی بن حمود نے اِس سوار کو روکا ، اور پُوچھا کہ یہ انگور کہاں سے ملے ؟ سوار اِس سوال پر کسی قدر حیران ہوا مگر بہت بے پروائی سے بولا " انگور ہمیں پسند آئے اِس لیے اُٹھالیے " اِس چوری کی سزا میں بربر کو اپنی جان دینی پڑی۔

علی بن حمود نے ایک تدبیر ایسی سوچی تھی کہ اُن کی طبیعت کی فیاضی کا ثبوت سب کو مِل جائے ، اور وہ یہ تھی کہ خانہ جنگی کے زمانہ میں قرطبہ کے لوگوں کا جس قدر نقصان ہوا ہو ، وہ کسی طرح بھر دیا جائے ، لیکن شہر والوں کی بدقسمتی تھی کہ خیر اُن کی طامع طبیعت نے

علی بن حمود کو ایک دُوسرا ہی طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔
شروع میں خیران، علی بن حمود کا خیر خواہ رہا اور اپنے علاقہ میں ایسے لوگوں کو سزائیں دیتا رہا جو سازشیں کرکے بنی امیہ میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اگر خیران اسی طرح علی بن حمود کی خدمت کرتا رہتا تو ملک بھر میں پھر امن وسلامتی کا دَور دَورہ ہو جاتا، لیکن اُس نے علی بن حمود کے حق میں منصور بننا چاہا، مگر یہ دیکھ کر کہ علی بن حمود، ہشام الموید بننا نہیں چاہتے خیران نے بنی اُمیہ میں سے کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہا جو اُس کے شاہانہ اختیارات میں کمی پیدا نہ کرے، چنانچہ اب اُسے ایک مدعیٔ سلطنت کی تلاش ہوئی، ۱۰۱۷ء (۴۰۸ھ) کے قریب اُس کو ایک ایسے شخص مل گئے، یہ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے پڑپوتے تھے، پورا نام عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار بن عبدالرحمٰن الناصر تھا، یہ بلنسیہ میں سکونت رکھتے تھے۔ (۵۶۷)

بہت سے اندلسیوں نے خیران کو مدد دینے کا وعدہ کیا، ان میں منذر حاکم سرقسطہ خاندانِ بنی ہاشم کی یادگار بھی تھا، منذر عیسائی حاکم برشلونہ ریمند کی فوج کو ساتھ لیکر سرقسطہ سے جنوب کی طرف بڑھا تاکہ عبدالرحمٰن بن ہشام کو خلیفہ بنانے میں امداد کرے، علی بن حمود نے جب دیکھا کہ جن لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا وہی اب بدسلوکی پر آمادہ ہیں، اور قرطبہ کے لوگ بنی امیہ میں سے پھر کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، تو جن لوگوں کو اپنی پناہ میں لیا تھا اُن پر سختی شروع کردی، اور بربر کی طرفداری ظاہر کی جن پر ابتک سختی کرتے رہے تھے، بربر کو حکم دیا کہ قرطبہ کے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں جیسے کسی مفتوحہ شہر کے باشندوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، چنانچہ اُس کی مثال خود ہی پیش بھی کی، روپیہ فراہم کرنے کے لیے نئے نئے محصول جاری کیے، شہر کے بہت سے رئیسوں کو قید کردیا، اِن میں مجلسِ مشورت کا معزز رکن ابنِ جہور بھی تھا علی بن حمود نے اِن رئیسوں سے جب تک پیش قرار رقمیں وصول نہ کرلیں اُنہیں قید سے رہا نہ کیا، بے انصافیوں کے ساتھ ساتھ اِن لوگوں کی توہین بھی کی، وہ اِس طرح کہ جب یہ رئیس رہا ہو کر قید خانہ سے نکلنے کو تھے تو اُن کے نوکر سواری کے خچر لیے باہر

حاضر تھے، علی بن حمود نے حکم بھیجا کہ "قیدی جو رہا ہوئے ہیں اپنے اپنے گھروں کو پیدل جائیں اور خچر ہمارے اصطبل میں داخل کیے جائیں"۔ مساجد کے اوقاف بھی اُن کے ہاتھوں محفوظ نہ رہے، ابن جبار ایک فقیہہ کی مدد سے اوقاف کے متولیوں کو مجبور کیا گیا کہ وقف کا کُل مال علی بن حمود کے حوالے کریں، اب شہر پر ایک خوف طاری ہوا، قرطبہ پولیس کے لوگوں، جاسوسوں اور مجرموں سے بھر گیا، عدل و انصاف رخصت ہوا، جس زمانہ میں علی بن حمود اہلِ قرطبہ کو اپنی پناہ میں لیے ہوئے تھے اُن کے ساتھ عدالتوں میں بھی رعایت کی جاتی تھی، اب قاضیوں کا یہ حال ہوا کہ اپنی جگہ سلامت رکھنے کے لیے جب کوئی قرطبی کسی بربر کے خلاف استغاثہ دائر کرتا تو خواہ شکایت کیسی ہی بجا ہوتی وہ اُس کی طرف مطلق توجہ نہ کرتے۔

بہت لوگ جاہ و منزلت کے لالچ میں ہمہ تن علی بن حمود کے جاں نثار و خیر طلب بن گئے، ایک عہد نویس مورخ لکھتا ہے کہ "شہر کے نصف باشندے باقی نصف باشندوں کی جاسوسی پر مقرر ہیں"۔ شہر کے بازار اور کوچے خالی نظر آنے لگے، جہاں کسی پر شبہ ہوا فوراً اُسے گرفتار کر کے قید خانے بھیجدیا گیا، گرفتاری سے جو لوگ بچنا چاہتے تھے وہ تمام دن گھروں میں چھپے بیٹھے رہتے تھے، رات کو ضروری خرید و فروخت کے لیے نکلتے تھے۔

اندلسیوں پر علی بن حمود کو اس قدر غصہ تھا کہ اُس نے قرطبہ کے لوگوں کو ہلاک اور جلاوطن کرنے کے بعد شہر کو قطعی منہدم کرنے کی قسم کھالی تھی، لیکن موت نے یہ قسم پُوری نہ ہونے دی، نومبر ۱۰۱۷ء (جمادی الآخر ۴۰۸ھ) میں علی بن حمود باغیوں کے مقابلے کو نکلے، لیکن جب وادی آش تک پہنچے تو بارش کثرت سے ہونے لگی، اسلیے قرطبہ واپس چلے آئے، اپریل ۱۰۱۸ء (ذیقعدہ ۴۰۸ھ) میں یہ سُن کر کہ معاون فوجیں جیان میں آگئی ہیں حکم دیا کہ ۱۷ اپریل ۱۰۱۸ء (۲۸ ذیقعدہ ۴۰۸ھ) کو اُن کا معائنہ کیا جائے گا، یومِ مقررہ کو فوجیں علی بن حمود کے انتظار میں آراستہ کھڑی رہیں، جب وقت زیادہ گذرا اور علی بن حمود معائنہ کے لیے نہ آئے تو افسرانِ فوج سبب دریافت (۵۶۸)

کرنے کے لیے قصر کی طرف چلے، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ علی بن حمود کو حمام میں کسی نے قتل کر دیا ہے۔

یہ خون قصر میں تین صقلبیوں نے کیا تھا جو کسی زمانہ میں بنی امیہ کی ملازمت میں رہے تھے، اُن کو علی بن حمود سے کوئی ذاتی عداوت نہ تھی، بلکہ علی اُن کا اعتبار کرتے تھے اور اُن پر مہربان رہتے تھے، یہ بھی دریافت نہیں ہوتا کہ خیران یا اہلِ قرطبہ کے ایما سے یہ قتل ہوا، مجرم گرفتار ہوئے اور قتل کا حکم سنا کر اُن سے پوچھا گیا کہ کس کے کہنے سے تم نے یہ قتل کیا؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "کسی کے کہنے سے نہیں"۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے آقا کا خون صرف اِس خیال سے کیا تھا کہ ایک ظالم اور نااہل حاکم سے مُلک کو نجات مِل جائے۔

علی بن حمود کی موت سے قرطبہ کے لوگ بیحد خوش ہوئے، لیکن اِس موت سے بنی حمود کی حکومت کو زوال نہیں ہوا، علی بن حمود نے دو بیٹے یحییٰ اور ادریس، اور ایک بھائی قاسم بن حمود پیچھے چھوڑا، یحییٰ سبتہ کا اور قاسم اشبیلیہ کا حاکم تھا، بربریں سے بعض لوگوں نے یحییٰ بن علی کو خلیفہ بنانا چاہا، لیکن باقی لوگوں نے قاسم بن حمود کو زیادہ مستحق سمجھا، کیونکہ اشبیلیہ جہاں کا وہ حاکم تھا بہ نسبت سبتہ کے قرطبہ سے نزدیک تھا، یہی فریق کامیاب ہوا، اور علی بن حمود کی موت کے چھ دن بعد قاسم بن حمود دار الخلافہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خیران اور منذر نے ۳۰ر اپریل ۱۰۱۸ء (۱۱ر ذی الحجہ ۴۰۸ھ) کو ایک مجلسِ عام ایسے سرداروں کی جن پر بھروسا تھا اپنی طرف سے منعقد کی، اِس مجلس میں لوگ بکثرت شریک ہوئے، علماء وفقہاء بھی موجود تھے، فیصلہ یہ ہوا کہ خلیفہ ہمیشہ بذریعہ انتخاب مقرر ہوا کرے، چنانچہ عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد الملک بن عبد الرحمٰن الناصر[۱] خلیفہ منتخب کیے گئے، اور اِس انتخاب کو مجلس نے منظور کر لیا۔ عبد الرحمٰن نے خلیفہ ہو کر المرتضیٰ کا لقب اختیار کیا۔

۱؎ عبد الرحمٰن کا شجرۂ نسب صفحۂ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں

اب خیران اور منذر مع عبدالرحمٰن المرتضیٰ کے غرناطہ کی طرف روانہ ہوئے، جب غرناطہ پہنچے تو عبدالرحمٰن المرتضیٰ نے زاوی کو بہت ہی شائستہ الفاظ میں خط لکھا کہ زاوی اُن کو خلیفہ تسلیم کریں۔ زاوی نے خط پڑھوا کر سُنا، اور کاتب کو حکم دیا کہ جواب میں قرآن شریف کی یہ سورۃ لکھ دو قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ (ترجمہ۔ کہدو کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کرتا اُس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور تم عبادت نہیں کرتے اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، میں کبھی عبادت نہ کروں گا اُس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم عبادت کروگے اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تم کو تمہارا دین رہے اور مجھکو میرا دین)

جب زاوی کا یہ جواب آیا تو عبدالرحمٰن المرتضیٰ نے ایک دوسرا خط زاوی کو بھیجا، اِس خط میں دھمکی دی اور یہ الفاظ لکھے کہ "میں عیسائیوں کی ایک فوج اور اہلِ اندلس کے بڑے بڑے شجاعوں کو ساتھ لے کر تمہارے مقابلے پر آرہا ہوں، تم کیا کرسکوگے؟" خط کے اخیر میں ایک شعر تھا جس کا مضمون تھا:۔ (۴۹ھ

"اُن کی قسمت اچھی ہوگی جو ہماری طرف ہوں گے، اور مصیبت آئیگی ہمارے دشمنوں پر"

زاوی نے جواب میں قرآن شریف کی یہ دوسری سورۃ لکھوا کر بھیجی۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عبدالرحمٰن المرتضیٰ کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:۔

عبدالرحمٰن الناصر
- عبیداللہ ← عبدالرحمٰن ← محمد المستکفی
- عبدالملک ← محمد ← عبدالرحمٰن المرتضیٰ
- سلیمان ← ابوبکر، ہشام، حکم ← (حکم ←) سلیمان المستعین
- الحکم ← ہشام المؤید
- عبدالجبار ← ہشام ← محمد المہدی (← عبیداللہ)، عبدالرحمٰن (خامس)
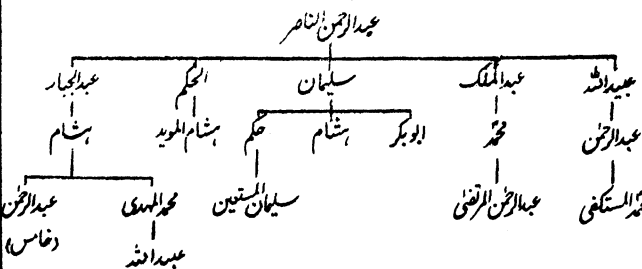
كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۙ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (ترجمہ - کثرت اور بہتات نے تمہیں غافل کر دیا ، یہاں تک کہ جب قبر میں پہنچے تو آنکھیں کھلیں ، سُن رکھو کہ عنقریب اس غفلت کا انجام معلوم ہو جائے گا ، اچھی طرح سُن رکھو کہ آگے چل کر اس کا انجام ضرور معلوم ہونا ہے ، بات یہ ہے کہ اگر انجام کو تم یقینی طور پر جانتے ہوتے تو اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ لیتے ، (مگر) ایک دن تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے ، پھر اُس دن تم سے اُن نعمتوں کے باب میں باز پرس ہوگی)

اس جواب کو سُن کر خلیفہ مرتضیٰ اس قدر برہم ہوئے کہ اُنہوں نے جنگ کا مصمم قصد کر لیا۔

خیران اور منذر کو بہر کیف جلد معلوم ہو گیا کہ مرتضیٰ اس قسم کے فرمانروا نہیں ہیں جیسا کہ وہ چاہتے تھے ، ان سرداروں کو بنی امیہ کے حقوق سے تو کوئی واسطہ نہ تھا ، اگر اُن میں سے کسی کے لیے وہ ہتھیار اُٹھاتے تھے تو گویا اس شرط سے ایسا کرتے تھے کہ سلطنت کی باگیں اپنے ہی ہاتھوں میں رہیں گی ، مگر مرتضیٰ کی غیرت اس قسم کی ماتحتی کو قبول نہ کر سکتی تھی ، برائے نام شاہی اختیارات رکھنے اُنہیں گوارا نہ ہو سکتے تھے ، اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے سپہ سالاروں کا حکم مانتے وہ اُنہیں محکوم بنا کر رکھنا چاہتے تھے ، اب خیران اور منذر نے بے وفائی پر کمر باندھی ، اور زاوی سے درپردہ عہد کر لیا کہ جب اُس کی لڑائی خلیفہ سے ہوگی تو وہ خلیفہ کا ساتھ چھوڑ کر زاوی کی طرف آجائیں گے لیکن جس وقت جنگ ہوئی تو کئی روز تک خیران اور منذر، زاوی کے مقابلہ پر قائم رہے اور چھوٹے چھوٹے معرکے ہوتے رہے ، یہاں تک کہ زاوی نے خیران کو اُس کا وعدہ یاد دلایا ، خیران نے کہا "ہم اس لیے لڑ رہے ہیں کہ تم پر اپنی شجاعت اور بہادری ثابت کر دیں ، اگر مرتضیٰ ہمارا دل رکھتا تو یہ لڑائی اب تک اُس کے حق میں فتح ہو گئی ہوتی مگر اب کل ہم اُس سے علیحدہ ہو جائیں گے"۔

دوسرے دن صبح کو فی الواقع خیران اور منذر نے میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھائی۔

جس قدر افسرانِ فوج مرتضیٰ کی طرف سے لڑ رہے تھے، خیران اور منذر کی یہ حرکت دیکھ کر بیحد خشمناک ہوئے، انہی میں سلیمان ابنِ ہود بھی تھا جو منذر کی عیسائی فوج کی اِس وقت سپہ سالاری کر رہا تھا، منذر جس وقت سلیمان بن ہود کے پاس سے نِکلا، تو کہنے لگا "اے بدبخت! جان بچانی ہے تو بچا، یہ نہ سمجھ کہ تیرے لیے میں یہاں کوئی دم ٹھیرونگا" سلیمان بن ہود نے جواب دیا "افسوس! تمہاری وجہ سے آج ہم برباد اور بے عزت ہوتے ہیں" بہرکیف یہ دیکھ کر کہ اب مقابلہ کرنا ممکن نہیں سلیمان بن ہود بھی اپنے آقا کے ساتھ میدان سے ہٹ گیا۔

مرتضیٰ یہ دیکھ کر کہ فوج کے اکثر حصوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہے بے جگر ہو کر لڑے، اور دشمن کے منہ سے اپنے تئیں باہر نکال لائے، میدان سے نکل کر وہ وادئ آش کی طرف چلے، جو اُس زمانہ میں غرناطہ کی سرحد سے باہر سمجھا جاتا تھا، لیکن خیران نے اُن کی تاک میں چند آدمی بھیج رکھے تھے، اُن آدمیوں نے عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو قتل کر دیا۔ (۵۰)

خیران کو اِس دغا اور بزدلی کا یہ پھل ملا کہ اُس کا فریق ٹوٹ کر پراگندہ ہوگیا، اب صقالبہ اِس قابل نہ رہے کہ ایک لشکر جمع کر سکیں، اِس لیے اُن کے مخالفین یعنی بربر اندلس کے مالک ہوگئے، مگر اِس زمانہ میں قرطبہ نسبتاً اچھی حالت میں رہا، اور جس حد تک حکومتِ غیر میں ایک شہر آسودہ رہ سکتا تھا وہ حالت اُس کی رہی، حکومت بزورِ شمشیر کا اب تقریباً سدِّباب ہو چکا تھا، اور زیادہ امن و سلامتی کا زمانہ آگیا تھا، قاسم بن حمود امن وامان بہت پسند کرتے تھے، ملک پر زیادہ محصول لگا کر رعایا کو نہیں ستایا، گذشتہ نزاعات کو فراموش کرنے کے لیے خیران کو اُنہوں نے طلب کیا، اور اُس سے مصالحت کرلی، ایک دوسرے صقلبی کو جس کا نام زہیر تھا، اور وہ علاقہ مرسیہ کا حاکم تھا، جیان، قلعہ رباح اور بیاسہ کے صوبے عطا کیے، قاسم بن حمود کے سُنّی المذہب ہونے میں لوگوں کو شبہ تھا، خیال یہ تھا کہ وہ شیعہ ہیں، لیکن مذہب اُن کا جو کچھ بھی تھا دوسروں کو اُنہوں نے اُس کا پابند کرنا کبھی نہ چاہا، اپنے عقائد کسی پر ظاہر نہیں کیے اور مذہبی معاملات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی، اُنکی

ہر بات میں اعتدال کا وصف ایسا تھا کہ بنی حمود کی حکومت کو اسپین میں استقلال ہوتا نظر آتا تھا، یہ سچ ہے کہ قرطبہ کے لوگ ابنِ حمود کی حکومت سے کوئی دلی تعلق نہ رکھتے تھے، لیکن اگر حالات جن پر اہلِ قرطبہ قدرت نہ رکھتے تھے ایسی صورت اختیار کرتے کہ اُن کی گذشتہ امیدیں پھر زندہ ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد پُرانے خلفاء کو بھول کر وہ موجودہ حالت سے مطمئن ہو جاتے۔

قاسم بن حمود کو بربر کا اعتبار نہ رہا تھا، اب اُنھوں نے اپنے استحکام کے لیے دوسری صورت پیدا کی، بربر کے پاس اَسْوَدی غلام بکثرت تھے، اِن غلاموں کو قاسم بن حمود نے خرید لیا، افریقہ سے اور بہت سے غلام دستیاب کیے اور اِن سب سے ایک فوج مرتب کی، اور اِس فوج کے افسروں کو بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز کیا، اِس کارروائی نے بربر میں غصہ پیدا کیا، اور بربر کی اِس حالت سے یحییٰ بن علی بن حمود یعنی قاسم کے بھتیجے نے فائدہ اُٹھایا، ایک خط بربر کو بھیجا، اور اُس میں جہاں اور باتیں لکھیں یہ بھی لکھا کہ "میرے چچا قاسم بن حمود نے مجھے عاق کر دیا ہے، اور تمہارے ساتھ بھی یہ بدسلوکی کی ہے کہ تمہارے غلاموں کو وہ اعلیٰ مراتب عطا کیے ہیں جن کے مستحق دراصل تم تھے، اگر تم مجھ کو میرے باپ کا تخت دلوا دوگے تو تمہارے سابقہ مراتب پھر تم کو مل جائیں گے اور اَسْوَدی برطرف کر دیے جائیں گے"۔

بربر نے یحییٰ بن علی بن حمود کی یہ درخواست جیسی کہ توقع کی جاتی تھی منظور کر لی، اور یحییٰ کو مدد دینے کا وعدہ کر لیا، اب یحییٰ اپنی فوجیں ساتھ لیے زقاق عبور کر کے مالقہ میں جا اُترا، یہاں اُس کا بھائی ادریس حاکم تھا، ادریس نے بھائی کا ساتھ دیا، یحییٰ مالقہ ہی میں مقیم تھا کہ خیران کا خط اُس کے پاس آیا، خیران کی حالت یہ تھی کہ ہر مدعیٔ سلطنت کی مدد کو تیار ہو جاتا، اور جب اِس مدعی کو کامیابی ہو جاتی تو پھر اُس کی تباہی کے لیے سازشیں کرتا۔ خیران نے اپنے خط میں یحییٰ کو یاد دلایا کہ اُس کے باپ علی بن حمود کی اُس نے بڑی بڑی خدمتیں ادا کی تھیں، مگر ادریس نے اپنے بھائی یحییٰ سے کہا کہ "خیران کی مدد لینے سے انکار کر دینا چاہیئے، کیونکہ خیران بڑا عہد شکن ہے، اور ایک

(۱۵۷)

دن ضرور دھوکا دے گا۔" یحییٰ نے یہ سُن کر بھائی سے کہا "مجھے بھی اِس بات کا بالکل یقین ہے، لیکن ہم ایسی احتیاط رکھیں گے کہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچانے پائیگا پس یحییٰ نے صاحب المریہ خیران کو لکھا کہ ہم آپ کی خدمات قبول کرتے ہیں، اور یہ لکھ کر یحییٰ قرطبہ کی طرف بڑھا۔

یحییٰ کے چچا قاسم بن حمود پر جب یہ حال کُھلا تو اُنہوں نے قرطبہ میں رہنا مناسب نہ سمجھا، اور ١١ ریا ١٢ اگست ١٠٢١ء (٢٨ ریا ٢٩ ربیع الآخر ٤١٢ھ) کو قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ ہوگئے، صرف پانچ سوار اُن کے ساتھ تھے۔ اِس تاریخ سے ایک ماہ کے بعد یحییٰ بن علی قرطبہ میں داخل ہوئے، مگر اُن کی حکومت چند روزہ ہوئی، اَسودی غلام بہت جلد قاسم سے اشبیلیہ میں جاملے، اندلسی فوجوں کے بہت سے افسر بھی قاسم کے پاس چلے گئے، یحییٰ کے غرور سے یہ افسر ایسے بیزار ہوئے کہ بہت جلد اُنسے علیحدہ ہوگئے، یحییٰ بن علی کی حالت اب ایسی نازک ہوئی کہ اپنے ہی محل میں ہر وقت گرفتار ہوجانے کا خوف رہنے لگا، اب اُن کو پناہ کی تلاش ہوئی، اور رات کے وقت قرطبہ سے مالقہ کو بھاگ گئے، یہ سُن کر قاسم بن حمود پھر قرطبہ چلے آئے، اور ١٢ فروری ١٠٢٣ء (١٨ ذیقعدہ ٤١٣ھ) کو پھر اُن کی خلافت کا اعلان ہوا، لیکن قاسم بن حمود کی حکومت بھی مستحکم بُنیاد پر نہ تھی، اُن کی قوّت میں جلد انحطاط پیدا ہوا، یحییٰ کے بھائی ادریس نے جو اِس وقت سبتہ کا حاکم تھا طنجہ پر قبضہ کرلیا، قاسم بن حمود نے طنجہ کو بہت مستحکم کردیا تھا، تاکہ اگر اسپین میں کوئی مشکل پیش آئے تو زقاق عبور کرکے طنجہ میں پناہ لیں، اسپین میں یحییٰ بن علی نے (قرطبہ سے واپسی پر) جزیرۃ الخضرا پر قبضہ کیا، یہاں قاسم بن حمود کے اہل وعیال اور ذخائر تھے، قرطبہ میں اُن کا معاون سوائے اسودیوں کے اور کوئی نہ تھا۔

اِن حالات نے اہلِ قرطبہ کی ہمت بڑھائی، چچا بھتیجے کی باہمی منازعت میں اُن کو زیادہ دلچسپی نہ تھی، بہرکیف باشندگانِ قرطبہ میں ایک قسم کی بےچینی پھر پیدا ہوئی بربر کی حکومت سے گلوخلاصی کی کوشش اُن کی سب سے بڑی آرزو تھی جو کسی وقت

دِل سے نہ نکلتی تھی، اب ایک خبر مشہور ہوئی کہ خاندانِ بنی اُمیّہ میں سے ایک شخص
جلد ظاہر ہو کر تخت کا دعویٰ کرنے والا ہے، قاسم بن حمود اِس خبر سے ڈرے، چونکہ
اِس شخص کا نام نہیں بتایا گیا تھا اِس لیے اُس نے حکم دیا کہ بنی امیّہ میں سے جو کوئی ملے
اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا جائے، اب بنی امیہ کا یہ حال ہوا کہ کوئی شہر میں اور کوئی
شہر سے باہر کسی گاؤں میں جا چھپا، مگر قاسم کی یہ پیش بندیاں بغاوت کو نہ روک سکیں،
بربر کی زیادتیوں سے طیش میں آکر قرطبہ کے لوگوں نے ۳۱ر جولائی ۱۰۲۳ء (مطابق
۱۰ر جمادی الاول ۴۱۴ھ) کو غدر کر دیا، لڑائی سخت ہوئی، مگر اس کے بعد فریقین میں
صلح ہو گئی، یا یہ سمجھیے کہ لڑائی کچھ مدت کے لیے بند ہو گئی، یہ مدّت بہت کم ثابت
ہوئی، گو قاسم بن حمود نے اہلِ قرطبہ پر لطف و کرم کر کے اِس مدّت کو بڑھانا چاہا، بہرکیف
۶ر ستمبر ۱۰۲۳ء (۱۷ر جمادی الآخر ۴۱۴ھ) کو جمعہ کی نماز کے بعد شہر میں چاروں طرف
سے ہتھیار اُٹھانے کے لیے نعرے بلند ہونے لگے، اور قرطبیوں نے قاسم بن حمود
اور بربر کو شہر سے نکال باہر کیا، مگر بیرونِ شہر یہ سب لوگ جمع ہو گئے، قاسم بن حمود
نے قرطبہ سے مشرق کی سمت میں اپنا خیمہ نصب کیا، اور شہر کا محاصرہ کر لیا جو پچاس دن (۵۷۲
سے کچھ زیادہ تک قائم رہا، شہر کے اندر سے باغی شہر کو دشمن سے بچاتے رہے، لیکن
جب شہر والوں کے پاس کھانے پینے کا سامان کم رہ گیا تو محاصرہ کرنے والوں سے اُنھوں نے
درخواست کی کہ ہم کو مع اہل و عیال کے شہر سے صحیح سلامت نکل جانے دو، قاسم بن حمود
نے یہ درخواست منظور نہیں کی، اور اب قرطبہ والوں نے جان پر کھیل کر ایک کام کیا،
شہر کا ایک دروازہ توڑ ۳۱ر اکتوبر ۱۰۲۳ء (۱۳ر شعبان ۴۱۴ھ) کو سب کے سب
شہر سے باہر نکلے اور محاصرین پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ بالکل بے ترتیب ہو کر بھاگے،
قاسم بن حمود کے افسرانِ فوج اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے اور قاسم بن حمود اشبیلیہ
چلے گئے، لیکن اشبیلیہ والوں نے بھی اہلِ قرطبہ کی مثال کا تتبع کر کے اپنے شہر کے
دروازے بند کر لیے اور قاسم کو اندر نہیں آنے دیا اور اشبیلیہ میں جمہوری حکومت قائم
کر لی (یعنی چند سر برآوردہ رئیسوں کے مشورے سے حکومت ہونے لگی۔) قاسم بن حمود

اشبیلیہ سے سرنیش پہنچے اور شہر میں داخل ہوئے، یحییٰ بن علی نے سرنیش کا محاصرہ کر لیا اور قاسم کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا، قاسم بن حمود کے کارنامے اب خاتمہ کو پہنچتے ہیں، یحییٰ بن علی، قاسم بن حمود کو مالقہ لے گئے اور وہاں انہیں قید کر دیا، اور اس بات کی بھی قسم کھائی کہ چچا کو زندہ نہ چھوڑیں گے، لیکن حالت تذبذب کی رہی اور یہ قسم مدت تک پوری نہ ہو سکی، خواب میں اپنے باپ علی بن حمود کو یہ کہتے سنا "تمہیں قسم دلاتا ہوں کہ قاسم کو جان سے نہ مارنا، جب میں بچہ تھا تو انہوں نے مجھ پر مہربانیاں کی تھیں، اور گو وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے مگر میرے مقابلہ میں کبھی تخت کے مدعی نہ ہوئے۔" باوجود اس کے یحییٰ بن علی نے اکثر شراب کے نشے میں چچا کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا، لیکن دوستوں نے اس قصد سے منع کیا اور کہا۔ "قاسم قید خانے میں کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" یحییٰ نے دوستوں کے اس کہنے کو مان لیا، اور قاسم بن حمود علاقہ مالقہ کے ایک قلعے میں تیرہ برس تک قید رہے، لیکن ۱۰۳۶ء (۴۲۸ھ) میں یحییٰ بن علی کو معلوم ہوا کہ قلعہ میں جو فوج رہتی ہے اُس کو قاسم بغاوت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں، اس پر یحییٰ آگ ہو کر بولے "کیا یہ بڈھا اب بھی تخت کی آرزو رکھتا ہے، یہی قصور اس کا کافی ہے۔" اتنا کہکر حکم دیا کہ قاسم کا گلا گھونٹ دیا جائے۔

اہل قرطبہ نے خود مختار ہونے کے بعد پھر یہ خواہش کی کہ بنی اُمیّہ میں سے کسی کو خلیفہ بنایا جائے، اور یہ کام زور اور زبردستی سے نہیں بلکہ باقاعدہ طور پر عمل میں آئے۔ چنانچہ نومبر ۱۰۲۳ء (شعبان یا رمضان ۴۱۴ھ) میں اُنہوں نے ایک مجلس منعقد کی، اور وزیروں نے ان تین آدمیوں کے نام خلافت کے لیے پیش کیے۔

۱۔ سلیمان ابن عبدالرحمٰن المرتضیٰ

۲۔ عبدالرحمٰن برادر مہدی باللہ

۳۔ محمد ابن عراقی

فہرست امیدواران میں سلیمان کا نام سب سے پہلے لکھا گیا، وزیروں کو سلیمان ابن

عبدالرحمٰن المرتضیٰ کے منتخب ہوجانے کا اِس قدر یقین تھا کہ کاتب احمد ابن برد نے جو عہدنامہ اِس موقع کے لیے تیار کیا تھا اُس میں سلیمان کا نام تک درج کر دیا تھا۔

لیکن ان وزیروں نے اپنے اثر و اقتدار کا اندازہ زیادہ کر لیا تھا، اور جو لوگ مہدی باللہ کے بھائی عبدالرحمٰن کے مددگار تھے اُن کی قوّت کو پورے طور پر نہ سمجھا تھا، عبدالرحمٰن کی عُمر اِس وقت بائیس برس کی تھی، بنی حمود نے اُن کو کچھ زمانے سے شہر بدر کر رکھا تھا، لیکن انتخاب سے کچھ پہلے وہ پوشیدہ طور پر شہر میں چلے آئے تھے، چنانچہ جس وقت اہلِ قرطبہ نے بربر کے خلاف غدر کیا تھا تو عبدالرحمٰن اُس وقت قرطبہ ہی میں موجود تھے اور اِس غدر کو دیکھ چکے تھے، اُس زمانہ میں اُنھوں نے ایک فریق ایسا تیار کرنا چاہا تھا جو اُن کو خلیفہ مقرر کر دے، مگر اِس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی، وزرار جنھوں نے بغاوت برپا کی تھی عبدالرحمٰن برادر مہدی کے حقوق کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے، اور عبدالرحمٰن نے جن لوگوں کو اپنے انتخاب کی تائید میں بھیجا تھا اُن کو ان وزیروں نے قید کر دیا تھا، بلکہ خود عبدالرحمٰن کو بھی گرفتار کرنا چاہا تھا، البتہ جس وقت عہدنامہ لکھا جانے لگا تو اِس خیال سے کہ شہر کے بعض بڑے لوگ بُرا نہ مان جائیں عبدالرحمٰن کا نام فہرست میں لکھ دیا تھا، مگر اُن کو اِس کا گمان تک نہ تھا کہ انتخاب عبدالرحمٰن کا ہوجائیگا، جہاں محمد بن العراقی کا نام جو رعایا میں ہر دلعزیز نہ تھے درج کیا تھا، وہاں عبدالرحمٰن کا نام بھی تحریر کر دیا تھا۔

(۵۷۳)

وزیروں نے اپنے معاملے کو خوب مضبوط سمجھ کر شرفار قوم، اور افسرانِ فوج اور عوام الناس کا ایک جلسہ جامع مسجد میں منعقد کر کے انتخابِ خلیفہ کا مقدمہ پیش کیا، یہ واقعہ یکم دسمبر ۱۰۲۳ء (۱۳ رمضان ۴۱۴ھ) کا ہے، یومِ مقررہ پر عبداللہ ابن مخامس وزیر کے ساتھ سلیمان سب سے پہلے اِس جلسے میں آئے، یہ نہایت پُر تکلّف لباس پہنے ہوئے تھے اور بہت خوش اور بشاش معلوم ہوتے تھے اور دل سے یقین کرتے تھے کہ انتخاب اُنہی کا ہوگا، اُن کے ہوا خواہ اُنھیں دیکھتے ہی استقبال کے لیے آگے بڑھے اور ایک شہ نشین میں جو اُن کے لیے مخصوص کیا گیا تھا لاکر بٹھایا، اِس کے

تھوڑی دیر بعد عبد الرحمٰن ایک دوسرے دروازے سے مسجد میں آئے، اُن کے ساتھ ایک انبوہ اہلِ فوج اور اہلِ حرفہ کا تھا، عبد الرحمٰن نے جونہی دہلیز پر قدم رکھا لوگوں نے متفق الکلام ہوکر بڑے جوش و خروش کے ساتھ عبد الرحمٰن برادر مہدی باللہ کو خلیفہ منتخب کرلیا، وزیروں کی زبان حیرت سے بند ہوگئی، اور اگر انہوں نے کچھ کہنا بھی چاہا تو غل میں کسی نے کچھ نہ سُنا، آخر کار مجبور ہوکر وزرار نے عبد الرحمٰن کو خلیفہ تسلیم کرلیا اور سلیمان نے بھی یہ دیکھ کر کہ عبد الرحمٰن کو سب نے خلیفہ مان لیا ہے خود بھی انکو خلیفہ تسلیم کیا، اور اب لوگوں نے سلیمان کو خلیفہ عبد الرحمٰن کے سامنے پیش کیا، سلیمان نے عبد الرحمٰن کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور عبد الرحمٰن نے اُن کا ہاتھ پکڑ اپنے قریب مسند پر بٹھالیا،

تیسرے اُمیدوارِ خلافت یعنی محمد ابن العراقی نے بھی عبد الرحمٰن کی بیعت کی اور کاتب ابنِ بُرد نے عہد نامے میں سے سلیمان کا نام چھیل کر وہاں عبد الرحمٰن کا نام لکھ دیا۔

عبد الرحمٰن نے خلیفہ ہوتے ہی المستظہر کا لقب اختیار کیا۔[ف۱]

ف۱ مختلف ناموں کو آسانی سے سمجھنے کے لیے یہاں شجرہ لکھا جاتا ہے:-

عبد الرحمٰن الناصر

عبد الملک — سلیمان — المغیرہ — الحکم — عبد الجبار — عبید اللہ — عبد اللہ

عبد الملک ← محمد ← ہشام ثالث المعتمد باللہ؛ عبد الرحمٰن رابع المرتضیٰ ← سلیمان

سلیمان ← الحکم ← سلیمان المستعین باللہ؛ ہشام؛ ابوبکر

الحکم ← ہشام ثانی المؤید باللہ

عبد الجبار ← ہشام ← محمد ثانی المہدی باللہ؛ عبد الرحمٰن خامس المستظہر

عبید اللہ ← عبد الرحمٰن ← محمد (ثالث) المستکفی باللہ

اسناد :-

ابنِ حیان	ص ۱۲۸ (ابنِ بسّام ج ۱ ص ۶ تا ۷ ، ۹ ، ۲۲ تا ۲۴ ، ۱۲۰ تا ۱۲۲ ، ۱۲۷ تا ۱۲۹ - ج ۳ ص ۵ ، ۱۴۱
مقرّی	ج ۱ ص ۱۰۲ ، ۲۸۰ ، ۳۱۵ تا ۳۱۹
عبدالواحد	ص ۳۵ تا ۳۸ ، ۴۵
ابن الاثیر	(سنہ ۴۰۷ ہجری کے واقعات)
نویری	ص ۴۸۶ تا ۴۹۰
ابن الخطیب	(علی ابن حمود پر مضمون ، قلمی نسخہ E)
ابن الاباز	ص ۱۶۰ تا ۱۶۱
عماد	ج ۱ ص ۲۲۲
	ج ۲ ص ۲۱۴
ابن حزم	(فہرست مرتبہ ڈوزی ، ج ۱ ص ۲۲۵)

کتاب ثالث (خلافت)

سترھویں فصل

خلیفہ عبدالرحمٰن خامس ملقب بہ المستظہر اور ابنِ حزم

(۵۷۴)

پُر آشوب زمانہ کے حالات اور ایسی قوم کی سرگذشت لکھتے لکھتے جس کو خانہ جنگی نے صد پارہ کر کے مبتلائے درد و الم کر رکھا ہو، مورخ کی آرزو ہوتی ہے کہ فریقوں کی باہمی منازعت اور منازعت سے جو خوں ریزیاں ہوتی ہیں اُن سے نگاہ پھیر کر تخیّل کی پُرامن فضا میں گلزارِ شعر و سخن کی سیر کرے، تاکہ تصوّر کو کچھ دیر کے لیے سکون اور آسودگی میسر ہو، اس لیے اب ہم تھوڑا سا وقت اُن نظموں کے بیان میں صرف کرتے ہیں، جو نوجوان خلیفہ عبدالرحمٰن خامس اور اُن کے وزیر ابنِ حزم نے عشقِ بے لوث سے متاثر ہو کر تحریر کی تھیں، ان نظموں کے اشعار سے سادگی و جوانی، نشاط و طرب کی ایک شمیمِ جاں پرور پیدا ہو کر دل و دماغ کو تسکین بخشتی ہے، کلام ایسا حسین ہے کہ جہاں سوز تباہی کے منظرِ مہیب سے نکل کر اُس کی طرف متوجہ ہو جانا ایک غیر اختیاری بات ہے

یہ نظمیں گویا عنادل کے نغمے ہیں جو طوفانِ بلاخیز کے شور میں بھی صاف صاف سنائی دیتے ہیں۔

عبدالرحمٰن خامس ابھی لڑکے ہی تھے کہ اُن کو اپنی خواہر عمزاد حبیبہ سے جو خلیفہ سلیمان المستعین کی بیٹی تھیں عشق ہو جاتا ہے، لیکن یہ عشق ناکام رہتا ہے، خلیفہ سلیمان المستعین کی بیوہ ملکہ، عبدالرحمٰن سے حبیبہ کی شادی کرنی نامنظور کرتی ہیں اور نوجوان عاشق صبر کرلیتا ہے کہ زندگی جس طرح بسر ہوتی ہے بسر کرے، ملکہ کی نامنظوری سے عبدالرحمٰن کی تمکنتِ خاطر کو صدمہ پہنچتا ہے اور اسی رنج و ملال میں شعر کہکر طبیعت کو بہلاتا ہے، چنانچہ کہتا ہے۔

"انکار کے بہانے بے شمار ہیں، اُن کو سن کر دل کو صدمہ ہوتا ہے، خاندان والے چشمِ بصیرت کو اندھا کر کے اُنہیں مجبور کرتے ہیں کہ مجھ سے انکار کردیں لیکن سورج سے چاند کو کون رد کرا سکتا ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ حبیبہ کی ماں جو میرے رتبے اور منزلت سے واقف ہیں مجھے اپنا داماد بنانے سے ناخوش ہوں۔

مجھے حبیبہ سے عشق ہے، حبیبہ خاندانِ عبدشمس کی خوبصورت اور معصوم بیٹی ہے، اور اپنے ماں باپ کے محل میں تنہا رہتی ہے، میں نے تا زیست اُسکی غلامی کی قسم کھائی ہے، میرا دل اُس کا جہیز ہے۔

جس طرح عقاب اُڑتا ہوا قمری پر گرتا ہے اور قمری اپنے کانپتے ہوئے پر پھیلا دیتی ہے اِسی طرح عبدشمس کی اس قمری کو دیکھ کر میں بھی جو عبدشمس کے گھرانے کا ہوں اُس کی طرف مائل ہوتا ہوں۔

میری حبیبہ کیسی حسین ہے، اُس کے ہاتھ ایسے گورے ہیں کہ بنات النعش کا نور بھی اُن کے آگے ماند ہو جاتا ہے۔

اے پیاری حبیبہ! تیرے عشق کا روزہ بہت ہی سخت ہے، کب تو اُس کے افطار کی اجازت دے گی؟

اے پیاری حبیبہ! تیری ہی چھت کے نیچے میں اپنے درد کی دوا

تلاش کرتا ہوں، اور اللہ اس چھت پر اپنی برکتیں نازل رکھے، تیرا ہی گھر ہے جہاں
میرا آفت رسیدہ دل تسکین پا سکتا ہے، اور اسی گھر میں وہ آگ بجھ سکتی ہے
جو مجھے جلائے ڈالتی ہے۔

(۵۷۵) اے بنت عم! اگر تو نے مجھ سے انکار کیا، تو یہ انکار اس شخص سے ہوگا
جو (قسمیہ کہتا ہوں کہ) شرافت میں تیرے برابر ہے، اور جس کی آنکھیں اس جوش
کی وجہ سے جو تو دل میں پیدا کرتی ہے دھندلا دیکھنے لگی ہیں۔

لیکن میں ناامید نہیں ہوں، ایک دن وہ مجھے نصیب ہوگی، پھر میں
اپنی شان و عظمت کی پوری بلندی پر پہنچ جاؤنگا، کیونکہ میں اس وقت برچھا
چلا سکتا ہوں جبکہ سیاہ گھوڑے خون سے سرخ ہوتے ہیں، جو اجنبی میرے
دروازے پر آتا ہے میں اس کی عزت کرتا ہوں، جو محتاج مجھ سے سوال کرتا ہے
میں اسے نعمتیں دیتا ہوں، اس کا کونسا عزیز ہے جو خوبیوں میں مجھ سے زیادہ ہے؟
مجھ میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جو اس کے خوش کرنے کے لیے کسی میں ہونی چاہئیں
جوان ہوں، صاحب تمیز ہوں، نرم مزاج ہوں اور بلیغ ہوں۔"

نہیں معلوم کہ حبیبہ کے خیالات اپنے عاشق کی نسبت کیا تھے، عرب مورخوں
نے اس حسین و معصوم صورت کی ایک اڑتی سی جھلک دکھائی ہے، اور تصور کو موقع
دیا ہے کہ اپنی قوت سے تصویر کو واضح اور مکمل کرلے، بہرکیف یہ نہ تھا کہ عبدالرحمن کی
اس محبت کا اثر حبیبہ کے دل پر نہ ہوتا، ایک دن ملاقات ہوئی، عبدالرحمن نے اس کی
صورت اس قدر اشتیاق کے ساتھ دیکھنی شروع کی کہ حبیبہ نے شرما کر آنکھیں نیچی کرلیں
اور کچھ ایسی سراسیمہ ہوئی کہ عبدالرحمن کے سلام کا جواب بھی نہ دے سکی، عبدالرحمن نے
اس بات کو سرد مہری پر محمول کیا اور یہ اشعار کہے:۔

سلام ہو اس پر جو مجھ سے بات کرنی گوارا نہیں کرتی۔
سلام ہو اس غزال رعنا پر جس کی نگاہ کے تیر میرے کلیجے کے پار ہوئے جاتے ہیں۔
افسوس وہ کبھی مجھے اپنی تصویر تک نہیں بھیجتی، تاکہ اس پریشان خیالی میں کچھ تو دل کو تسکین ہو۔

تیرا نام لینے میں شیرینی کی سی لذت ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا عشق تیرے ساتھ ایسا ہے جسے
بیان کرنا گویائی کی قوت سے باہر ہے، حبیبہ! میں تیرا ایسا سچا عاشق ہوں کہ دوسرا ہو نہیں سکتا"
بہرکیف عبدالرحمٰن کی شادی حبیبہ سے نہ ہوسکی حقیقت یہ ہے کہ عبدالرحمٰن عشق میں ہمیشہ ہی نامراد رہا، گو یہ واقعہ ہے کہ ایک دوسری عورت نے اُس کے عشق کو مہربانی کی نظر سے دیکھا، لیکن کچھ دن کے بعد بے وفائی کی، اور اِس بے وفائی پر عبدالرحمٰن نے اِس مضمون کے اشعار کہے :-

"رقیب کو تُو نے مجھ پر ترجیح دی، اور اب میرا وقت مصیبت سے کٹتا ہے،
تُو بے وفا ہے، عہدشکن ہے، کیا وہ راتیں بُھول گئیں کہ ہم دونوں گلاب کے تختے پر
پڑے رہتے تھے، صرف ایک ہی چادر ہم دونوں کو ڈھکے ہوتی تھی، جیسے ہار میں
موتی پاس پاس ہوں اسی طرح ہم بھی پاس پاس ہوتے تھے، ہم دو تھے پر وصل میں
ایک ہوجاتے تھے، اور نیلگوں آسماں پر سونے کے ستارے چمکا کرتے تھے"۔

نوجوان عبدالرحمٰن کا ایک دوست تھا جو طبیعت اور مزاج میں بالکل اس کا مشابہ تھا، اِس دوست کا نام علی ابنِ حزم تھا، یہ عبدالرحمٰن کا وزیر بھی تھا، علی کے آباؤاجداد لبلہ کے رہنے والے تھے اور کسی زمانہ میں عیسائی تھے، علی کے پردادا حزم نے اسلام قبول کیا تھا مسلمان ہو کر اُس کو اپنی سابقہ نسل ونصرانیت پر ایسی شرم آئی کہ اپنا نسب بدل دیا، اور اُموی خلیفہ اول یعنی امیر معاویہؓ کے بھائی کے ایک ایرانی آزاد کردہ غلام سے اپنا نسب قائم کیا اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے سخت نفرت ظاہر کی۔ (۵۷۶)

اپنی تصنیف ملل والنحل میں ابنِ حزم لکھتے ہیں کہ "اِنسان کی واہمہ پرستی پر کبھی تعجب نہ کرنا چاہیئے، ایسی قومیں بھی جن میں آدمیوں کی کثرت ہے اور وہ متمدن اور مہذب بھی ہیں بہرکیف واہمہ کی غلام ہیں، عیسائیوں کی مثال لیجئے، وہ اتنے کثیر ہیں کہ خدا ہی کو اُن کا شمار معلوم ہے، اُن میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشمند بادشاہ گذرے ہیں، باوجود اس کے وہ یقین کرتے ہیں کہ ایک 'تین ہیں اور تین' ایک ہے، تینوں میں سے ایک باپ ہے، دُوسرا بیٹا ہے، اور تیسری ایک روح ہے، وہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹا ہے،

اور باپ بیٹا نہیں ہے ، اور یہ کہ ایک آدمی خدا ہے اور خدا نہیں ہے ، مسیح ہر اعتبار سے خدا ہے ، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح بالکل ویسا نہیں ہے جیسا کہ خدا ہے مسیح ازل سے موجود ہے ، باوجود اس کے وہ مخلوق ہے ، عیسائیوں کا ایک فرقہ جسے یعقوبی کہتے ہیں تعداد میں لاکھوں کا ہے ، اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کو تازیانے لگائے گئے تھے ، اُس کو مارا تھا اور مصلوب کر کے اُس کی جان لی تھی ، اور یہ کہ تین دن تک تمام عالم کا کوئی حکمراں نہ تھا۔"

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ طنز . یہ کلام کسی متشکک کا نہیں ہے بلکہ ایک پکّے مسلمان کا ہے ، ابن حزم فرقہ ظاہریہ سے تعلق رکھتے تھے جو قرآن کے الفاظ کا شدت سے پابند ہے ، ابن حزم تشبیہ پر کسی امر کے فیصلہ کرنے کو بُرا سمجھتے تھے ، یعنی قرآن کے معنی میں اگر انسانی عقل کو دخل دیا جاتا تھا تو اُس کو شیطانی فعل سمجھتے تھے ، سیاسیات میں ابن حزم صحیح النسب خاندانِ شاہی یعنی بنی امیہ کے ہمدرد اور معاون تھے ، انہی بنی امیہ کے موالی میں اپنے نسب کو غلط قرار دے کر وہ شریک ہوئے تھے ، بنی امیہ کو ابن حزم جیسا جاں نثار اور خیر خواہ ملنا ممکن نہ تھا ، اور وہ بنی امیہ کی دوستی میں ایسے ثابت قدم تھے کہ جس وقت اسپین سے اس خاندان کا چراغ گُل ہونے لگا اور علی بن حمود خلیفہ ہو گئے اور خیران نے بھی علی بن حمود کی اطاعت قبول کر لی تو اُس وقت بھی ابن حزم کی ہمت میں فرق نہ آیا ، اگرچہ چاروں طرف دشمن اور جاسوس لگے ہوئے تھے مگر وہ بنی امیہ کی ترقی کے لیے سلسلہ جنبانی اور طرح طرح کی تدبیریں ہمیشہ کرتے رہے۔

ابن حزم بڑی پُرجوش طبیعت رکھتے تھے ، اور پُرجوش طبیعتیں احتیاط کرنے کو بزدلی سمجھا کرتی ہیں ، خیران کو ابن حزم کی کارروائیاں معلوم ہو گئیں ، اُس نے ابن حزم کو کئی مہینے تک قید رکھا ، تاکہ اُن کی سازشیں کسی طرح بند ہوں ، اور قید کے بعد اُن کو شہر بدر کر دیا ، ابن حزم حصن القصر کے حاکم کے پاس چلے گئے اور اُس کے ہاں مہمان رہے حصن القصر اشبیلیہ سے زیادہ دُور نہ تھا ، وہ حصن القصر ہی میں ٹھیرے ہوئے تھے کہ بنی امیہ میں سے عبدالرحمٰن (رابع) کی نسبت سُنا کہ بلنسیہ میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے ، اس

خبر کو سنتے ہی ابن حزم ساحل پر آئے اور جہاز پر سوار ہو کر بلنسیہ پہنچے تاکہ عبد الرحمن رابع (المرتضیٰ) کو اپنی خدمات پیش کریں، اور اب عبد الرحمن المرتضیٰ جو لڑائی اپنے دشمنوں سے لڑے اور جس میں اپنے ہی دوستوں کی دغابازی سے مارے گئے، اُس میں ابن حزم بھی اپنے آقا کی طرف سے لڑے، اِس لڑائی میں ابن حزم فتحیاب بربر کے ہاتھ پڑ گئے، بربر نے اُن کو فوراً گرفتار کر لیا، اور ایک مدت تک بربر کی قید سے وہ رہا نہ ہو سکے۔ (۵۷۷)

اخیر میں وہ ایک بڑے جیّد عالم مشہور ہو گئے اور اسپین کے بہترین مصنفوں میں اُن کا شمار ہونے لگا، شروع زمانہ میں زیادہ تر شاعری میں اُنھوں نے نام پیدا کیا، اور اسپینی مسلمان شاعروں میں اُن کا پایہ سب سے بلند ہو گیا، اُس وقت اُن کی عمر ایسی تھی جس میں شاعرانہ خیالات کا ہجوم ہوتا ہے، یہ اپنے نوجوان آقا عبد الرحمن خامس (المستظہر) سے صرف آٹھ برس عمر میں بڑے تھے۔

عشق کی ایک داستان ابن حزم کی بھی تھی، مگر بہت سیدھی سادی جسے اُنھوں نے اِس قدر سادگی مگر خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ ہم اُس کا اعادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (گو بعض بلیغ استعارات اور زبان کے تکلفات ہم چھوڑتے گئے ہیں، عربی شعراء کے نزدیک وہ حسنِ کلام کے لیے ضروری ہیں، مگر مغربی مذاق اُن کو گوارا نہیں کرتا) وہ قصّہ یہ ہے:-

"میرے باپ کے قصر میں ایک لڑکی رہتی تھی جس نے ہمارے ہی گھر میں پرورش پائی تھی، جب وہ لڑکی سولہ برس کی ہوئی تو حسن و جمال، لیاقت و ذہانت، شرم و حیا میں کسی عورت کو اُس سے نسبت نہ تھی، خوشامد اور تمسخر سے جلد ناراض ہو جاتی تھی، اُس کا حسن اگرچہ ہر دل کو مغلوب کیے ہوئے تھا، مگر کسی کی اتنی مجال نہ تھی کہ اپنا عشق اُس پر ظاہر کر سکتا، وہ مغرور تھی اور کسی پر مہربانی ظاہر کرنے میں بھی بے حد احتیاط کرتی تھی، پھر بھی خوش گفتار اور ملتفت عورتوں سے کہیں زیادہ اُس کی طرف دل کھنچے جاتے تھے، وہ چلتی پھرتی بھی کم تھی، اور کھیل کود کی طرف متوجہ نہ تھی، لیکن چنگ بجانے میں کمال رکھتی تھی۔

میرا شباب تھا اور میں ہمہ تن اُسی کا ہو رہا، اُسے باتیں کرتا ہوا سُنتا تھا، مگر اُسی وقت جبکہ اور لوگ بھی اُس کے نزدیک ہوتے تھے، میں دو برس تک اسی دُھن میں رہا کہ کہیں تنہائی میں اُس سے بات کرنے کا موقع ملے، ایک دن کوئی تقریب تھی، جیسے کہ وزیروں کے گھروں میں اکثر ہوا کرتی ہیں، اور ہمارے خاندان کی تمام مستورات، ہمارے موالی، اور ملازمین سب اِس تقریب میں مدعو تھے، دن کا کچھ حصّہ قصر میں صرف کرکے تمام مستورات ایک ایسے مقام پر جا کر بیٹھیں جہاں سے قرطبہ کا شہر اور اُس کے مضافات خوب نظر آتے تھے اور درخت بالکل حائل نہ تھے، میں بھی وہاں گیا، اور اُس محراب کے قریب پہنچا جہاں یہ حسینہ کھڑی تھی، لیکن جب اُس نے مجھے قریب کھڑے دیکھا تو جلدی سے دوسری محراب میں جا کھڑی ہوئی، میں بھی پیچھے چلا، مگر وہ بچتی رہی، میری محبت کا حال اُس کے دل کو معلوم ہو گیا تھا، کیونکہ عورتیں مردوں کا عشق معلوم کرنے میں ایسا ہی ملکہ رکھتی ہیں جیسے ایک بدّو رات کے وقت ریگستان میں منزل کی لیکھ معلوم (۵۷۸) کرنے میں مشّاق ہوتا ہے، یہ خوش قسمتی تھی کہ عورتیں جو اُس وقت اُس کے ساتھ تھیں، اُن پر میرا حال کچھ نہ کھلا، کیونکہ وہ پُرفضا اور خوشنما موقعوں کی تلاش میں ایسی سرگرم تھیں کہ میری طرف اُن کا خیال نہ گیا، پھر وہ سب کی سب باغ میں چلی گئیں، اور بعض بڑی بوڑھیوں نے اُس سے جو سب کے دل کو عزیز تھی کہا کہ "کچھ گاؤ"۔ اُس نے چنگ اُٹھا کر اُس کے پردوں کو اپنی نازک اُنگلیوں سے دُرست کیا، اِس کیفیت سے اُس کا حُسن میری نظروں میں دوبالا ہو گیا، پھر چنگ پر عباس ابن احنف کے یہ اشعار اُس نے گائے:-

"مجھے سوائے اپنے ماہِ تاباں کے دوسرے کا خیال نہیں، وہ نازک اندام جو محل کی سیاہ دیواروں کے پیچھے غائب ہوتی نظر آئی ہے، انسان ہے یا جن ہے، عورت سے وہ بڑھ کر ہے، حُسن و خوبی اُس میں از سرتاپا موجود ہے، لیکن جنّات کی خباثت اُس میں نہیں ہے، اُس کا چہرہ گوہرِ آبدار ہے اور اُس کا جسم نرگس ہے، اُس کا نفس خوشبو ہے، اور نور کا وہ ایک چشمہ ہے، شربتی رنگ کا جوڑا گلے میں ہے، اور

سُبک رفتاری کا یہ عالم ہے کہ نازک سے نازک چیز بھی پاؤں کے نیچے دب کر نہیں ٹوٹ سکتی۔"

یہ اشعار وہ چنگ کے پردوں پر کیا گاتی تھی میرے دل کی رگوں کو مضراب سے چھیڑتی تھی، اُس دن کو آج تک میں نہیں بھولا اور مرتے دم تک نہ بھولوں گا، لیکن اُس دن کے بعد پھر وہ شیریں آواز سننی نصیب نہیں ہوئی، میں نے اپنے اشعار میں کہا ہے :۔

"اگر وہ مجھ سے گریز کرتی ہے تو اِس میں اُس کا قصور نہیں، تیری ملامت کی وہ مستحق نہیں ہے، وہ ایک غزالے یا چمکتے چاند کی مانند حسین وجمیل ہے، لیکن غزالہ بزدل ہوتا ہے اور چاند تک کسی کی رسائی نہیں .... تو نے مجھے اپنی شیریں آواز سُننے سے محروم کردیا، اور اب تو میری آنکھوں کو بھی اجازت نہ دے گی کہ وہ تیرا حُسن دیکھیں، عبادت میں محو تیرے خیالات خدا کی طرف ہیں انسان کا کوئی خیال تجھے نہیں ہے، کتنا خوش نصیب ہے عباس، جس کے اشعار تو گاتی ہے، لیکن اگر یہ شاعر تیرا گانا سُنتا تو دلگیر ہوجاتا اور تجھ پر رشک کرتا کہ تُو نے اُسے ہرادیا، کیونکہ تیرے لبوں نے اُس کے اشعار میں وہ درد پیدا کیا ہے جو اُس کی شاعری میں نہیں ہے۔"

خلیفہ مہدی باللہ کی خلافت کے اعلان کو تین دن گذرے تھے کہ ہم نئے محل سے جو مدینۃ الزاہرہ کے مضافات میں قرطبہ سے مشرق کی جانب تھا، اُٹھ کر اپنے قصر میں چلے آئے جو قرطبہ کے مغربی مضافات میں بلاطِ مغیث کے نام سے مشہور تھا، لیکن اب اُسکی تفصیل کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس زمانہ میں وہ عورت ہمارے ساتھ نہ تھی، جس وقت ہشام المؤید دوبارہ خلیفہ ہوئے تو جو لوگ اُس وقت سربرآوردہ تھے وہ ہم سے ناراض ہوگئے، اُنہوں نے بڑی بڑی رقمیں روپیہ کی ہم سے وصول کیں اور ہمیں قید کردیا، جب قید سے چھوٹے تو روپوش ہونا پڑا، اب خانہ جنگی شروع ہوئی، کوئی متنفس ایسا نہ تھا جس کو ان آپس کی لڑائیوں سے نقصان نہ پہنچا ہو، خاصکر ہمارا خاندان تو بالکل ہی تباہ ہوگیا، میرے والد کا انتقال ۲۱ر جون ۱۰۱۲ء (۲۸ر ذیقعدہ ۴۰۲ھ) کو ہوگیا، اور اب ہم پر مصیبتوں کا (۵۷۹)

مینہ برس پڑا۔

اِسی زمانہ میں ایک دن مَیں ایک عزیز کے جنازے کے ساتھ جارہا تھا کہ ماتم کرنے والیوں میں مَیں نے اُس عورت کو دیکھا، میرا حال اُس دن نہایت افسوسناک تھا، مصیبتوں نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا تھا، پھر بھی جب میری نظر اُس پر پڑی تو زمانۂ حال مع اپنے درد والم کے اِس طرح غائب ہوگیا جیسے کسی نے جادو سے اُڑا دیا ہو اُس کی صورت دیکھتے ہی مجھے اپنا پچھلا زمانہ اور عشق و محبت کی ابتدا یاد آگئی، اور تھوڑی دیر کو یہ معلوم ہونے لگا کہ عہدِ جوانی و انبساط پھر آگیا، لیکن افسوس یہ کیفیت بہت تھوڑی دیر رہی، فوراً موجودہ مصائب کا خیال پھر عود کر آیا، اور میرا درد والم عشقِ ناکام کو یاد کر کے اور بھی زیادہ ہوگیا، اِس حالِ زار میں مَیں نے یہ اشعار کہے:۔

"یہ ایک مُردے کا ماتم کر رہی ہے جس کی لوگ بہت عزت کرتے تھے
لیکن جو شخص اب تک زندہ ہے اُسے کہیں زیادہ ضرورت اُس کے آنسوؤں
کی ہے، یہ ایسے انسان کو رو رہی ہے جو قدرتی موت مرا ہے، لیکن مجھ
بدنصیب کے لیے اُس کے دل میں رحم نہیں ہے۔ جسے حالتِ ناامیدی کی
تکلیفیں اُس نے ہمیشہ پہنچائی ہیں۔"

اِس واقعہ کے کچھ مدت بعد جب بربر کا قبضہ دار الخلافت پر ہوگیا تو ہماری نسبت شہر بدر کیے جانے کا حکم ہوا، اور ہم جولائی ۱۰۱۳ء (محرم ۴۰۴ھ) میں قرطبہ سے نکل گئے اِس کے بعد پانچ برس تک مجھے اُس عورت کی صورت نظر نہ آئی، آخر کار جب فروری ۱۰۱۹ء (رمضان ۴۰۹ھ) میں مَیں قرطبہ واپس آیا تو وہاں ایک عزیز کے گھر میں رہنا ہوا، اِس گھر میں مَیں نے اُسے پھر دیکھا، لیکن وہ اِس قدر بدل گئی تھی کہ مَیں مشکل سے اُس کی صورت پہچان سکا، بلکہ جب اَوروں نے یقین دلایا کہ یہ وہی ہے تو مَیں نے اُسے پہچانا، وہ پھول جسے مَیں حیرت سے دیکھا کرتا تھا، اور اگر پاسِ ادب نہ ہوتا تو ہر شخص اِس پھول کو توڑنے کے لیے تیار ہو جاتا اب کملا چکا تھا، ہمارے گھر میں وہ ناز و نعمت میں پلی تھی لیکن جب اُس گھر سے نکلنا پڑا تو روزی کمانے کے لیے اُسے محنت و مشقت کرنی پڑی،

عورتیں نازک پھول ہوتی ہیں، جہاں اُن پھولوں سے غفلت کی اور وہ مُرجھائے، اُن کا حُسن مَرد کے حُسن کی مانند دیرپا نہیں ہوتا، جلتی دُھوپ، گرم ہوا، موسم کی سختی یا بے توجہی اُنہیں تباہ کردیتی ہے، لیکن اب بھی جیسی کچھ وہ تھی، اگر ایک لفظ بھی محبت کا مجھ سے کہتی تو مَیں دُنیا میں اپنے تئیں سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھنے لگتا، لیکن میری طرف سے وہ اِسی طرح بے پروا اور سرد مہر رہی جیسے کہ ہمیشہ سے تھی، رفتہ رفتہ اُس کی اِس بے توجہی نے میرے دِل کو اُس سے جُدا کرنا شروع کردیا، میں نے کبھی اُسے بُرا نہیں کہا، اور اب بھی مَیں اُسے بُرا نہیں کہتا، مجھے اِس بات کا کوئی حق حاصل نہ تھا، میں کِس بات کی شکایت کرسکتا تھا، اگر کبھی وہ مجھ سے ہنسی بولی ہوتی تو اب گِلہ شکوہ بھی کرسکتا، لیکن اُس نے نہ کبھی کسی قسم کی کوئی اُمید پیدا ہونے دی، اور نہ کسی بات کا وعدہ کیا۔"

(۵۸۰) اِس قصہ میں ایسی نازک خیالیاں ہیں جو عربوں میں غیر معمولی تصوّر کی جاسکتی ہیں، عرب اُس حُسن کو ترجیح دیتے تھے جو دلفریب ہو، معشوق کی نگاہیں ایسی برق وش ہوں جو آگے کی راہ بتاتی ہوں، آہوں میں وہ اثر ہو جن سے آئندہ کی امید بندھے، ابن حزم کے عشق کا یہ قِصّہ اِس میں شک نہیں ایسا ہے جس میں ہوا و ہوس کا عنصر موجود ہے، کیونکہ جب معشوقہ کی صورت اچھی نہیں رہی تو عاشق کے غمِ فرقت میں کمی ہوگئی، لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مصنف جس کی تحریر اخلاقی پاکیزگی میں سب سے بڑھ کر تھی، جو مسلمان شاعروں میں سب سے زیادہ شان ایک عیسائی شاعر کی رکھتا تھا خالص عربی النسل کا آدمی نہ تھا، ایک اسپینی عیسائی کا وہ پڑپوتا تھا، گو طبیعت اور طرزِ خیال جو اُس کے بزرگوں کا تھا وہ اُس میں باقی نہ رہا تھا، پھر بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسپینی عیسائیوں کا مسلمان ہوکر اپنے نسب کو بدلنا اور اپنے سابقہ ہم مذہبوں پر طعن وتشنیع کرنا کیسی فضول اور نازیبا حرکت تھی[۱]، کیونکہ بہرکیف اُن کی طبیعت میں ایک ایسا نازک اور روحانی عنصر موجود رہا جو عربی نہ تھا +

[۱] مصنف کا مطلب یہ ہے کہ ابن حزم کی یہ نازک خیالیاں اس وجہ سے تھیں کہ کسی (باقی برصفحہ آئندہ)

اسناد :-

ابن الابار ص ۱۶۵ تا ۱۶۶

ابن بسّام ج ۱ ص ۱۱ تا ۱۲

مقرّی ج ۱ ص ۲۸۴

ڈوزی "فہرست" ج ۱ ص ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۰

ابن حزم طوق الحمام ص ۹۹ تا ۱۰۲ (کتاب ادیان) ج ۲ ص ۲۲۷

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) زمانہ میں اُس کے بزرگ عیسائی تھے۔ گویا سابقہ نصرانیت کا اثر باقی تھا جو ایسی اچھی طبیعت پائی تھی۔ لیکن ابنِ حزم نے عیسائی مذہب کے بیان کرنے میں طعن و تشنیع سے کام لیا پس اُس کی یہ حرکت ایک قسم کی نا احسان مندی تھی۔ مترجم

کتاب ثالث (خلافت)

اٹھارویں فصل

خلافت اندلس کا زوال

(۵۸۱) عبد الرحمن المستظہر کو مسندِ خلافت پر بیٹھے اور ابنِ حزم کو حاجب ہوئے سات ہفتے بھی پورے نہ گذرے تھے کہ عبد الرحمن قتل کر دیے گئے، اور ابنِ حزم دُنیا اور دُنیا کی اُمیدوں سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی، عبادتِ الٰہی، اور مطالعہ میں زندگی بسر کرنے لگے تاکہ واقعاتِ گذشتہ دل سے محو ہو جائیں، اِن دونوں شخصوں پر اِس قسم کا کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا کہ اُنہوں نے امورِ سلطنت میں تلون مزاجی یا غفلت جو شاعروں کا اکثر شیوہ سمجھی جاتی ہے ظاہر کی ہو، واقعہ یہ ہے کہ انتظامِ سلطنت میں دونوں قابل تھے، اور جلاوطنی اور مصائب کے مکتب میں پہلے اتنے سبق پڑھ چکے تھے کہ اب انسانی فطرت کا علم اور سیاست میں ہوشمندی اُن کو جلد حاصل ہو گئی، لیکن اپنے زمانۂ حکومت میں وہ متعدد اور قسم قسم کے خطروں میں مبتلا رہے۔

عبدالرحمٰن المستظہر جس وقت خلیفہ ہوئے تھے تو صرف نوجوان شرفارِ قوم کو اپنا مشیر بنا سکے تھے، علی ابن حزم کے علاوہ جن لوگوں سے وہ بالعموم مشورہ لیتے تھے وہ عبدالوہاب ابن حزم (علی ابن حزم کے چچازاد بھائی) اور ابوعامر ابن شہید تھے، یہ بڑے ذہین اور قابل لوگ تھے، مگر اُن کے مذہبی خیالات میں کچھ ایسی آزادی تھی کہ وہ مسلمان جو راسخ الایمان تھے اُن سے ناراض ہوگئے، اُمرارِ دولت میں جو لوگ زیادہ عُمر والے تھے اُنہوں نے سلیمان برادر مہدی باللہ کو خلیفہ بنانا چاہا تھا، لیکن جب کثرتِ رائے نے سلیمان کو خلیفہ نہ ہونے دیا تو اِن لوگوں نے سلیمان کی خلافت کے لیے علانیہ سازشیں شروع کیں، یہ سازشیں اتنی بڑھیں کہ عبدالرحمٰن المستظہر نے مجبور ہوکر اُن بڈھے امیروں کو قید کردیا۔

دُور اندیش لوگوں نے عبدالرحمٰن المستظہر کی اس کارروائی کو ضروری سمجھا، لیکن اراکینِ سلطنت اِس بات پر بگڑ اُٹھے، عبدالرحمٰن پر اعتراض ہونے لگے کہ اُنہوں نے جن لوگوں کو قید کیا ہے اُن میں دو شخص ایسے بھی ہیں جو مدعیٔ خلافت ہیں، گو ان قیدیوں کے ساتھ برتاؤ اچھا کیا جاتا تھا مگر قصر سے باہر نکلنے کا اُنہیں حکم نہ تھا، دوسری مشکل یہ پیدا ہوئی کہ اکثر پیشہ وروں کے کاموں کا مندا ہوگیا، اور اہلِ حرفہ کثرت سے بے روزگار ہوکر آمادہ ہوئے کہ معاشرت کے قصر کو جس حال میں بھی ہو برباد کردیں، بدقسمتی سے اِس گروہِ مفسد کا ایک سردار اور مددگار بھی پیدا ہوگیا، یہ شخص بنی اُمیہ میں سے تھا، اِس کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ تھا جس زمانہ میں خلیفہ کا انتخاب ہورہا تھا تو محمد بن عبدالرحمٰن کو بھی اپنے خلیفہ ہونے کی اُمید تھی گو اُس کا نام اُمیدوارانِ خلافت کی فہرست میں نہ تھا، محمد بن عبدالرحمٰن فی الواقع خلافت کے لائق بھی نہ تھا، کیونکہ جاہل تھا اور پیدائشی قابلیتیں بھی بہت کم رکھتا تھا، سوائے بسیار خوری اور مے نوشی کے دوسرا شغل نہ تھا، طبیعت میں غرور بہت تھا، جس وقت معلوم ہوا کہ انتخاب کے وقت کسی نے بھی اُس کی طرف توجہ نہیں کی اور خلافت (۵۸۲) ایسے شخص کو مل گئی جو نوعمر ہے تو اُسے بے انتہا غصہ آیا، اہلِ حرفہ میں جو کچھ رسائی اُس نے

پہلے سے پیدا کر رکھی تھی اب اُس سے کام نکالنا شروع کیا، پیشہ وروں اور عامیوں سے اُس کے تعلقات ایسے گہرے تھے کہ ایک شخص احمد بن خالد جو جلاہے کا پیشہ کرتا تھا اُس کا بڑا عزیز دوست تھا۔ اِس احمد بن خالد کی سرگرم تائید سے محمد بن عبدالرحمن نے شہر کے پیشہ وروں کو حکومت اور لوٹ کا لالچ دے کر ایک سخت بغاوت کی داغ بیل ڈال دی۔

ابتدا میں کوئی وجہ خوف کی اِس بارے میں نہ تھی کہ عوام اور اُمرائے قرطبہ جن کو عبدالرحمن المستظہر نے قید کر رکھا تھا امرِ خلافت میں متفق الرائے ہو جائیں گے، کیونکہ ان میں کوئی کسی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا کوئی کسی کو، لیکن جب سلیمان (برادر مہدی باللہ) کا انتقال ہو گیا، تو عوام اور اُمرائے قرطبہ نے ایک شخص پر اتفاق کر لیا، اِنہی امراء میں ایک شخص ابنِ عمران تھا، اُس نے عبدالرحمن المستظہر اور اہلِ شہر میں درمیانی بننا چاہا، عبدالرحمن المستظہر سیدھی طبیعت کے آدمی تھے، لوگوں نے ابنِ عمران کی طرف سے ہوشیار بھی کرنا چاہا مگر عبدالرحمن المستظہر نے اُسے قید سے رہا کر دیا، عبدالرحمن المستظہر سے اُن کے ایک دوست نے کہا تھا کہ اگر ابنِ عمران قید خانے سے نکلا تو قید خانے سے باہر اُس کا ایک ایک قدم خلیفہ کی عمر کے ایک ایک سال کم ہونے کے برابر ہوگا، ابنِ عمران حقیقت میں بڑا خطرناک آدمی تھا، قید سے آزاد ہوتے ہی اُس نے خلیفہ مستظہر کے خلاف کام شروع کر دیا، افسرانِ فوج جو اُس زمانہ میں خلیفہ سے ناراض ہو گئے تھے اُن کو اپنی طرف بلا لیا۔

اِس واقعہ سے دو دن پہلے بربر کے بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے خلیفہ مستظہر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، خلیفہ نے یہ دیکھ کر کہ حالت خطرناک ہو رہی ہے فوج میں سواروں کے رسالے بڑھانے مفید ہوں گے بربر کو بھرتی کر لیا، فوج جو قصرِ خلافت میں موجود تھی، اِس بات پر بگڑ گئی، اور ابنِ عمران کی پشت گرمی سے اِس فوج نے علانیہ شکایتیں کرنی شروع کیں، یہ فوجی کہنے لگے کہ "ہم نے بربر کو شکست دے کر یہاں سے نکالا تھا، اور اب اُن کو وہی شخص جسے ہم نے مسندِ خلافت

پر بٹھایا شہر میں واپس بلا رہا ہے، اور ہم کو پھر ہمارے دشمنوں کے پنجے میں گرفتار کرایا چاہتا ہے۔

شہر کے لوگ اشارہ پانے کے تو منتظر ہی تھے اب نہایت خوشی سے بغاوت پر رضامند ہو گئے، اور یہ بات ایسے وقت پیش آئی کہ خلیفہ مستظہر کو کسی کی طرف سے بھی بدگمانی نہ تھی، باغیوں کا ایک گروہ قصر خلافت میں گھس پڑا، اور وہاں پہنچکر شہر کے جو اُمرار قید کر دیے گئے تھے اُن کو رہا کیا، عبدالرحمٰن المستظہر نے جب دیکھا کہ جان کو خطرہ ہے تو وزیروں کو طلب کر کے اُن کی رائے پوچھی، وزیروں کو خود اپنی جان کا اندیشہ تھا، جان بچانے کی تدبیریں بڑے غور سے سوچ رہے تھے کہ قصر کے اہل فوج نے ان وزیروں سے کہا کہ اگر عبدالرحمٰن المستظہر کو اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو پھر تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ بہت سے وزیروں نے اِس اُصول کی پابندی میں کہ اپنی جان بچانی ضروری ہے خلیفہ عبدالرحمٰن المستظہر سے علیحدگی اختیار کی، لیکن جلد معلوم ہو گیا کہ فوج والے قول کے کیسے جھوٹے تھے، وزیروں میں سے بہت سے لوگ جس وقت باب الحمہ سے نکل کر شہر کے باہر آئے تو سب کے سب قتل کر دیے گئے۔

عبدالرحمٰن المستظہر نے گھوڑے پر سوار ہو کر اسی دروازہ شہر سے باہر نکلنا چاہا، مگر فوج والوں نے راستہ روک لیا، برچھیاں تول کر عبدالرحمٰن کے گرد حلقہ باندھ لیا، اور نہایت سخت الفاظ کہے، عبدالرحمٰن قصر کو واپس چلے آئے، اور گھوڑے سے اُتر کر حمّام میں گئے، اور قبا اُتار کر ایک دُود کش میں گھس گئے۔ (۵۸۳)

اِسی اثنار میں شہر کے لوگ اور قصر کے اہل فوج بڑی بے رحمی سے بربر کا تعاقب کر رہے تھے، جہاں جو بربر ملتا تھا، خواہ کسی کے قصر میں سلے، خواہ مسجد یا حمام میں، فوراً قتل کر دیتے تھے، عبدالرحمٰن المستظہر کے اہل حرم کو اُمرائے شہر نے گرفتار کر کے باہم تقسیم کر لیا، اور انہیں اپنے گھر لے گئے۔

خلاصہ یہ کہ محمد اُموی (بن عبدالرحمٰن بن علبید اللہ بن عبدالرحمٰن الناصر) کو کامیابی ہو گئی، اور اُسی قصر میں جہاں معزول عبدالرحمٰن المستظہر چھپے ہوئے تھے محمد کی خلافت کا

اعلان کیا گیا، محمد اب قصر کے بڑے کمرے میں آئے اور تخت پر ہو بیٹھے، اُن کے گرد فوج کے لوگوں اور شہر کے عامیوں کا مجمع تھا، مگر جب تک عبدالرحمٰن المستظہر زندہ تھے محمد اُموی کی بادشاہی کو استقلال نہ ہو سکتا تھا، اِس اندیشہ کو رفع کرنے کے لیے محمد اُموی نے عبدالرحمٰن المستظہر کی تلاش کا حکم دیا، عبدالرحمٰن گرفتار ہو گئے، اور ۱۸ر جنوری ۱۰۲۴ء (۴ر ذیقعدہ ۴۱۴ھ) کو قتل کر دیے گئے۔

محمد اُموی نے المستکفی کا لقب اختیار کیا، دولت اور مناصب تقسیم کر کے ناموری حاصل کرنی چاہی، لیکن جب اُنھوں نے اپنے ایک جُلاہے دوست کو وزیرِاعظم مقرر کیا، تو سب لوگ کیا عوام اور کیا خواص اُن سے سخت ناراض ہو گئے، المستکفی کا دَورِ حکومت بہت قلیل رہا، پہلے ہی سے خیال تھا کہ وہ ایک بُرے فرمانروا ثابت ہونگے اور ہوا بھی یہی، جب سُنا کہ لوگ اُن کی جان کے درپے ہو رہے ہیں تو اپنے ہی خاندان کے بہت سے لوگوں کو قید کر دیا، ان میں سے ایک آدمی اُن کے حکم سے گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا، اِس خونِ ناحق سے اہلِ قرطبہ میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھی، مستکفی نے عبدالرحمٰن المستظہر کے خاص خاص شیروں کو بھی قید خانے بھجوا دیا، اِن میں علی ابنِ حزم اور عبدالوہاب ابنِ حزم بھی تھے، ابوعامر شہید اور بہت سے اُور امرا گرفتاری کے خوف سے قرطبہ سے نِکل گئے، اور مالقہ میں یحییٰ بن حمود سے جا ملے، اور اُنہیں سمجھایا کہ قرطبہ میں سخت بدنظمی ہے، بہتر ہے کہ آپ اِسے دُور کرنے کا قصد کریں۔

اُمرائے قرطبہ کی یہ صلاح بیکار ثابت نہ ہوئی، اور اب قرطبہ میں خبر گرم ہوئی کہ یحییٰ بن حمود شہر پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں، مئی ۱۰۲۵ء (ربیع الاول ۴۱۶ھ) میں ایک بلوہ شہر میں ہوا، بلوائیوں نے مستکفی کے اُس حاجب کو جو کسی زمانہ میں جُلاہے کا پیشہ کرتا تھا پکڑ کر اتنی چھریاں ماریں کہ وہ مر گیا، اور اُس کی لاش کو جب تک وہ ٹھنڈی نہ ہو گئی پاؤں سے کچلتے رہے، مستکفی کے قصر کا محاصرہ کر لیا، سپاہی جو قصر کی حفاظت کر رہے تھے مستکفی کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ "ہمارا خدا علیم ہے کہ جہاں تک ہماری قدرت اور امکان میں تھا ہم نے آپ کو تخت پر سلامت رکھنے کی

کوشش کی، لیکن اب اِس حالت کو قائم رکھنا غیر ممکن ہے، یحیٰی بن حمود حملہ کرنے والے ہیں اور ہمیں اُن کے مقابلے کے لیے جانا ہے، اور خوف یہ ہے کہ جب ہم چلے جائیں گے تو آپ کی حالت بہت نازک ہو جائے گی، ہماری رائے میں اگر آپ خفیہ طور پر شہر سے نکل جائیں تو بہتر ہو۔"

مستکفی نے یہ دیکھ کر کہ اب کچھ باقی نہیں رہا ہے، اِن سپاہیوں کی صلاح پر عمل کرنا چاہا، اور ایک گانے والی کا سا لباس پہن کر منہ پر نقاب ڈال، دو عورتوں کو ساتھ لیے قصر سے نکلے اور پھر شہر سے باہر آ گئے، یہاں سے بھاگ کر سرحد کے ایک گاؤں میں جا کر قیام کیا، یہاں ایک شخص نے جو اُن کے ساتھ تھا انہیں زہر دے کر مار ڈالا، اِس شخص میں اور مستکفی میں ایک ایسا قول و اقرار ہو گیا تھا کہ وہ مستکفی کا ساتھ نہ چھوڑ سکتا تھا، لیکن اب ایسے آدمی کے ساتھ رہنا جس کے سر سے قانون نے اپنا سایہ اُٹھا لیا ہو اِس شخص کو ناگوار تھا، اِس لیے اُس نے مستکفی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ (۵۸۴)

چھ مہینے تک قرطبہ میں کوئی بادشاہ نہ تھا، شہر کا اِنتظام ایک مجلس اپنے طرز پر کرتی تھی، لیکن یہ طرزِ حکومت کسی طرح بھی مستقل طور پر جاری نہ رہ سکتا تھا، دوسرے اِس طرزِ سلطنت کا زمانہ مساعد نہ تھا، پرانے طریقے مٹ رہے تھے، نئے طریقے نے ابھی تک عالمِ خیال سے باہر قدم نہ نکالا تھا، رائے عامہ میں مطلق العنان بادشاہی ایسا طرزِ حکومت تھا جس سے ملک میں انتظام قائم رہ سکتا تھا، لیکن سوال یہ تھا کہ مطلق العنان بادشاہ کیونکر دستیاب ہو؟ کیا اُس کا جواب یہ تھا کہ بنی اُمیہ میں سے ایسا بادشاہ مل سکتا ہے، مگر اس کا تجربہ ہو چکا تھا، عبدالرحمٰن المستظہر بنی امیہ ہی میں سے خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، اور اِس خاندان میں یہ بہترین شخص تھے، لیکن نتیجہ ناکامی ہوا، ملک میں امن قائم رکھنے، اور عوام کو جو ہمیشہ فتنہ و فساد پر آمادہ اور قتل و غارت پر مستعد رہتے تھے روکنے کے لیے ایک ایسے حکمراں کی ضرورت تھی جس کے پاس ایسی فوجیں ہوں جن میں غیر ملک کے لوگ ہوں، بنی امیہ میں سے کسی کے پاس ایسی فوجیں

نہ تھیں، اس لیے رائے یہ قرار پائی کہ یحییٰ بن حمود کو سلطنت سپرد کر دی جائے۔ اسلئے کہ اس وقت یحییٰ بن حمود[۵۱] ہی ایسے شخص تھے جن سے کسی کو کوئی شکایت نہ تھی، ایک عرب مصنف کا بیان ہے کہ یہ تحریک ایسے لوگوں کی نہیں معلوم ہوتی تھی جو سلطنت سے ناراض ہو کر باغی ہو گئے تھے، بلکہ اُن لوگوں کی تھی جو امن وامان قائم کرنا چاہتے تھے، اور اِس صورت کے سِوا دوسری کوئی تدبیر اُن کو نظر نہ آتی تھی، اب یحییٰ بن حمود سے جو مالقہ میں تھے خط و کتابت شروع ہوئی، قرطبہ والوں کی درخواست اُنہوں نے منظور کی، مگر بہت بے توجہی اور سرد مہری سے، جو لوگ اُن کو سلطنت سپرد کرنی چاہتے تھے اُن کی تلوّن مزاجی کا حال یحییٰ کو معلوم تھا، اور وہ یہ بھی خوب سمجھتے تھے کہ مرض کا محض آخری علاج سمجھ کر اہلِ قرطبہ نے یہ درخواست کی ہے، یحییٰ بن حمود نے اس وقت یہی کافی سمجھا کہ ایک بربر سپہ سالار کی سرکردگی میں کچھ فوج قرطبہ روانہ کر دیں (نومبر ۱۰۲۵ء = رمضان ۴۱۶ھ)

یحییٰ بن حمود کے اِس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو کسی نے بہت اچھی صلاح دی تھی، کیونکہ بربر سپہ سالار کے آنے پر اہلِ قرطبہ نے اُس کی حکومت سے جلد اپنی گلو خلاصی کرنی چاہی، اور مشرقی اندلس کے صقلبی اُمرا یعنی خیران صاحب المریہ، اور مجاہد صاحب دانیہ کے جو ایلچی قرطبہ میں وارد تھے اُن کی طرف مُلتفت ہو گئے، اِن ایلچیوں نے قرطبہ کے لوگوں سے کہا کہ اگر وہ حقیقت میں آزادی چاہتے ہیں تو صقالبہ اُن کی مدد کے لیے فوراً یہاں آسکتے ہیں۔

ایلچیوں کا یہ قول غلط نہ تھا، مئی ۱۰۲۶ء (ربیع الاول ۴۱۷ھ) میں خیران اور مجاہد لڑائی کی تیاریاں کر کے ایک زبردست فوج کو لیے ہوئے قرطبہ کی طرف روانہ ہو گئے، اہلِ قرطبہ نے شہر میں ہنگامہ کر کے اُن کی مدد کی، اور یحییٰ بن حمود کے بربر سپہ سالار کو شہر سے نکال دیا، اور اُس کے بہت سے آدمیوں کو بھی قتل کر دیا، قرطبہ کے لوگوں نے اب خیران اور مجاہد کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے، لیکن جب حکومت کا

---

۵۱ حمیدی۔ جسے اور عرب مورخوں نے بھی نقل کیا ہے۔

سوال پیدا ہوا کہ کون بادشاہ بنے تو خیران اور مجاہد آپس میں لڑ پڑے، خیران اس خوف سے کہ مجاہد کا فریق اُس کو دغا نہ دے فوراً المریہ واپس چلا آیا (۱۲ رجون ۱۰۲۶ء ۲۲ ربیع الآخر ۴۱۷ھ)

(۵۸۵) خیران کے چلے جانے کے بعد مجاہد کچھ دنوں اور قرطبہ میں ٹھیرا رہا، لیکن آخر کار بغیر وہاں کا بادشاہ بنے دانیہ واپس چلا آیا، اس کے چلے جانے پر قرطبہ کی مجلسِ انتظامی نے وہی طرزِ حکومت اختیار کرنا چاہا جو تجربہ سے ناممکن ثابت ہو چکا تھا، بنی امیہ میں سے کسی ایسے شخص کا خلیفہ ہونا جس کی مدد پر غیر ملک کی تنخواہ دار سپاہ نہ ہو، اور اس کے ساتھ رعایا کا دو ایسے فریقوں میں منقسم ہونا جن میں مصالحت خارج از امکان ہو، یہ دونوں صورتیں ایسی تھیں کہ عوام الناس کی عادت اور امرار کی سازش سے خلیفہ کا جلد خاتمہ ہو جانا لازمی تھا، مستقل حکومت کو پھر سرسبز کرنے کے لیے بنی امیہ میں سے کسی کو تخت نشین کرنا ایک خطرناک بات تھی، لیکن اس کے سوا کوئی دوسری صورت ایسی نہ تھی جو تجویز کی جاسکتی، مجلسِ انتظامی کا سب سے معزز رکن ابوالحزم ابن جہور تھا بنی امیہ سے کسی کو بادشاہ بنانے کی تجویز اُس نے بہت پسند کی، چنانچہ سرحدی اُمرار سے اِس بارے میں مشورہ بھی کیا، ان سرحدی اُمرار میں سے کوئی بنی امیہ سے اور کوئی صقالبہ میں سے کسی شخص کو بادشاہ بنانا پسند کرتا تھا، لیکن بربر سے نفرت اور عداوت رکھنے میں سب ایک تھے، بہت کچھ خط و کتابت کے بعد سرحدی اُمرار میں سے بعض نے بنی امیہ میں سے ایک شخص کو بادشاہ بنانا منظور کر لیا غالباً اِس وجہ سے کہ آخر میں اِس تجویز کے ناکام رہنے کا اُن کو پورا یقین تھا۔

غرض یہ قرار پایا کہ عبدالرحمٰن رابع (المرتضیٰ) کے بھائی ہشام کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے، ہشام البنت میں سکونت رکھتے تھے، جہاں وہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن رابع کے قتل ہونے کے بعد چلے آئے تھے، اپریل ۱۰۲۷ء میں یعنی ماہ ربیع الاول ۴۱۸ھ میں قرطبہ کے لوگوں نے اُن سے بیعت کرلی، ان مشکلات کے طے کرنے میں تین برس صرف ہوئے تھے، اِس زمانہ میں ہشام ثالث جنھوں نے خلیفہ ہو کر المعتد (یا المعتمد) کا لقب

اختیار کیا، شہر شہر پھرتے رہے، اکثر والیانِ علاقہ جات بیچ میں اُن کا راستہ روکتے تھے، آخر کار، قرطبہ کے لوگوں نے ایک دن سُنا کہ ہشام شہر میں داخل ہونیوالے ہیں، قرطبہ کی مجلسِ انتظامی نے شاہانہ طریقے پر اُن کے استقبال کا اہتمام کیا، ۱۸؍ دسمبر ۱۰۲۹ء یعنی ۸؍ ذی الحجہ ۴۲۰ھ کو خبر آئی کہ آج قرطبہ کے باہر سواری آن پہنچی ہے، فوجیں شہر سے باہر استقبال کو نکلیں اور سارا شہر خوشی کے نعروں سے گونجنے لگا، بازاروں میں ہزارہا آدمی ہشام کے دیکھنے کو جمع ہو گئے، سب منتظر تھے کہ خلیفہ کا جلوس بڑی شان کا ہوگا، لیکن جب ہشام کو دیکھا تو لوگ مایوس ہو گئے، ہشام ایک بہت ہی دُبلے، سوکھے، اور خستہ حال گھوڑے پر سوار تھے، اور کپڑے ایسے معمولی قسم کے پہنے ہوئے تھے جو خلیفہ کی شان اور رُتبہ کو نہیں پہنچتے تھے، ان باتوں نے لوگوں پر اچھا نقش پیدا نہ کیا، پھر بھی اُن لوگوں نے جو سمجھتے تھے کہ بدعملی کا زمانہ اب دُور ہو جائے گا اور ایک مستقل اچھی حکومت قائم ہو جائے گی، ہشام کا خیر مقدم بہت خوش ہو کر کیا۔

ہشام ثالث المعتد اِس لائق نہ تھے جن کی ذات سے یہ امید کہ بدعملی دُور ہو جائیگی پُوری ہو جاتی، دِل کے اچھے تھے، مگر مذبذب، کاہل، اور آرام طلب تھے، جس روز شہر میں قدم رکھا، مجلسِ قرطبہ کے ارکان سمجھ گئے کہ انتخاب میں غلطی ہوئی، تخت والے کمرے میں ایک بڑا دربار ہوا، عہدہ دارانِ اعلیٰ کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا، ہشام دربار کی رسوم اور تقریروں سے واقف نہ تھے، بوڑھے آدمی تھے، تقریر کے جواب میں دو چار لفظ وہ بھی اٹک اٹک کر کہے، اور پھر خاموش ہو گئے، ایک وزیر نے اُن کی طرف سے جوابی تقریر پُوری کی، جس وقت شعراء نے اس موقع کی یادگار میں قصیدے پڑھے تو ہشام نے ایک لفظ بھی تعریف کا نہ کہا، بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ شاعروں کا کلام سمجھتے ہی نہیں۔ (۵۸۶)

بہر کیف ہشام کا یہ آغاز دیکھ کر اچھی اُمیدیں منقطع ہو گئیں، اور حالت اُس وقت اور بھی بدتر ہوئی جبکہ ہشام نے حَکَم بن سعید کو اپنا حاجب مقرر کیا، حَکَم موالی بنی عامر سے تھا، اور قرطبہ میں جلاہے کا پیشہ کیا کرتا تھا، قرطبہ میں اُس سے اور ہشام سے دوستی

پیدا ہوئی تھی، اُموی شہزادے اکثر مصلحت سمجھ کر ادنیٰ طبقہ کے لوگوں سے موانست
پیدا کر لیتے تھے، خانہ جنگی کے زمانہ میں حکم بن سعید نے سپاہی کا پیشہ اختیار کیا تھا،
اِس وجہ سے دلیر اور فوجی کاموں میں ہوشیار تھا، فوج میں آکر جلد ترقی کی، سرحدی
سرداروں کی ماتحتی میں ایسے کام کیے تھے کہ یہ لوگ اُس کی عزت کرنے لگے تھے، ہشام
جب خلیفہ ہوئے تو حکم بن سعید اُن کے پاس حاضر ہوا، اور پُرانی دوستی یاد دلائی، رفتہ
رفتہ خلیفہ کے دِل میں ایسی رسائی پیدا کی کہ وزیر ہوگیا۔

حکم بن سعید نے وزیر ہو کر پہلا انتظام یہ کیا کہ شاہی دسترخوان پر لذیذ سے لذیذ
کھانے اور عمدہ سے عمدہ شرابیں چُنی جایا کریں، گانے ناچنے والیاں برابر حاضر رہیں
سب سے زیادہ تندہی اِس میں دکھائی کہ خلیفہ کے لیے سامانِ عیش ونشاط میں کسی
طرح کی کمی نہ ہونے پائے۔ ہشام المعتد طبیعت کے کمزور تھے، اختیاراتِ شاہی کی
مطلق پروا نہ کرتے تھے، سلطنت کا کام کرنے سے اُکتاتے تھے اور چاہتے تھے کہ اِس
قِسم کی ذمہ داری جس قدر جلد سر سے ٹل سکے ٹل جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے بہت خوشی
سے سلطنت کا کاروبار حکم بن سعید کے سپرد کردیا۔

حاجب حَکَمْ بن سعید کو معلوم ہوا کہ خزانہ خالی ہے، محاصلِ مُلکی جو قانوناً وصول
ہوتے تھے وہ مصارف کے لیے کافی نہ تھے، زیادہ روپے کی ضرورت تھی، مُلک کی
آمدنی میں اضافہ ہوتا تو کیونکر ہوتا، یہ معلوم ہی تھا کہ اگر نئے محصول جاری کیے گئے تو
رعایا اس سے ناراض ہوجائے گی، اِس لیے زرکشی کی صورتیں دوسری پیدا کیں، مگر وہ
ایسی نہ تھیں جنھیں قطعی طور پر جائز کہا جاتا، لیکن ضرورتوں نے اُنھیں اختیار کرنے پر
مجبور کیا، مظفر عامری کے لڑکوں نے کچھ ذخائر اپنے دوستوں کے پاس بطورِ امانت کے
رکھدیے تھے، حاجب حَکَمْ کو خبر لگی تو اُس نے وہ ذخیرے ضبط کرلیے، اور قرطبہ کے چند
بڑے تاجروں کو بُلا کر مجبور کیا کہ وہ اِن ذخیروں کو بہت گراں قیمت ادا کرکے خریدلیں،
خانہ جنگی کے زمانہ میں جو بڑے بڑے محل اور قصور ڈھائے گئے تھے اُن کے ملبے میں سے
لوہے اور سیسے کا جس قدر سامان نکلا تھا وہ بھی اِن تاجروں کے ہاتھ جبراً فروخت

کیا گیا، لیکن جو روپیہ اس طرح وصول ہوا وہ بھی مصارف کے لیے کافی نہ ہوا، اور
اب حاجب حَکَمؒ ابنِ جیّار کی طرف متوجہ ہوا، ابنِ جیّار اگرچہ فقیہہ تھے مگر لوگ اُنسے
خوش نہ تھے، ایک موقع پر اُنھوں نے خلیفہ علی بن حمود کو ایک تدبیر ایسی بتائی تھی
جس سے خزانہ میں روپیہ تو خوب پہنچ گیا تھا لیکن وہ تدبیر فی نفسہٖ نہایت نضیحت کے
قابل تھی، اب حاجب کی ضرورتوں پر نظر کرکے ابنِ جیّار نے مساجد کے سرمایہ کو نقصان (۵۸۷)
پہنچا کر ایک بہت بڑی رقم ملک کے مالیہ میں اضافہ کردی، مگر بھید کھل گیا، اور
قرطبہ کے لوگوں میں اس کا چرچا ہوا، خاص کر فقیہوں کو سخت شکایت پیدا ہوئی، مگر
باوجود اس کے کچھ دنوں بعد اُنہی فقیہوں نے جن کو شکایت پیدا ہوئی تھی اپنی تنخواہوں
میں اضافہ منظور کرلیا، درحالیکہ جانتے تھے کہ یہ اضافہ خلافِ قانون محصولوں کے روپیہ
سے ادا کیا جائیگا۔

حاجب حَکَمؒ کو فقہا پر بہت غصہ آیا، اور اُس نے ایک محضر نہایت سخت الفاظ
میں اُن کی نسبت شائع کیا، یہ محضر ابوعامر ابنِ شُہید نے لکھا تھا، جون ۱۰۳۰ء
(جمادی الآخر ۴۲۱ھ) میں وہ قصرِ خلافت اور جامع مسجد میں پڑھا گیا، فقیہوں کو
اعتراضوں پر بہت ملال ہوا، اور اب اُنھوں نے عوام میں ایک ہیجان پیدا کرکے حاجب
حَکَمؒ کے خلاف سازش کرنی چاہی، لیکن عوام کو اُس وقت کوئی خاص شکایت نہ تھی،
اِس لیے فقیہوں کو کچھ کامیابی نہ ہوئی، حکومت نے سختی سے کام لیا، اور وزیروں
میں سے ایک وزیر کو جو حاجب کے خلاف سازش میں شریک ہوا تھا قتل کرادیا،
ابوعامر ابنِ شُہید نے فقیہوں پر تشدد شروع کیا اور کہا کہ "اِن لوگوں کو چین سے
نہ بیٹھنے دیا جائے، میں اپنے نیشِ زبان سے اُن کی حقیقت کھولتا رہونگا۔"

اگر حاجب حَکَمؒ کو صرف فقیہوں سے مقابلہ کرنا ہوتا تو اُس پر کوئی غالب نہ آسکتا
کیونکہ فقیہوں میں اب اتنی جان نہ تھی کہ حَکَمؒ کو نقصان پہنچا سکتے، لیکن حَکَمؒ کے
دشمن اور لوگ بھی تھے جو بہت خطرناک تھے، اُمرائے دربار اُس سے دشمنی رکھتے
تھے، حَکَمؒ کا ایک ادنیٰ پیشہ ور قوم سے ہونا ایسا داغ تھا جو اُمرا کی نظر سے کبھی دُور

نہ ہوسکتا تھا، وہ معتمد کے اِس حاجب حَکَمْ کو ایک نودولت سپاہی نہیں بلکہ حقیقت میں بڑا جلاہا ہی جانتے تھے، اور رُتبے میں اُس کو محمد (ثانی) المستکفی کے وزیر کے برابر سمجھتے تھے[۱]، مگر مستکفی اور معتمد کے وزیروں میں بڑا فرق تھا، مستکفی کا وزیر بالکل ہی جُلاہا تھا، اور معتمد کے وزیر نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ لشکرگاہوں اور سرحدی والیانِ ملک کے درباروں میں گذارا تھا، اُمرائے سلطنت کو اِس کی پروا نہ تھی کہ خزانہ روپیہ سے کس طرح پُر کیا گیا ہے، اگر انہی میں سے کوئی روپیہ فراہم کرنے کے وہ ذریعے اختیار کرتا جو حاجب حَکَمْ نے مجبور ہوکر کیے تھے تو اُسے معاف کردیتے، لیکن چونکہ حَکَمْ ایک ادنیٰ طبقہ کا آدمی تھا، اِس لیے جب اِن اُمرار کو اصلی حالات معلوم ہوئے کہ خزانہ میں روپیہ کیونکر فراہم کیا گیا ہے، تو اُنھوں نے حَکَمْ پر سخت اعتراض کرکے اپنا دل ٹھنڈا کیا، لیکن اُمرا نے جو طریقہ مخالفت کا اختیار کیا وہ خود اُن کے لیے مُضر تھا، شروع میں حَکَمْ نے اُن کی جانب کسی طرح کی دشمنی ظاہر نہ کی، اور اُس نے دیدہ و دانستہ اپنے تعلقات اُن سے منقطع نہ کیے، ابنِ شُہید کو جو ارکانِ سلطنت میں سے تھا حاجب حَکَمْ نے اپنا دوست اور معتمد علیہ بنایا، لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ اُمرار اور اراکین اُسکی مہربانیوں کا بدلہ صرف نفرت اور عداوت سے کرتے ہیں تو اُس کو بُرا معلوم ہوا، چنانچہ طبقۂ عوام سے اِنتخاب کرکے اپنے لیے ملازمین مقرر کرنے لگا، جن لوگوں کو نوکر رکھتا تھا (۵۸۸) وہ پہلے ہی سمجھ لیتے تھے کہ اُمرائے سلطنت اُن سے دشمنی کریں گے۔ اِن امیروں کا قول تھا کہ "حاجب حَکَمْ ایسے لوگوں کو نوکر رکھتا ہے جو نوجوان بے سروسامان جُلاہے یا بے دین بدمعاش ہوں، جنھیں سوائے شراب اور پھولوں اور بقولات کے دوسری چیز سے مطلب نہ ہو، قابل اور لائق لوگوں کا مضحکہ اُڑائیں، اور جو بدنصیب اُن سے اِنصاف کا خواستگار ہو اُس کو ستائیں۔" حاجب حَکَمْ کی نسبت کہتے تھے کہ "وہ بیوقوف، مکّار اور بزدل ہے، گھوڑے کی سواری اُسے البتہ اچھی آتی ہے، اِس کے

[۱] دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۵۸۳

سوا بالکل کورا ہے"۔ جو لوگ ایسا کہتے تھے غالباً دشمنی نے انہیں اندھا کر دیا تھا، بہرکیف عمائدِ سلطنت نے حاجب حَکَم کو اُس کے مرتبہ سے گرانے میں جو طریقہ اختیار کیا وہ بُری قسم کا تھا۔

پہلے اُمرائے دولت نے لوگوں کو اِس بنا پر فساد اُٹھانے کی ترغیب دی کہ تجارت میں جو کمی واقع ہوئی ہے وہ نئے محصولوں کے جاری ہونے سے پیش آئی ہے، اور یہ نئے محصول حاجب حَکَم کے جاری کیے ہوئے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ تجارت کی کمی کا باعث دُوسرے ہی مصائب تھے۔

غرض اِس مسئلہ پر بحثیں ہونے لگیں، اور نتیجہ اِن بحثوں کا اُمرا کے حق میں مفید پیدا ہوا، اور ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا جنہوں نے اُمرا سے وعدہ کر لیا کہ وہ حاجب حَکَم کے مکان پر حملہ کریں گے، حاجب حَکَم کو اِس کی خبر لگ گئی اور وہ اپنا مکان چھوڑ کر خلیفہ کے قصر میں جا رہا۔

اب حَکَم نے جو محصول اضافہ کیے تھے اور اُن پر اعتراض کیا جاتا تھا موقوف کر دیے اور ایک بڑے محضر کے ذریعے رعایا کو مطلع کیا کہ خزانے کی ضروریات پر نظر کر کے یہ زائد محصول جاری کیے گئے تھے، آئندہ یہ محصول بند کر دینے کی کوشش کی جائیگی۔

رعایا یہ محضر دیکھ کر مطمئن ہوگئی، اب اُمرا نے دوسرا طریقہ اختیار کیا، حاجب حَکَم کو اندلسی فوجوں پر بھروسا نہ تھا، کیونکہ یہ فوجیں اُمرا کی طرفدار تھیں، اِس وجہ سے اُس نے بربر کی فوجیں مرتب کرنی چاہیں، اِس پر اندلسیوں کو شکایت پیدا ہوئی، اُمرا نے اُن کو اور بھڑکایا، حاجب حَکَم کو معلوم ہوگیا، اُس نے فوج والوں پر قواعد کی پابندی میں سختی کی، اور جو اُن میں سرغنے تھے اُن کی تنخواہیں بند کر دیں۔

جب اُمرا کی یہ تدبیر بھی نہ چلی تو اُنہوں نے ہشام المعتمد کو حاجب کی طرف سے بدگمان کرنا چاہا، اِس میں بھی وہ کامیاب نہ ہوئے، کیونکہ حاجب کو ہشام کی طبیعت پر جو قابو حاصل تھا وہ اِن امیروں کو نہ تھا، چنانچہ ہشام کی طرف سے اِن اُمرا کو حکم ہوا کہ قصرِ خلافت میں قدم نہ رکھیں، البتہ ابن جہور جو مجلسِ سیاسی کا صدر تھا کسی قدر

ہشام کی طبیعت میں دخل رکھتا تھا، کیونکہ حقیقت میں ابنِ جہور کی بدولت ہشام المعتد کو تخت یا یہ کہیئے کہ عیش و آرام کی زندگی نصیب ہوئی تھی، ہشام اسی وجہ سے ابنِ جہور کی بہت عزت کرتے تھے، اور اُس کا احسان مانتے تھے۔ حاجب حکَم نے کوشش کی کہ ابنِ جہور کو معزول کرادے، لیکن اس کی کوشش بیکار ثابت ہوئی، مگر حکَم نے ہمت نہ ہاری، اور ہشام سے ہمیشہ یہی عرض کرتا رہا کہ ابنِ جہور کو معزول کردیا جائے، حاجب حکَم کو اُمید تھی کہ ہشام کو ابنِ جہور کے برطرف کرنے میں جو کچھ تذبذب اِس وقت ہے وہ ایک نہ ایک دن دُور ہو جائے گا۔

ابنِ جہور بھی اِن حالات کو خوب سمجھ رہا تھا، اور جانتا تھا کہ اُس کے اِقتدار میں اب زوال آچلا ہے، پس اُس نے ارادہ کرلیا کہ نہ صرف حاجب حکَم سے پیچھا چھڑایا جائے بلکہ خلافت کا بھی کام تمام کرکے مجلسِ سیاسی کو کُل سفید و سیاہ کا مالک بنا دیا جائے، ابنِ جہور کے دوستوں نے بھی اِس رائے سے اتفاق کیا، لیکن سوال یہ تھا کہ اِس کام میں حِصّہ لینے والے کیونکر پیدا کیے جائیں؟ سب میں بڑی مشکل اِس ارادہ کو عمل میں لانے کی یہی تھی۔ (۵۸۹)

بہت لوگ ایسے تھے جو ہشام المعتد کو تخت سے اُتارنے کے لیے کسی بات سے دریغ نہ کرتے، لیکن مجلس سے باہر کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے خواب و خیال میں بھی یہ گذرتا ہو کہ بادشاہی کو ترک کرکے اُس کی جگہ اُمرائی حکومت قائم کی جائے، کیونکہ بادشاہی طرزِ حکومت کا سب کے دلوں پر ایسا نقش تھا کہ وہ کسی طرح نہ مِٹ سکتا تھا، اراکینِ مجلس نے ضروری سمجھا کہ اپنے ارادے کو مخفی رکھیں، اب اُنھوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ہشام المعتد کی جگہ کسی دُوسرے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، اور اِس غرض سے ہشام کے ایک رشتہ دار سے جس کا نام اُمیہ تھا گفتگو شروع کی، یہ اُمیّہ ایک کم عقل، جاہ پسند اور ناعاقبت اندیش سا آدمی تھا، ارکانِ مجلس سیاسی نے اس کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ اگر وہ سرگروہ بن کر بغاوت کرادے گا تو تخت کا مالک ہو جائے گا، اُمیّہ اِس بات کو بالکل نہیں پہنچا کہ مجلسِ سیاسی کے لوگ محض اپنے

مقاصد حاصل کرنے کے لیے اُسے ایک ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اور جس وقت اپنا مطلب نکل جائے گا تو پھر اُس کی بات تک نہ پوچھیں گے۔

غرض اُمیہ نے ارکانِ مجلس کی رائے کو بہت خوش ہو کر سنا، چونکہ ہاتھ کا سخی تھا، فوج والوں کو جن کی تنخواہیں بند تھیں اپنی طرف کر لیا، دسمبر ۱۰۳۱ء (ذی الحجہ ۴۲۲ھ) میں فوج کے چند سپاہی کمیں گاہ میں بیٹھ گئے، اور جس وقت حاجب حکم قصر سے نکلا، تو اس قدر جلد اُسے قتل کر دیا کہ وہ اپنی تلوار تک نیام سے باہر نہ کھینچ سکا، ان سپاہیوں نے حکم کا سر اُس کی لاش سے کاٹ لیا، یہ سر خاک و خون میں اس قدر آلودہ تھا کہ صورت پہچاننی مشکل تھی، ایک ماہی گیر کے لگن میں اُسے دھویا اور پھر نیزہ کی اَنی پر لگا کر اُسے اونچا کیا۔

اُمیہ کے ساتھ فوج کے لوگوں اور شہر والوں کا ایک بڑا انبوہ تھا، اُمیہ نے اب اس گروہ کی نقل و حرکت کو اپنے اختیار میں کر لیا، ہشام المعتد نے جب قصر میں سپاہیوں کا شور سنا تو وہ گھبرا کر مع مستورات اور چار صقلبی ملازموں کے ایک اونچے برج پر چڑھ گئے اور اوپر ہی سے باغیوں سے جو اب قصر کے اندر داخل ہو گئے تھے کہا کہ

"تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو ہمارے وزیر سے کہو وہ تمہارے ساتھ انصاف کرے گا۔"

بلوائیوں نے نیچے سے شور مچا کر کہا "اپنے وزیر کا حال دیکھنا ہو تو دیکھ لو۔"

ہشام نے نیزے کے پھل پر ایک کٹا ہوا سر دیکھا، بلوائی پکار پکار کر کہتے تھے "اُس خبیث وزیر کا کٹا ہوا سر دیکھ لو جس کے ہاتھ میں تم نے رعایا کو دے رکھا تھا۔"

ہشام المعتد نے وحشی بلوائیوں کے غصہ کو فرو کرنا چاہا، مگر انھوں نے ہر بات کا جواب دشنام اور توہین سے کیا، بلوائیوں کا ایک گروہ حرم سرا میں داخل ہوا، اور جو کچھ بھی وہاں اٹھائے جانے کے قابل تھا یہ بلوائی اُسے اٹھا لے گئے، یہاں اُن کو چند زنجیریں ایسی ملیں جو سرکش اور متمرد امراء کو باندھنے کے لیے حکم نے بنوا رکھی تھیں، اُمیہ نے بلوائیوں کی ہمت اور بڑھائی اور اُن سے کہا "دوستو! یہاں جو کچھ ہے سب تمہارا

(۵۹۰)

ہے، خوب جی کھول کر دولت لوٹو، اور پھر اس اوپر والے برج میں جا کر میری خاطر سے اس بدبخت ہشام کو قتل کر ڈالو۔"

بلوائیوں نے برج پر چڑھنا چاہا، مگر وہ بہت اونچا تھا، ہشام المعتد نے ایسے لوگوں سے مدد مانگی جو لوٹنے میں شریک نہ تھے، لیکن ان لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

اُمیّہ اس یقین کے ساتھ کہ وزرار اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے قصر کے بڑے کمرے میں آیا، ہشام کی مسند پر بیٹھا، بلوائیوں کے سردار اس کے گرد موجود تھے، اُمیّہ نے ان سرداروں کو ابھی سے بڑے بڑے عہدے دے دیے، اور احکام اس طرح جاری کرنے شروع کیے کہ گویا اب وہ خلیفہ ہے، ایک شخص نے جو اس کے قریب کھڑا تھا کہا کہ "ہم کو تمہاری جان کا خوف ہے، کیونکہ خوش نصیبی تمہارے خاندان سے رخصت ہو چکی ہے۔" اُمیّہ نے جواب دیا "کچھ پروا نہیں، آج مجھے تخت پر بیٹھ لینے دو، کل جان سے مار ڈالنا۔" لیکن اس نوجوان اُمیّہ کو معلوم نہ تھا کہ ابنِ جہور کے مکان پر اس وقت کیا واقعات پیش آ رہے تھے؟

جس وقت بلوہ شروع ہوا تو مجلسِ سیاسی کے صدر ابنِ جہور نے ارکانِ مجلس کو اس امر میں مشورہ کے لیے طلب کیا کہ اب وہ کیا تدبیریں ہیں جنھیں اختیار کرنا مناسب ہوگا حاضرین نے فوراً فیصلہ سنایا، اور قصرِ خلافت کی طرف مع فوج اور اپنے موالی و ملازمین کے روانہ ہو گئے، قصر پر پہنچتے ہی حکم دیا کہ "لوٹ فوراً بند کی جائے، ہم ذمہ لیتے ہیں کہ ہشام المعتد خلعِ خلافت کریں گے۔"

اتنا سن کر بلوائیوں نے یا تو وزیروں کے چلے آنے سے خائف ہو کر، یا فوج جو ساتھ تھی اس کے حملے کے ڈر سے، یا محض اس وجہ سے کہ لوٹنے کو اب کچھ باقی نہ رہا تھا لوٹ بند کر دی، اور تھوڑی دیر میں امن ہو گیا۔

اب وزیروں نے ہشام المعتد سے چلا کر کہا کہ "نیچے اتر آئیے اور خلعِ خلافت کیجیے، جان آپ کی سلامت رکھی جائے گی۔" ہشام بہت کچھ تذبذب کے بعد مجبور ہوئے کہ اپنے آپ کو وزرار کے حوالے کر دیں، برج میں رہنا ممکن نہ تھا، کیونکہ وہاں

کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، ہشام المعتد برج سے نیچے اُترے، وزراء نے اُن کو اور اُن کی مستورات کو جامع مسجد قرطبہ کے ایک دالان میں نظر بند کر دیا۔

ہشام المعتد جس وقت راستہ میں تھے تو کہنے لگے کہ "اِن آفات میں مبتلا ہونے سے تو مَیں سمندر میں غرق ہو جانا بہتر سمجھتا ہوں، جو کچھ تم لوگوں کو میرے حق میں کرنا ہے وہ کرو لیکن میری جان بچا دو۔"

جب رات ہوئی تو وزیروں نے قرطبہ کے عمائد کو جامع مسجد میں طلب کیا، تاکہ ہشام المعتد کے بارے میں کوئی امر طے کریں، سب لوگ آئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ہشام کو ایک قلعہ میں قید کر دیا جائے۔

اِس فیصلے پر عمل کرنے کے لیے جس وقت جامع مسجد کے رواق میں جہاں ہشام نظر بند کیے گئے تھے لوگ داخل ہوئے تو ایک عجیب دردناک حالت نظر آئی، دیکھا کہ ہشام پتھر کے فرش پر بیٹھے ہیں، گرد بیویاں بیٹھی رو رہی ہیں، کپڑے تن پر کافی نہیں ہیں اور بال پریشان ہیں، ہشام کی نظر سے نااُمیدی ظاہر ہے، اور اپنی اکلوتی بیٹی کو جسے وہ بیحد چاہتے تھے، گرم رکھنے کے لیے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں، یہ لڑکی اِس قدر کم سِن تھی کہ باپ کی مصیبتوں کو سمجھ نہ سکتی تھی، تاریک مکان کی رطوبت اور سرد ہوا سے معصوم بچّی کانپ رہی تھی، کیونکہ رات سرد تھی، اِس کے علاوہ بھوک سے جان آدھی ہو گئی تھی۔ (۵۹۱)

معلوم نہیں محض غفلت سے یا ظلم اور ایذا رسانی کے قصد سے اِن مصیبت زدہ قیدیوں کو کھانے پینے کی کوئی چیز اب تک نہیں پہنچائی گئی تھی، جو شیوخ رواق میں آئے تھے اُن میں سے ایک شیخ نے معزول خلیفہ سے کہا کہ "جامع مسجد میں وزراء اور اُمراء جمع ہوئے تھے، انہوں نے جو کچھ حکم آپ کے بارے میں دیا ہے وہ ہم آپ کو سنانے آئے ہیں۔" ہشام نے قطع کلام کر کے کہا "یہ سب درست ہے، جو کچھ اُن کا حکم ہے وہ مَیں بجا لانے کو تیار ہوں، لیکن اِس سے پہلے برائے خدا ایک ٹکڑا روٹی کا لا دو کہ اِس بچّی کو کھلا دوں جو بھوک سے مری جاتی ہے۔" شیوخ یہ سن کر

بیحد متاثر ہوئے، اُن کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ، فوراً کھانا حاضر کیا گیا، اور جس شیخ نے گفتگو شروع کی تھی اُس نے کہا "حضور کے حق میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ آج صبح ہوتے ہی ایک قلعے میں پہنچا دیے جائیں، اور وہیں آپ حراست میں رہیں۔"

ہشام نے صبر و شکر کے ساتھ نہایت افسردہ ہو کر کہا "اچھا یہی سہی، مگر میرے حال پر اتنی مہربانی اور کرو کہ ایک چراغ لا دو، کیونکہ اس کمرے کا اندھیرا مجھے بہت تکلیف دے رہا ہے۔"

دوسرے دن جب ہشام المعتد قرطبہ سے روانہ کر دیے گئے تو وزرا نے ایک اشتہار اہلِ شہر کے نام اس مضمون کا جاری کیا کہ "خلافت برخاست کی گئی، اور عنانِ حکومت آئندہ مجلسِ سیاسی کے سپرد رہے گی۔"

اس اشتہار کے جاری کرنے کے بعد وزرا قصرِ خلافت میں گئے، اُمیّہ ابھی تک وہیں تھا، وزرا نے جو وعدے خفیہ طور پر اُس سے کیے تھے اُن پر ابھی تک اُسے بھروسا تھا، اسی بنا پر شہر کے عہدہ داروں کو اپنی بیعت کے لیے وہاں جمع کر رکھا تھا لیکن اب اُمیّہ پر وزیروں کا دھوکا کھل گیا، ان وزیروں نے اہلِ فوج اور شہر کے لوگوں کو اس بات پر سخت و سست کہا کہ اُمرائے دولت کا فیصلہ سننے سے پہلے ایک آوارہ گرد کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کیوں اُنھوں نے ایسی عجلت ظاہر کی؟ اس کے بعد وزیروں نے کہا کہ "اُمرا نے رعایا کی رضامندی سے بادشاہی طرزِ حکومت کو منسوخ کر دیا ہے، سپاہیو! احتیاط کرو، خانہ جنگی نہ ہونے دو، اُن احسانوں کو یاد کرو جو تمہارے ساتھ کیے گئے ہیں، اور اب پہلے سے بھی زیادہ اختیارات کے متوقع ہو جاؤ، بشرطیکہ سلامت روی اور عافیت پسندی پر تمہارا عمل رہے۔" پھر افسروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اُمیہ کو گرفتار کر کے قصر سے باہر کر دو، اور پھر ہماری سلطنت کی حدود سے وہ خارج کیا جائے۔"

یہ حکم فوراً بجا لایا گیا، اُمیّہ وزیروں کا حکم سن کر غصہ سے بیتاب ہو گیا، اُس نے قسم کھائی کہ ان عہد شکن لوگوں سے ایک دن ضرور بدلہ لونگا، اُنھوں نے پہلے غلط

اُمیدیں پیدا کرائیں اور پھر ایک مجرم کی طرح اُسے ملک سے نکال دیا، بعض عہدہ داروں کو اُس نے اپنا ہمدرد بنانا چاہا، مگر یہ لوگ مجلسِ سیاسی کے احکام کی تعمیل کرنے آئے تھے، اُمیہ کے دعووں یا لعنت و ملامت نے اُن پر کچھ اثر نہ کیا۔

اُمیہ کا حال بخوبی نہیں دریافت ہوتا کہ آخرکار اُس کا کیا درجہ ہوا؟ کچھ دنوں تک اُس کی نسبت کوئی خبر سننے میں نہیں آئی، مگر پھر کچھ زمانے کے بعد اُس نے قرطبہ واپس آنے کی کوشش کی، بعض مورخ لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے وزیروں نے خفیہ طور پر اُسے قتل کرا دیا۔ (۵۹۲)

ہشام المعتد جس قلعے میں قید تھے وہاں سے نکل کر شمالی اسپین کے شہر لاردہ میں چلے گئے، لاردہ میں اِس وقت سلیمان بن ہود حکومت کرتا تھا، ایک عہد نویس مورخ نے لکھا ہے کہ مجلسِ سیاسی نے یا تو سہواً یا بے پروائی سے خلعِ خلافت کے وثیقہ پر ہشام المعتد کے دستخط نہیں کرائے تھے، اور نہ مجلس نے گواہوں کی موجودگی میں ہشام سے اِس بات کا کوئی اقرار لیا تھا کہ سلطنت کرنے کے قابل اب وہ نہیں رہے اور رعایا اُن کی اطاعت سے بَری ہے۔

یہ دونوں باتیں کسی بادشاہ کو تخت سے اُتارتے وقت عمل میں آیا کرتی تھیں مگر ہشام المعتد کے ساتھ ایک بات بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

بہرکیف کسی نے ہشام کی پروا نہیں کی، سب اُنہیں بھول گئے، اور جب پانچ برس کے بعد دسمبر ۱۰۳۶ء (صفر ۴۲۸ھ) میں اُن کا انتقال ہو گیا تو قرطبہ میں کسی نے اُن کا ذکر تک نہیں کیا، قرطبہ کے علاوہ باقی اسپین کو اُن کے ساتھ اور بھی کم دلچسپی تھی ✦

اسناد :-

ابن بسّام۔ جلد ۱ ص ۸۲

ابنِ حیّان (ابنِ بسّام جلد ۱ ص ۹ تا ۱۱ ، ۱۱۴ تا ۱۱۵ ، ۱۵۷

جلد ۳ ص ۱۳۹ تا ۱۴۳)

ابن الاثیر

مقّری جلد ۱ ص ۳۱۹ تا ۳۲۰

عبدالواحد ص ۳۸ تا ۴۱

روڈریگو دی ٹولیڈو۔ C ۴۴

کتابِ رابع

مُلُوکُ الطَّوائِفُ

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

پہلی فصل

ابو القاسم محمد قاضی اشبیلیہ

(۵۹۵) اسلامی اسپین کے صوبوں میں سیاسی آزادی جو زبردستی پلّے بندھ گئی تھی کئی برس تک قائم رہی، ہر جگہ لوگ پریشان خاطر رہتے تھے، آئندہ کا تصور خوف و ہراس کے ساتھ کرتے اور گذشتہ واقعات کو افسوس کی نظر سے دیکھتے، صرف غیر ملکوں کے رہنے والے فوجی افسر شیرازۂ خلافت کے بکھرنے پر نفع میں رہے، بربر سپہ سالاروں نے اسپین کے جنوبی حصوں پر قبضہ کیا، صقالبہ مشرقی حصے کے مالک بن بیٹھے، باقی ملک یا تو نو دولت امراء کے حصہ میں آیا، یا چند شریف خاندانوں میں تقسیم ہو گیا، جو خلیفہ ناصر یا حاجب منصور کے حملوں سے اتفاقیہ سلامت رہ گئے تھے، ملک کے دو بڑے نامی شہروں یعنی قرطبہ اور اشبیلیہ میں جمہوری طرز کی حکومت ہو گئی۔

بنی حمود برائے نام فریق بربر کے سردار مانے جاتے تھے، تمام عربی اسپین پر اُن کو حکومت کا دعویٰ تھا، لیکن واقعی اُن کے تصرف میں صرف مالقہ کا شہر اور اُس کا علاقہ تھا۔
بنی حمود کے ماتحت سب سے زیادہ قوی غرناطہ کے حکمراں تھے، یعنی زاوی بن زیری بن مناد جس نے غرناطہ[۱] کو دارالحکومت بنالیا تھا، اور زاوی کا بھتیجا حبوس جو زاوی کا جانشین ہوا، قرمونہ، موررر، اور رُنده میں بھی بربر حکومت کرتے تھے، بنی افطس جو بطلیوس میں حکمراں تھے نسل بربر سے تھے مگر وہ عرب بن گئے تھے، اور اپنی حیثیت کسی قدر سب سے علیحدہ رکھتے تھے۔

صقالبہ میں خیران صاحب المریہ، اور زہیر جو ۱۰۲۸ء (۴۱۹ھ) میں خیران کا جانشین ہوا، اور مجاہد بن یوسف بن علی عامری صاحب دانیہ وجزائر شرق الاندلس سب میں ممتاز تھے، مجاہد عامری نے جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا بحری سالار تھا جس طرح جزائر سردانیہ اور ساحل اٹلی پر حملے کرنے میں شہرت پیدا کی تھی اُسی طرح اہل علم وفضل کی سرپرستی میں بھی نامور ہوا تھا، خیران، زہیر، اور مجاہد کے علاوہ جو صقالبہ تھے وہ کچھ زمانہ کے لیے بلنسیہ میں حکمراں رہے تھے، لیکن ۱۰۲۱ء (۴۱۲ھ) میں عبدالعزیز جو ابن ابی عامر منصور کا پوتا اور عبدالرحمٰن سنخول کا بیٹا تھا بلنسیہ کا بادشاہ ہوگیا تھا، سرقسطہ میں بنی ہود کا شریف عربی خاندان منذر بن یحییٰ تجیبی کے انتقال پر ۱۰۳۹ء (۴۳۱ھ) میں صاحب حکومت ہوگیا۔

اِن کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی تھیں جن سے ہم قطع نظر کرتے ہیں، انہی میں طلیطلہ کی ریاست اب تک برقرار تھی، ایک شخص یعیش نے یہاں ۱۰۳۶ء (۴۲۸ھ) تک حکومت کی تھی، یعیش کے بعد بنی ذوالنون جو ایک پرانا بربری خاندان تھا، اور (۵۹۶)

---

[۱] پہلا دارالحکومت مدینۃ البیرہ تھا، جب آپس کی لڑائیوں میں یہ شہر ویران ہوگیا تو اُس کے بسنے والے ۱۰۱۰ء (۴۰۱ھ) میں غرناطہ جاکر آباد ہوگئے اور غرناطہ دارالحکومت ہوگیا، مدینۃ البیرہ اور غرناطہ پاس پاس واقع تھے۔

جس نے آٹھویں صدی عیسوی (پہلی صدی ہجری) میں فتح اسپین کے موقع پر عربوں کی مدد کی تھی ریاست طلیطلہ کا مالک ہوگیا۔

قرطبہ سے جب خلافت منقرض ہوگئی تو وہاں کے سربرآوردہ لوگوں نے ابن جہور[۵] کی طرف امورِ سلطنت منتقل کرنے کا ارادہ کیا، ابن جہور نے پہلے تو اس کام سے انکار کیا، مگر مجلسِ مشورت کی ضروریات کا خیال کرکے اس شرط سے اُسے منظور کیا کہ اُن کے دو رشتہ دار محمد ابن عباس اور عبدالعزیز بن حسن اُن کے مشیر اور انتظامِ سلطنت میں شریک رہیں، مجلس نے ابن جہور کی یہ درخواست اس شرط سے منظور کی کہ ابن عباس اور عبدالعزیز کو صرف مشورہ دینے کی اجازت ہوگی۔

پہلی مجلس نے قرطبہ کی جمہوری ریاست پر انصاف اور دانائی سے حکومت کی، قرطبہ کے لوگوں کو اب بربر کے ظلم وستم کی شکایت نہ رہی، کیونکہ ابن جہور نے صدرِ مجلس ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ بربر کی فوجوں کو برطرف کر دیا، صرف بنی افرین کی فوجوں کو جو بھروسے کی تھیں قائم رکھا، بربری فوجوں کی جگہ جنہیں برطرف کیا تھا ایک قوی فوج مرتب کی، ابن جہور نے بظاہر جمہوری حکومت کے طریقے جاری رکھے، یعنی جب کوئی رعایت چاہتا تو جواب ملتا "میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے، اِس معاملہ کا تعلق مجلس سے ہے، میں تو مجلس کا محض ایک کارگذار ہوں"۔ اگر کوئی مراسلہ خاص ابن جہور کے نام آتا تو اُس پر کوئی کارروائی نہ کی جاتی، صرف اتنی ہدایت کردی جاتی کہ "یہ تحریر وزرار کے نام ہونی چاہیئے"۔ ہر امر کے فیصلے میں پہلے مجلس کی رائے ہمیشہ لی جاتی، ابن جہور نے کبھی بادشاہوں کے سے طور طریقے اختیار نہیں کیے، سرکاری کام کبھی قصرِ خلافت میں بیٹھ کر نہیں کیا، اپنے ہی مکان پر سب کام انجام دیتے رہے، لیکن پھر بھی اُن کے اختیارات کی انتہا نہ تھی، کیونکہ مجلس اُن کی رائے سے کبھی اختلاف نہ کرتی تھی، نہایت درجہ ایماندار شخص تھے، اُنھوں نے اموالِ سلطنت کبھی اپنے گھر میں نہ رکھے بلکہ اُن کو نہایت دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھا، اگرچہ کفایت شعار تھے مگر بخل کے

[۵] ابوالحزم جہور بن محمد بن جہور بن عبداللہ بن محمد بن معمر بن یحییٰ بن ابی مغافر بن ابی عبیدہ کلبی

درجے تک نہیں، اس وجہ سے اُن کی دولت بڑھی اور شہر میں وہ سب سے زیادہ مالدار ہوگئے
لیکن روپیہ کی محبت کبھی اتنی غالب نہ آئی کہ کسی امانت میں خیانت کرتے ، رعایا کی فلاح و
بہبود کی کوششوں میں کبھی تھک کر نہ بیٹھے ، قرب وجوار کی ریاستوں سے دوستانہ
تعلقات پیدا کیے ، اور اس میں اس قدر کامیاب ہوئے کہ تجارت وحرفت کو جن حفاظتوں
کی سخت ضرورت تھی وہ میسر ہوگئیں ، ہر چیز میں ارزانی ہوئی ، باہر کے لوگ شہر میں آ کر
آباد ہونے لگے ، اور یہاں کے بعض محلوں کو جنہیں بربر نے شہر فتح کرنے کے بعد مسمار کردیا
تھا یا جلادیا تھا ، ان نوآباد لوگوں نے اُن کو ازسرنو تعمیر کیا ، لیکن دارالخلافت قرطبہ کو جو
عظمت اور بزرگی پہلے حاصل ہوئی تھی وہ دوبارہ حاصل نہ ہوسکی ، اب بجائے قرطبہ کے اشبیلیہ
سب سے ممتاز شہر ہوگیا ، اور اب ہم جو حالات لکھیں گے زیادہ تر اسی شہر کے تعلق سے (۵۹۷)
لکھیں گے ۔

برسوں تک اشبیلیہ کی قسمت قرطبہ سے وابستہ رہ چکی تھی ، قرطبہ ہی کی شکل اس میں بھی
پہلے بنی امیہ نے اور پھر بنی حمود نے حکومت کی تھی ، ۱۰۳۸ء (۴۱۹ھ) میں جو فتنہ قرطبہ
میں برپا ہوا اُس کا جواب اشبیلیہ میں بھی ہوا ، قرطبہ کے بلوائیوں نے قاسم بن حمود ملقب بہ
مامون کو اپنے صوبے سے نکال دیا ، قاسم نے مجبور ہوکر اشبیلیہ میں پناہ لینی چاہی ، جہاں
اُن کے دو بیٹے سکونت رکھتے تھے ، یہاں شہر کی حفاظت کے لیے محمد بن زیری کی ماتحتی
میں جو بربر کے قبیلہ افرین سے تھا بربر کی فوجیں مقیم تھیں ، قاسم بن حمود نے اپنے سپاہیوں
کے رہنے کے لیے اشبیلیہ کے لوگوں کو ایک ہزار مکانات خالی کرنے کا حکم دیا ، اس حکم سے
لوگوں میں بہت بے اطمینانی پھیلی ، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ قاسم بن حمود کے
سپاہی بڑے چور مشہور تھے ، قرطبہ پہلے ہی بنی حمود کی اطاعت سے منحرف ہونے کی مثال
پیش کر چکا تھا ، اب اشبیلیہ نے بھی یہی کرنا چاہا ، لیکن بربر کی فوجیں شہر میں موجود تھیں ،
اُن کے خوف سے شہر والوں کو کسی بات کی ہمت نہ ہوئی ، لیکن قاضی شہر ابوالقاسم محمد نے جو
بنی عباد کے خاندان سے تھے فوج بربر کے سالار محمد ابن زیری کو ملالیا ، اور اُسے یقین دلایا
کہ اگر اس موقع پر مدد کی تو وہ خود بہت آسانی سے اشبیلیہ کا مالک ہوجائیگا ، ابن زیری حکومت

کے لالچ میں آ قاضی ابوالقاسم محمد کی مدد پر آمادہ ہوگیا، اِس کے بعد قاضی ابوالقاسم محمد نے قرمونہ کے بربر سپہ سالار محمد بن عبداللہ برزالی سے میل ملاپ پیدا کیا، اور اب اشبیلیہ کے لوگوں نے بربر فوجوں کی مدد سے قاسم بن حمود کے دو بیٹوں کے خلاف جو شہر میں رہتے تھے ایک ہنگامہ برپا کیا اور اُن کے قصر کو جاکر گھیر لیا، قاسم بن حمود جس وقت اشبیلیہ پہنچے تو شہر کے دروازے بند پائے، اُنہوں نے شہر کے لوگوں سے اچھے اچھے وعدے کرکے اُن کو قابو میں لانا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی، قاسم بن حمود کے دونوں بیٹے اس وقت بہت خطرے کی حالت میں تھے، آخر کار قاسم بن حمود اِس شرط سے اشبیلیہ کے علاقہ کو چھوڑنے پر رضامند ہوئے کہ اُن کا کُل مال و متاع اور دونوں بیٹے اُن کے سپرد کردیے جائیں، اہلِ اشبیلیہ نے یہ شرط منظور کرلی، اور جب قاسم چلے گئے تو موقع پاتے ہی اُنہوں نے بربر کی فوجوں کو بھی جو شہر میں قیام کیے ہوئے تھیں شہر سے نکال باہر کیا۔

غرض اشبیلیہ نے اِس طرح پھر آزادی حاصل کرلی، اور اب عمائد شہر اِس امر میں مصروف ہوئے کہ انتظامِ سلطنت کے لیے کوئی طرزِ حکومت قرار دیں، ہنگامہ کرکے بنی حمود کو اس وقت اشبیلیہ سے نکال تو دیا تھا لیکن یہ خدشہ کہ دیکھیے اِس حرکت کا انجام کیا ہوتا ہے کسی کے دِل سے دُور نہ ہوا تھا، اُن کو خوف تھا کہ بنی حمود پھر اشبیلیہ کا قصد کریں گے، اور گذشتہ ہنگامے میں جو لوگ بہت سرگرم رہے تھے اُن کو سخت سزائیں دیں گے، اِس وجہ سے جو کچھ گذر چکا تھا اُس کی جوابدہی شہر کے بڑے لوگوں میں سے کوئی اپنے ذمہ نہ لینی چاہتا تھا، آخر کار بہ اتفاق رائے ان لوگوں نے سب باتوں کا ذمہ دار قاضی ابوالقاسم محمد کو قرار دیا، ابوالقاسم بہت مالدار تھے، اُن کی دولت پر شہر والوں کو رشک تھا، اور جب خیال کرتے تھے کہ بنی حمود آکر اُن کی دولت لُوٹ لیں گے تو دل میں خوش ہوتے تھے۔ (۵۹۸)

غرض شہر کی حکومت اب سب لوگوں نے قاضی ابوالقاسم محمد کے سپرد کرنی چاہی، قاضی ابوالقاسم حکومت کی آرزو دل میں چاہے کیسی ہی رکھتے ہوں لیکن اس موقع پر حکومت قبول کرنا مصلحت نہ سمجھتے تھے، قاضی صاحب بڑے عالی خاندان نہ تھے مالدار البتہ بہت تھے، اشبیلیہ کے علاقہ کی ایک تہائی زمین کے مالک تھے، سب لوگ اُن کی عقل و ذہانت کی

وجہ سے اُن کی بہت عزت کرتے تھے، لیکن اُن کا خاندان (بنی عباد) ایسا نہ تھا جس کا شمار پرانے وقتوں سے اعلیٰ خاندانوں میں چلا آتا ہو، یہ وہ جانتے ہی تھے کہ کوئی فوج اپنے پاس نہیں ہے، اور فوج نہ رکھنے کی صورت میں شہر کے پرانے خاندانی اُمرار اُن کو ایک نیا اُبھرا ہوا آدمی سمجھ کر جلد اُن کی خرابی کے درپے ہو جائیں گے، اور واقعی ہوتا بھی یہی، کیونکہ وہ عالی نسب نہ تھے، گو یہ سچ ہے کہ جب بنی عباد اپنے ہی مقاصد کے لیے پھر خلافت قائم کرنے پر کمر بستہ ہوئے تو اُنھوں نے اپنی اصل اُن لخمی بادشاہوں سے بتائی جنھوں نے کسی زمانے میں حیرہ میں حکومت کی تھی، دربار کے بھوکے شاعروں نے اِس نسب کی تصدیق میں کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، لیکن بنی عباد کے اِس دعوے کا ثبوت کہ وہ ملوکِ حیرہ کی اولاد سے تھے، نہ خود اُن کے پاس اور نہ اُن کے ہوا خواہوں کے پاس موجود تھا، ملوک حیرہ اور بنی عباد میں جو چیز مشترک تھی وہ صرف یہ تھی کہ دونوں یمن کے قبیلہ لخم سے تھے، لیکن لخم کی جس شاخ سے بنو عباد تھے اُن کی سکونت کبھی حیرہ میں نہ رہی تھی، اُس کا وطن عریش تھا جو مصر اور شام کی سرحد پر صوبہ حمص کا ایک شہر تھا[۵۱]، ملوکِ حیرہ سے اپنا نسب ملانا تو بہت دُور تھا بنی عباد اپنے شجرۂ نسب کو نعیم لخمی سے جو عطاف کا باپ تھا آگے نہ بڑھا سکے، یہ عطاف اسپین میں بلج ابن بشر کے ساتھ آئے تھے جو لشکرِ حمص کا سردار تھا، عطاف کے ساتھیوں کو اشبیلیہ کے قریب رہنے کے لیے زمینیں مل گئی تھیں، خود عطاف طشانہ کے علاقہ میں ایک موضع میں جس کا نام یا مین تھا آباد ہو گئے تھے، یہ موضع وادی الکبیر کے کنارے واقع تھا۔

سات پشتوں کی کفایت شعاری اور محنت سے یہ خاندان رفتہ رفتہ گمنامی کی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آیا، اور قاضی ابوالقاسم محمد کے باپ اسماعیل پہلے شخص تھے جنھوں نے اِس خاندان کو نامور کیا اور اُمرائے اشبیلیہ کی فہرست میں بنو عباد کا نام آبِ زر سے لکھوا دیا، اسمٰعیل[۵۲]

---

۵۱ مقابلہ کرو کاسن کی کتاب جلد ۳ ص ۲۱۲، ۲۲۴

۵۲ عباد قاضی اسماعیل کے دادا کے دادا تھے۔

فقہ کے عالم تھے اور اُس کے ساتھ پورے سپاہی بھی تھے، خلیفہ ہشام المؤید کے زمانہ میں وہ ایک فوج کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے تھے، اور جامع قرطبہ میں صاحب الصلوٰۃ، اور اس کے بعد اشبیلیہ میں قاضی بھی رہ چکے تھے، علم و فضل، استواری عقل، علو ہمتی، اور حُسن تدبیر میں مشہور ہونے کے علاوہ نہایت دیانتدار تھے، رشوت کا بازار ہر طرف گرم تھا، مگر اُنہوں نے کبھی کسی سے کوئی نذر یا انعام قبول نہیں کیا، بے انتہا فیاض تھے، اور قرطبہ سے جو لوگ خارج البلد ہو کر اشبیلیہ میں آتے تھے وہ اُن کی مہمان نوازی کے احسانمند ہوتے تھے، ان تمام خوبیوں نے اُن کو مغربی اسپین کے سب سے بڑے شریف و کریم کے لقب سے مشہور کر دیا تھا، ۱۰۱۹ء (۴۱۰ھ) میں قاضی اسماعیل کا انتقال ہو گیا، اور یہ واقعہ اُس زمانہ سے کچھ زیادہ سابق کا نہیں ہے جس کے حالات ہم اب تحریر کرتے ہیں۔

(۵۹۹) قاضی اسمٰعیل کے فرزند ابوالقاسم محمد عقل و دانائی میں باپ کے برابر تھے، لیکن اخلاق اُن کی مثل نہ رکھتے تھے، خود مطلب اور جاہ طلب تھے، سب سے پہلا کام جو اُنہوں نے کیا وہ نا احسانمندی پر دلالت کرتا ہے، اُن کو امید تھی کہ باپ کے انتقال کے بعد باپ کی جگہ قاضیٔ اشبیلیہ مقرر ہو جائیں گے، لیکن یہ جگہ دوسرے شخص کو مل گئی، اُنہوں نے قاسم بن حمود کی خدمت میں اس جگہ کے لیے عرضی پیش کی، قاسم بن حمود نے ان کے لیے کوشش کی اور ابوالقاسم محمد اشبیلیہ کے قاضی مقرر ہو گئے، اس احسان کا بدلہ ابوالقاسم محمد نے جو کچھ کیا وہ ہم آگے پڑھیں گے۔

بہرکیف عمائدِ شہر نے اشبیلیہ کی حکومت قاضی ابوالقاسم محمد کے سپرد کرنی چاہی، مگر وہ ان لوگوں کا مطلب سمجھ گئے اور جواب دیا کہ "یہ معزز عہدہ اُن کی عزت افزائی کا موجب ہو سکتا ہے لیکن تا وقتیکہ کچھ اور لوگ بھی حکومت میں اُن کے شریک نہ بنائے جائیں، وہ اس منصبِ عالی کو قبول نہیں کر سکتے۔" اُنہوں نے یہ بھی لکھا کہ "یہ شرکا اُن کے وزیر اور مددگار ہوں گے، اور بغیر اُن کے مشورے کے وہ کوئی فیصلہ نہ کریں گے" اس جواب پر اُمرائے شہر نے کسی قدر پس و پیش کے بعد مجبور ہو کر اُن کی شرط قبول کی، کیونکہ تنہا حکومت کرنے سے قاضی صاحب کو قطعی انکار تھا، اس کے بعد اُمرا نے اُن لوگوں کے

نام دریافت کیے جن کو قاضی صاحب اپنا شریک بنانا چاہتے تھے ، قاضی ابوالقاسم محمد نے چند عالی نسب لوگوں مثلاً ہوزنی اور ابن حجاج کے نام بتائے جو اپنے اپنے خاندان کے سردار تھے ، اور ان کے ساتھ چند اور لوگوں کے نام بھی لیے مثلاً محمد ابن یریم الہانی ، اور مشہور عالم ابوبکر زبیدی جو خلیفہ ہشام المؤید کے اُستاد رہ چکے تھے ، ان لوگوں کو قاضی صاحب نے اس لیے شریک کرنا چاہا کہ وہ اُنہی کے ساختہ پرداختہ ہو کر ہمیشہ ہم فریق رہینگے غرض حکومت ملنے کے بعد پہلی فکر اس بات کی ہوئی کہ کسی طرح فوج مہیا ہونی چاہیئے ، بڑی بڑی تنخواہوں کے وعدوں پر عرب ، بربر اور اور قوموں کے لوگوں نے اُن کی فوجی خدمت قبول کرلی ، ان کے علاوہ بہت سے غلام خرید کر اُن کو فوجی قواعد سکھائے گئے ۔

اسی زمانے میں قاضی ابوالقاسم محمد نے دیگر ملوک الطوائف کے ساتھ اسپین کے شمالی حصے پر فوج کشی کی ، اس موقع پر قاضی صاحب کو اپنی فوج میں اضافہ کرنے کا موقع ملا، شمال مغربی اسپین کے شہر بازو سے شمال میں دو قلعوں کا محاصرہ کیا گیا ، یہ قلعے دو پہاڑیوں پر واقع تھے اور بیچ میں ایک خشک گہرا نالہ حائل تھا ، ان قلعوں کا نام عربوں میں الاخوین (دو بھائی) تھا ، جو اَب بگڑ کر اسپینی زبان میں الافوئین ہوگیا ہے ، یہ قلعے اسپینی عیسائیوں کے تھے جن کے بزرگوں نے ایک صلح نامہ موسیٰ بن نصیر سے اُس زمانہ میں کیا تھا جبکہ موسیٰ نے بازو کا شہر فتح کیا تھا ، لیکن یہ اسپینی عیسائی جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں نہ تو عیسائی ریاست لیون کے ماتحت تھے اور نہ کسی مسلمان بادشاہ کے ، قاضی ابوالقاسم محمد نے ان دونوں قلعوں پر قبضہ کرلیا ، اور وہاں کے تین سو[۵۱] عیسائیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا ، اب ابوالقاسم محمد کے پاس پانچ سو سواروں کا ایک رسالہ ہوگیا ۔

بہرکیف اُن کے پاس اب اتنی فوج فراہم ہوگئی کہ وہ قرب و جوار کے علاقوں پر حملہ کرسکیں

---

[۵۱] سیلوس کے مورخ راہب نے ایک شخص سیسی نند کا ذکر کیا ہے جس نے معتضد کی ملازمت ترک کرکے فردلند اول کی نوکری کرلی تھی ، اور فردلند نے اُس کو قلریہ کا حاکم مقرر کردیا تھا ، یہ سیسی نند شہر الاخوین کا عیسائی تھا ۔

لیکن فوج کی تعداد ابھی ایسی نہ تھی کہ اشبیلیہ پر اگر کوئی سخت حملہ کرے تو اُس کا جواب دیا جا سکے، چنانچہ ۱۰۲۷ء (۴۱۸ھ) میں اِس کا ثبوت بھی مل گیا، حمودی خلیفہ یحییٰ بن علی اور قرمونہ کے بربر حاکم محمد بن عبداللہ برزالی نے اشبیلیہ کا محاصرہ کیا، اشبیلیہ کے لوگوں میں اِتنا دَم نہ تھا کہ اِس حملے کی زیادہ مدت تک تاب لا سکتے، چنانچہ یحییٰ بن علی حمودی سے اُنھوں نے صلح کی گفتگو شروع کی، اور یحییٰ بن علی کی خلافت تسلیم کرنے پر آمادگی اِس شرط سے ظاہر کی کہ بربر اشبیلیہ میں داخل نہ ہوں، یحییٰ بن علی نے یہ شرط قبول کی، لیکن اشبیلیہ کے چند عالی خاندان نوجوان ضمانت میں طلب کیے، تاکہ اگر اشبیلیہ والے عہد شکنی کریں تو ان نوجوانوں کو قتل کر دیا جائے۔ اِس طلبی پر سارا شہر لرز گیا، کوئی شریف گوارا نہ کر سکتا تھا کہ اپنے بیٹے کو بربر کے حوالے کر دے، اور بربر ذرا سے شبہ پر اُسے قتل کر دیں لیکن قاضی ابوالقاسم محمد کو اِس میں مطلق تذبذب نہ ہوا، اُنھوں نے اپنے فرزند عباد کو یحییٰ بن علی حمودی کے حوالے کر دیا، یحییٰ بن علی نے یہ خیال کر کے کہ ابوالقاسم محمد اشبیلیہ میں سب سے زیادہ معزز شخص ہیں، صرف اُن کے لڑکے کو ضمانت میں لینا کافی سمجھا۔

ابوالقاسم محمد کے اِس ایثار پر نظر کر کے شہر کے لوگ اور بھی اُن کی عزت اور تعظیم کرنے لگے، اب ابوالقاسم محمد کو نہ تو شہر کے رؤسا اور اُمرا کا کوئی خوف رہا، اور نہ یحییٰ بن علی کا جن کی خلافت کو وہ پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے، اِس لیے خیال ہوا کہ اب تنہا حکومت کرنے کا وقت آ گیا ہے، جن مشیروں کو اُنھوں نے حکومت میں شریک کیا تھا اُن میں سے ہوزنی اور ابنِ حجاج کو تو مجلس سے پہلے ہی برطرف کر دیا تھا، دو مشیر جو باقی رہ گئے تھے یعنی زبیدی اور ابنِ یریم اُن کو اب علیحدہ کر دیا، زبیدی کو ملک بدر کیا[۵]، اور اپنا وزیر حبیب نامی ایک شخص کو جو مضافاتِ اشبیلیہ کا رہنے والا ایک معمولی خاندان کا آدمی تھا مقرر کیا، حبیب بے اُصول سا آدمی تھا، لیکن جفاکش اور ذہین ہونے کے ساتھ اپنے آقا کے فائدے کا دِل سے خیال رکھنے والا شخص تھا۔

اب ابوالقاسم محمد نے باجہ کے علاقے کو شامل کر کے اشبیلیہ کی ریاست کو وسعت دینی

---

[۵] زبیدی پہلے قیروان گئے، قیروان سے المریہ آئے، اور یہاں قاضی مقرر کر دیے گئے۔

چاہی، نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) میں شہر باجہ کو عربوں اور اسپینی مسلمانوں کے ہاتھوں بہت نقصان پہنچ چکا تھا، حال میں بربر نے محاصرہ کرکے اُس کے ایک حصے کو مسمار کردیا تھا، اور سارے ضلع کو خوب لوٹا، جلایا، اور برباد کیا تھا، ابوالقاسم محمد نے چاہا کہ باجہ کو دوبارہ تعمیر کرے، لیکن ابومحمد عبداللہ بن سلمہ معروف بہ ابن افطس صاحب بطلیوس مزاحم ہوا، ابن افطس نے اپنے بیٹے محمد کو جو باپ کے بعد المظفر کے لقب سے حکمراں ہوا، فوج دیکر باجہ روانہ کیا، محمد افطسی نے باجہ پہنچتے ہی اُس پر قبضہ کیا، جس وقت ابوالقاسم محمد کا فرزند اسماعیل اشبیلیہ کی فوج اور صاحب قرمونہ سے کمک لے کر باجہ پہنچا ہے تو محمد افطسی باجہ پر قبضہ کرچکا تھا، قرمونہ کی فوج اسماعیل کے ساتھ اس وجہ سے ہوئی تھی کہ صاحب قرمونہ اسماعیل کے باپ ابوالقاسم محمد کا دوست تھا۔

اب اسماعیل نے شہر کا محاصرہ شروع کیا، اور اپنے رسالوں کو یبورہ اور ساحلِ بحر کے درمیان جو گاؤں اور قصبات پڑتے تھے اُن کے لوٹنے کے لیے روانہ کیا، صاحب مرتلہ ابن طیفور نے محمد افطسی کو کمک بھیجی، لیکن محمد افطسی شکست کھا گیا، اور جب اُس کی فوج کا بہترین حصہ کام آگیا تو دشمن نے اُسے گرفتار کرکے قرمونہ روانہ کردیا۔

اِن کامیابیوں سے ایسا دل بڑھا کہ قاضی ابوالقاسم محمد اور اُن کے دوست صاحب قرمونہ نے مل کر نہ صرف بطلیوس کے بلکہ قرطبہ کے علاقے میں بھی لوٹ مار شروع کردی، اور قرطبہ کی گورنمنٹ مجبور ہوئی کہ مدینۂ شذونہ کے بربر کو اپنی فوجوں میں بھرتی کرے، کچھ دنوں بعد لڑائی بند کرنے کا عہد و پیمان ہوا، اور صاحب قرمونہ نے قاضی ابوالقاسم محمد کی رضامندی سے محمد افطسی کو رہا کردیا (مارچ ۱۰۳۰ء مطابق ربیع الاول ۴۲۱ھ)

صاحب قرمونہ نے محمد افطسی کو جس وقت قید سے رہا کیا تو اُسے ہدایت کی کہ وہ اشبیلیہ جاکر ابوالقاسم محمد کا شکریہ ادا کرے، لیکن محمد افطسی کو ابوالقاسم محمد سے حد درجہ نفرت تھی، اِس لیے اُس نے جواب دیا کہ "میں آپ کی قید کو اس قاضی کے احسان سے بہتر جانتا ہوں، اگر قید سے رہائی میں آپ کے علاوہ ابوالقاسم محمد کا بھی احسانمند ہونا ضروری ہے تو جس قید میں اِس وقت ہوں اُسی میں رہنا پسند کرتا ہوں۔" یہ جواب سُن کر صاحب قرمونہ کو محمد افطسی کا

پاسِ خاطر ہوا اور جس اعزاز کا وہ مستحق تھا اُس کے ساتھ مع چند محافظوں کے اُس کو بطلیوس پہنچوا دیا۔

اِس واقعہ کے چار برس بعد یعنی ۱۰۳۴ء (۴۲۶ھ) میں ابو محمد عبداللہ معروف بہ ابن افطس نے جو شکستیں کھائی تھیں اُن کا بدلہ ایسے طریقہ سے لیا جس سے اُسکی طبیعت کی کوئی خوبی ظاہر نہیں ہوئی، پہلے تو ابنِ افطس نے ابوالقاسم محمد کو جب وہ عیسائی حکومت لیون کی سرحد پر فوج کشی کو اُٹھے، اپنے علاقہ میں سے فوجیں لے جانیکی اجازت دیدی، لیکن جب ابوالقاسم محمد کا فرزند اسماعیل فوجیں لیے ہوئے ایک پہاڑی درے میں داخل ہوا جو لیون کی سرحد سے دُور نہ تھا تو ابنِ افطس کے سواروں نے اسماعیل پر دفعتاً حملہ کیا، اشبیلیہ کی بہت سی فوج یا تو وہیں قتل ہوگئی، یا بھاگتے میں لیون کے سواروں نے اُنہیں تہ تیغ کر دیا، خود اسماعیل چند ہمراہیوں کے ساتھ اِس تہلکہ سے جان بچا کر بھاگا، لیکن جس وقت یہ لوگ شہر لشبونہ کا رُخ کیے جاتے تھے تو اُنہیں بھوک اور پیاس کی سخت تکلیفیں پہنچیں، لشبونہ قاضی ابوالقاسم محمد کی قلمرو کی شمالی سرحد کا مشہور شہر تھا۔

غرض جس دن سے اسماعیل پر یہ آفتیں نازل ہوئیں قاضی ابوالقاسم محمد صاحبِ بطلیوس کے جانی دشمن بن گئے، اِن دونوں میں جو لڑائیاں ہوئیں اُن کے مفصل حالات تو دریافت نہیں ہو سکے، لیکن یہ لڑائیاں بہرکیف اسپین کے حق میں اتنی نتیجہ خیز نہ تھیں جس قدر کہ ایک اور واقعہ تھا جس کا حال اب پیش کیا جاتا ہے۔

یہ اُوپر آچکا ہے کہ قاضی ابوالقاسم محمد نے یحییٰ بن علی حمودی کی خلافت تسلیم کرلی تھی لیکن ابوالقاسم پر ایک مدت تک اِس کا کچھ اثر نہ تھا، وہ اشبیلیہ میں بغیر کسی کی ماتحتی کے حکومت کرتے تھے، کیونکہ یحییٰ بن علی میں اتنی قوّت نہ تھی کہ وہ اپنے حقوقِ خلافت کا کسی سے مطالبہ کرسکتے، مگر رفتہ رفتہ یہ حالت بدلی، یحییٰ بن علی نے بربر کے تمام سرداروں کو اپنا کرلیا، اور اِس طریقہ سے یحییٰ بن علی برائے نام نہیں بلکہ فی الحقیقت افریقی فریق کے قائد اور سردار ہوگئے، اور قرمونہ سے وہاں کے حکمراں محمد بن عبداللہ برزالی کو نکال کر اِس شہر کو اپنا مستقر قرار دیا، اور قرطبہ اور اشبیلیہ پر ایک ساتھ حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ (۶۰۲)

قاضی ابوالقاسم محمد کے لیے یہ خطرے کا وقت تھا، مگر اِس حالت میں اُنھوں نے ایک ایسی تدبیر سوچ کر نکالی کہ اگر ذاتی اغراض کے لیے وہ نہ سوچی گئی ہوتی تو حقیقت میں بڑی شریفانہ اور قوم کے حق میں مفید تدبیر ہوتی، سردارانِ بربر کو اس بات سے رد کنے کے خیال سے کہ جو اتحاد اُن میں اِس وقت پیدا ہوا ہے اُس کے بَل پر کہیں وہ اُن علاقوں کو جن سے ہٹا دیے گئے تھے پھر فتح نہ کرلیں، ضرورت تھی کہ عرب اور صقالبہ کسی ایک سردار کی ماتحتی میں متحد و متفق ہو جائیں، تاکہ ملک کو ایسی آفات سے بچائے رکھیں جیسی کہ سابق میں بربرنے برپا کی تھیں۔

قاضی ابوالقاسم محمد نے ایک بڑا گروہ قائم کرنے کی تدبیر کی جس میں افریقیوں کے تمام دشمنوں کو شامل کرکے خود اس گروہ کا سردار بننا چاہا، اِس کام میں جو جو رُکاوٹیں تھیں اُن سے ابوالقاسم لاعلم نہ تھے، خوب جانتے تھے کہ صقالبہ کے سرداروں اور عربی شرفار اور ارکانِ مجلسِ قرطبہ کو اُن کی طرف سے شبہ گذریگا، اور وہ اِس کام سے اختلاف کریں گے اور اُن کے سردار ہونے کو اپنی ذلت کا باعث سمجھیں گے، لیکن قاضی ابوالقاسم ہمت ہارنے والے آدمی نہ تھے، حالاتِ وقت بھی اُن کے مساعد ہوئے اور ابوالقاسم اپنی مراد کو کسی قدر پہنچ گئے۔

یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ سلیمان المستعین کے دَورِ حکومت میں ہشام الموید قصرِ خلافت سے نِکل کر اندلس سے ایشیا چلے گئے تھے، اور غالباً وہیں حالتِ گمنامی اور کس مپرسی میں اُن کا انتقال ہوگیا، لیکن عامۃ الناس جن کے دل خاندانِ بنی امیہ سے بیحد وابستہ تھے، اور جو سمجھتے تھے کہ جس قدر شان و شوکت اور ترقی و اقبالمندی حاصل ہوئی ہے وہ اسی خاندان کی بدولت ہوئی ہے، وہ کسی طرح اِس بات کا یقین نہ کرتے تھے کہ ہشام المویداب زندہ نہیں ہیں، اِس لیے جو خبر خلیفہ ہشام کی نسبت مشہور ہوتی تھی، خواہ وہ کیسی ہی لغو اور بے معنی ہو فوراً باور کرلی جاتی تھی، ایشیا میں جس طرح ہشام المویداپنی زندگی بسر کرتے تھے اُس کے حالات اکثر زباں زدِ خلائق ہوتے رہتے تھے، ایک قصہ یہ مشہور تھا کہ اسپین سے نِکل کر وہ مکّہ معظمہ چلے گئے تھے، ایک کیسہ زر و جواہر سے بھرا ہوا اُن کے پاس تھا، امیرِ مکّہ کے حبشی

غلاموں نے اُن کا مال لُوٹ لیا، اور اب یہ نوبت ہوئی کہ دو دن کے فاقے سے وہ مکّہ میں پڑے پھرتے تھے کہ ایک کوزہ گر کو اُن پر رحم آیا اور اُس نے اِن سے پوچھا کہ تمہیں مٹّی گوندھنی آتی ہے، ہشام المؤید نے حالتِ پریشانی میں کہدیا کہ "ہاں آتی ہے"۔ اِس پر کوزہ گر نے کہا کہ "اگر تمہیں میرے ہاں مزدوری کرنی منظور ہو تو یومیہ ایک درہم اور ایک روٹی دیا کرونگا"۔ ہشام نے کہا "اچھا، مگر پہلے ایک روٹی دیدو، کیونکہ دو دن کے فاقے سے ہوں"۔ کچھ دنوں تک ہشام اِس کوزہ گر کے ہاں مٹّی گوندھ کر روزی پیدا کرتے رہے لیکن پھر اِس کام سے گھبرائے اور ایک قافلے کے ساتھ فلسطین چلے گئے، جس وقت یروشلم میں پہنچے تو پاس کچھ نہ تھا، پریشاں حال بازاروں میں پھرتے پھرتے ایک بوریے والے کی دوکان کے سامنے کھڑے ہوگئے، بوریہ باف اپنے کام میں مصروف تھا، جب دوکان کے سامنے ایک آدمی کو کھڑے دیکھا تو کہنے لگا "تم کیوں اِس طرح غور سے دیکھ رہے ہو؟ کیا تمہیں بوریہ بُننا آتا ہے؟" ہشام بولے "بوریہ بُننا تو نہیں جانتا لیکن بُھوکا ہوں"۔ اِتنا کہکر آگے بڑھنے کو ہوئے مگر بوریے والے نے کہا "اچھا، بوریہ بُننے کے لیے گھاس اور رسّی تو لاسکتے ہو؟ میں تمہیں اِس کی مزدوری دُونگا"۔ ہشام نے شکریے کے ساتھ یہ خدمت منظور کرلی، اور کچھ دنوں بعد بوریہ بُننے میں مشّاق ہوگئے، اِس واقعہ کے کئی سال بعد (۶۰۴) یعنی ۱۰۳۳ء (۴۲۵ھ) میں وہ فلسطین سے اندلس چلے آئے، پہلے وہ مالقہ میں ٹھیرے، پھر ۱۰۳۵ء (۴۲۷ھ) میں المریہ پہنچے، یہاں اِس زمانہ میں زہیر حکومت کرتا تھا، اُس نے ہشام کو اپنے صوبہ سے نِکلوا دیا، ہشام المریہ سے روانہ ہوکر قلعہ رباح میں جابسے۔

اِس قصہ کو سہل الاعتقاد لوگوں نے بہت شوق سے سُنا اور فوراً باور کرلیا، مگر قصّہ فی نفسہٖ ہرگز یقین کرنے کے لائق نہ تھا، واقعہ یہ تھا کہ جس وقت یحییٰ بن علی حمودی نے اشبیلیہ اور قرطبہ پر حملے کا قصد کیا تو قلعہ رباح میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام خلف تھا، خلف کی صورت شکل ہشام المؤید سے بہت مشابہ تھی، لیکن اِس کی شہادت کہیں موجود نہیں کہ خلف حقیقت میں خلیفۂ معزول ہشام المؤید تھا، ابن حیان اور ابن حزم اگرچہ بنی امیہ کے موالی تھے، اور ہشامِ مصنوعی کو ہشامِ اصلی تسلیم کرلینے میں اُن کا نفع متصور ہوسکتا تھا لیکن

اِن دونوں مورخوں نے خلف کے ہشام ہونے کو ایک بالکل جھوٹا قصّہ بتایا ہے، بہرحال خلف کو حکومت کی طمع تھی، اکثر کہا کرتا تھا کہ "میری شکل ہشام المؤید میں ملتی ہے" یہ کہتے کہتے اب اُس نے یہ مشہور کیا کہ درحقیقت وہ ہشام المؤید ہے، چونکہ خلف قلعہ رباح کا اصلی باشندہ نہ تھا جو ہمیشہ وہاں رہا ہو، اِس لیے شہر کے لوگوں نے جو کچھ وہ کہتا تھا اُس کا یقین کرلیا، اور صرف یقین ہی نہیں کیا بلکہ اُس کو اپنا بادشاہ مان لیا، اور اپنے حاکم اسمٰعیل ابن ذی النون صاحبِ طلیطلہ کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کردیا، اسماعیل بن ذی النون نے یہ کیفیت دیکھ کر قلعہ رباح کا محاصرہ کرلیا، محصوروں نے جلدی ہتھیار ڈال دیے، اور خلف کو جو ہشام المؤید بنا تھا قلعہ رباح سے نِکال کر پھر اسماعیل بن ذی النون کی اطاعت قبول کرلی بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ خلف کو جو کچھ کرنا تھا اب وہ ختم ہولیا تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ اُسے جو کچھ کرنا تھا اب وہ شروع ہوتا ہے، قاضی ابوالقاسم محمد صاحبِ اشبیلیہ نے سوچا کہ ہشام المؤید کے دوبارہ اندلس میں وارد ہونے سے اپنا کوئی نفع نکالنا چاہیئے، اِس بات سے کہ خلف واقعی ہشام المؤید ہے یا نہیں اُنہیں کچھ بحث نہ تھی، جب تک خلف کی مشابہت ہشام المؤید سے اِس درجہ ہے کہ بوجوہِ غالب اُسے ہشام المؤید باور کیا جا سکتا ہے اُس وقت تک ہشام المؤید کی طرف سے ایک گروہ بربر کے خلاف قائم کرنا ممکن تھا، اور اِس گروہ کے خاص محرک خود ابوالقاسم محمد خلیفہ ہشام کے حاجب ہونے کی حیثیت سے بن سکتے تھے، پس قاضی ابوالقاسم محمد نے خلف کو اشبیلیہ بُلایا، اور اُس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ہشام المؤید ثابت ہوسکا تو اُس کی مدد کی جائے گی، خلف بوریہ باف سے اِس امر میں اصرار کرنے کی ضرورت نہ تھی، طلب ہوتے ہی فوراً اشبیلیہ چلا آیا، اب ابوالقاسم محمد نے خلیفہ ہشام المؤید کی مستورات کے سامنے اُسے پیش کیا، یہ عورتیں اِس بات کو تو جانتی ہی تھیں کہ ہم سے کس بیان کی توقع کی جاتی ہے، پس سب نے مِل کر خلف کی نسبت کہدیا کہ یہی خلیفہ معزول ہشام المؤید ہیں، ابوالقاسم محمد نے اِس شہادت کو قابلِ تسلیم قرار دیکر مجلسِ قرطبہ، اور سرداران صقالبہ، اور شرفائے عرب کو اطلاع دی کہ ہشام المؤید اِس وقت اشبیلیہ میں اُس کے پاس تشریف رکھتے ہیں، اور سب سے اصرار کیا کہ ہشام المؤید کو پھر خلیفہ قرار دینے کے لیے مسلح ہوجائیں، یہ ترکیب

(۶۰۴) چل گئی، محمد ابن عبداللہ برزالی صاحب قرمونہ نے جو اس وقت اشبیلیہ میں وارد تھا، ہشام المؤید کو خلیفہ مان لیا، اسی طرح عبدالعزیز صاحب بلنسیہ، مجاہد صاحب دانیہ و جزائر شرق الاندلس اور صاحب طرطوشہ نے ہشام المؤید کی خلافت کو دوبارہ تسلیم کیا، قرطبہ کے عوام ہشام کے دوبارہ نمودار ہونے پر بیحد خوش ہوئے، لیکن مجلس سیاسی کے صدر یعنی ابوالحزم ابن جہور جنہیں کسی بات کا جلد یقین نہ آتا تھا، اور اس کے علاوہ اپنے اختیارات میں کمی بھی نہیں چاہتے تھے اس دھوکے میں نہ آئے، لیکن اتنا وہ جانتے تھے کہ عوام کی مرضی اور رائے کے خلاف چلنا اُن کی قدرت سے خارج ہے، نیز عربوں اور صقالبہ کو ایک ہی شخص کے تحت میں کرنے کی ضرورت ہے، اور قرطبہ پر بربر کے حملے کا اندیشہ بھی موجود ہے غرض ابوالحزم نے قرطبہ کے لوگوں کو ہشام المؤید کی بیعت کرنے سے روکا نہیں، یہ بیعت نومبر ۱۰۳۵ء (محرم ۴۲۷ھ) کا واقعہ ہے۔

ادھر عرب اور صقالبہ حمودی خلیفہ یحییٰ بن علی کے مقابلے کی تیاری کرتے تھے، اُدھر یحییٰ بن علی نے اشبیلیہ کا محاصرہ کرکے اُس کے علاقے کو تباہ کرنا شروع کردیا، یحییٰ بن علی نے مصمم قصد کرلیا تھا کہ ابوالقاسم محمد سے اچھی طرح انتقام لے گا، لیکن یحییٰ کے گرد و پیش بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو یحییٰ کے دشمن اور بدخواہ تھے، قرمونہ کے بربر جو یحییٰ کے علَم کے نیچے بہ جبر لائے گئے تھے اب تک سچے دل سے اپنے آقا محمد ابن عبداللہ برزالی کے خیرخواہ تھے اور اُس سے خفیہ طور پر تعلقات بھی رکھتے تھے، اور اُن میں سے کچھ لوگ اکتوبر ۱۰۳۵ء (ذی الحجہ ۴۲۶ھ) میں چھپ کر اشبیلیہ بھی آئے تھے، اور یہاں قاضی ابوالقاسم محمد، اور محمد ابن عبداللہ برزالی سے کہا تھا کہ یحییٰ بن علی حمودی بہت آسانی سے گرفتار کیے جاسکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ہوش و حواس میں کم رہتے ہیں، اس اشارے سے ابوالقاسم اور ابن عبداللہ برزالی نے نفع حاصل کیا، اسماعیل جو قاضی ابوالقاسم کے فرزند تھے محمد ابن عبداللہ برزالی کے ہمراہ ایک لشکر لے کر چل پڑے، جب رات ہوئی تو بہت سے سواروں کو کمین گاہ میں بٹھا دیا، اور چند رسالے قرمونہ کی طرف اس اُمید میں روانہ کیے کہ یحییٰ بن علی حمودی اُنکو دیکھتے ہی شہر کے باہر مقابلے کے لیے نکل آئیں گے۔

یحییٰ اس وقت شغلِ شراب میں تھے، لشکر کی خبر سنتے ہی یہ کہتے ہوئے کرسی سے اُٹھے "واہ کیا اچھی قسمت ہے، ابنِ عباد مجھ سے ملنے کو آیا ہے، لوگو! فوراً مسلح ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ"۔

اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور یحییٰ بہت جلد تین سو سواروں کی جمعیت لیے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے، شراب دماغ کو چڑھی ہوئی تھی، سواروں کی صفوں کو بغیر درست کیے رات کے اندھیرے میں جبکہ کسی کو کچھ سوجھتا نہ تھا دشمن پر یکلخت دھاوا کر دیا، اشبیلیہ کی فوج پہلے تو اس شدید یلغار سے گھبرائی، لیکن پھر سنبھل کر اُسے روکنا چاہا، مگر جب یہ نہ ہو سکا اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی تو اُس طرف بھاگی جدھر کمیں گاہ میں اسماعیل نے سواروں کو بٹھا رکھا تھا، یحییٰ کو اس کی خبر نہ تھی، تعاقب کرتے چلے گئے، اسماعیل نے الاخوین کے قلعوں سے جو عیسائی سوار بھرتی کیے تھے اُن کو لے کر یحییٰ پر سخت حملہ کر دیا، یحییٰ کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے خود یحییٰ بن علی حمودی بھی اس لڑائی میں کام آئے، اُن کی فوج کا بھی یہی درجہ ہوتا جو اُن کا ہوا، لیکن ابنِ عبداللہ برزالی نے اسماعیل سے یہ کہکر اس فوج کی جان بچالی کہ اس میں سب لوگ قرمونہ کے بربر ہیں جن کو یحییٰ بن علی نے مجبور کر کے ہمارے خلاف اس لڑائی میں لڑوایا تھا، اسماعیل نے ابنِ عبداللہ برزالی کی بات مان لی، اور مرحوم یحییٰ کی بھاگتی ہوئی فوج کا تعاقب بند کیا۔ (۶۰۵)

ابنِ عبداللہ برزالی فوراً قرمونہ پہنچا، تاکہ اپنے علاقے پر پھر قبضہ کرے، یحییٰ بن علی کے اسودی سپاہیوں نے دروازۂ شہر پر ابنِ عبداللہ برزالی کو روکنا چاہا، مگر شہر والوں کی مدد سے برزالی ایک ایسے مقام سے جہاں فصیل ٹوٹی ہوئی تھی قرمونہ میں داخل ہو گیا، اور یحییٰ کے قصر میں پہنچکر جس قدر عورتیں وہاں تھیں اُن کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا، اور یحییٰ کے تمام خزانوں اور ذخیروں پر قبضہ کر لیا (نومبر ۱۰۳۵ء مطابق محرم ۴۲۷ھ)[۱]

---

[۱] بعض مورخوں نے بجائے ۴۲۷ھ کے ۴۲۹ھ لکھا ہے، لیکن ابنِ حیان نے ۴۲۷ھ صحیح تاریخ ثابت کی ہے، اور قرمونہ کے ایک بربر سپاہی کا قصہ نقل کیا ہے، جو بذاتِ خود اُس معرکہ میں موجود تھا جس میں یحییٰ مارے گئے تھے۔

یحیٰی بن علی حمودی کی موت سے اشبیلیہ اور قرمونہ میں لوگ بہت خوش ہوئے، ابوالقاسم محمد نے جب سُنا تو سجدۂ شکر بجالائے، اب بنی حمود کا خوف لوگوں کے دلوں سے کچھ دنوں کو دُور ہوگیا،

یحیٰی بن علی کی موت پر اُن کے بھائی ادریس بن علی حمودی کی خلافت کا اعلان مالقہ میں کیا گیا، ادریس کو ایک زمانہ درکار تھا کہ سرداران بربر کے ساتھ رعایتوں کا وعدہ کرکے اُن کو اپنی طرف مِلائے، اِس وقت ادریس میں اتنی قوّت بھی نہ تھی کہ وہ جزیرۃ الخضرار کو فتح کرسکتے، جہاں اُن کے چچا کے بیٹے محمد بن قاسم بن علی بن حمود کو حبشی غلاموں نے خلیفہ بنا رکھا تھا، قاضی ابوالقاسم نے یہ دیکھ کر کہ موقع اچھا ہے، چاہا کہ فرضی ہشام کو ساتھ لے کر قرطبہ کے قصرِ خلافت میں جا بیٹھیں، لیکن ابوالحزم ابن جہور مجلس سیاسی کی صدرنشینی چھوڑنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے، اُنھوں نے شہر کے لوگوں کو یقین دلایا کہ جس شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے وہ ہشام المویدنہیں ہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے، لوگوں نے ابوالحزم کا یقین کیا، اور اُس دن سے خطبوں میں خلیفہ ہشام کے لیے جو دعا کی جاتی تھی وہ بند کی گئی، قاضی ابوالقاسم محمد جب قرطبہ پہنچے تو شہر کے دروازے بند پائے، فوج اتنی ساتھ نہ تھی کہ قرطبہ جیسے مستحکم شہر پر حملہ کرکے قبضہ کرلیتے، اِس لیے واپس ہوئے، اِس کے بعد اُنھوں نے زہیر صاحب المریہ پر حملہ کرنے کا قصد کیا، کیونکہ صقالبہ میں صرف یہی ایک امیر تھا جس نے ہشام المویدکی اطاعت قبول نہیں کی تھی، زہیر بنی حمود کا ہوا خواہ اُس وقت سے چلا آتا تھا جب سے حمودی خلیفہ قاسم بن علی نے عامریوں کے خوش کرنے کے لیے زہیر کو بہت سی جاگیریں دی تھیں، چنانچہ جس وقت ادریس بن علی حمودی کو مالقہ میں خلیفہ بنایا گیا تو زہیر نے ادریس کی خلافت تسلیم کرلی۔

جب زہیر کو اِس حملہ کا ارادہ معلوم ہوا تو اُس نے حبوس صاحب غرناطہ سے اتحاد کرلیا اور جب اشبیلیہ کی فوجیں اُس پر حملہ کرنے آئیں تو زہیر نے المریہ اور غرناطہ کی متحدہ فوجوں سے اُنھیں شکست دیدی۔

قاضی ابوالقاسم محمد نے اپنی قوت کا اندازہ کرنے میں زیادتی کی تھی، اِس شکست کے بعد

(۶۰۶) اُنہیں خوف ہوا کہ کہیں المریہ اور غرناطہ کی فوجیں مل کر اشبیلیہ کے علاقے پر حملہ نہ کردیں لیکن بختِ بیدار نے حسبِ معمول قاضی ابوالقاسم کی مدد کی، اور اتفاق ایسا ہوا کہ اُن کے دو دشمنوں یعنی زہیر اور حبوس میں سے ایک نے دُوسرے کا کام تمام کر دیا۔

اسناد :-

ابن بسّام ج ۱ ص ۸۱ تا ۸۲ ، ۱۲۹ ، ۱۵۷

عبدالواحد ص ۳۷ تا ۳۸ ، ۴۲ تا ۴۳ ، ۴۵ ، ۶۵

عبّاد (ڈوزی) ج ۱ ص ۲۲۰ تا ۲۲۵ ، ۲۳۴ ، ۳۸۱

ج ۲ ص ۷ ، ۳۲ تا ۳۴ ، ۱۲۷ تا ۱۲۸ ، ۱۷۳ ،

۲۰۸ ، ۲۱۶ ۔

ابن خلدون ص ۲۲ ، ۲۵

کتابِ رابع (ملوک الطوائف)

دُوسری فصل

سموایل ہالیوی (اسمٰعیل ابن نغدالہ) اور ابن عباس

اِس زمانہ میں دو نامور شخص جن میں باہم جانی عداوت تھی، المریہ اور غرناطہ پر حکومت (۶۰۷)
کرتے تھے، اِن میں سے ایک عرب تھا جس کا نام ابنِ عباس تھا، اور دوسرا یہودی جس کا نام سموایل تھا۔

ربّی سموایل ہالیوی[۵۱] (عربی نام اسماعیل یا ابنِ نغدالہ) قرطبہ کا رہنے والا تھا، یہودیوں کے مشہور عالم ربّی حنوخ سے اُس نے تالمود کو پڑھا تھا، اور عربی ادبیات اور دیگر علوم میں

[۵۱] یہ یہودی وینس میں ۴۳۰ھ ۱۰۳۸ء میں پیدا ہوا، اور ۴۶۶ھ ۱۰۷۳ء میں مرگیا، دیکھو ڈوزی کا دیباچہ ابنِ عذاری کی کتاب پر ص ۸۴ تعلیقہ

جو اُس وقت مروج تھے بڑی دستگاہ پیدا کی تھی ، مدت تک پہلے قرطبہ میں اور پھر مالقہ میں پنساری کی دوکان کرتا رہا ، جس زمانہ میں سلیمان المستعین کی بربر فوج نے قرطبہ پر قبضہ کیا تھا تو سموایل قرطبہ چھوڑ کر مالقہ میں آن بسا تھا ، یہ شخص محض حُسن اتفاق سے ایک نہایت ادنیٰ حالت سے بہت بڑے درجے پر پہنچ گیا ۔

یہودی سموایل کی دوکان مالقہ میں ایک قصر کے قریب تھی جو ابوالقاسم ابن عریف کا تھا ابن عریف اِس زمانہ میں حبوس صاحب غرناطہ کا وزیر تھا ، قصر کی عورتیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھیں ، اکثر اِس یہودی سے خط لکھوا کر ابن عریف کو غرناطہ بھیجا کرتی تھیں ، وزیر ابن عریف اِن خطوں کو پڑھ کر اُن کی عبارت کی تعریف کیا کرتا تھا ، کیونکہ طرز بیان نہایت نفیس ہوتا تھا ، اور عربی بلاغت کے بہترین نمونوں سے عبارت مزّین ہوتی تھی ، ابن عریف کو غرناطہ سے مالقہ آنے کا اتفاق ہوا تو شوق ہوا کہ اُن خطوط کے لکھنے والے کو دیکھنا چاہیئے ، چنانچہ اُس نے یہودی کو بُلا بھیجا ، جب ملاقات ہوئی تو ابن عریف نے کہا " دوکان تمہارے لیے موزوں نہیں ہے ، تم تو اس قابل ہو کہ شاہی دربار کی رونق ہو ، بہت اچھا ہو کہ تم میرے ہاں کاتب کی خدمت قبول کرو۔" خلاصہ یہ کہ سموایل ، ابن عریف کے ساتھ غرناطہ چلا گیا ، یہاں جب ملکی معاملات کے متعلق یہودی کی گفتگو سُنی تو ابن عریف کو اور بھی تعجب ہوا ، اور خیال کرنے لگا کہ سموایل کو واقعی دُنیا اور دُنیا کے معاملات میں ایسی نظر غائر حاصل ہے کہ اور لوگوں میں اُس کا پتہ بھی نہیں ہے ، ایک یہودی مورخ لکھتا ہے کہ "جب سموایل کسی بات میں مشورہ دیتا تھا تو اُس کی تقریر میں خدا کی آواز سنائی دیتی تھی" وزیر ابن عریف کے حق میں اچھا تھا کہ وہ ہمیشہ سموایل کے مشورے پر چلتا تھا ، ابن عریف جب مرنے کو ہوا تو حبوس بادشاہ غرناطہ اُس کی عیادت کو آیا اور مریض کے قریب کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ اب اِس جیسا نمک حلال وزیر کہاں نصیب ہوگا ۔ ابن عریف نے بادشاہ کو دیکھ کر عرض کیا کہ " حال میں جس قدر صلاح و مشورے حضور کو میں نے دیے تھے ، وہ سب اپنے کاتب سموایل کی رائے اور ہدایت کے مطابق دیے تھے ، حضور اِس کاتب کا خیال رکھیں ، اور خدا کرے کہ آپ کے حق میں وہ مثل باپ کے ثابت ہو ، اور آپ کی وزارت کی خدمت بہ حُسن عمل انجام دے ، اُس کی رائے اور

(۶۰۸)

ہدایت پر حضور چلیں اور خدا آپ کا ہمیشہ ناصر و مددگار رہے گا"۔ اس کے بعد حبوس نے سموایل کو قصر میں بلایا، اور اسے اپنا کاتب اور مشیر مقرر کیا۔[۵۱]

ایک اسلامی ریاست میں کسی یہودی کو غالباً یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ بادشاہِ وقت کا وزیر اور مشیر بن کر براہِ راست سب پر حکومت کرے، یہ درست ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے تحت میں اکثر یہودی مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے، اور مالی انتظاماتِ سلطنت بالخصوص اُن کے سپرد رہے، لیکن مسلمانوں کی مذہبی رواداری کبھی اس حد کو نہ پہنچی تھی کہ ایک یہودی سے حاجب اور وزیراعظم کا کام لیا جائے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بات کچھ غرناطہ ہی میں ممکن بھی تھی، کیونکہ یہاں بنی اسرائیل اس کثرت سے آباد تھے کہ غرناطہ کو بعض اوقات مدینۃ الیہود کہا جاتا تھا، چونکہ وہ بہت مالدار اور بارسوخ ہوتے تھے اس لیے ملکی معاملات میں بھی عملی طور پر اُن کو شریک کیا جاتا تھا، غرض غرناطہ میں بنی اسرائیل کو ارضِ موعود چاہے نہ ملی ہو مگر حریب کی پہاڑی اور صحرا کا منّ ضرور دستیاب ہوگیا تھا۔ سموایل کی ترقی کی ایک وجہ اور بھی تھی، بادشاہِ غرناطہ کے لیے کسی شخص کو حاجب کے عہدے کے لیے منتخب کرنا آسان بات نہ تھی، کیونکہ یہ ایسی ذمہ داری کا منصب تھا جس پر نہ کسی عرب کا اعتماد ہوسکتا تھا نہ کسی بربر کا، اُس زمانہ میں حاجب کا عالِم و ادیب ہونا ضروریات سے تھا تاکہ اعلیٰ درجے کی انشاپردازی کے ساتھ مقفیٰ و مسجع عبارت میں غیر ملک کے بادشاہوں کو ایسے خطوط لکھ سکے جو بادشاہوں کی توجہ کے قابل ہوں، اس قسم کی قابلیتوں کی قدر حبوس صاحبِ غرناطہ خاص طور پر کرتا تھا، اور جس طرح کوئی شخص پرانے امیروں کی نقل اُتار کر اپنے نو دولت ہونے کا عیب مٹاتا ہے اسی طرح حبوس اپنے ایک نیم وحشی قوم سے ہونے کا عیب بہت سی باتوں سے دور کرنا چاہتا تھا، اُس کو اپنے علم و فضل پر ناز تھا، اور اپنی قوم صنہاجہ کی نسبت دعویٰ تھا کہ وہ بربر نہیں بلکہ عربی النسل ہے، پس ضروری تھا کہ وہ ایک ایسا حاجب مقرر کرے جو قرب و جوار کی ریاستوں کے حاجبوں سے کسی بات میں کم نہ ہو، لیکن ایسا آدمی ملتا تو کہاں ملتا؟ بربر کا

---

[۵۱] جرنل الشیاٹک۔ سلسلہ ۴، حصہ ۱۶، صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۴

یہ حال تھا کہ لڑنا مرنا، شہروں کو لوٹنا اور جلانا خوب جانتے تھے، لیکن عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح لکھنا کسی کو نہ آتا تھا، رہے عرب، تو اُن کی کیفیت یہ تھی کہ وہ کسی بادشاہ کی حکومت کا جُوا اپنی گردن پر رکھنے میں غصے اور شرم سے لرز اُٹھتے تھے، اُن میں ایک آدمی بھی بھروسے کا نہ تھا، اپنے آقا کو دھوکا دینا اور وقت پر اُس سے بے وفائی کرنا اُن کے نزدیک ہرگز کوئی بُرا کام نہ تھا، ایسی صورت میں ایک یہودی کا مِل جانا، اور وہ بھی سموایل جیسی لیاقت کے یہودی کا مِلنا ایک بڑی نعمت معلوم ہوا، یہ ایسا یہودی تھا جو علمائے عرب کے نزدیک بھی عربی زبان کے تمام محاسن کو سمجھنے اور ادا کرنے پر قدرت رکھتا تھا، اپنے مذہب کا پابند تھا، لیکن جب مسلمانوں سے خط وکتابت کرتا تھا تو اُن کے بزرگانِ دین کا ادب ملحوظ رکھکر تعظیمی الفاظ اور جملے قاعدے کے بموجب اُن کے ناموں کے ساتھ لکھتا تھا۔[۵۱] (۶۰۹)

بادشاہِ غرناطہ نے جب سموایل کو وزارت کے لیے منتخب کیا تو اس انتخاب کو غرناطہ کے عربوں نے بھی پسند کیا، باوجودیکہ عرب یہودیوں سے اختلاف رکھتے تھے مگر سموایل کی لیاقت کے وہ بھی قائل تھے، اُس کا علم وفضل بہت بڑھا ہوا تھا، بڑا ریاضی داں اور منطق کا عالم تھا، علمِ ہیئت خوب جانتا تھا،[۵۲] اِس کے علاوہ سات زبانوں پر قادر تھا،[۵۳] شاعروں، اور عالموں کے حق میں بڑا فیاض تھا، اُن کو بہت انعام واکرام دیا کرتا تھا، اور وہ بھی اُس کی تعریف میں کوتاہی نہ کرتے تھے، شاعر منفتیل نے ذیل کے اشعار اُس کی نسبت لکھے تھے، اِن اشعار کو جن کا مطلب یہاں درج کیا جاتا ہے مسلمان مصنفوں نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے:-

"تُو اپنی ذات میں وہ صفات کُلّی طور پر رکھتا ہے جو دُوسروں میں جزوی طور پر نظر آتی ہیں، تُو نے سخاوت کو جو پابہ زنجیر تھی آزاد کردیا، تجھے مغرب اور مشرق کے

---

[۵۱] دیکھو ڈوزی کا دیباچہ ابنِ عذاری کی کتاب پر ص ۹۷

[۵۲] جرنل ایشیاٹک، سلسلہ ۴، حصہ ۱۶ ص ۲۰۹ تعلیقہ

[۵۳] جرنل ایشیاٹک ۔ ص ۹۶ تا ۹۷

اہل جود و سخا پر وہی فضیلت حاصل ہے جو سونے کو تانبے پر ہے، جو لوگ حق اور
باطل میں تمیز کر سکتے ہیں وہ تیرے ہاتھوں کو بوسہ دیں گے، خدا کو خوش کرنے کے
لیے حجر اسود کو بوسہ دینے کی بجائے اب وہ تیرے ہاتھ چومیں گے، یہ ہاتھ وہ ہیں
جو دنیا میں عیش و مسرت کے بخشنے والے ہیں، تیرے ہی طفیل سے اس دنیا میں
میرے دل کے ارمان نکلے ہیں، اور تیرے ہی طفیل سے امید رکھتا ہوں کہ عاقبت
میں میری بھلائی ہوگی، تیرے سامنے میں علی الاعلان اپنے مذہب پر جس میں سبت
کا حکم ہے عمل رکھتا ہوں، لیکن جب میں اپنے لوگوں میں آتا ہوں تو خفیہ طور پر
اس کا پابند ہوتا ہوں"۔

سموایل نے عبرانی ادب کی جو جو خدمتیں کی تھیں عرب اُن کی قدر نہ کر سکتے تھے، یہ
خدمتیں بہت تھیں، اُس نے تالمود کی شرح عبرانی زبان میں لکھی، اور عربی نحو پر بائیس جلدیں
تصنیف کیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب الثروت تھی، جسکی نسبت ایک مشہور یہودی
نحوی نے لکھا ہے کہ نحو میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے"۔

سموایل شاعر بھی تھا، اور عہد نامہ عہدِ عتیق سے زبور، امثال، اور کتاب الواعظ
کی منظوم شرح لکھی، اس شرح میں تلمیحات، عربی ضرب الامثال، حکمار کے اقوال، اور مذہبی
شاعروں کی تصانیف سے مشکل فقرے اور جملے اس کثرت سے منقول تھے کہ شرح کی عبارت
نہایت ادق ہوگئی تھی، بڑے بڑے یہودی عالم بھی اس شرح کے معنی بغیر شرح کی شرح
پڑھے مشکل سے سمجھ سکتے تھے[۱]، چونکہ عبرانی زبان میں عربی زبان کی طرح جس پر عبرانی ادب
کو ڈھالا گیا ہے باریکیاں اور دقت طلب الفاظ کی بھرمار اُس زمانہ میں عام تھی اس لیے
عبارت کو مشکل و مبہم کر دینا بجائے عیب کے صواب سمجھا جاتا تھا۔

سموایل یہودی کو طلبہ سے بہت محبت تھی، اور وہ اُن پر اُن کے والدین کی مثل نظر
شفقت رکھتا تھا، طلبہ میں جو مفلس ہوتے تھے اُن کا کفیل ہو جاتا تھا، کاتب مقرر کر رکھے تھے

[۱] جرنل ایشیاٹک ص ۲۲۲ تا ۲۲۴

جو شنا اور تالمود کی نقلیں تیار کرتے تھے ۔ یہ نقلیں ایسے تنگدست طلبہ کو جو کتاب خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے مفت دیجاتی تھیں ۔

سموایل کی سخاوت صرف اپنے اندلسی بھائیوں ہی تک محدود نہ تھی ، افریقیہ ، صقلیہ ، یروشلم ، بغداد ، بلکہ تقریباً ہر جگہ کے یہودیوں کو اُس کی فیاضی اور سخاوت کا بڑا سہارا تھا ۔[۵۱] ریاست غرناطہ کے یہودیوں نے ۱۰۲۷ء (۴۱۸ھ) میں سموایل کو اُس کی عنایات کے شکریہ میں "نغید"[۵۲] یعنی "بنی اسرائیل میں شہزادے" کا لقب دیا تھا ، تدبیرِ مملکت میں سموایل اپنی دانائی اور فہمِ رسا کی مدد سے نہایت احتیاط اور مضبوطی سے کام کرتا تھا ، بات کم کرتا اور سوچتا زیادہ تھا ، یہ دونوں باتیں ایک مُدبّر سیاست کی خوبیوں میں شمار ہوئی ہیں ، واقعات جیسے کچھ بھی پیش آئیں سموایل ہمیشہ دانائی اور فراست کو کام میں لاکر اُن سے اپنا فائدہ نکالتا تھا ، انسان کی خصلتوں اور جذبات پر ہمیشہ غور کرتا تھا ، اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُن کو بُرائیوں سے کیونکر پاک کیا جا سکتا ہے ،

سموایل علاوہ اِن خوبیوں کے ایک نہایت مہذب اور شائستہ دنیا دار بھی تھا ، قصرِ حمرہ کے عالیشان کمروں میں وہ اِس بے تکلفی کی شان سے نقل و حرکت کیا کرتا تھا کہ گویا ہمیشہ سے دولت و ثروت میں پرورش پائی ہے ، گفتگو میں شائستگی و مدارات ، خوشامد میں عمدہ اسلوب ، دوسروں کے قلب کو مسخر و مسرور کر دینے کی لیاقت ، فصیح و بلیغ الفاظ میں پختہ دلائل پیش کر کے فریقِ مخالف کو اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت سموایل میں ایسی تھی کہ کسی اَور میں نظر نہ آتی تھی ۔

باوجود اِن سب اوصاف کے سموایل کی طبیعت میں اُس غرور اور تکبر کا پتہ بھی نہ تھا جو ادنیٰ حالت سے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے میں اکثر لوگوں میں پیدا ہو جاتا ہے ، اُس کی ہر ادا سے مہربانی اور مُروّت ظاہر تھی ، اور معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت ہی ایسی لے کر پیدا ہوا ہے جس میں

---

[۵۱] جرنل ایشیاٹک ص ۲۰۹

[۵۲] اسی خطاب کی وجہ سے عربی میں سموایل کا نام ابن نغدالہ ہوا تھا ۔

غرور نام کو نہیں، سموایل اپنی پہلی ادنیٰ حالت پر شرمندہ ہونے کی بجائے اُس پر فخر کرتا تھا، اور کچھ ایسا اثر رکھتا تھا کہ دشمنوں کی زبان اُس کے سامنے بند رہتی تھی۔[۵]

زہیر صاحب المریہ کا وزیر ابنِ عباس بھی سموایل سے کچھ کم نہ تھا، بیان ہوا ہے کہ چار باتوں میں یعنی زورِ تحریر، دولت، طمع اور غرور میں اُس کا کوئی نظیر نہ تھا، اُس کی دولت ایک قصہ معلوم ہوتی تھی، پانچ لاکھ سکۂ زر (جس کی قیمت آجکل کے حساب سے تقریباً دو کروڑ روپیہ ہوتی ہے) اُس کے خزانے میں تھے، اُس کا قصر شاہانہ تکلفات سے آراستہ تھا، نوکر چاکر بکثرت تھے، پانچ سو گانے والیاں نہایت حسین وجمیل ملازم تھیں، اور سب سے زیادہ قابلِ تعریف بات یہ تھی کہ ایک بہت بڑا کتب خانہ رکھتا تھا جسمیں بےشمار رسائل کے علاوہ چار لاکھ کتابیں تھیں، کسی چیز کی جو انسان کی مسرت کا موجب ہو اُس کے لیے کمی نہ تھی، خوبصورت تھا اور ابھی جوان تھا، کیونکہ عمر ابھی تیس برس سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، عالی نسب تھا، پرانے اور شریف خاندان انصار کی یادگار تھا، دولت کی انتہا نہ تھی، چونکہ تعلیم وتربیت یافتہ، حاضر جواب، اور تحریر وتقریر پر بے حد قادر تھا، اِس لیے علمی شہرت بھی اُسے حاصل تھی، لیکن بدقسمتی سے ایک عیب اُس میں حد سے گذرا ہوا تھا، اور وہ یہ کہ (۶۱۱) غرور ونخوت اور کبر وپندار کی کوئی انتہا نہ رہی تھی. اور اُس کی وجہ سے بکثرت دشمن پیدا کرلیے تھے، قرطبہ کے لوگوں کو بالخصوص اُس سے عداوت تھی، کیونکہ ایک مرتبہ جب زہیر کے ساتھ اُسے قرطبہ جانے کا اتفاق ہوا تو قرطبہ کے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی وہ غرور سے پیش آیا جو قابلیت اور عالی نسبی میں بہت ممتاز تھے، اور چلتے وقت اُن سے کہدیا کہ قرطبہ میں سوائے سائلوں اور جاہلوں کے کوئی اور نظر نہ آیا۔ غرور اور تکبر اِس میں جنون کی حد کو پہنچا ہوا تھا، ایک جگہ اپنے اشعار میں لکھ گیا کہ "اگر تمام بنی نوعِ انسان میرے غلام ہوتے تو بھی میرے دل کو تسکین نہ ہوتی، میں خوش ہوکر آسمان کے ستاروں تک پہنچتا اور وہاں سے بھی اَور بلندی پر جانے کی جستجو کرتا۔" ابنِ عباس شطرنج کھیلتے وقت

[۵] دیکھو ڈوزی کا دیباچہ ابنِ عذاری کی کتاب پر۔ ص ۹۶ تا ۹۷

کسی شاعر کے دو مصرعے پڑھا کرتا تھا جن کا مضمون تھا کہ " جب میں قریب سے گذرتا ہوں تو طالع بد سویا کرتا ہے، چونکہ اُسے میری طرف دیکھنے کا حکم نہیں، اس لیے وہ بیدار نہیں ہوتا "۔

قسمت کو اس طرح ہیچ سمجھنے پر المریہ کے لوگوں کو ابن عباس پر غصہ آیا، اور ایک شاعر نے عوام کے خیالات کا آئینہ بن کر دوسرے مصرع کا مضمون اس طرح تبدیل کیا کہ ابن عباس کے حق میں آگے چل کر وہ بالکل صحیح ثابت ہو گیا۔ بدلے ہوئے مصرع کا مضمون یہ تھا " لیکن مشیت جو کبھی فنا نہیں ہوتی ایک دن نمودار ہو گی اور طالع بد کو بیدار کر دے گی "۔

چونکہ ابن عباس خالص نسل عرب سے تھا، اس لیے بربر اور یہودیوں دونوں سے نفرت کرتا تھا، غالباً وہ اس بات کو بھی ناپسند کرتا تھا کہ اُس کا آقا زہیر عربوں اور صقالبہ کے اتحاد میں شرکت کرے، کیونکہ اس صورت میں زہیر کا مرتبہ اتحاد کے سرگروہ قاضی ابوالقاسم محمد کے رتبہ سے کم ہو جائیگا۔

ایک دوسرا سبب اس اتحاد کو ناپسند کرنے کا یہ تھا کہ اپنے آقا زہیر کو ایک بربر (حبوس صاحب غرناطہ) سے اتفاق کرتے ہوئے دیکھنا، جس کا وزیر ایک خبیث یہودی ہو، ابن عباس کو کسی طرح گوارا نہ تھا۔

بنی حمود مالقہ کے وزیر ابن بقنہ سے مل کر ابن عباس نے سموایل کو گرانے کی کوشش کی، اور اس کوشش میں سموایل کی بیجد مذمت شروع کی، مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا، اس کے بعد ابن عباس اس کے درپے ہوا کہ اپنے آقا زہیر صاحب المریہ اور حبوس صاحب غرناطہ میں ناچاقی پیدا کرا دے، اور پھر والی قرمونہ ابن عبداللہ برزالی کو جو حبوس بادشاہ غرناطہ کا دشمن تھا زہیر کی طرف سے کمک پہنچوا دے، اس کوشش میں ابن عباس کامیاب ہو گیا۔

جون ۱۰۳۸ء (رمضان ۴۲۹ھ) میں حبوس صاحب غرناطہ کا انتقال ہو گیا، اُس نے دو بیٹے چھوڑے، بڑے کا نام بادیس اور چھوٹے کا بلکین تھا، بربر اور بعض یہودیوں نے (۲/۱۲) چاہا کہ بلکین کو باپ کا جانشین کیا جائے، لیکن باقی یہودی جن میں سموایل بھی تھا، بادیس

کے طرفدار ہو گئے، عربوں نے بھی بادیس ہی کو بادشاہ بنانا پسند کیا،

اِس نزاع پر ضرور خانہ جنگی ہو جاتی، مگر بلکین نے تخت کے دعوے سے دست بردار ہو کر اپنے بھائی بادیس کی بیعت کر لی، پھر اُس کے کُل فریق نے بھی بادیس کی اطاعت قبول کر لی۔[۵۱]

بادیس نے غرناطہ کا بادشاہ ہو کر زہیر صاحب المریہ سے ازسرِ نو اتحاد قائم کرنا چاہا، زہیر نے بادیس کو لکھا کہ ملاقات کے وقت سب باتیں طے ہو جائیں گی، اور اب زہیر اپنے حشم و خدم کے ساتھ المریہ سے نکل کر اچانک غرناطہ پہنچ گیا، یہاں نہ کسی کو اُس کے آنے کا خیال تھا، اور نہ اُس نے سرحد عبور کرنے کے لیے بادیس سے اجازت لی تھی، بادیس زہیر کی اِس حرکت سے بہت پریشان ہوا، تاہم اُس نے بہت عزت سے زہیر کا استقبال کیا، اور اُس کی خاطر و مدارات میں مصروف ہوا، اُس کے ہمراہیوں کی بڑے اہتمام سے مہمانداری کی اور اُن کو انعام و تحائف دیے۔

مگر بادیس اور زہیر کی اِس ملاقات کا کچھ نتیجہ نہ ہوا، نہ یہ دونوں بادشاہ کسی بات پر متفق ہوئے اور نہ اُن کے دونوں وزیر، بلکہ زہیر نے اپنے وزیر ابن عباس کے اِشارے سے بادیس بادشاہِ غرناطہ کے ساتھ مغرورانہ برتاؤ کیا، بادیس اِس فکر میں ہوا کہ زہیر کی اِس گستاخی کا بدلہ کیونکر نکالے، لیکن بادیس کے ایک ملازم نے جس کا نام بھی بلکین تھا، دونوں بادشاہوں میں مصالحت کی کوشش کی، بلکین رات کے وقت زہیر کے وزیر ابن عباس کے پاس گیا، اور اُس سے کہا کہ "خدا کے غضب سے ڈرو، تم مصالحت نہیں ہونے دیتے اور اپنے آقا زہیر کو تم نے اپنے قابو میں کر رکھا ہے، تمہیں یاد ہو گا کہ جب ہم تم مل کر کام کرتے تھے تو ہر بات میں کامیاب رہتے تھے اور سب لوگ ہم پر رشک کرتے تھے، پس اُسی پُرانی دوستی اور اتحاد کو پھر قائم کرو، جو بات اِس اتحاد میں مخل ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم محمد ابنِ عبد اللہ برزالی صاحبِ قرمونہ کی مدد کرتے ہو، اِس والیِ قرمونہ کو اب اُس کے

---

[۵۱] جرنل ایشیاٹک، سلسلہ ۴، حصہ ۱۶، ص ۲۰۶ تا ۲۰۸

حال پر چھوڑ دو، اور اس سے کچھ واسطہ نہ رکھو، جیسے کہ ہمارے امیر بادیس کی خواہش ہے پھر سب باتیں درست ہو جائیں گی۔"

ابن عباس نے بلکین کی اس تقریر کا جواب بُری طرح دیا، اور بلکین نے جب ابن عباس کو گلے لگا کر اور رو رو کر اپنا ہم خیال بنانا چاہا تو ابن عباس نے کہا "نہ تمہارے الفاظ سے اور نہ تمہاری اس گریہ وزاری سے میرے دل پر کوئی اثر ہو سکتا ہے، میں نے تم سے کل جو کچھ کہا تھا آج بھی وہی کہتا ہوں کہ اگر تم اور تمہارے آقا ہماری بات نہ مانیں گے تو پھر دکھا دونگا کہ اخیر میں تم کو کیسی پشیمانی اُٹھانی پڑتی ہے۔" بلکین یہ گفتگو سن کر طیش میں آگیا، اور کہنے لگا "کیا تمہارا یہی جواب ہے جو میں مجلس کے سامنے کہوں؟"

ابن عباس نے کہا "ہاں یقینی میرا یہی جواب ہے، اور جن الفاظ میں میں نے تم سے گفتگو کی ہے، اگر اُن سے بھی بدتر الفاظ میں میرا جواب مجلس کو سُنانا چاہو تو میں بے تکلف تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔"

(۶۱۲)

بلکین غصہ سے آنکھوں میں آنسو بھرے بادیس اور مجلس کے سامنے آیا، اور ابن عباس کی گفتگو نقل کر کے کہا "صنہاجیو! اس ابن عباس کا غرور ناقابلِ برداشت ہے، اُٹھو، اور اُسے خاک کا پیوند بنا دو، ورنہ تمہارے گھر تمہارے گھر نہ رہیں گے۔" غرناطہ کی مجلسِ سیاسی کے ارکان کو بھی ابن عباس پر غصہ آیا، لیکن بلکین برادرِ بادیس تو غصہ سے بالکل ہی بیتاب ہو گیا، اور اُس نے اپنے بھائی بادیس سے کہا کہ ان المریہ والوں کو فوراً سزا ملنی چاہیئے، بادیس نے وعدہ کر لیا کہ ضرور سزا دی جائیگی۔

زہیر کو غرناطہ سے المریہ واپس آنے میں بہت سے پہاڑی دروں اور ایک پُل سے سے گذرنا پڑتا تھا، اس پُل کے قریب ایک گاؤں تھا جو اُسی پُل کی رعایت سے البونت کہلاتا تھا (پوانتی لاطینی زبان میں پُل کو کہتے ہیں) بادیس نے حکم دیا کہ اس پُل کو کاٹ دیا جائے اور پہاڑی دروں میں فوج بٹھا دی جائے،

بادیس نے یہ حکم تو دیا، لیکن اُس کو اپنے بھائی بلکین کی طرح زہیر پر غصہ نہ تھا، اور اُس کو اب تک اپنے باپ کے دوست سے قطعی نا اُمیدی نہ تھی، بادیس کا خیال تھا کہ

شاید زہیر اب بھی مصالحت کرلے، چنانچہ بادیس نے ارادہ کیا کہ زہیر کو راستے کے خطروں سے پورے طور پر آگاہ کردے، اس غرض سے اُس نے ایک بربر کو جو المریہ کی فوج میں افسر تھا درمیانی بنایا، اس بربر نے رات کے وقت زہیر سے مل کر کہا "اے امیر! میری بات کا یقین کیجئے، جس راستہ سے آپ المریہ کو واپس جا سکتے ہیں، اُس میں کل چند مشکلات پیدا کی جائیں گی، بیشتر اس سے کہ یہ مشکلات پیدا کی جائیں بہتر ہے کہ آپ آج اسی وقت یہاں سے روانہ ہوجائیں، اس صورت میں غرناطہ کی فوج پہاڑی دروں تک پہنچنے نہیں پائے گی کہ آپ وہاں سے نکل جائیں گے، اور اگر اس فوج نے آپ کا تعاقب بھی کیا تو آپ کھلے میدانوں میں اُس کا مقابلہ کرسکیں گے، یا اپنے کسی قلعے میں پناہ لے سکیں گے۔"

زہیر کو یہ صلاح مناسب معلوم ہوئی، لیکن ابن عباس جو اس تقریر کے وقت موجود تھا کہنے لگا کہ "خوف اس بربر کے منہ سے یہ باتیں کہلوا رہا ہے۔" بربر افسر نے جواب دیا "کیا میری نسبت آپ کو خوف کا گمان ہے؟ حالانکہ میں بیسیوں لڑائیوں میں لڑ چکا ہوں، آپ نے تو آج تک لڑائی کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی، اب آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ صحیح نکلتا ہے یا غلط۔" اتنا کہہ کر بربر افسر زہیر سے رخصت ہوا،

ابن عباس کے دشمنوں نے جو بکثرت تھے بیان کیا ہے کہ بربر افسر کی صلاح اس لیے ابن عباس نے نہیں مانی تھی کہ دراصل وہ اپنے آقا زہیر کی موت چاہتا تھا، ان دشمنوں کا بیان ہے کہ ابن عباس فی الواقع المریہ کا بادشاہ بننا چاہتا تھا، وہ سمجھ گیا تھا کہ غرناطہ کے لوگ زہیر کو ضرور قتل کردیں گے، اور خود یہ سوچ لیا تھا کہ اُس کے قتل ہوتے ہی بھاگ کر المریہ پہنچونگا اور وہاں اپنی بادشاہی کا اعلان کردونگا،

دشمنوں کے اس بیان میں کسی قدر سچ ضرور تھا، کیونکہ آگے چل کر ہم پڑھیں گے کہ ابن عباس نے صاحب غرناطہ بادیس کے سامنے فخریہ کہا تھا کہ "میں نے زہیر کو دیدہ ودانستہ جال میں پھنسایا تھا" غرض یہ جو کچھ بھی ہو زہیر جب غرناطہ سے المریہ کو روانہ ہوا تھا

روانگی کے دوسرے دن راستے میں دیکھا کہ غرناطہ کی فوجوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے (۳ر اگست ۱۰۳۸ء مطابق ۲۸ر شوال ۴۲۹ھ بروز پنجشنبہ)

(۶۱۴) زہیر کے سپاہی ڈرے، لیکن خود زہیر نہیں گھبرایا، فوراً حبشی واندلسی فوج کے پانچ سو جوانوں کو لڑائی کے لیے صف بستہ کیا، اور اپنے سپہ سالار ہذیل کو حکم دیا کہ صقالبہ کے سواروں کو لے کر دشمن پر دھاوا کرے، ہذیل نے حکم کی تعمیل کی، لڑائی ابھی پوری شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہذیل یا تو برچھی کھاکر، یا گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے زمین پر گرا، اُس کے گرتے ہی سوار میدان سے بھاگے، زہیر کے حبشی سپاہیوں نے جن پر زہیر بیحد بھروسہ کرتا تھا عین وقت پر اپنے آقا کو دغا دی، اِن حبشیوں نے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور پھر دشمن سے جا ملے، اب زہیر کے ساتھ صرف اندلسی سپاہی رہ گئے، جن میں سپاہیانہ قابلیّت ہمیشہ سے کم تھی، اُن کو سوائے میدان چھوڑنے کے دوسرا خیال نہ تھا، زہیر نے سمجھ لیا تھا کہ شکست یقینی ہے، اِس لیے جب یہ اندلسی بھاگے تو وہ بھی اُن کے ساتھ ہو گیا، چونکہ موضع البونت والا پُل توڑ دیا گیا تھا اس لیے بھاگنے والوں کو پہاڑوں میں اندر جا کر پناہ لینی پڑی، اِن میں سے بہت لوگوں کو غرناطہ کے فوجیوں نے قتل کر دیا، جو ہاتھ لگا اُسے جیتا نہ چھوڑا، جو قتل ہونے سے بچے اُنہیں پہاڑوں سے نیچے گرا کر ختم کر دیا، انہی میں زہیر صاحب المریہ بھی تھا۔

عہدہ دارانِ دیوانی جو زہیر کے ہمراہ تھے گرفتار کر لیے گئے، بادیس نے حکم دیا کہ اُن میں کسی کو جان سے نہ مارا جائے، ابنِ عباس بھی انہی گرفتار شدہ لوگوں میں تھا، اُسے اپنی جان کا خوف مطلق نہ تھا، جو کچھ خوف تھا وہ اپنی کتابوں کا تھا، بار بار یہی زبان پر تھا "واللہ، معلوم نہیں میرے سامان کا کیا درجہ ہوگا؟" غرناطہ کے سپاہی جب اُسے پکڑ کر بادیس کے سامنے لے جانے لگے تو راستے میں سپاہیوں سے کہا "دیکھو! اپنے آقا سے کہہ دینا کہ وہ میرے سامان کی بہت احتیاط کرے، کیونکہ اُس میں ایسی کتابیں ہیں جن کا مول نہیں ہے۔" جس وقت بادیس کے سامنے آیا تو ہنس کر کہنے لگا "اقرار کرو کہ میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔" اِس کے بعد المریہ کے عہدہ دار جو گرفتار

تھے اُن کی طرف اشارہ کر کے کہا "کیونکہ اِن کتّوں کو میں نے تمہارے حوالے کر دیا ہے بس اب اِس احسان کا بدلہ کرو اور حکم دو کہ میری کتابوں کی احتیاط کی جائے، اِس لیے کہ وہ مجھ کو دل سے عزیز ہیں۔"

جس وقت ابن عباس یہ گفتگو کر رہا تھا تو المریہ کے قیدی اُس کو غضب کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے؛ اِن قیدیوں میں سے ایک فوجی افسر تھے جس کا نام ابنِ شبیب تھا، بادیس سے کہا "یا امیر! میں آپ کو اُس ذاتِ پاک کی قسم دلا کر جس نے آپ کو فتحمند کیا ہے کہتا ہوں کہ اِس بدبخت کو جس نے اپنے آقا اور مالک کے ساتھ دغا کی ہے ہرگز رہا نہ کیجئے گا، یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب اِسی کی حرکتوں کا نتیجہ ہے، اے کاش! میں اسکو سزا پاتے دیکھ لوں، اِس کے بعد چاہے میرا سر ہی کیوں نہ اُتار لیا جائے۔"

یہ گفتگو سن کر بادیس ہنسا، اور ابنِ شبیب کو اُس نے فوراً رہا کر دیا، مگر کسی اور سپاہی کو زندہ نہ چھوڑا، اور سپاہیوں کے علاوہ جو لوگ گرفتار ہوئے تھے وہ بھی قتل کر دیے گئے۔ دیوانی کے عہدہ داروں میں صرف ابن عباس ایسا تھا جسے رہا نہیں کیا گیا، اِس وقت یہ مغرور اور سرکش وزیر اُس طالع بد کے سامنے کھڑا تھا جسے مجنونانہ غرور میں اُس نے کوئی چیز نہ سمجھا تھا، اور المریہ کے شاعر کی پیشین گوئی کہ "مشیت نمودار ہو کر بدبختی کو بیدار کر دے گی" پوری ہو گئی، الحمرہ کے ایک تاریک حجرہ میں ابن عباس قید کر دیا گیا، بیس سیر وزن کی زنجیریں اُس کے پاؤں میں ڈال دی گئیں، وہ خوب جانتا تھا کہ بادیس کو اُس پر غصہ ہے، اور بادیس کا وزیر سموایل اُسے جان سے مارنے کی فکر میں ہے، لیکن امید کی ایک رمق اب تک دِل میں باقی تھی، رہائی کے لیے بیس ہزار سِکّہ زر بادیس کو نذر دینے کے لیے کہا، بادیس نے سوچ سمجھ کر جواب دینے کو کہا، تقریباً دو مہینے اِسی میں گذر گئے، اور بادیس نے کچھ فیصلہ نہیں کیا، دربارِ غرناطہ پر مختلف لوگوں نے مختلف طور پر زور ڈالا، ایک طرف قرطبہ کا سفیر تھا، جو مُصر تھا کہ ابن عباس کو فوراً رہا کر دیا جائے، دوسری طرف صاحبِ بلنسیہ عبدالعزیز عامری کا سفیر اور بہنوئی ابوالاحواز معن ابنِ صمادح چاہتا تھا کہ تمام قیدی بلا استثنا رقتل کر دیے

(۶۱۵)

جائیں، اور جو شخص سب سے پہلے قتل کیا جائے وہ ابن عباس ہو، عبدالعزیز المریہ کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ اپنے کو اس کا مستحق اس بنا پر سمجھتا تھا کہ زہیر اسکے خاندان کا مولیٰ تھا، مگر اسے خوف تھا کہ اگر ابن عباس زندہ رہا، اور اور قیدی رہا کر دیے گئے تو یہ سب المریہ پر عبدالعزیز کا قبضہ نہ ہونے دیں گے، بادیس بھی شش و پنج میں تھا، ایک طرف روپیہ کا لالچ تھا، دوسری طرف انتقام کی خواہش تھی، اسی تردد میں تھا کہ ایک دن ھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا، اس کا بھائی بلکین ہم رکاب تھا، بادیس نے بلکین سے ابن عباس کا ذکر کیا، اور کہا کہ "وہ تیس ہزار اشرفیاں بطور زر فدیہ دینے کو کہتا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟" بلکین نے کہا "اگر آپ نے ابن عباس کو روپیہ لے کر چھوڑ دیا تو پھر وہ ایک ایسی جنگ چھیڑ دے گا جس کے مصارف اس زر فدیہ سے دوچند ثابت ہوں گے، میری رائے میں تو اس کا فوراً قتل کر دینا بہتر ہوگا"۔

بادیس جب واپس آیا تو ابن عباس کو طلب کیا، جب وہ حاضر ہوا تو جس قدر بے انصافیاں اس نے کی تھیں ان پر بادیس نے اسے سخت وسست کہا، ابن عباس بالکل خاموش نہایت صبر کے ساتھ بادیس کی لعنت و ملامت سنتا رہا، جب بادیس خاموش ہوا تو ابن عباس نے کہا "مجھ پر رحم کرو، مصیبتوں سے مجھے آزاد کرو"، بادیس نے کہا "مصیبتوں سے تو ابھی رہائی ملی جاتی ہے، لیکن جہاں تمہیں جانا ہے وہاں کی مصیبتیں بہت سخت ہوں گی"۔ اس پر ابن عباس کچھ نہ بولا، بادیس نے اپنے بھائی بلکین سے کچھ باتیں بربری زبان میں کیں، جن کو ابن عباس مطلق نہ سمجھا، لیکن بادیس کے آخری جملے اور خونی انداز سے سمجھ گیا کہ بس اب وقت آگیا، ابن عباس نے کہا "بادیس! میرے خون سے پرہیز کر، میرے اہل و عیال پر رحم کر، تیس ہزار اشرفیاں نہیں مجھے اپنی جان کے بدلے ساٹھ ہزار اشرفیاں دینی منظور ہیں"۔ (۶۱۶)

بادیس نے یہ باتیں سن کر منہ سے کچھ نہ کہا، اور ایک نیزہ اٹھا کر ابن عباس کے سینے پر مارا، بادیس کے بھائی بلکین اور وزیر علی ابن گروی نے بھی نیزے مارے، اور ابن عباس سترہ زخم کھا کر ختم ہو گیا (۴ ستمبر ۱۰۳۸ء مطابق یکم ذی الحجہ ۴۲۹ھ بروز دوشنبہ)

تھوڑے ہی دن میں اہلِ غرناطہ کو معلوم ہوا کہ دولتمند اور مغرور ابنِ عباس مارا گیا، بربر دل میں بہت خوش ہوئے، لیکن جس قدر خوشی اس خبر سے سموایل کو ہوئی اور کسی کو نہ ہوئی، اب اِس یہودی کا صرف ایک دشمن اور باقی رہ گیا تھا، اور وہ ابنِ بقنّہ تھا، سموایل کو ایک فال سے معلوم ہو گیا تھا کہ ابنِ بقنّہ بھی جلد مارا جائیگا، یہودی اور عرب سب کو یقین تھا کہ رات کے وقت جب پہرا بدلا جاتا ہے تو غیب سے آوازیں سُنائی دیتی ہیں، ایک رات سموایل کو سوتے سوتے عبرانی زبان میں تین مصرعے سُنائی دیے جن کا مضمون تھا:-

"ابنِ عباس اور اُس کے بڑے دوست مر چکے ہیں، خدا کی تعریف ہو، اُس کے نام کو بزرگی ہو، دوسرا وزیر جو ابنِ عباس کا شریک تھا وہ بھی گرے گا، اور مارا جائے گا، وہ اُن کی دھمکیاں، اور عداوتیں، اور زور کیا ہوئے؟ آخر کار وہ کچھ نہ کر سکے، خدا کا نام بڑا ہے۔" [۵]

ہمیں آگے چل کر معلوم ہو گا کہ سموایل نے خواب میں جو کچھ سُنا تھا وہ سچ نکلا، حقیقت یہ ہے کہ عداوت ہو یا محبت، آئندہ کا حال معلوم کرنے کے لیے اِنسان کے دماغ میں ایک عجیب قوّت پیدا کر دیتی ہے۔

اسناد:-

ابنِ بسّام ج ۱- ص ۱۲۲، ۱۷۱ تا ۱۷۵، ۲۰۰

رازی ص ۴۷

عباد (ڈوزی) ج ۲ ص ۳۴

المقری ج ۲ ص ۳۵۹، ۳۶۰

ابن الخطیب (قلمی نسخہ G) ص ۵۱ تا ۵۲، ۱۳۴ تا ۱۳۵

---

[۵] جرنل ایشیاٹک، سلسلہ ۴، حصہ ۱۶، ص ۲۱۲

کتابِ رابع (ملوک الطوائف)

تیسری فصل

ابوالفتوح

(۴۱۷) بادیس نے ابن عباس کو قتل کر کے نادانستہ اُس فریق کو قوت دیدی جو ہشام المؤید کو اب تک خلیفہ تسلیم کر رہا تھا، عبدالعزیز صاحب بلنسیہ نے زہیر کی موت کے بعد ریاست المریہ پر قبضہ کر لیا، مگر عبدالعزیز کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اپنے دوست قاضی ابوالقاسم محمد والیٔ اشبیلیہ کی مدد کر سکتا، کیونکہ عبدالعزیز کو بہت جلد صاحب دانیہ مجاہد کے حملوں سے اپنی ریاست کو بچانا پڑا، مجاہد یہ نہ دیکھ سکتا تھا کہ اُس کی ریاست سے متصل عبدالعزیز کی ریاستِ بلنسیہ کو وسعت حاصل ہوتی چلی جائے[۵۱]، بہرکیف قاضی

---

۵۱ عبدالعزیز ۴۳۳ھ (۱۰۴۱ء) میں المریہ سے چلا گیا تھا، اور حکومت اپنے ایک عزیز ابوالاحواز معن کے سپرد کر گیا تھا، دیکھو ڈوزی کی کتاب تحقیقات، ج ۱ ص ۲۴۱۔

ابوالقاسم محمد کو المریہ کی طرف سے اب جنگ کا کوئی اندیشہ نہ رہا، اور اِس لیے بربر سے لڑنے کے لیے پوری توجہ کرنے کا موقع مل گیا، سب سے پہلے محمد بن عبداللہ برزالی صاحب قرمونہ سے لڑنے کی ٹھیرائی، کیونکہ قاضی ابوالقاسم اور ابن عبداللہ برزالی میں مخالفت مُدّت سے چلی آتی تھی، اسی زمانہ میں قاضی ابوالقاسم محمد نے غرناطہ میں ایک فریق سے خط وکتابت شروع کی اور وہاں بغاوت پھیلانی چاہی، غرناطہ میں اب بہت لوگ بادیس سے ناراض رہنے لگے تھے، شروع زمانۂ حکومت میں بادیس سے رعایا کو اچھی اُمیدیں تھیں، لیکن رفتہ رفتہ وہ ظالم، حیلہ ساز، دشمنوں کے خون کا پیاسا، اور قابلِ شرم طریقہ پر مے خوار ثابت ہوا، غرض رعایا کی شکایتیں اور ناراضی بغاوت کا دیباچہ ہوگئیں اِس بغاوت کا سرغنہ باہر کا ایک شخص ابوالفتوح نامی تھا، اسپین اُس کا وطن نہ تھا، ایشیا میں جرجان کے ملک میں جس کا قدیم نام ہرکانیہ تھا پیدا ہوا تھا، بغداد میں مشہور اساتذہ سے ادب وحکمت وہیئت کی تعلیم حاصل کی تھی، صرف عالم ہی نہ تھا بلکہ شہسوار بھی تھا، شریر گھوڑوں کو رام کرنے، تیراندازی، اور تلوار چلانے میں بھی ویسی ہی مہارت تھی جیسے ایک نفیس نظم یا فلسفہ کے کسی دقیق مسئلہ پر ایک کتاب لکھنے میں کمال حاصل تھا، اسپین میں ابوالفتوح ۴۰۶ھ؁ ۱۰۱۵ء؁ میں بتلاشِ روزگار آیا تھا، کچھ زمانے تک مجاہد صاحب دانیہ کے دربار میں حاضر رہا، مجاہد صاحب دانیہ بھی بڑا زبردست عالم تھا، ابوالفتوح کبھی اِس عالِم بادشاہ سے علمی مباحث میں اور کبھی اپنی کتاب جمل کے لکھنے میں مصروف رہا، یہ مشہور کتاب اُس نے نحو پر لکھی تھی، ایک موقع پر مجاہد کے ساتھ ہوکر جزیرہ سردانیہ پر حملہ کرنے میں شریک ہوا، اکثر فلسفہ کے غوامض حل کرنے، یا علم نجوم سے آئندہ کی خبریں نکالنے میں اپنا وقت صرف کرتا۔

(۶۱۸) دانیہ سے ابوالفتوح سرقسطہ چلا گیا، جہاں منذر ابن یحییٰ تجیبی حکومت کرتا تھا، یہاں منذر نے شروع میں اُس کی بہت خاطر ومدارات کی، اور اپنے فرزند کا اُسے اتالیق مقرر کیا، مگر بقول ایک عربی مورخ کے جس نے بہت صحیح کہا ہے کہ "زمانہ بدلتا ہے، اور زمانہ کے ساتھ آدمی بھی بدل جاتے ہیں۔" ایک دن منذر نے ابوالفتوح سے کہا کہ

اب مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے اور بہتر ہے کہ آپ سرقسطہ چلے جائیں۔"

ابوالفتوح، سرقسطہ سے نکل کر غرناطہ میں آباد ہوگیا، اور یہاں عربوں کی قدیم شاعری پر، بالخصوص اُس مجموعۂ نظم پر جس کا نام حماسہ[۵] ہے درس دینے لگا، لیکن افسوس ہے کہ اِس درس وتدریس کے علاوہ اُس کو اور کاموں کے لیے بھی وقت مل گیا، یہ معلوم کرکے کہ غرناطہ میں بادیس کے خلاف بہت لوگ ہیں، اُس نے بادیس کے عمزاد یعذیر کو حکومت کی طمع دلائی، اور اُسے باور کرایا کہ بادیس کا عنقریب تخت سے اُتارا جانا اوضاعِ کواکب سے ثابت ہوتا ہے، اور یہ کہ یعذیر بیس[۲] برس تک صاحبِ تاج وتخت رہے گا، اِس طریقہ سے ابوالفتوح نے بادیس بادشاہِ غرناطہ کے خلاف ایک سازش کی بنا ڈال دی لیکن سازش ابھی پختہ نہ ہونے پائی تھی کہ بادیس کو خبر ہوگئی، یعذیر اور اُس کے ہواخواہوں کو جو سازش میں شریک تھے، مشکل سے اتنا وقت مِلا کہ جان بچا کر بھاگ سکیں، غرض بمشکل یہ سب غرناطہ سے بھاگ کر اشبیلیہ میں قاضی ابوالقاسم محمّد کے پاس پہنچے، قاضی ابوالقاسم بھی غالباً اِس سازش میں معاون تھے، گو یہ نہیں دریافت ہوسکا کہ وہ کس حد تک اِس میں شریک تھے۔

اِسی اثنا میں قاضی ابوالقاسم محمد نے ابن عبداللہ برزالی صاحبِ قرمونہ کے علاقہ پر فوج کشی کا حکم دیا، قاضی ابوالقاسم محمّد کے فرزند اسماعیل کی سرکردگی میں اشبیلیہ کی فوجوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں، اشونہ اور استجہ کے شہروں کو مجبور کیا کہ وہ اطاعت قبول کریں، قرمونہ کا محاصرہ کرلیا، جب قرمونہ میں ابنِ عبداللہ برزالی کی حالت نازک ہوئی تو اُس نے ادریس صاحبِ مالقہ اور بادیس بادشاہِ غرناطہ سے مدد طلب کی، ان دونوں نے برزالی کی درخواست منظور کی، ادریس اُس زمانہ میں بیمار تھے، اُنھوں نے اپنے وزیر ابنِ بقنہ کی سرکردگی میں فوجِ کمک روانہ کی، بادیس خود فوج لے کر چلا، جب غرناطہ اور مالقہ کی فوجیں ایک جگہ ہوگئیں تو اسماعیل نے اُن سے لڑنا چاہا، لیکن

---

[۵] ابوتمام کی کتاب حماسہ کے حالات کے لیے دیکھو آر۔ اے۔ نکلسن کی کتاب "عربوں کی ادبی تاریخ" مطبوعہ ۱۹۰۷ء ص ۱۲۹ تا ۱۳۰، حماسہ کا ترجمہ جرمن زبان میں الفرڈ روکرٹ نے کیا ہے۔

بادیس اور ابن بقنہ نے یہ دیکھ کر یا محض فرض کر کے کہ اسماعیل کی فوج تعداد میں زیادہ ہے لڑنا پسند نہیں کیا، اور ابن عبداللہ برزالی صاحب قرمونہ کو اس کی قسمت پر چھوڑ ابن بقنہ مالقہ کو اور بادیس غرناطہ کو واپس چلے آئے ۔ اسماعیل نے غرناطہ کی فوج کا تعاقب کیا، خوش قسمتی سے ابن بقنہ کو بادیس سے علیحدہ ہوئے صرف ایک ہی گھنٹہ ہوا تھا، بادیس نے مدد کے لیے ابن بقنہ سے پلٹنے کو کہا، ابن بقنہ فوراً واپس آیا، اب مالقہ اور غرناطہ کے لشکر استجہ کے قریب یکجا ہو کر بہت ترتیب کے ساتھ اسماعیل کے حملے کے منتظر ہو گئے ۔

(۶۱۹) اشبیلیہ کی فوجیں اس خیال میں تھیں کہ فقط بھاگتے دشمن کا پیچھا کرنا ہے، لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ دشمنوں کے دونوں لشکر (یعنی غرناطہ اور مالقہ کے لشکر) لڑائی کے لیے صف بستہ ہیں تو انہیں تعجب ہوا ، اس تعجب و حیرت کی حالت میں پہلے ہی حملے پر اشبیلیہ والوں کی صفوں میں ابتری پڑ گئی، اسماعیل نے بہت کوشش کی کہ اپنی فوج کو پراگندہ نہ ہونے دے ، مگر وہ خود ہی اپنی ہمت و مردانگی کا شکار ہو گیا ، اور پہلا شخص جو اس لڑائی میں مارا گیا ، وہ خود اسماعیل تھا، اسماعیل کے کام آتے ہی اشبیلیہ کی فوج نے میدان سے بھاگنے ہی میں اپنی جان کی سلامتی دیکھی۔

بادیس نے یہ لڑائی آسانی سے سر کر کے استجہ کے دروازے کے سامنے اپنا خیمہ نصب کیا ہی تھا کہ یکایک ابوالفتوح آیا اور بادیس کے قدموں میں گر پڑا ، بیوی بچوں کی محبت نے اُس کو اس حرکت پر مجبور کیا، غرناطہ سے ایسی جلدی میں بھاگا تھا کہ اہل و عیال کو وہیں چھوڑنا پڑا تھا، اس کا علم ہو چکا تھا کہ بادیس کے حبشی داروغہ قدام نے جو بڑا ظالم تھا بادیس کے حکم سے اُس کے بیوی بچوں کو المنکب میں قید کر رکھا ہے ، ابوالفتوح کو اپنی بیوی سے جو ایک بہت ہی خوشرو نوجوان اندلسی عورت تھی بہت محبت تھی، دو بچے بھی تھے ، ایک بیٹا تھا ایک بیٹی، ان بچوں پر بھی وہ جان دیتا تھا ، بغیر بیوی بچوں کے اُس کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی، اس کا خوف بھی تھا کہ کہیں اُس کے قصور کا بدلہ ان بیگناہوں سے نہ لیا جائے ، غرض انہی وجوہ سے اس وقت وہ بادیس کے سامنے اپنے قصور کی معافی

چاہنے کے لیے حاضر ہوا تھا، وہ اگرچہ بادیس کے غیظ و غضب سے بخوبی واقف تھا لیکن خیال تھا کہ اہلِ سازش میں سے ایک شخص ابنِ ریش کا قصور بادیس معاف کر چکا ہے، اس لیے خود بھی جرأت ہوئی کہ عذرِ تقصیر پیش کر کے کسی طرح اپنے بیوی بچوں سے ملے، ابوالفتوح نے بادیس کے قدموں میں گر کر کہا "یا امیر! میرے حال پر رحم فرمایئے، میں بقسم کہتا ہوں کہ میں بے قصور ہوں۔" بادیس نے غصہ سے آنکھیں سرخ کر کے کہا "کیا تیری موت قریب ہے جو تو میرے پاس آیا ہے؟ تو تو وہ ہے جس نے میرے خاندان کے لوگوں میں فساد ڈلوا دیا ہے، اور اب کہتا ہے کہ میں بے قصور ہوں، کیا تو سمجھتا ہے کہ میں اس طرح آسانی سے تیرے دھوکے میں آجاؤں گا؟"

ابوالفتوح نے بادیس سے کہا "خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ مجھ پر رحم کیجئے، یاد کیجئے کہ کس طرح آپ نے اپنے سایہ عاطفت میں مجھے پناہ دی تھی، اور اس وقت میں کس طرح اپنے وطن سے بے وطن ہو کر مصیبت میں مبتلا ہوں، اپنے کسی عزیز کے جرم کو مجھ سے منسوب نہ کیجئے، میں اس جرم میں نہ کبھی شریک ہوا تھا اور نہ مجھے اس سے کچھ سروکار تھا، یہ سچ ہے کہ میں غرناطہ سے فرار ہوا، مگر اس کی وجہ محض یہ تھی کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کا عزیز میرا دوست ہے، میں ڈرا کہ اس دوستی کی وجہ سے مجھے بھی آپ سازش میں شریک سمجھ کر کہیں سزا نہ دیں، میں اس وقت آپ سے عاجزی کرتا ہوں، اگر آپ کی یہی خوشی ہے کہ ایک جرم جو میں نے نہیں کیا ہے اُس کا اقبال کر لوں، تو آپ سے معافی حاصل کرنے کے لیے مجھے یہ بھی گوارا ہے، میرے ساتھ ایسا سلوک کیجئے جو ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہے، بادشاہ کا رتبہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ وہ ایک غریب و عاجز انسان سے عداوت نہیں کرتا، مجھے میرے بیوی بچے دلوا دیجئے۔"

(۶۲۰) بادیس نے جواب دیا کہ "اگر خدا کی مرضی ہے تو میں تیرے ساتھ وہی سلوک کرونگا جس کا تو مستحق ہے، غرناطہ کو واپس جا، تیرے بیوی بچے تجھ سے وہیں ملیں گے، جس وقت میں وہاں پہنچونگا تو تیرے معاملہ کا فیصلہ کروں گا۔"

یہ جملے مبہم سے تھے، مگر ابوالفتوح ان کو سچ سمجھ کر دو سواروں کے ساتھ غرناطہ کی

طرف روانہ ہوا، بادیس نے اپنے حبشی داروغہ قدام کو پہلے ہی سے حکم بھیجدیا تھا، جب ابوالفتوح شہر غرناطہ کے قریب پہنچا تو قدام کے آدمیوں نے اُس کو گرفتار کرلیا، اور اُس کا سر مُنڈوا کر اُسے اُونٹ پر سوار کیا، اور اس شکل سے شہر کے گلی کوچوں میں اُس کی تشہیر کی، اِس کے بعد ابوالفتوح اور اُس کے ایک ساتھی کو جو بربر تھا اور استجہ میں گرفتار ہوا تھا قید خانے بھیجدیا۔

ابوالفتوح کو قید خانے میں بہت دن گذر گئے، بادیس غرناطہ واپس بھی چلا آیا، مگر ابوالفتوح کے مقدمہ کا کوئی فیصلہ نہ کیا، اِس تاخیر کا باعث بادیس کا بھائی بلکین تھا، جس کے اشارے سے ابن عباس قتل کیا گیا تھا، کوئی وجہ ایسی تھی کہ بلکین کو اس عالم کے ساتھ دلچسپی تھی اور وہ اُسے بے قصور جانتا تھا، اور بادیس سے ابوالفتوح کی سفارش اِس طرح کرتا تھا کہ بادیس ابوالفتوح کے قتل کا ارادہ نہ کرسکتا تھا، لیکن ایک دن بلکین دوستوں میں بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ بادیس نے ابوالفتوح اور اُس بربر کو جو ابوالفتوح کے ساتھ قید تھا سامنے بُلوایا، بادیس نے ابوالفتوح کو بہت سخت الفاظ کہنے کے بعد کہا "جھوٹے، تیری نجوم دانی سے تجھے کیا نفع پہنچا؟ کیا تو نے اپنے امیر یعذیر کو یہ خبر نہیں دی تھی کہ وہ میرے تخت کا مالک ہو کر تیس برس حکومت کرے گا، تُو نے اُس بیوقوف کو تو دھوکے اور فریب میں رکھا، مگر اپنا زائچہ نہ دیکھا کہ خود مصیبت سے اپنے تئیں بچائے رکھتا، بدبخت! اب میری مٹھی میں تیری جان ہے۔"

ابوالفتوح نے بادیس کی اِس گفتگو کا کچھ جواب نہ دیا، جس وقت تک بیوی بچوں کو دیکھنے کی قدرے قلیل اُمید تھی اُس وقت تک ابوالفتوح آہ وزاری اور غلط بیانی سب کچھ گوارا کرسکتا تھا، لیکن جب یقین ہو گیا کہ اِس ظالم اور مکّار بادشاہ کے دِل کو کوئی چیز نرم نہیں کرسکتی تو پھر اُس میں وہی پہلی سی خودداری پیدا ہوگئی، نظریں نیچی تھیں چہرے پر نفرت آمیز تبسم، اور لبوں پر مہر تھی، اِس کیفیت نے بادیس کو غصہ سے اور بھی مجنون کردیا، منہ سے کف جاری ہوگئے، اور تلوار اُٹھا کر ابوالفتوح کے سینے میں بھونکدی ابوالفتوح نے بغیر کسی قسم کی حرکت یا منہ سے آہ نکالے تلوار کی اس ضرب کو اس طرح

برداشت کیا کہ بادیس کے منہ سے بھی تعریف نکلی، بادیس نے پھر اپنے غلام بربہون سے کہا کہ سر کاٹ کر ایک اونچی لکڑی پر نصب کرے، اور باقی لاش کو ابنِ عباس کے قریب دفن کردے، تاکہ میرے یہ دونوں دشمن قیامت تک پاس پاس سوتے رہیں، اس کے (۶۲۱) بعد بادیس اُس بربر سے مخاطب ہوا جو ابوالفتوح کے ساتھ قید تھا، اور کہنے لگا "اے بدبخت! اب تیری باری ہے، قریب آ"۔

بربر جس سے یہ الفاظ کہے گئے تھے عجیب حالتِ اضطراب میں تھا، سر سے پاؤں تک لرز رہا تھا، اسی حالت میں بادیس کے قدموں پر گر کر منتیں کرنے لگا کہ میری جان چھوڑ دی جائے، بادیس نے کہا "کم بخت، تجھ میں ذرا غیرت نہیں، اس بڑے عالم و فاضل کو جس کی لاش سامنے پڑی ہے اگر خوف ہوتا تو بجا تھا، مگر تو نے دیکھا کہ اس نے کیسی جوانمردی سے جان دی ہے، لب تک نہ ہلا، مگر تو پرانا سپاہی ہو کر اور اپنے کو بڑا بہادر سمجھ کر اس طرح کی بزدلی ظاہر کرتا ہے، خدا تجھ پر رحم کرے۔" یہ کہہ کر تلوار کا ایک ہاتھ مارا، اور بربر کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑا (۲۰ اکتوبر ۱۰۳۹ء شنبہ ۲۸ محرم ۴۳۱ھ)

ابوالفتوح کا جنازہ ابنِ عباس کے قریب دفن کیا گیا، اور جو اہلِ علم تھے اُن کا رنج و ملال بھی اس میت کو قبر میں رکھوانے ساتھ ساتھ گیا، عرب جو خاموشی اور صبر کے ساتھ غیر ملک کے اس وحشی بربر (بادیس) کی حکومت برداشت کر رہے تھے، جب ابوالفتوح کی قبر کے پاس سے گذرتے تھے تو اکثر کہتے تھے "آہ! یہ دونوں جن کی مٹی یہاں دبی ہے کیسے بے مثل عالم تھے، ثبات صرف خدا کی ذات کو ہے، بزرگی ہو اُس کے نام کو۔"

اسناد:-

عباد (ڈوزی) ج ۱ ص ۵۱

ج ۲ ص ۳۳ تا ۳۴، ۲۰۷، ۲۱۷

ابن الخطیب (قلمی نسخہ G) ص ۱۱۴ تا ۱۱۵

عبدالواحد ص ۴۴، ۶۵

کتابِ رابع (ملوک الطوائف)

چوتھی فصل

مالقہ

(۶۲۲) بادیس امیرِ غرناطہ (جسے عربی مورخ صاحبِ صنہاجہ بھی لکھتے ہیں) اپنے فریق میں زیادہ نمایاں ہوتا گیا، گو مالقہ کے بنی حمود[۱] کی سیادت وخلافت کو محض ایک ضابطہ کی بات سمجھ کر ابھی تک وہ تسلیم کر رہا تھا، مالقہ کے بنی حمود کمزور ہو کر اب اپنے وزیروں کے ہاتھ میں تھے، لیکن باوجود اِس کمزوری کے بنی حمود اپنے حریفانِ مقابل کو زہر اور
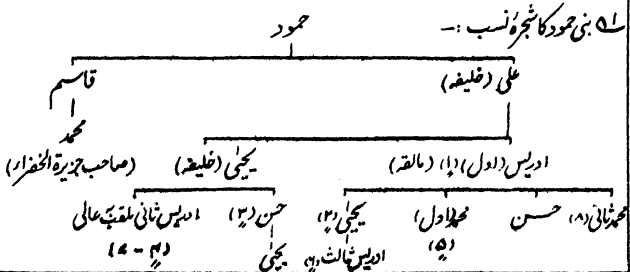
[۱] بنی حمود کا شجرۂ نسب :-

خنجر سے مارنے پر اب بھی تیار تھے، بڑے والیانِ ریاست جو اُن کی خلافت کو تسلیم کر کے گویا اُن کے ماتحت تھے، اُن پر قابو یافتہ رہنے کا بنی حمود کو کچھ خیال نہ تھا، وہ صرف اِسی میں خوش تھے کہ مالقہ، طنجہ، اور سبتہ پر ایک ظاہری امن وامان کے ساتھ حکومت کرتے رہیں۔

اِس کے علاوہ غرناطہ اور مالقہ کے شاہی درباروں میں بھی بڑا فرق تھا، غرناطہ کے دربار میں بربریا ایسے لوگوں کے سوا جیساکہ وزیر سموایل تھا، جو ہر وقت بربر کی بھلائی کی فکر میں رہتا تھا کوئی دوسرا نہ تھا، اِس وجہ سے دربارِ غرناطہ کو ایک قسم کا استحکام حاصل تھا برعکس اِس کے مالقہ کے دربار میں صقالبہ کا قدم بھی موجود تھا، اور اُن کی وجہ سے بہت جلد وہی رشک وحسد، عداوتیں اور رقابتیں پیدا ہونی شروع ہوگئیں جنھوں نے دولتِ بنی اُمیہ کو غارت کیا تھا۔

حمودی خلیفہ ادریس اول نے جس وقت ابنِ عبداللہ صاحبِ قرمونہ کی مدد پر فوج بھیجی تھی تو ادریس اُس وقت بہت بیمار تھے، قاضی ابوالقاسم محمد صاحبِ اشبیلیہ کے فرزند اسماعیل جو استجہ پر مارے گئے تھے، جب اُن کا سر خلیفہ ادریس کے سامنے پیش ہوا، تو اِس کے دو دن بعد خلیفہ ادریس بھی مرگئے، اُن کے اِنتقال پر مالقہ کے بربر وزیر ابنِ بقنہ اور صقلبی وزیر نجا میں نزاع شروع ہوا، ابنِ بقنہ چاہتا تھا کہ مالقہ کا تختِ حکومت ادریس کے بڑے فرزند یحیٰی کو ملے، اور غرض اُس میں یہ تھی کہ اگر یحیٰی خلیفہ ہوگئے تو حکومت کے جملہ اختیارات ابنِ بقنہ کو حاصل ہوجائیں گے، نجا صقلبی نے اِس کی مخالفت کی، نجا اسوقت افریقہ میں بنی حمود کی ریاستوں کا وزیراعظم تھا، اُس نے افریقہ میں یحیٰی بن علی بن حمود کے فرزند حسن کی خلافت کا اعلان کیا، یہ حسن، ابنِ بقنہ والے یحیٰی کے عمزاد تھے، حسن کی خلافت کا اعلان کر کے نجا صقلبی نے چاہا کہ حسن کو ساتھ لے کر آبنائے جبلِ طارق عبور کرے، اور اندلس میں داخل ہو، بربر وزیر ابنِ بقنہ جو زیادہ ہمت کا آدمی نہ تھا، نجا کی اس تیاری سے ڈرا، اور اِس شش وپنج میں پڑ کر کہ نجا کا مقابلہ کرے یا نہ کرے، ضروری تدارک کی طرف سے غفلت کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک دن اُسے دیکھنا پڑا کہ افریقہ کے جہاز مالقہ کے

سامنے لنگر انداز ہوئے ہیں، جہازوں کا بیڑا دیکھکر ابن بقنہ ایسا گھبرایا کہ یحییٰ بن ادریس کو ساتھ لیے کمارش چلا گیا، اب حسن مالقہ کے مالک ہو گئے، ابن بقنہ جو کمارش میں تھا اُسے یقین دلایا گیا کہ اگر وہ مالقہ واپس آجائے گا تو اُس کا قصور معاف کر دیا جائیگا، ابن بقنہ نے حسن کے وعدہ کا اعتبار کیا اور مالقہ چلا آیا، مگر مالقہ پہنچتے ہی ابن بقنہ قتل کرا دیا گیا، اور سموایل یہودی کی پیشگوئی پوری ہوئی، کچھ دنوں بعد حسن کے رقیب یعنی یحییٰ بن ادریس جنہیں ابن بقنہ خلیفہ بنانا چاہتا تھا مارے گئے، بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس قتل کا خاص محرک نجا صقلبی تھا، بہرکیف حسن کو اس جرم کی سزا اُٹھانی پڑی، اور وہ اِس طرح کہ حسن کی بیوی نے جو یحییٰ بن ادریس کی بہن تھیں، بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے شوہر کو زہر دے دیا۔ (۶۲۴)

اب نجا صقلبی کو یہ خیال گذرا کہ وزارت تو بہت دن کرلی، اب بالکل مختار بن کر تخت حاصل کرنا چاہیئے، اِسی خیال سے اُس نے حسن کے فرزند کو جو ابھی ایک نوعمر لڑکا تھا ایک چال سے مارکر اور حسن کے بھائی ادریس کو قید کرکے بربر سے کہا کہ "مجھے خلیفہ مانو۔ میں تم سے حسن سلوک کا وعدہ کرتا ہوں"۔

بربر کو نجا کی اِس غاصبانہ حرکت پر کہ بنی حمود کی حکومت کو جو آلِ حسن علیہ السلام کی حکومت تھی مٹا کر خود خلیفہ بننا چاہتا ہے بہت غصہ آیا، لیکن سوائے اِس کے کہ نجا کے اِس قصد میں مساعدت کرتے، اور کوئی چارہ نہ دیکھا، اُنہوں نے بظاہر نجا سے موافقت کا اِظہار کیا، مگر دل میں سوچ لیا کہ موقع مناسب پر نجا کو اِس حرکت کی سخت سزا دی جائیگی مختصر یہ کہ اِس وقت نجا سے اُنہوں نے بیعت کرلی۔

اب نجا نے محمد بن قاسم بن حمود کا جو جزیرۃ الخضرا میں حکومت کرتا تھا استیصال چاہا اور اس سے لڑائی شروع کردی، لیکن لڑائی میں نجا کو معلوم ہوا کہ اُس کے بربر سپاہی دشمن سے لڑنے میں بے دلی ظاہر کر رہے ہیں اور وہ ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں، پس بہ نظرِ احتیاط اُس نے اپنی فوج کو میدان سے ہٹنے کا حکم دے دیا، اور ارادہ کیا کہ مالقہ واپس ہوکر جن بربر سرداروں کی نیّت میں فرق دیکھا تھا اُن کو برطرف کردے، اور جہاں تک ممکن ہو

صقالبہ کو ملاکر اُن کی مدد سے غیروں کے مقابلہ کے لیے قوت حاصل کرے، لیکن نجا کے دشمنوں کو اُس کا یہ ارادہ یا تو خود قیاس دوڑانے سے یا کسی کے اطلاع کرنے سے دریافت ہوگیا، اور جس وقت لشکر، مالقہ کو جاتے ہوئے ایک تنگ پہاڑی درے میں سے گذرنے لگا تو انہوں نے نجا پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا (۵ رفروری ۱۰۴۳ء، شنبہ، ۲۱ رجمادی الآخر ۴۳۴ھ)

اب لشکر میں ابتری پڑی، بربر خوشی کے نعرے لگانے لگے، صقالبہ اِس خوف سے کہ کہیں وہ بھی نجا صقلبی کی طرح قتل نہ کردیے جائیں، لشکر چھوڑ کر بھاگے، نجا کے قاتلوں میں سے دو سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے مالقہ میں آئے، شہر میں داخل ہوتے ہی دونوں نے 'مبارکباد، مبارکباد' کا شور مچایا، اور جب نجا کے نائب سطیفی کے پاس پہنچے تو اُسے بھی قتل کر دیا، اور اب سب نے مل کر حسن کے بھائی ادریس بن یحییٰ (بن علی بن حمود) کو قید خانے سے نکال کر اپنا سردار بنایا، اور اُن سے بیعتِ خلافت کر کے اُنہیں عالی کے لقب سے ملقب کیا۔

مالقہ میں صقلبی خدام کو جو کچھ کرنا تھا وہ خاتمے کو پہنچا، امن اگرچہ ہوگیا مگر زیادہ دن نہ رہا، ادریس ثانی جو اِس وقت عالی کے لقب سے خلیفہ ہوئے تھے کچھ قابل آدمی نہ تھے، رحمدل اور فیاض ضرور تھے، روپیہ خیرات کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتے تھے، اور اگر تمام امور میں رعایا کا دار و مدار اُنہی کی ذات پر ہوتا تو سب خوش و خرم رہتے، جو لوگ شہر سے نکل گئے تھے عالی نے اُنہیں پھر بُلایا، اور اُن کی جائیدادیں اُن کو واپس دے دیں، کسی جاسوس کی بات کا وہ کبھی یقین نہ کرتے تھے، ہر روز پانچ سو درہم غریبوں اور مفلسوں میں تقسیم کرتے تھے، ادنیٰ طبقے کے لوگوں کے بڑے دردمند تھے، اور اُن سے باتیں کرنے کا بہت شوق رکھتے تھے، اِدھر تو دولتمند لوگوں، اور شاہانہ جاہ و حشم، اور درباری آداب و قواعد سے واسطہ تھا، اُدھر عوام اور رذائل سے صحبت تھی، غرض دونوں چیزوں کا مقابلہ حیرت انگیز تھا،

(۶۲۴)

بنی حمود چونکہ آلِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تھے، اِس لیے رعایا کے دل میں اُن کا بڑا ادب تھا، اور بنی حمود رعایا میں اپنی نسبت اِس تعظیم کے خیال کو قائم رکھنے کی غرض

سے جو اُن کے حق میں مفید تھا، عوام کے سامنے ظاہر بھی نہ ہوتے تھے، اور اُن کے گرد و پیش
جو چیزیں ہوتی تھیں وہ عوام کی نظر میں ایک رازِ سربستہ رہتی تھیں۔
ادریس عالی اگرچہ بہت سیدھی سادی طبیعت رکھتے تھے، لیکن جو طور اور طریقے اُن کے بزرگ قائم کر گئے تھے اُن کے ہر طرح پابند تھے، قاعدہ یہ تھا کہ خلیفہ جہاں بیٹھتے تھے وہاں پردہ پڑا رہتا تھا، حاضرین کو خلیفہ نظر نہ آتے تھے، جس کسی کو کوئی بات کرنی ہوتی تھی وہ اِسی پردے کے پاس کھڑے ہو کر بات کرتا تھا، لیکن ادریس ایسی نیک طبیعت کے آدمی تھے کہ وہ کبھی کبھی اِس قاعدے کو توڑ دیتے تھے، ایک روز کا ذکر ہے کہ لشبونہ سے ایک شاعر نے حاضر ہو کر اُن کی سخاوت اور عالی نسبی پر ایک قصیدہ پڑھا جس کا مضمون تھا "اور لوگ پانی اور مٹی سے بنے ہیں، مگر اولادِ پیغمبرؑ صرف پانی سے بنی ہے، اور وہ پانی عدل و پرہیزگاری کا ہے، وحی اُن کے مورث پر اُتری ہے، اور جبرئیل جو ہم کو نظر نہیں آتے اب بھی اُن کے سروں پر سایہ کیے ہوئے ہیں، امیر المومنین ادریس کا چہرہ طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کی مثل ہے، جو اپنی شعاعوں سے دیکھنے والوں کی نظر کو خیرہ کر دیتا ہے، اے امیر! کاش ہم آپ کو دیکھ سکتے، اور آپ کے نور سے جو ضیا ربّ العٰلمین کا پرتو ہے مستفیض ہوتے۔"
یہ اشعار سنتے ہی خلیفہ ادریس نے، جو کبھی کسی کی درخواست نامنظور نہیں کیا کرتے تھے حاجب کو حکم دیا کہ بیچ کا پردہ اُٹھا دیا جائے، لشبونہ کا یہ شاعر یونانیوں کے خدائے جوپیٹر کی محبوبہ سے جو عاشق کو دیکھتے ہی جل کر مر گئی تھی زیادہ خوش قسمت نکلا، اِس نے اپنے ممدوح کی صورت دیکھی، مگر اُس میں وہ نور نہ تھا جو اُسے جلا دیتا، بلکہ اس نور سے مہربانی اور محبت کے آثار پیدا تھے، غالباً یہ نظارہ شاعر کو اُن شعاعوں سے بہتر معلوم ہوا ہو گا جن کی نسبت اُس نے کہا تھا کہ وہ انسان کی نظر کو خیرہ کیے دیتی ہیں، بہر کیف یہ یقینی ہے کہ شاعر کو بہت سا انعام ملا، اور وہ خوش ہو کر دربار سے رخصت ہوا۔
سلطنت کی شان اور استحکام کے حق میں یہ بدقسمتی تھی کہ ادریس میں نیک نفسی کے ساتھ غائت درجہ کی کمزوری بھی تھی، کسی سوال کو ٹالنا نہ جانتے تھے، بادیس بادشاہِ غرناطہ

اور اُور سرداروں کو جو کچھ وہ مانگتے تھے ہمیشہ مل جاتا تھا، چاہے اس میں قلعہ ہو یا کوئی اور چیز، بہرکیف اُن کا سوال ہمیشہ پورا کیا جاتا تھا، ایک مرتبہ بادیس نے اُن کو لکھا کہ وہ اپنے مدبر امور وزیر اور اپنے باپ دادا کے ہم نشین موسیٰ بن عفان سبتی کو اُس کے حوالے کریں، جب خلیفہ ادریس نے وزیر موصوف سے کہا کہ "بادیس نے خط لکھ کر تم کو طلب کیا ہے، مجھ کو اس کا افسوس ہے، لیکن میں بادیس کے سوال کا جواب انکار سے نہیں کرسکتا" (۶۲۵)

موسیٰ بن عفان سبتی نے جو قوم صنہاجہ کے پُرانے رفیق تھے، کہا "جو کچھ آپ سے درخواست کی گئی ہے وہی کیجئے، انشاء اللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے۔" موسیٰ بن عفان جب غرناطہ پہنچے تو بادیس نے اُنہیں قتل کرا دیا۔

اس قسم کی کمزوریوں سے بربر کو بڑی وحشت ہوتی تھی، ادنیٰ طبقہ کے لوگوں سے خلیفہ ادریس کو جو ہمدردی تھی اُس کی شکایت بربر کو پہلے ہی پیدا ہوچکی تھی، بالخصوص اسودیوں (حبشیوں) کو اس بات سے سخت پریشانی تھی، یہ لوگ ہمیشہ سے اس بات کے خوگر تھے کہ تازیانے، تلوار، اور سُولی سے اُن پر حکومت کی جائے، وہ ایسے بادشاہ کو کیا سمجھتے جو کبھی کسی کے قتل تک کا حکم نہ دیتا ہو، غرض جس وقت قلعہ ایرش کے حاکم نے علم بغاوت بلند کیا تو خلیفہ ادریس عالی سے بہت کچھ ناراضی پیدا ہوچکی تھی۔

خلیفہ ادریس عالی نے اپنے چچیرے بھائیوں محمد اور ادریس کو جو ادریس بن علی بن حمود کے بیٹے تھے قلعہ ایرش میں قید کر رکھا تھا، حاکم ایرش نے خلیفہ ادریس سے باغی ہو کر ان دونوں شہزادوں کو آزاد کر دیا، اور اُن میں بڑے شہزادے یعنی محمد بن ادریس بن علی کو خلیفہ بنا دیا، مالقہ میں اسودیوں کی فوج شہر کی حفاظت کے لیے رہتی تھی، جب اُس نے بغاوت کی خبر سُنی تو خود بھی غدر کر دیا، اور محمد بن ادریس بن علی کو مالقہ میں بُلا لیا، لیکن مالقہ کے لوگوں نے اپنے ہمدرد اور رحمدل خلیفہ کا خطرے کی حالت میں ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا، نہایت مردانگی سے وہ خلیفہ کے پاس جمع ہوگئے، اور اُن سے ہتھیار مانگے اور یقین دلایا کہ اگر ہتھیار اُن کو مل گئے تو ممکن نہیں کہ اسودی ایک ساعت کے لیے بھی مالقہ پر قبضہ رکھ سکیں، خلیفہ ادریس عالی نے اُن کی خیرخواہی کا شکریہ ادا کیا، لیکن اُن کی درخواست

منظور نہ کی، اور شہر کے لوگوں سے کہا کہ تم سب اپنے اپنے گھر چلے جاؤ، میں اپنی ذات کے واسطے ایک جان بھی ضائع کرنی نہیں چاہتا، غرض اِدھر محمد بن ادریس بن علی مالقہ میں داخل ہوئے اُدھر خلیفہ ادریس عالی ایرش کے قلعے میں قید ہونے کے لیے چلے گئے، گویا دونوں نے صرف جگہ بدل لی (۱۰۴۶-۱۰۴۷ء مطابق ۴۳۸ھ)

نئے خلیفہ محمد بن ادریس بن علی، خلیفہ ادریس عالی کی مثل نہ تھے، محمد بن ادریس اپنی ماں کی سی طبیعت رکھتے تھے، جو ایک بڑی بہادر خاتون میدانِ جنگ کی شیدائی تھیں، جنگ کی تیاریاں اور محاصروں کی کیفیت دیکھنے میں اُنھیں بہت لطف حاصل ہوتا تھا، اور خود لڑائی میں جاکر اپنی تقریر سے لڑنے والوں کا دِل بڑھایا کرتی تھیں، محمد بن ادریس نہایت بہادر اور شدید العزم تھے، قواعد اور ضوابط کے بہت پابند تھے، ادریس عالی میں جس قدر قوّت کی کمی تھی اُتنی ہی قوّت کی زیادتی اِن نئے خلیفہ میں تھی، بغاوت کے محرّکوں کو بہت جلد یہ بات معلوم ہوگئی، اور اب وہی پُرانا قصّہ مینڈکوں کا پیش آیا جنھوں نے جوپیٹر دیوتا سے ایک بادشاہ مانگا تھا، بربر اور اَسوَدی دونوں لکڑی کے بیجان کُندے کو حسرت سے یاد کرکے حاجی لق لق کے حق میں بد دعائیں کرنے لگے[۵۱]۔ اب ایک سازش ہوئی اور اہلِ سازش نے قلعہ ایرش کے حاکم سے خط وکتابت شروع کی، اور اِس حاکم کو آسانی سے آمادہ کرلیا کہ وہ ادریس بن یحیٰی عالی کو پھر خلیفہ تسلیم کرکے اُنہیں قید سے آزاد کردے، اِس مرتبہ ادریس بن یحیٰی عالی خانہ جنگی کے خیال سے (۶۲۶) نہیں گھبرائے، قید خانے میں رہتے رہتے خیالات بدل گئے تھے، لیکن محمد بن ادریس

---

۵۱ حکایاتِ لقمان کا مشہور قصہ ہے کہ ایک تالاب میں مینڈک رہا کرتے تھے، اُنھوں نے جوپیٹر سے دُعا مانگی کہ ہم میں لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اِس لیے ایک بادشاہ ہمارے پاس بھیج، جوپیٹر نے لکڑی کا ایک کندہ تالاب میں ڈالدیا اور کہا کہ یہ تمہارا بادشاہ ہے، کچھ دنوں تک تو مینڈک اِس کندے سے ڈرتے رہے لیکن جب دیکھا کہ اُس کو جنبش ہی نہیں تو دل میں ناخوش ہوئے، اور جوپیٹر سے پھر دعا مانگی کہ کوئی اور بادشاہ بھیج، جوپیٹر نے ناراض ہوکر ایک لق لق کو بھیجدیا، اِس لق لق نے مینڈکوں کو چُن چُن کر کھانا شروع کیا۔ مترجم

بن علی نے اپنی ماں کے سمجھانے سے مخالفین کا مقابلہ ایسا شدید کیا کہ اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیے، لیکن اطاعت قبول کرنے سے پہلے ہی اُنہوں نے ادریس بن یحییٰ عالی کو حفاظت کے خیال سے قلعہ ایرشس سے افریقہ بھیج دیا تھا، افریقہ میں اِس وقت دو بربر آزاد شدہ غلاموں کی حکومت تھی، اُن میں ایک کا نام سکوت تھا، یہ سبتہ کا حاکم تھا، اور دوسرا رزق اللہ تھا جو طنجہ پر حکومت کرتا تھا۔ افریقہ میں ادریس عالی کی بہت تعظیم و تکریم کی گئی، خطبہ اُن کے نام کا پڑھا گیا، لیکن سکوت اور رزق اللہ نے اُن کو اختیارات کسی قسم کے نہیں دیے۔ اِن حاکموں کو اپنے اختیارات کا اِس قدر خیال تھا کہ اُنہوں نے ادریس عالی کی بیحد حفاظت کی، اور اُن کو عوام کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیا اور حکم دے دیا کہ کوئی شخص اُن کے پاس حاضر نہ ہو، مگر بربر کے چند اکابر نے اُن سے ملاقات کی اور کہا کہ "اِن دونوں غلاموں (یعنی سکوت اور رزق اللہ) نے آپ کو قید کر رکھا ہے، بادشاہی نہیں کرنے دیتے، اگر آپ ہمیں اختیارات دیں تو ہم آپ کو اِن غلاموں سے نجات دلوا سکتے ہیں۔" مگر ادریس عالی نے جو دل کے نیک تھے اِن لوگوں کی درخواست منظور نہیں کی، اور اس کا تذکرہ بھی سکوت اور رزق اللہ سے کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اِن دونوں حاکموں نے بربر کے دونوں سرداروں کو جو ادریس عالی سے گفتگو کرنے آئے تھے، جلاوطن کر دیا، اور اِس خوف سے کہ پھر کوئی شکایت کرنے نہ آئے اُنہوں نے ادریس عالی کو اسپین پہنچوا دیا، مگر اُن کو خلیفہ بدستور تسلیم کرتے رہے۔ ادریس عالی نے اسپین پہنچ کر رندہ (تاکرنہ) کے بربر سردار کے پاس پناہ لی۔

اِسی زمانہ میں مالقہ کے باغیوں نے بادیس بادشاہِ غرناطہ سے مدد حاصل کی، بادیس نے محمد بن ادریس بن علی سے اعلانِ جنگ کر دیا، لیکن پھر دونوں میں جلد مصالحت ہو گئی۔ جزیرۃ الخضراء کے بادشاہ کو جس کا نام بھی محمد تھا (یعنی محمد بن قاسم بن حمود) خلیفہ بنایا گیا۔ اب گویا اسپین میں چار خلیفہ ہو گئے:-

(۱) فرضی ہشام المؤید اشبیلیہ میں

(۲) محمد بن ادریس بن علی مالقہ میں

(۳) محمد بن قاسم بن حمود جزیرۃ الخضرا میں

(۴) ادریس عالی

باقی دو معمولی درجے کے والیانِ ریاست تھے، خلیفہ کا لقب اُن کے لیے اس وجہ سے بھی مضحکہ خیز تھا کہ خلیفہ سے مراد کُل مسلمانوں کا بادشاہ ہوتا تھا نہ کہ ایک چھوٹی سی ریاست کا حاکم۔

محمد بن قاسم بن حمود، جزیرۃ الخضرا کے بادشاہ کو اپنی کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی، جب اُنہوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے اُنہیں مسندِ خلافت پر بٹھایا تھا، وہی ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ہیں، تو وہ اپنے وطن افریقہ کو چلے گئے، اور وہیں حالت رنج و غم میں مر گئے (۱۰۴۸-۱۰۴۹ء مطابق ۴۴۰ھ)

چار برس کے بعد محمد بن ادریس بن علی، مالقہ کے خلیفہ کا بھی انتقال ہو گیا، اب اُن کے بھتیجے نے تخت حاصل کر کے ادریس ثالث کے نام سے حکومت کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی، اِس زمانے میں ادریس عالی یعنی ادریس ثانی کو پھر خلیفہ بنایا گیا اِس مرتبہ قسمت یاور تھی، ادریس عالی یعنی ادریس ثانی نے ۱۰۵۵ء (۴۴۷ھ) تک امن و سلامتی کے ساتھ حکومت کر کے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ (۶۲۷)

بنی حمود سے اب ایک اور شخص نے ادریس عالی یعنی ادریس ثانی کی جگہ خلیفہ ہونا چاہا، لیکن بادیس نے اُس کی اُمیدوں پر خاک ڈال دی۔

بادشاہِ غرناطہ بادیس اب تمام بربر کا واقعی سردار ہو گیا تھا، اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، بنی حمود کا خاتمہ کر کے مالقہ کو اپنی حکومتِ غرناطہ میں شامل کر لینا چاہیئے، اِس کام کو انجام دینا اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہوا، یہ سچ ہے کہ مالقہ کے عربوں نے اُس کی اطاعت آسانی سے قبول نہیں کی، لیکن عربوں کے بعض بڑے لوگ مثلاً ابو عبد اللہ جذامی جو وزیر بھی تھے اور قاضی بھی، بادیس کے طرفدار ہو گئے، اِس وجہ سے بادیس نے باقی عربوں کی کچھ پروا نہ کی، رہے مالقہ کے بربر، تو اُن کو اپنے سرداروں کی کمزوری اور اِس ضرورت کا اندازہ کافی طور پر ہو گیا تھا کہ اگر

عربوں کے مقابلہ میں وہ تھمنا چاہتے ہیں تو غرناطہ کے بربر سے اتحاد رکھنا ضروری ہے، عرب اُس زمانہ میں اسپین کے جنوب مغربی علاقوں میں زور پکڑتے جاتے تھے۔

غرض مالقہ کے بربر نے بادیس کی مخالفت نہ کی، بلکہ اُس کی رائے اور تدبیر کو مناسب سمجھا، اِس طرح بادیس بادشاہ غرناطہ مالقہ کی ریاست کا بھی مالک ہوگیا، اور بنی حمود جس قدر وہاں تھے وہ ملک سے خارج کیے گئے۔

بنی حمود کو افریقہ میں ابھی بہت کچھ کرنا تھا، لیکن اسپین سے وہ ہمیشہ کو رخصت ہوئے۔

اسناد:-

ابن بسّام ج ۱ ص ۲۲۴

ابن الخطیب (قلمی نسخہ ط) ص ۱۰۷

عبدالواحد ص ۴۵ تا ۴۹

ابن خلدون ص ۲۲ تا ۲۳

مقرّی ج ۱ ص ۱۳۲، ۲۸۲ تا ۲۸۴

حمیدی بیوگرافیکل ڈکشنری

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

پانچویں فصل

(۶۲۸)

المعتضد

اس خیال سے کہ تاریخ مالقہ کا جو مختصر خاکہ یہاں کھینچا ہے اُس کا سلسلہ شکست نہ ہو ہم آگے کے واقعات بھی یہیں لکھ گئے ہیں، لیکن اب ایک نظر اُس ترقی پر ڈالنی ہے جو اِسی دَوران میں عرب کے فریق نے کی تھی، اِس لیے یہاں پچھلے زمانہ کے کچھ حالات لکھنے ضروری ہیں۔

قاضی ابوالقاسم محمّد صاحبِ اشبیلیہ کی وفات پر جو جنوری سنہ ۱۰۴۲ء (جمادی الاول ۴۳۳ھ) میں پیش آئی، اُن کا لڑکا عباد جس کی عمر اِس وقت ۲۶ برس کی تھی، فرضی خلیفہ ہشام المؤید کا حاجب مقرر ہوا، عباد کا نام تاریخوں میں شروع ہی سے معتضد لکھ دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ لقب عباد نے حاجب ہونے کے بعد اختیار کیا تھا، ہم بھی آسانی کے لیے اس کا نام ہمیشہ معتضد ہی لکھیں گے۔

جنوب مغربی اسپین کے عربوں کا یہ سردار (معتضد) اُن لوگوں میں سے تھا، جن کے

حالات وخصائل پڑھ کر انسان کو حیرت ہوتی ہے، اور جنہیں ایک قوم کے تمدن نے اپنی پیرانہ سالی (بلکہ پیری وصد عیب) کے زمانہ میں پیدا کیا تھا، ہر لحاظ سے عربوں کا یہ سردار بادیس بادشاہِ غرناطہ کا حریفِ مقابل تھا، بادیس عربوں کے فریقِ مخالف یعنی بربر کا سردار تھا۔

بادیس کی طرح معتضد بھی بدظن ومنتقم اور غدار وخودسر تھا، شراب سے وہ بھی بادیس کی طرح بدمست رہتا تھا، بلکہ فسق وفجور میں بادیس سے بڑھا ہوا تھا، فطرۃً عیش پسند تھا، حیوانی خواہشیں کبھی سیر ہونا نہ جانتی تھیں۔ کسی والیٔ ملک کی حرم سرا میں عورتیں اس کثرت سے نہ تھیں، کہا جاتا تھا کہ آٹھ سو باکرہ اُسکے حرم میں تھیں

مگر باوجود اس مشابہت کے بادیس اور معتضد کی خصلتیں ایک سی نہ تھیں، بادیس قریباً وحشی انسان تھا، ادب وتہذیب اور علمی حسن ولطافت سے اُسے نفرت تھی، قصرالحمرا کے عالیشان ایوان میں شاعروں کا گذر نہ تھا، کیونکہ صاحب الحمرا عادتاً بربر زبان بولتا تھا، شعراء کے قصائد جو عربی میں ہوتے تھے مشکل سے سمجھ سکتا تھا، برعکس اس کے معتضد کی تعلیم وتربیت بہت غور اور احتیاط سے ہوئی تھی، یہ درست ہے کہ وہ عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا، اور اُس نے زیادہ پڑھا بھی نہ تھا، لیکن ذہن اور حافظہ بہت اچھا پایا تھا، اور ایک اوسط درجے کے لائق اور قابل آدمی سے وہ بہت بڑھا ہوا تھا، معتضد کی لکھی ہوئی نظمیں حُسن کلام کے علاوہ اس وجہ سے بھی دلچسپ ہیں کہ اُن کو پڑھ کر شاعر کی طبیعت وفطرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، شعراء ہمعصر میں وہ ایک لائق ناظم سمجھا گیا ہے، علم دوست اور ہنر پرور تھا، شاعروں کو اچھے کلام پر بہت انعام دیتا تھا، عالیشان محل اور عمارات بنانے کا بیحد شائق تھا، جو کچھ تھوڑا بہت علم وفضل رکھتا تھا اُس سے بھی شانِ حکومت بڑھانے میں کام لیا، اور جس خلیفۂ بغداد یعنی معتضد عباسی[1] کا لقب اختیار کیا تھا اُس کو اپنی زندگی کا ایک نمونہ قرار دیا، حالانکہ (۶۲۹)

---

[1] زمانۂ حکومت ۲۷۹ھ / ۸۹۲ء سے ۲۹۰ھ / ۹۰۲ء تک۔

بادیس بادشاہ غرناطہ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ پہلا عباسی معتضد کب گذرا تھا، شراب خوار دونوں تھے، مگر بادیس ایک بدتہذیب فوجی سوار کی طرح پی کر بدمست ہو جاتا تھا، لیکن معتضد جو کبھی شائستگی اور تہذیب کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا، شراب کی مستی میں بھی کوئی بات ایسی نہ کرتا تھا جس سے بدتمیزی ظاہر ہو، بادہ نوشی کے جلسوں میں بھی ایک حسن پیدا کرتا، شراب خوب پیتا، مگر شراب پر جو نظمیں وہ خود یا ایسے جلسوں کے انیس لکھتے تھے اُن میں نفاست اور نازک خیالی موجود ہوتی، قوائے جسمانی ایسے مضبوط تھے کہ کثرتِ عیاشی اور محنتِ شاقہ، دونوں کی برداشت بخوبی کر لیتا، عیش پرستی میں بے روک ٹوک، شدت سے محنتی وجفاکش، لذائذِ نفس کو سیر کر کے امور سلطنت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا، منصبِ شاہی کی خدمات ادا کرنے میں جان تک کھپا دینے کا شوق تھا، اور جو وقت لہو ولعب میں ضائع کرتا، اُس کی تلافی میں ایسی کوشش کرتا جو انسان کی قوت سے بالاتر معلوم ہوتی، مگر اس تلافی کے بعد پھر شراب پینے کی ضرورت ہوتی، تاکہ کام کی قوت پیدا ہو، اور یہ عجیب بات تھی کہ جس ظالم کی غضب آلود نگاہوں سے حسینانِ حرم لرز جاتی تھیں، وہی ظالم اُنہی حسینوں میں سے بعض کے عشق میں نہایت شیریں، نازک اور پاکیزہ اشعار کہتا تھا۔

غرض بادیس اور معتضد میں وہی فرق تھا جو ایک وحشی ظالم اور ایک مہذب ظالم میں ہو سکتا ہے، اور سب باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں ظالموں میں وحشی ظالم بادیس کم درجے کا ظالم تھا، بادیس کے قتل وغارت میں ایک قسم کی صفائی قلب ظاہر ہوتی، معتضد کی نیت اور طبیعت کا پتہ اُس کے دلی دوستوں کو بھی نہ چلتا، معتضد کی نگاہیں دوسروں کے دل میں گھس کر اندر کی بات لے آتیں، لیکن اپنے دِل کا حال مجال نہ تھی کہ چہرے کی شکن یا آواز کی لغزش سے دُوسرے پر کُھل جائے، بادیس بادشاہ غرناطہ نے اکثر لڑائی کے میدانوں میں اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی، لیکن صاحب اشبیلیہ معتضد اگرچہ ہمیشہ لڑائیوں میں مصروف رہے، اور ہمت ومردانگی میں بھی کسی طرح کم نہ تھے، مگر سوائے ایک یا دو لڑائیوں کے کبھی خود فوج لے کر میدان میں نہیں اُترے،

بقول ایک عرب مورخ کے معتضد اپنے حجرے میں بیٹھے امرا لشکر کے لیے لڑائیوں کے نقشے تیار کیا کرتے تھے، لڑائیوں میں بادیس کی ترکیبیں اور حیلے ایسے بھدّے ہوتے تھے کہ دشمن انہیں جلد بیکار ثابت کر دیتا تھا، لیکن معتضد کے حربی حیلے اس خوبی اور احتیاط سے سوچے جاتے تھے کہ بہت کم اپنے مقصد میں ناکام رہتے تھے، اس قسم کے معاملات میں معتضد بیحد احتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ ایک قصّہ اسی ذیل میں یہاں بیان کرنے کے قابل ہے :-

(۶۴۰) جس زمانہ میں قرمونہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی، تو معتضد نے قرمونہ میں ایک عرب کو خفیہ طریقے سے اس کام پر مقرر کر رکھا تھا کہ بربر کی نقل و حرکت اور اُن کی چالوں سے برابر اطلاع دیتا رہے، اس خوف سے کہ اس عرب اور معتضد میں جو خطوط آتے جاتے رہتے ہیں، وہ کسی دوسرے کے ہاتھ نہ پڑ جائیں، اور کسی کو یہ شبہ نہ گذرے کہ شہر میں جاسوس لگے ہوئے ہیں، ان خطوط کے بارے میں نہایت درجہ احتیاط کی ضرورت تھی، ایک موقع پر اس عرب جاسوس کو معتضد نے پہلے سے کہلا بھجوایا کہ " ایک خط اس اس قسم کی ترکیب سے تمہارے پاس بھیجا جاویگا، اُس کا خیال رہے۔" اس کے بعد معتضد نے ایک دن اپنے قصر میں ایک کسان کو بلوایا، جو بادیۂ اشبیلیہ کا رہنے والا تھا، یہ نہایت سیدھا سادا بیوقوف سا آدمی تھا، جب وہ کسان حاضر ہوا تو معتضد نے اُس سے کہا کہ " اپنی یہ بدنما قبا اُتار دو، اور یہ جبّہ پہن لو، یہ جُبّہ بہت اچھے کپڑے کا ہے، اور اگر تم اِسے پہن لوگے، اور میرا کہنا کروگے تو یہ جبّہ تمہیں انعام میں دیدیا جائیگا" کسان یہ سُن کر بہت خوش ہوا، اور فوراً اپنی قبا اُتار کر جبّہ پہن لیا، اُس کو اِس کا شبہ بھی نہ گذرا کہ جبّے کے استر میں ایک جگہ ایک خط سِیا ہوا ہے جو معتضد نے عرب جاسوس کے نام لکھا ہے، کسان نے وعدہ کیا کہ حضور جو کچھ حکم دیں گے اُسے بجالاؤنگا، معتضد نے کہا " ہاں، یہ دُرست ہے، تم کو صرف یہ کرنا ہے کہ یہاں سے قرمونہ چلے جاؤ، جب شہر کے قریب پہنچو تو کہیں سے لکڑیاں کاٹ کر اُن کا ایک گٹھا باندھ لینا، اس کے بعد شہر کے دروازے میں داخل ہوکر جہاں لکڑہارے لکڑیاں بیچنے جمع ہوتے ہیں، وہیں

تم بھی جا کر کھڑے ہو جانا ، لیکن جب تک کوئی پانچ دِرم تمہارے گٹھے کی قیمت نہ دے ، تم اُسے ہرگز مت بیچنا۔"

غریب کسان مطلق نہ سمجھا کہ یہ عجیب ہدایت کس غرض سے کی گئی ہے ، وہ فوراً حکم بجالانیکو تیار ہو قرمونہ روانہ ہوگیا ، شہر کے قریب پہنچکر لکڑیوں کا ایک گٹھا تیار کیا ، لیکن یہ کام کبھی کیا نہ تھا ، درختوں کی شاخیں اور ٹہنیاں اناپ شناپ توڑ ، ایک گٹھا باندھا ، لکڑہاروں والے بازار میں جا کھڑا ہوا ، ایک خریدار اُدھر سے گذرا ، اُس نے گٹھے کے دام پُوچھے ، کسان نے کہا "پانچ دِرم ہوں گے ، چاہے لو ، چاہے نہ لو" خریدار نے دام سنتے ہی ہنسکر کہا "شاید لکڑیاں آبنوس کی ہیں" - ایک دوسرے آدمی نے جو پاس کھڑا تھا ، کہا "آبنوس نہیں عودِ ہندی ہے۔" غرض اِس اناڑی لکڑہارے کی لوگ ہنسی اُڑاتے رہے ، جب شام ہوئی تو معتضد کا جاسوس ادھر سے گذرا ، اُس نے بھی گٹھے کے دام پُوچھے ، اور پانچ دِرم سنتے ہی فوراً گٹھا خرید لیا ، اور کسان سے کہا کہ "اچھا لکڑیاں اپنے کندھے پر رکھ کر میرے گھر پہنچا دو ، میں تمہارے ساتھ ہوں۔" جب کسان جاسوس کے گھر پہنچا ، تو گٹھا کندھے سے اُتار کر نیچے رکھا ، جاسوس نے پانچ درم اُس کے حوالے کیے ، کسان درم لے ، گھر سے نکلنے کو ہوا تو جاسوس بولا "کہاں جاتے ہو؟" کسان نے کہا "شہر سے باہر جاتا ہوں ، کیونکہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں"۔ جاسوس نے کہا "ایسا خیال بھی نہ کرنا ، تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں رستہ میں ڈاکو بہت ہیں ، آج یہیں ٹھیر جاؤ ، کھانا کھا پی کر سو رہو ، کل صبح ہوتے ہی اپنے گھر چلے جانا۔"

(۱۰۶۳) کسان نے شکریہ کے ساتھ اِس مہمان نوازی کو قبول کیا ، اور جب اچھے اچھے کھانوں کی شکل دیکھی تو دن بھر لوگوں نے جو ہنسی اُڑائی تھی ، اُس کا رنج و ملال دل سے دور ہوگیا ، جب کھانے سے فارغ ہوا تو جاسوس نے اُس سے پوچھا کہ "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟" کسان نے کہا "بادیۂ اشبیلیہ کا رہنے والا ہوں۔" جاسوس نے کہا "تم بڑے دِل گردے کے آدمی ہو کہ اِتنی دور سے یہاں تک چلے آئے ، یہ تو تم نے بھی سُنا ہوگا کہ بربر آجکل کیسا ظلم ڈھا رہے ہیں؟ رستے میں جو مسافر ملتا ہے اُسے ختم کر دیتے ہیں ، معلوم

ہوتا ہے کہ کوئی بڑا ہی ضروری کام تھا جو تم یہاں آئے ؟" کِسان نے کہا " روزی تو بہر صورت پیدا کرنی ہی پڑتی ہے، مجھ غریب کِسان کو مارنے سے کسی کو کیا مل جائیگا ؟"
یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کسان کو نیند آنے لگی، جاسوس نے اُسے سونے کی جگہ بتائی کِسان بغیر کپڑے اُتارے سونے کے لیے لیٹ گیا، جاسوس نے کہا " رات گرم ہے، اپنا جُبّہ اُتار دو، تاکہ آرام سے سوؤ۔" کِسان نے جُبہ اُتار دیا اور فوراً غافل سو گیا۔
کِسان کے سوتے ہی جاسوس نے جُبّہ اُٹھا کر اُس کا استر پھاڑا، اور خط جہاں سیا ہوا تھا اُسے نِکال کر پڑھا، اور فوراً اُس کا جواب لکھ کر جہاں سے استر پھاڑا تھا وہیں رکھکر پھر اُسے سی دیا، اور جُبّہ وہیں ڈال دیا جہاں اُسے کسان پھینک کر سو گیا تھا، کِسان صبح ہی اُٹھا، جُبّہ پہنا، اور اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرکے اشبیلیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔
اشبیلیہ پہنچتے ہی کِسان معتضد کے سامنے حاضر ہوا، اور جو کچھ گذرا تھا وہ عرض کیا معتضد نے کہا کہ " ہم تم سے بہت خوش ہوئے اور تم انعام کے مستحق ہو، یہ جُبّہ جو تم پہنے ہو ہمیں واپس دیدو، اور اُس کی بجائے یہ اچھے اچھے کپڑے جو تمہیں انعام میں دیے جاتے ہیں، پہن لو۔" کِسان اتنا سنتے ہی خوشی کے مارے آپے میں نہ سمایا، اور نئے کپڑے پہن، اپنے دوستوں اور پڑوسیوں سے کہنے لگا کہ " بادشاہ نے مجھے خلعت دیا ہے "، غرض ایسی باتیں کرنے لگا کہ گویا وہ بہت بڑا منصب دار ہے۔
اِس غریب کِسان کو معلوم ہونا تو کجا، شبہ بھی نہ گذرا کہ وہ ایک ایسے خط کا غیر معمولی نامہ بر بنایا گیا تھا، کہ اگر بربر کو ذرا بھی خبر ہو جاتی، اور وہ خط کِسان کے پاس سے نِکل آتا تو پھر اِس غریب کی جان جانی یقینی تھی۔
معتضد صاحبِ اشبیلیہ ضرورت کے وقت طرح طرح کی چالیں پیدا کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا، ترکیبوں اور حیلوں کا ایک لازوال خزانہ اُس کے قبضے میں تھا، جو شخص اُس کے قہر و غضب کا نشانہ بنتا، مصیبتیں اُس پر ٹوٹ پڑتی تھیں، ایسا آدمی اگر ملک بھی چھوڑ دے تو بھی اُسے پناہ نہ ملتی تھی، معتضد کا اِنتقام ایسا تھا کہ دُنیا کے دُوسرے سِرے تک پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔

بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ معتضد نے اشبیلیہ میں ایک نابینا کی بہت سی جائداد اپنے قبضے میں کر لی، باقی جو کچھ بچا، وہ اس نابینا نے خود ضائع کر دیا، غرض بالکل مفلس و غریب ہو کر فقیر ہو گیا، اور اسی حالت میں مکہ شریف چلا گیا، یہاں آکر رات دن اُس شخص کے حق میں بد دُعا شروع کی جس نے اسے مفلس اور محتاج کر دیا تھا، معتضد کو یہ حال معلوم ہوا (۶۴۲) تو ایک آدمی کو جو حج کرنے جا رہا تھا، بُلوایا، اور اُس کو ایک صندوقچہ دیا، جس میں دینار بھرے ہوئے تھے، لیکن ان دیناروں پر کوئی نہایت تیز زہر مل دیا گیا تھا، معتضد نے اس آدمی سے کہا کہ "جب مکہ پہنچو تو یہ صندوقچہ شہر کے فلاں نابینا کو دے دینا، اور اُس سے میرا سلام کہکر کہنا کہ یہ سوغات معتضد نے تمہیں بھیجی ہے، لیکن تم خود اس صندوقچہ کو نہ کھولنا" چنانچہ جب یہ آدمی مکہ میں پہنچا تو معتضد کی سوغات لے کر اُس نابینا کے پاس گیا، اور وہ صندوقچہ اُسے دیدیا، غریب اندھے نے صندوقچہ لیکر کہا "واللہ! اس کے ہلانے سے تو اشرفیوں کی آواز آتی ہے، اس میں تو دینار بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ کیا بات ہے کہ اشبیلیہ میں تو معتضد مجھ پر ظلم کرے اور حجاز میں مجھے دینار بھیجے۔" جو آدمی صندوقچہ لایا تھا اُس نے کہا "بادشاہوں کے مزاج میں تلون ہوتا ہے، یا ممکن ہے کہ معتضد نے تمہارے ساتھ جو ناانصافی کی تھی، اب اُس پر دل بگڑ گیا ہو، اور اُس نے تمہارے نقصان کی تلافی کرنی چاہی ہو، بہرکیف مجھے اس سے بحث نہیں، مجھے معتضد نے جس کام کو کہا تھا وہ میں نے کر دیا، اب تم یہ صندوقچہ لو، یہ تمہارے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔"

نابینا نے جواب دیا "نعمت ہونے میں کیا کلام ہے، میں آپ کی اس تکلیف کا بہت ممنون ہوں، جب آپ اشبیلیہ واپس جائیں تو معتضد کی خدمت میں میرا شکریہ عرض کر دیجئے گا۔"

اندھا صندوقچہ بغل میں دبائے جس قدر ایک اندھے سے جلد چلنا ممکن تھا، اپنے غریب گھر کی طرف چلا، اور وہاں پہنچکر دروازہ احتیاط سے بند کر کے صندوقچہ جلدی سے کھولا، کہا جاتا ہے کہ جب انسان مفلس ہوتا ہے اور اتفاق سے اُسے دولت ملجاتی ہے

تو وہ اشرفیاں دیکھ کر بے انتہا خوش ہوتا ہے، اور اُن کی چمکتی ہوئی صورت پر اُس کی نظر لوٹنے لگتی ہے، اشبیلیہ کا یہ اندھا آنکھوں میں نور نہ رکھتا تھا کہ اس قسم کی لذت اُٹھاتا، جو کام کبھی بصارت دیا کرتی تھی، اب اُس کی جگہ لامسہ اور سامعہ مدد دیتے تھے، غرض اس خوشی کے عالم میں وہ اندھا کبھی اشرفیوں کو مٹھی میں اُٹھاتا، کبھی اُنگلیوں سے اُنہیں اُلٹ پلٹ کرتا، کبھی اُنہیں چھنکارتا، اور کبھی گنتا، یہاں تک کہ منہ سے اُنہیں چومنے لگا، منہ کو اشرفیوں کا چھونا تھا کہ زہر نے فوراً اثر کیا، اور رات نہ ہونے پائی تھی کہ یہ غریب اندھا دُنیا سے چل بسا۔

بادیس اور معتضد کہنے کو تو دونوں ظالم تھے، لیکن ان دونوں کے ظلم میں بھی ایک امتیاز قائم ہو سکتا ہے، بادیس حالتِ غیظ و غضب میں دشمن کو اکثر اپنے ہاتھ سے قتل کرتا تھا، مگر معتضد سرکاری جلاد کی خدمت خود ادا کرنی کبھی پسند نہ کرتا تھا، خون میں اپنے ہاتھ رنگنے معتضد کو گوارا نہ تھے، لیکن اس کی عداوت میں جو سختی اور دیرپائی تھی وہ بادیس کی عداوت میں نہ تھی، بادیس کا دشمن جب قتل ہو جاتا تھا تو بادیس کے دل کو تسکین ہو کر اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا، اور مقتول دشمن کا سر کاٹ کر حسبِ دستور ایک لکڑی کے سرے پر نصب کر دیا جاتا تھا۔

(۶۲۳) لیکن اس کے برعکس صاحبِ اشبیلیہ کی دشمنی ایک ایسی اشتہا تھی جو کبھی سیر ہونا جانتی نہ تھی، اُس کی عداوت دشمن کے قتل ہونے کے بعد بھی دشمن کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی، اُس کی خونی اشتہا ایسی تھی کہ دشمن کے کٹے ہوئے سر اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھنے میں اُسے ایک خاص لذت محسوس ہوتی تھی، خلیفہ مہدی باللہ کی طرح دشمنوں کی کھوپریوں میں پھولوں کے درخت لگواتا تھا، اور اپنے قصر کے صحن کو ان گلدانوں اور گلدستوں سے آراستہ کرتا تھا ہر کھوپری پر ایک پرچہ لگا ہوتا تھا جس پر اُس کے مالکِ سابق کا نام درج ہوتا تھا، قصر کے جس صحن میں یہ آرائش منعقد ہوتی تھی معتضد اُسے "باغ" کہا کرتا تھا، اور اس باغ کی سیر کا اُسے بہت شوق رہتا تھا، ایسے بادشاہوں کے سر جن کو فتح کیا تھا، وہ بصارت کے سب سے زیادہ محظوظ کرنے والے تھے، ایسی کھوپریوں کو قصر کے تہ خانے میں ایک صندوق میں مقفل رکھا جاتا تھا۔

لیکن یہ ظالم والیٔ ملک اپنی نظروں میں بہترین بادشاہ تھا، گویا رومیوں کا بادشاہ ٹائٹس تھا، جو ایک خاص غرض سے بنی نوعِ انسان کے فائدے کے لیے دنیا میں پیدا ہوا تھا۔

معتضد شاعرانہ جوش میں اپنی ایک نظم میں کہتا ہے :-

"خدایا! اگر تجھے منظور ہے کہ سعادت اور مسرت تیری مخلوق کو نصیب ہو تو مجھے عرب اور غیر عرب سب پر یکساں حکومت کرنے کی قوت بخش، کیونکہ میں کبھی راہِ راست سے نہیں پھرا ہوں، کبھی میں نے اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا ہے جو ایک فیاض اور دریا دل بادشاہ کی شان کے خلاف ہو، میں نے ہمیشہ ظالم اور زبردست سے انہیں پناہ میں رکھا ہے، اور جن مصائب نے انہیں گھیرا تھا انہیں دفع کیا ہے۔"

اسناد

عباد (ڈوزی) جلد ا ص ۲۴۳ تا ۲۴۵

جلد ۲ ص ۴۸، ۵۲

عبدالواحد ص ۶۷ تا ۷۰

ابنِ بسام جلد ا ص ۱۰۹

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

چھٹی فصل

المعتضد (بسلسلۂ سابق)

(۱۰۴۲) معتضد کا پہلا کام یہ تھا کہ اپنے باپ کے وزیر اور معتمد حبیب کو قتل کرکے اس سے اپنا پیچھا چھڑائے، اس کے بعد بربر سے لڑائی شروع کی، خاص کر قرمونہ کی بربر ریاست سے، جو اشبیلیہ کے علاقے سے متصل تھی، افریقیوں سے نفرت و عداوت رکھنے کی وجوہ ذاتی تھیں، معتضد سمجھتے تھے کہ اگر بربر کا زور نہ توڑا تو بربر ان کو یا ان کے بعد ان کی اولاد کو حکومت سے محروم کردیں گے، نجومیوں نے بھی خبر دی تھی کہ ان کے خاندان کو ایک ایسی قوم غارت کرے گی جو اسپین کی رہنے والی نہ ہوگی، بربر سے جو لڑائی شروع ہوئی وہ طویل المدت ثابت ہوئی، ۴۳۴ھ مطابق ۴۳-۱۰۴۲ء میں محمد بن عبداللہ برزالی

صاحب قرمونہ ایک کمینگاہ میں دشمن کے ہاتھ سے مارا گیا، مگر اس کے مارے جانے پر لڑائی ختم نہیں ہوئی، برزالی کے فرزند اور جانشین اسحاق نے جنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔

اِسی زمانہ میں معتضد اپنی سلطنت کی حدود کو مغرب کی سمت میں بڑھاتے رہے، ۴۳۶ھ / ۱۰۴۴ء میں ابن طیفور نے مرتلہ کی ریاست چھین لی، پھر ابن یحییٰ صاحب لبلہ پر حملہ کیا، ابن یحییٰ بربر نہ تھا بلکہ عرب تھا، لیکن جب سلطنت کو وسعت دینے کا خیال پیدا ہوتا تھا تو معتضد بربر اور عرب میں کوئی خصوصیت نہ سمجھتے تھے، ابن یحییٰ صاحب لبلہ کو جب معتضد کی فوجوں نے بہت دبایا تو وہ بربر سے جا ملا، چنانچہ مظفر صاحب بطلیوس اُس کی مدد کو آیا اور معتضد کو پیچھے ہٹا دیا، اور بادیس صاحب غرناطہ، اور محمد المہدی صاحب مالقہ، اور محمد بن قاسم بن حمود صاحب جزیرۃ الخضراء کو ملا کر ایک اتحاد معتضد کے خلاف قائم کیا، ابوالولید ابن جہور نے جو ۴۳۵ھ / ۱۰۴۳ء میں اپنے باپ کی موت پر جمہوری ریاستِ قرطبہ کا صدرِ مجلس ہوا تھا، بہت چاہا کہ مخالفین میں مصالحت ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی، اور اُس کی سفارتوں کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوا۔

جب اِن اتحادی ریاستوں کے لشکر یکجا ہو گئے تو بربر نے بڑھ کر اشبیلیہ پر حملہ کرنے کی تدبیر کی، مگر معتضد نے دشمنوں کی ایک نہ چلنے دی، مظفر صاحب بطلیوس اِس وقت اپنے دارالحکومت بطلیوس میں نہ تھا، اپنی ریاست کی سرحدوں کی پوری حفاظت بھی اُس نے نہ کی تھی، معتضد نے یہ حال دیکھ کر بطلیوس کے قرب و جوار کو لوٹنا اور غارت کرنا شروع کیا، اور پھر خلافِ عادت ایک لشکر کو اپنی سرکردگی میں لے لبلہ پر حملہ کرنے بڑھا، شہر لبلہ کے دروازے کے قریب ایک درے میں دشمن پر حملہ کیا اور بہت سے لوگوں کو وادی لبلہ (دریائے تنتو) میں جس پر شہر واقع تھا، غرق کر دیا، مظفر کو خبر ہوئی تو اُس نے اپنے سواروں کو جمع کر کے معتضد پر حملہ کیا، معتضد کو پیچھے ہٹنا پڑا،

(۶۲۵)

اب مظفر نے اپنا لشکر اتحادیوں کے لشکر سے جا ملایا، لیکن جس وقت یہ اتحادی اشبیلیہ کے نواح کو لوٹنے لگے تو ابن یحییٰ صاحب لبلہ اتحادیوں کو چھوڑ کر معتضد سے

جاملا، منظفر نے ابن یحییٰ کو اس عہد شکنی کی یہ سزا دی کہ جو روپیہ اُس نے منظفر کے پاس امانت رکھا تھا اُسے ضبط کر لیا، اور لبلہ کے علاقے کو جی کھول کر لوٹا، ابن یحییٰ نے معتضد سے فریاد کی، معتضد نے بطلیوس کی فوج پر حملہ کر دیا، اور اس فوج کو حیلے سے ایک کمین گاہ تک لا کر وہاں اُسے شکست دیدی، مگر معتضد اِس فتح کو کافی نہ سمجھا، اور اپنے فرزند اسماعیل کو یابرہ (یا یبورہ) کے علاقے میں بھیجا، تاکہ اِس علاقہ کو تباہ اور غارت کرے۔

منظفر بادشاہِ بطلیوس نے دشمن کے روکنے کے لیے جس قدر آدمی ایسے ملے جو ہتھیار لگا سکیں جمع کیے، اور اسحاق صاحب قرمونہ سے کمک لے کر دشمن پر حملہ کرنے بڑھا، قرمونہ کے بربر نے منظفر کو بہت سمجھایا کہ حملہ کرنے نہ جائیے، اور یہ بھی کہا کہ "آپ کو معلوم نہیں کہ اشبیلیہ کا لشکر کس قدر زیادہ ہے، ہم کو اس لشکر کے کثیر ہونیکی خبر اشبیلیہ سے پہنچی ہے، اور معتضد کے اِس لشکر کو ہم نے دیکھا بھی ہے۔" مگر منظفر پر اِن لوگوں کے سمجھانے کا کچھ اثر نہ ہوا، لڑا، اور لڑنے کی سزا یہ ملی کہ شکستِ فاش کھائی جس میں اُس کے تین ہزار آدمی مارے گئے، مقتولوں میں اسحاق والیٔ قرمونہ بھی تھا، جو اپنے باپ کے لشکر کو لے کر اِس لڑائی میں آیا تھا، اسحاق کا سر کاٹ کر معتضد کے سامنے پیش کیا گیا، معتضد نے اِس سر کو اُسی صندوق میں رکھا جس میں بادشاہوں کے کٹے ہوئے سر مقفّل رہتے تھے، اِسی صندوق میں اسحاق کے دادا عبداللہ برزالی کا سر بھی تھا۔

ایک مدت تک بطلیوس کی حالت تباہ رہی، دوکانیں بند اور بازار سُونے ہوگئے، شہر کے بڑے لوگ شکست والے دِن سب کے سب قتل ہو چکے تھے، بڑی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اشبیلیہ والوں نے کھیتیاں اور کھلیان سب غارت کر دیے اِس کی وجہ سے کل علاقے میں قحط پڑ گیا، منظفر بالکل بے یار و مددگار رہ گیا، اتحادیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اب وہ اپنے دارالحکومت میں سخت غم اور غصہ کی حالت میں بیکار بیٹھا رہتا تھا، مگر اس حالت میں بھی اُس نے اپنی خودداری میں فرق نہ آنے دیا،

جب مصالحت کر لینے کا مشورہ دیا گیا تو بالکل نہ سُنا، حالانکہ جس وقت ابنِ جہور نے مصالحت کی تحریک کی تھی تو معتضد نے اُس سے انکار نہ کیا تھا، منظفر نے ایسا ظاہر کیا کہ جو کچھ اُس کو نقصان پہنچا ہے، وہ گویا کچھ بھی نہ تھا، چنانچہ ایک آدمی قرطبہ روانہ کیا کہ کچھ لونڈیاں، اچھی گانے والی خرید کر لائے، اِس قسم کا مال اس زمانہ میں ذرا مشکل سے ملتا تھا، صرف دو لونڈیاں وہ بھی معمولی گانے والی دستیاب ہوئیں، بادشاہ بطلیوس کی اِس حرکت پر سب کو تعجب تھا کیونکہ منظفر بہت محتاط شخص تھا، اور گانے والیوں کا اُسے کبھی شوق بھی نہ رہا تھا، سب کو حیرت تھی کہ جب ملک کو اِس قدر تباہی کا سامنا ہو اُس وقت اربابِ نشاط کے خریدنے کا کیا موقع تھا؟ لیکن جب اصل وجہ معلوم ہوئی تو سب کا تعجب دور ہو گیا، منظفر کو خبر لگی تھی کہ اُسی زمانہ میں قرطبہ میں ایک وزیر کا مال فروخت ہوا تھا، اور اُس مال میں سے معتضد نے ایک مشہور گانے والی کنیز خریدی تھی، پس یہ ظاہر کرنے کو کہ جیسا اطمینانِ خاطر معتضد کو حاصل ہے وہی منظفر کو بھی ہے، منظفر نے کنیزیں خریدنے کے لیے ایک آدمی قرطبہ روانہ کیا تھا۔ (۶۳۶)

بہرکیف ابن جہور نے مصالحت کی کوشش میں کمی نہ کی، جولائی ۱۰۵۱ء (ربیع الاول ۴۴۳ھ) میں وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا، یعنی اُسی زمانہ میں منظفر اور معتضد میں ایک طول طویل گفتگو کے بعد صلح ہو گئی۔

اب معتضد، بادشاہِ لبلہ ابنِ یحییٰ سے جنگ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، ابنِ یحییٰ کے پاس مقابلہ کرنے کو سوائے اپنی فوج کے اور کچھ نہ تھا، لبلہ پر معتضد کی لشکر کشی فوج کی نقل و حرکت کے سوا اور کچھ ثابت نہ ہوئی، لڑائی نہیں ہوئی، ابنِ یحییٰ اپنی کمزور حالت سے واقف تھا، اِس لیے لبلہ کو بچانے کی کوشش نہیں کی، اور شہر چھوڑ کر قرطبہ جانے کا قصد کیا، تاکہ زندگی کے باقی دن وہیں گذارے، معتضد نے ابنِ یحییٰ سے بہت اخلاق کا برتاؤ کیا، اور فوج کا ایک دستہ ابنِ یحییٰ کے پاس اِس غرض سے بھیجدیا کہ وہ ان کو عزت کے ساتھ قرطبہ تک پہنچا دے

عبدالعزیز بکری جو اِس وقت ریاست ولبہ اور اُس کے قریب ایک چھوٹے سے جزیرے پر جس کا نام شلطیش تھا، حکومت کر رہا تھا، سمجھا کہ اب میری باری آنے والی ہے اِس خیال سے کہ ریاست کے جانے میں تو کوئی شک ہے نہیں، جو کچھ بچ سکے اُسی کو بچا لے،

عبدالعزیز نے معتضد کو ایک خط لکھا، حال میں جو فتوحات معتضد کو حاصل ہوئی تھیں، اُن پر مبارکباد دی، اور اُن دوستانہ مراسم کو یاد دلایا جو عبدالعزیز اور معتضد کے خاندان میں قدیم زمانہ سے چلے آتے تھے، خود بھی اظہارِ اطاعت کیا، اور ولبہ کی ریاست اِس شرط سے نذر میں دینی چاہی کہ شلطیش کا جزیرہ اُسی کے قبضے میں رہے،

معتضد نے عبدالعزیز کی درخواست منظور کی، اور یہ ظاہر کرکے کہ عبدالعزیز سے ملاقات کرنی منظور ہے، معتضد ولبہ کی طرف روانہ ہوئے، عبدالعزیز نے اپنی خیر اِسی میں سمجھی کہ مہمان کے آنے کا انتظار نہ کرے، چنانچہ جس قدر خزانہ ولبہ میں رکھتا تھا اُسے جزیرہ شلطیش میں منتقل کردیا، معتضد ولبہ آئے، شہر پر قبضہ کیا، اور ایک فوجی افسر کو اپنا نائب مقرر کرکے اشبیلیہ واپس چلے آئے، مگر نائب کو یہ حکم دیتے گئے کہ عبدالعزیز جزیرہ شلطیش سے باہر نہ جانے پائے، اور شلطیش میں کوئی باہر کا آدمی بھی اُس کے پاس نہ آئے۔

جب عبدالعزیز کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُس نے بڑی دانشمندی سے معتضد کے نائب سے جو ولبہ میں مقرر ہوا تھا، خط وکتابت کی، اور آخر کار اپنا کُل سامانِ حرب اور جہاز معتضد کے ہاتھ چھ ہزار دینار میں فروخت کرنے اور قرطبہ چلے جانے کی اجازت حاصل کرنی چاہی معتضد نے اجازت دیدی، لیکن عبدالعزیز جب قرطبہ جانے لگا تو راستے میں اُس کا مال ضبط کرنے کی تدبیر کی، عبدالعزیز کو اس کا پتہ چل گیا، صاحبِ قرمونہ نے فوج کا ایک دستہ سفر میں ساتھ رہنے کے لیے اُس کے پاس بھیجدیا تھا، اِس دستۂ فوج کی حفاظت میں عبدالعزیز صحیح سلامت قرطبہ پہنچ گیا۔

ولبہ اور شلطیش پر قبضہ کرنے کے بعد معتضد نے شلب کی چھوٹی سی ریاست کو تاکا، اِس ریاست کا والی عربی خاندان بنی مزینہ کا ایک شخص تھا، جس کے بزرگ اسپین کے اِس (۶۳۷) حصے میں مدت سے بڑے بڑے علاقوں کے مالک ہوتے چلے آئے تھے، اور خلفائے بنی امیہ کے عہد میں بڑے بڑے منصبوں پر ممتاز ہوتے رہے تھے۔

صاحبِ شلب نے اطاعت قبول کرنے کی جگہ مرنے کو بہتر سمجھا، اور معتضد کا مقابلہ ایسی ہمت اور دلیری سے کیا جو انسان میں جان سے مایوس ہونے کے وقت پیدا ہوجاتی ہے۔

لیکن اشبیلیہ کی فوج نے جو محمدؐ بن معتضد کی سرکردگی میں برائے نام تھی، کیونکہ ابن معتضد کی عمر اس وقت صرف تیرہ برس کی تھی، آخر کار شلب کو فتح کر لیا (یہ واقعہ سنہ ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء یا سنہ ۴۴۳ھ / ۱۰۵۱ء کا ہے، کیونکہ شلب کی فتح لبلہ اور ولبہ کی فتح کے بعد مگر شنت ماریہ کی فتح سے قبل عمل میں آئی تھی) لڑائی جہاں بہت سخت ہوئی تھی وہاں ابن مزینہ نے چاہا کہ لڑتے لڑتے مرجائے، لیکن معتضد نے اُسے مرنے نہ دیا، اور زندہ گرفتار کرکے جلاوطن کردیا، اس کے بعد ابن مزینہ کے بیٹے محمدؐ کو شلب کی حکومت دے کر معتضد ریاست شنت ماریۃ الغرب کی طرف متوجہ ہوا، شنت ماریہ کا شہر سمندر کے کنارے ایک راس پر ہے جسے اب تک سینٹ ماریہ کہتے ہیں، خلیفہ سلیمان المستعین نے اپنے زمانۂ حکومت میں شنت ماریہ کا شہر ماردہ کے ایک شخص سعید بن ہارون کو بطور جاگیر عطا کیا تھا، سعید بن ہارون کا نسب کہیں بیان نہیں ہوا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ عرب تھا نہ بربر، عربی مورخ جن لوگوں کے نسب سے لاعلمی ظاہر کرتے تھے وہ اکثر اسپینی ہوا کرتے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ سعید بن ہارون اسپینی مسلمان ہو، جب سلیمان المستعین کا انتقال ہوگیا تو سعید بن ہارون شنت ماریہ کا خود مختار حاکم بن گیا، اور جب سعید کا انتقال ہوا تو اُس کا بیٹا محمدؐ بن سعید ریاست کا مالک ہوا، جب اشبیلیہ والوں نے اُس پر حملہ کیا تو اُس نے خفیف سا مقابلہ کیا۔

معتضد نے شنت ماریہ کی ریاست اور شلب کی ریاست ایک کرکے اپنے لڑکے کو اُس کی حکومت تفویض کی (یہ واقعہ سنہ ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء کا ہے)

ان جلد اور پے در پے فتوحات سے اشبیلیہ کی سلطنت کو مغرب کی سمت میں بہت وسعت حاصل ہوگئی، لیکن اسپین کی جنوبی سمت میں جہاں رؤسا بربر حکومت کرتے تھے اشبیلیہ کی ترقی میں مزاحمت ہوتی رہی، ان بربر رئیسوں میں اکثر رئیس معتضد سے صلح و آشتی رکھتے تھے، بلکہ معتضد کی سیادت یا یہ سمجھیے کہ فرضی ہشام المؤید کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے، مگر معتضد اس برائے نام سیادت کو کافی نہ سمجھتے تھے، قصد یہ تھا کہ ان بربر رئیسوں کا قلع قمع کرکے اُن کی ریاستوں کو اپنے قبضے میں لائیں، لیکن اُنھوں نے اس کام میں

احتیاط کی، کیونکہ وہ کسی مشکل کام میں اُس وقت تک ہاتھ نہ ڈالتے تھے جب تک گہری سازشیں کرکے اپنے حق میں کامیابی کا پورا اطمینان نہ کرلیتے تھے۔

شلب پر قبضہ کرنے کے بعد صرف دو ملازموں کو ساتھ لے کر معتضد بغیر اطلاع کیے ابن نوح صاحب مورور، اور ابن ابی قرہ یفرنی صاحب رندہ سے ملاقات کرنے اُن کے شہروں میں گئے، بربر کو معتضد سے سخت عداوت تھی، اور معتضد بھی اس بات کو خوب جانتے تھے، پھر تعجب ہوتا ہے کہ کیوں اُنھوں نے دیدہ و دانستہ ان بربر رئیسوں کے پاس جاکر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پسند کیا، وجہ یہ تھی کہ معتضد جرأت اور ہمت میں کچھ کم نہ تھے، اور گو خود بہت ایماندار نہ تھے، لیکن دوسروں کی ایمانداری پر بھروسہ کرتے تھے، مورور میں ابن نوح نے اُن کی بہت خاطر مدارات کی، اور بغیر اطلاع ملاقات پر بجید مسرت ظاہر کی، بڑے اہتمام سے اُن کی مہمانداری میں مصروف ہوا، اور اپنی دوستی کا اُنہیں یقین دلایا، لیکن معتضد میٹھی میٹھی باتیں سُننے اور پُر تکلف دعوتیں اُڑانے کے لیے نہیں آئے تھے، اُن کا مقصد کچھ اَور ہی تھا، وہ اِس لیے آئے تھے کہ حالات کا بچشم خود مطالعہ کریں اور اگر ممکن ہو تو بڑے بڑے آدمیوں کو اپنی طرف ملالیں، چنانچہ مورور پہنچکر معلوم ہوا کہ وہاں کے عرب بربر کی حکومت سے آزاد ہونے کے بہت آرزومند ہیں، اور جب کوئی موقع آئیگا تو معتضد کا ساتھ دینے کو تیار ہوجائیں گے۔ (۶۳۸)

معتضد کے حکم سے اُس کے دونوں ملازم اشرفیاں اور جواہرات اپنے ساتھ لائے تھے معتضد نے بربر کے بعض فوجی افسروں کو زر و جواہر دے کر اپنی طرف ملالیا، ابن نوح کو معتضد کی طرف سے کچھ بدگمانی نہ ہوئی، اور اُس کو ان سازشوں کا مطلق علم نہ ہوا۔

مورور میں سب باتوں کی طرف سے اطمینان کرلینے کے بعد معتضد رندہ پہنچے، یہاں بھی اُن کی بہت خاطر و تواضع ہوئی، اور جو تدبیریں سوچ کر آئے تھے اُن پر عمل کرنے میں بھی وہ کامیاب رہے، بلکہ یہاں مورور سے بھی زیادہ کامیابی ہوئی، رندہ کے عرب مورور کے عربوں سے بھی زیادہ بربر سے گلو خلاصی کے خواہشمند تھے، اور یہاں بنی ابی قرہ حکومت کرنے میں بنی نوح سے بھی زیادہ سخت تھے، لہٰذا معتضد کو موقع ملا کہ یہاں بھی بغاوت کی

ایک ایسی سرنگ تیار کردیں جو ایک اشارے کے ساتھ سب کا دھواں اُڑا دے۔

مگر اس بے احتیاطی سے کہ معتضد رندہ میں تنہا چلے آئے، ایک موقع ایسا آیا کہ بال بال جان بچ گئی، ایک دن ایک ضیافت میں کھانا کھانے کے بعد جس میں شراب پینے میں بھی کچھ کمی نہیں کی تھی، کسی قدر دوران سر معلوم ہوا، معتضد نے اپنے میزبان سے کہا کہ "کچھ کسل معلوم ہوتا ہے، اس لیے تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں، لیکن اس صحبت کو برہم کرنا نہیں چاہتا، تھوڑی دیر سونے سے طبیعت درست ہو جائے گی، اس کے بعد پھر شریک ہوں گا۔" ابن ابی قرہ نے کہا "جیسا ارشاد ہو" اور یہ کہہ کر معتضد کو قریب کے ایک کمرے میں لے گیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد جب ایسا معلوم ہوا کہ معتضد بے خبر سو گئے ہیں تو ایک بربر افسر نے مجمع کو یہ کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا کہ اُسے ایک ضروری بات کہنی ہے، سب لوگ یہ سنتے ہی خاموش ہو گئے، اور اب اس بربر نے کہا:-

"اس وقت ایک بڑا موٹا مینڈھا ہمارے پاس ایسا موجود ہے جو اپنی گردن ہماری چھری کی نذر کرنی چاہتا ہے، یہ موقع ایسی خوش نصیبی کا ہے جو ہمارے خواب و خیال میں بھی نہ آسکتا تھا، اگر اس شخص کو پانے کے لیے اندلس کی تمام دولت بھی صرف کر دیتے تو وہ ہاتھ نہ آتا، یہ محض حسن اتفاق ہے کہ اس وقت وہ ہمارے قبضے میں ہے، اس بات کو سب جانتے ہیں کہ یہ شیطان مجسم ہے، اگر اسے غارت کر دیا تو اس ملک پر قبضہ کرنے میں ہمارا کوئی مزاحم نہیں ہو سکیگا۔"

(۶۳۹) جلسے میں جس قدر لوگ تھے، بربر کی اس تقریر کو سنکر دنگ رہ گئے، منہ سے کسی نے کچھ نہ کہا مگر نگاہیں زبان کا کام کرنے لگیں، چونکہ ایسے شخص کو قتل کرنا جو موجب خوف ہو اور جس کے مکر و فریب سے ہر شخص واقف ہو، ایسے لوگوں کے لیے ایک دلکش مضمون تھا جن کو قتل و غارت کے ارتکاب نے پہلے ہی سے سنگدل کر دیا تھا، اس لیے اُن کے چہروں سے بربر کی تقریر کے بعد نہ حیرت کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ نفرت کے، صرف ایک شخص جو اوروں سے زیادہ منصف مزاج تھا، اس مجمع میں ایسا نکلا جس کا خون اِس

مکر و دغا کی تحریک پر جوش کھانے لگا ، یہ معاذ ابن ابی قرہ صاحب رندہ کا ایک رشتہ دار تھا ، غصے سے اُس کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں ، کھڑے ہوکر آہستہ آواز سے مگر نہایت متاثر ہوکر کہنے لگا :-

" میں آپ لوگوں کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ ہم کو ہرگز اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیئے ، یہ شخص ہماری خیر خواہی پر بھروسہ کرکے یہاں آیا ہے ، اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری طرف سے کسی قسم کے دھوکے یا دغا کا اُسے وہم وگمان بھی نہیں ہے پس ہماری غیرت کا یہی مقتضیٰ ہے کہ جو بھروسہ اُس کو ہم پر ہے اُسے صحیح ثابت کردیں ، بربر کے اور قبیلوں میں جب ہمارے بھائی بند سنیں گے کہ ہم نے حقوقِ مہمانداری کو کس طرح پامال کیا ہے ، اور اپنے مہمان کو مار ڈالا ہے تو وہ ہمیں کیا کہیں گے ؟ لعنت ہو خدا کی اُس پر جو ایسا کام کرے "۔

معاذ کے اس کریمانہ اور غیرت دلانے والی تقریر نے بربر میں ایک جوش پیدا کردیا میزبانی اور مہمان نوازی کے واجبات یاد دلانے سے سب کے دلوں پر وہ اثر پیدا ہوا جس کا پیدا نہ ہونا مشرقی قوموں میں شاذ ہوتا ہے ۔

اُس وقت جبکہ یہ گفتگو ہورہی تھی معتضد بظاہر سورہے تھے مگر حقیقت میں بیدار تھے ، اور نہایت خوفزدہ ہوکر بربر کی ایک ایک بات کو غور سے سُن رہے تھے معاذ کی تقریر سُن کر جب ذرا دل کو تسکین ہوئی تو اُٹھے اور فوراً جلسے میں آن بیٹھے سب لوگ اُن کے آتے ہی تعظیم کو کھڑے ہوئے ، اور بہت ادب سے اُنکی پیشانی کو بوسہ دیا ، اِس اظہارِ تعظیم میں مبالغہ اِس وجہ سے تھا کہ مہمان کو اس دنیا سے دوسرے عالم میں پہنچانے کا جو خیال اِس وقت پیدا ہوا تھا ، اب اُس پر سب نادم تھے ۔

معتضد نے کہا " دوستو ! میں اب اشبیلیہ واپس جانے کا قصد رکھتا ہوں ، میں بیان نہیں کرسکتا کہ آپ کی مہمان نوازی نے مجھے کس درجہ مرہونِ منت کیا ہے میں اپنی شکرگذاری کا بدل چند ناچیز تحائف سے کرنا چاہتا ہوں ، گو مجھے افسوس ہے

کہ تحائف جو میرے ملازم ساتھ لے کر چلے تھے، اب تقریباً ختم ہو چکے ہیں، کچھ کاغذ اور قلم دوات مجھے دیجئے اور ہر شخص اپنا نام اور جو چیز اُسے پسند ہو مثلاً خلعت، روپیہ گھوڑے، خوبصورت کنیزیں، غلام وغیرہ وغیرہ وہ مجھے لکھوادے، اور جب میں اشبیلیہ پہنچ جاؤں تو اپنا نوکر میرے پاس بھیجدے، تاکہ میں سب کی فرمائشیں نوکروں کی معرفت روانہ کردوں"۔

(۶۴۰) سب لوگ معتضد کی اِس بات کو سنکر بہت خوش ہوئے اور اُن سے اتفاق کرلیا، جب معتضد، اشبیلیہ پہنچے تو بربر کے بھیجے ہوئے آدمی بکثرت اُن کے پاس حاضر ہوئے، اور بیش بہا تحائف اپنے آقاؤں کے لیے پاکر واپس گئے۔

معتضد اور بربر میں بظاہر اب بہت اچھے تعلقات قائم ہوگئے، معلوم ہوتا تھا کہ پُرانی عداوتیں اب دلوں سے فراموش ہوگئی ہیں، اور عداوت کی جگہ اب دوستی اور رفاقت پیدا ہوگئی ہے۔

اِس واقعہ کے چھ ماہ بعد معتضد نے رندہ اور مورور کے رئیسوں کو ایک ضیافت میں مدعو کیا، یہ ضیافت اُس خاطر و مدارات کا بدل تھا جو حال میں ان مقامات کے رُوسائے معتضد کی کی تھی، ابنِ خزرون صاحب ارکش اور شریش بھی اس ضیافت میں بُلائے گئے، چنانچہ یوم مقررہ پر یہ تینوں یعنی رندہ، مورور، ارکش و شریش کے رئیس اشبیلیہ میں وارد ہوئے (۴۴۵ھ / ۱۰۵۳ء)

معتضد نے بڑے اہتمام سے اُن کا استقبال کیا، اور حسبِ دستور ان رئیسوں اور ان کے درباریوں کو حمام کرنے بھیجا، مگر کسی ترکیب سے معاذ کو حمام نہ جانے دیا۔

تقریباً ساٹھ بربر اُس حمام پر جسے معتضد نے بتایا تھا، پہنچے، باہر کے کمرے میں کپڑے اُتار کر اندر کے درجے میں غسل کے لیے داخل ہوئے، اِسلامی ملکوں میں حمام میں غسل کا کمرہ، اور اُس کی دیواریں، اور فرش سب سنگِ مرمر کا ہوتا ہے، اور چھت کی جگہ ایک قبہ ہوتا ہے جسمیں کھڑکیاں اور کھڑکیوں میں شیشے لگے ہوتے ہیں، غسل کے لیے حوض بھی سنگِ مرمر کے ہوتے ہیں، اور دیواروں کے اندر نل نیچے کے آتشدان

سے گرم ہوا کھینچ کر تمام کمرے کو بہت گرم رکھتے ہیں۔
بربر غسل کی راحتوں سے لطف اٹھا رہے تھے کہ کسی کسی نے کچھ ایسی آواز سنی جیسے کہیں دور معمار کام کرتے ہوں، مگر کسی نے اس کا کچھ خیال نہ کیا، تھوڑی دیر میں حمام اتنا گرم ہوگیا کہ برداشت کے قابل نہ رہا، لوگوں نے چاہا کہ کواڑ کھول کر باہر نکلیں، کواڑ کھولے تو دیکھتے کیا ہیں کہ دروازے میں تیغا لگا ہوا ہے، اور تمام روزن جہاں سے ہوا آسکتی تھی، بند کردیے گئے ہیں، غرض ان میں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکل سکا، اور سب اسی حال میں دم گھٹ کر مرگئے۔
معاذ دیر تک اپنے ساتھیوں کا انتظار کرتا رہا، جب وقت زیادہ گذر لیا، اور کوئی نہ آیا تو اس نے معتضد سے اس دیر کی وجہ دریافت کی، معتضد نے صاف صاف کل واقعہ بیان کردیا، معاذ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، معتضد نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا "تم بالکل نہ ڈرو، تمہارے یہ دوست اور عزیز اسی لائق تھے کہ وہ ہلاک کیے جاتے، کیونکہ انھوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا تھا، میں اس وقت جاگ رہا تھا اور سب باتیں سنتا تھا، جو شریفانہ تقریر تم نے اس موقعہ پر کی تھی، میں اسے کبھی نہیں بھولوں گا، یہ تمہارا ہی طفیل ہے کہ آج میں زندہ ہوں، اب تم چاہے اشبیلیہ میں رہو اور جو کچھ مال و دولت اور آرام و راحت مجھے نصیب ہے اس میں شریک ہو، اور اگر رندہ جانا چاہتے ہو تو نہایت قیمتی تحائف اور ایک فوج جلو میں لے کر رندہ چلے جاؤ"۔
معاذ نے بہت افسردہ آواز میں کہا "افسوس ہے، میں رندہ میں کیسے واپس جاسکتا ہوں، جہاں ہر چیز مجھے اپنا نقصان یاد دلائے گی"۔ (۱۰۴۱ھ)
معتضد بولا "اچھا تو پھر اشبیلیہ میں رہو، یہاں تم کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی" اس کے بعد معتضد نے ایک نوکر کو اشارہ کیا اور کہا "دیکھو! فوراً ایک محل معاذ کے رہنے کے لیے درست اور آراستہ کیا جائے، ایک ہزار اشرفیاں، دس گھوڑے، تیس کنیزیں، اور دس غلام اس محل میں فوراً پہنچا دیے جائیں"۔
اتنا کہہ کر معتضد معاذ سے مخاطب ہوکر بولا "ان چیزوں کے علاوہ میں تمہیں

بارہ ہزار دینار سرخ انعام کے طور پر سالانہ دیا کرونگا"۔

اب معاذ نے اشبیلیہ میں سکونت اختیار کرلی، اور یہاں وہ بادشاہوں کی طرح رہنے لگا، معتضد روزانہ اُس کو کوئی نہ کوئی قیمتی اور حسین تحفہ بھیجد یا کرتا تھا، اشبیلیہ کی فوج میں معاذ کو افسری کی عزت بخشی، اور جس وقت معاملاتِ سلطنت میں وزراء سے مشورہ کرنا ہوتا تو معاذ کو بھی شریک کرتا، اور اُس شخص کو جس نے اُس کی جان بچائی تھی سب سے زیادہ عزت کی جگہ بٹھاتا۔

بربر سرداروں کے سر اُتروا کر اُسی صندوق میں رکھوائے جسے دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا، اِس کے بعد مورور، ارکش شریش، رندہ اور دیگر بلاد پر قبضہ کرنے کے لیے فوجیں روانہ کیں، ہر جگہ عرب باشندوں اور ایسے لوگوں کی مدد سے جن کو معتضد روپیہ دے چکا تھا، اِن فوجوں کو شہروں پر قبضہ کرنے میں سہولت ہوئی، رندہ پر قبضہ ہونے میں، جہاں اب ابو نصر اپنے باپ کی جگہ حکومت کرتا تھا، کسی قدر مشکل پیش آئی، کیونکہ یہ شہر ایک اُونچے پہاڑ پر واقع تھا، اور اُس کی چاروں سمتیں اِس قدر سیدھی اُٹھی ہوئی چٹانوں کی تھیں کہ اُن پر چڑھ کر اوپر پہنچنا ناممکن معلوم ہوتا تھا، لیکن شہر کے عرب مل کر ایک دم بربر کے مقابلہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے، اور بربر کو نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کرنا شروع کیا، ابو نصر نے بھاگ کر جان بچانی چاہی، لیکن اِسی کوشش میں مرگیا، ایک دیوار پر چڑھنا چاہا، مگر پاؤں پھسل گیا، اور نیچے ایک گہرے غار میں گر کر ختم ہوگیا[۵۱]۔

رندہ کے فتح ہوجانے سے معتضد بہت خوش ہوا، اور فوراً شہر کو زیادہ مستحکم کرنے کیلئے اُس کی تعمیر شروع کی، جب نئی دیواریں اور مورچے دمدمے وغیرہ تیار ہوگئے تو اُن کے

---

۵۱ اس واقعہ کے بڑے اجزا، ابن بسام نے بیان کیے ہیں، لیکن دو تین غلطیاں بھی کی ہیں، نویری نے مقام بجائے رندہ کے قرمونہ بیان کیا ہے (مقابلہ کرو عباد مولفہ ڈوزی سے جلد۱ ص ۲۵۰ تا ۲۵۱ جلد۲ ص ۱۲۹ تا ۱۳۰- ۲۱۰- ۲۱۴ تا ۲۱۵ نیز دیکھو ڈوزی کا دیباچہ ابن عذاری کی تاریخ پر ص ۸۶ +

معائنے کے لیے آیا، اور سب چیزوں کو دیکھ کر جوشِ مسرت میں اس قسم کے اشعار کہے :-

"اے رندہ! میری سلطنت کے سب سے حسین جوہر، کبھی تجھ کو ایسے استحکام پر پہلے ناز نہ ہوا ہوگا، بہادر لڑنے والوں کی تلواروں اور برچھیوں نے میرے لیے تجھے فتح کیا ہے، اور تیرے باشندے مجھ کو اپنا محافظ اور بادشاہ مانتے ہیں۔ آہ! اگر میری زندگی رہی تو میرے دشمنوں کی زندگی کم ہو جائے گی، اپنی جان کو سلامت رکھنے کے لیے میں کبھی اُن سے لڑنا بند نہ کروں گا، اُن کے دستے کے دستے میں نے قتل کیے ہیں، میرے دشمنوں کے سر موتیوں کی طرح لڑیوں میں پروئے ہوئے میرے محل کے دروازہ پر گلے کے ہار کی طرح لٹکے ہیں۔"

(۶۴۲)

اسناد:-

عباد جلد۱ ص۲۴۲، ۲۴۷ تا ۲۴۹، ۲۵۱ تا ۲۵۳

جلد۲ ص ۱۴، ۶۰، ۱۲۳، ۲۰۹ تا ۲۱۱، ۲۱۶

ابنِ بسّام جلد۱ ص ۹۹، ۱۰۸ تا ۱۰۹

جلد۲ ابنِ عمار پر مضمون

ابن الابار ص ۵۰ تا ۵۱

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

ساتویں فصل

المعتضد (بسلسلۂ سابق)

(۶۴۳) معتضد تو کامیابیوں سے سرخرو نہایت خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا، مگر بادیس بادشاہِ غرناطہ کی پریشانیاں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں، یہ سن کر کہ بربر کے اِتنے رئیس نہایت اذیت سے ہلاک کردیے گئے، بادیس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور رنج و غصے سے چیخنے لگا، پھر جب سُنا کہ رندہ کے عرب باشندے قومی جوش میں تن واحد ہوکر بربر کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو بڑے مایوسانہ خیالات نے بادیس کے دل کو مضطرب کرنا شروع کیا، سوچتا تھا کہ اِس حالت میں کیونکر یقین کرلے کہ غرناطہ کی عرب رعایا اُس کی حکومت اور جان لینے کے لیے بنو عبادِ اشبیلیہ سے سازش نہیں رکھتی؟ رات دن اِسی کا خوف رہنے لگا، فکر اور غصہ سے حالت مجنونانہ

ہوگئی، کبھی طیش میں آکر تمام دنیا کو تودۂ ملامت بناتا، کبھی طرح طرح کے خطروں کے خیال سے چپ لگ جاتی، غرض انہی فکروں نے اُس کو ایسا خمیدہ اور بافتادہ کردیا جیسے کسی درخت پر بجلی گری ہو، ان سب باتوں پر ایک عجیب بات جس سے آئندہ کے لیے اور بھی خوف پیدا ہوا، یہ ہوئی کہ بادیس نے شراب پینی چھوڑ دی۔

بادیس دل ہی دل میں ایک نہایت خوفناک تدبیر سوچنے لگا، وہ خوب جانتا تھا کہ جب تک عرب اُس کی سلطنت میں موجود ہیں، جان کو سلامتی نصیب رہنی ممکن نہیں پس اپنی خیر اسی میں ہے کہ ان سب عربوں کو نیست ونابود کردیا جائے، جمعہ کا دن قریب ہے، مسجد میں سب لوگ جمع ہوں گے، بس اُسی دن عربوں کا کام تمام کردیا جائے، لیکن یہودی وزیر سموایل سے بغیر مشورہ کیے بادیس کوئی کام نہ کرتا تھا، چنانچہ اس وزیر سے اپنا خیال ظاہر کیا، اور یہ بھی کہا کہ وزیر چاہے اُس کے خیال کو پسند کرے، یا نہ کرے، مگر ہوگا وہی جو اُس نے سوچا ہے، یہودی وزیر نے بادیس کی تدبیر کو اچھا نہ سمجھا، اور چاہا کہ بادشاہ کو اس سے باز رکھے، نہایت ادب سے عرض کرنے لگا کہ ابھی توقف فرمایا جائے، اور اُن نتائج پر بھی غور کرلیا جائے جو ایسے کام سے پیدا ہونے والے ہیں، پھر عرض کیا کہ "فرض کیجئے کہ کام اُسی طرح انجام پایا جیسا کہ آپ چاہتے ہیں اور تمام خطروں کو بغیر سوچے آپ نے عربوں کو ہلاک بھی کردیا تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اسپین کے باقی شہروں کے عرب اِس حادثۂ عظیم کی طرف سے جو اُن کے ہمقوم لوگوں پر وارد ہوگا غافل ہوجائیں گے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اِس صورت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں، میری آنکھوں میں تو ابھی سے یہ تصویر پھرنے لگی ہے کہ عرب قہر وغضب میں بھرے ہوئے شمشیر بکف آپ کی طرف بڑھے چلے آتے ہیں، مجھے تو ابھی سے نظر آرہا ہے کہ بے شمار دشمن سمندر کی موجوں کی طرح آپ پر امنڈ آئے ہیں، اور اُن کی تلواریں آپ کے سر پر چمک رہی ہیں۔"

(۶۴۴)

باوجود اِس تقریر کے بادیس پر کچھ اثر نہ ہوا، اور وہ اپنے ارادہ پر بدستور پختہ رہا اُس نے سموایل سے کہدیا کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔

غرض بادیس نے ضروری تیاریاں کر کے اِس مضمون کے احکام جاری کیے کہ جمعہ کو تمام فوجیں پُورے ہتھیار لگا کر میدان میں حاضر ہوں، اُن کا معائنہ کیا جائیگا۔

سموایل اِس اثنا میں بیکار نہ بیٹھا، چند عورتوں کے ذریعہ سے جو عربی رئیسوں کے ہاں آتی جاتی تھیں، اطلاع کرادی کہ آئندہ جمعہ کو وہ مسجد میں نہ آئیں، بلکہ کہیں چھپ کر بیٹھ جائیں۔ عرب اِس طرح ہوشیار ہوگئے، اور جمعہ کو صرف چند معمولی آدمی مسجد میں آئے جب بادیس کا یہ منصوبہ نہ چلا تو اُس نے بہت غصہ کی حالت میں سموایل کو طلب کیا اور افشائے راز کرنے پر اُس کو نہایت سخت وسست کہا، وزیر نے عرض کیا کہ "میں نے راز کی کوئی بات کسی پر ظاہر نہیں کی، رہا عربوں کا مسجد میں نہ آنا، تو اس کی وجہ ظاہر ہے چونکہ آپ نے حالتِ امن میں تمام فوج کو مسلح کر کے بلا کسی سبب کے حاضر کرایا تھا، اِس لیے قدرتی طور پر لوگوں کو خطرے کا اندیشہ گذرا، بجائے غصہ کرنے کے حضور کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے، عربوں کو آپ کا ارادہ معلوم ہوگیا تھا، ممکن تھا وہ آپ کے مقابلے کو اُٹھ کھڑے ہوتے، مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا، غصہ دُور کر کے اِس معاملہ پر غور فرمائیے اور وہ وقت آنے والا ہے کہ میں نے جو رائے دی تھی اُس سے آپ اتفاق کرنے لگیں گے"۔

شاید بادیس اِس سمجھانے پر بھی اپنی تدبیر کو عمل میں لانے پر اصرار کرتا، لیکن ایک بربر شیخ اِس گفتگو کے وقت موجود تھا، اُس نے بھی سموایل کے دلائل کو مضبوط سمجھ کر تسلیم کیا، غرض بادیس کو سوائے اِس کے کچھ کہتے نہ بن پڑا کہ "میں اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوں"۔ اور اب اُس نے اپنی عربی رعایا کو قطعاً نیست و نابود کرنے کے خیال سے درگذر کی، لیکن جب موردر، ارکش، شریش اور رندہ کے بربر نے جو غرناطہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے، فریاد و زاری کی تو بادیس نے اپنی نسل کے اِس دشمن صعب یعنی معتضد کو سزا دینے کا مستقل ارادہ کرلیا، اور موردر، ارکش اور رندہ کے بربر کو جنھوں نے غرناطہ میں پناہ لی تھی، اپنی فوجوں کے ہمراہ لے کر اشبیلیہ کے علاقہ پر حملہ کردیا اِس لڑائی کے مفصل حالات ہم تک نہیں پہنچے، لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کشت و خون بہت ہوا، کیونکہ ادھر تو اسودیوں میں اپنے سرداروں کی ہلاکت پر

جوشِ انتقام بھرا ہوا تھا، اُدھر عربوں کو غرناطہ کے بربر سے بہ نسبت اور جگہ کے بربر کے کہیں زیادہ خصومت تھی، اور عرب اُن کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، غرناطہ کے بربر کو وہ کافر اور دشمن دین سمجھتے تھے، کیونکہ اُن کا وزیر ایک یہودی تھا، چنانچہ جب اشبیلیہ کے شاعروں نے معتضد کو اس کی فتوحات پر مبارکباد دی ہے تو اس میں بھی کہا کہ "تُو نے اپنی تلوار سے اُس قوم کو سزا دی ہے جو یہودیوں کے برابر ہے، گو وہ اپنے کو بربر کہتی ہے"۔ اہلِ اشبیلیہ کے نزدیک غرناطہ کے لوگوں سے لڑنا جہاد تھا، اور اسی خیال نے اُن میں اتنی قوت پیدا کر دی کہ بادیس کی فوجوں کو اُنھوں نے پسپا کر دیا، وہ لوگ جو مورور، ارکش، شریش اور رندہ سے بھاگ کر بے خانماں ہوئے تھے اُن کی حالت رحم کے قابل تھی، معتضد نے اُن کو اُن کے گھروں کو واپس نہ جانے دیا، اور بادیس نے غرناطہ میں اُن کے رہنے کی ممانعت کر دی، مجبور ہو کر یہ لوگ آبنائے جبل طارق عبور کر کے روزی کی فکر میں افریقہ میں سبتہ کے ساحل پر اُترے لیکن سبتہ میں سکوت نے جو وہاں کا حاکم تھا اُنھیں ٹکنے نہ دیا، غرض ایسے زمانہ میں جبکہ افریقہ میں قحط پڑ رہا تھا، یہ لوگ ہر در سے ناکام پھر کر تقریباً سب کے سب فاقہ کشی سے ہلاک ہو گئے۔ (۶۴۵)

اب معتضد نے قاسم حمودی (قاسم بن محمد بن قاسم بن حمود) صاحب جزیرۃ الخضرا پر حملہ کیا، بربر کے رئیسوں میں یہ سب سے کمزور رئیس تھا، مصالحت کرنے پر بہت جلد مجبور ہو گیا، معتضد نے اس کو قرطبہ میں رہنے کی اجازت دیدی (۴۷۸ھ / ۱۰۸۵ء)

اس اخیر فتح یعنی جزیرۃ الخضرا پر قبضہ کرنے کے بعد معتضد نے سوچا کہ والدِ مرحوم (قاضی ابوالقاسم محمدؒ) کے وقت میں ہشام المؤید کا جو تماشا کھڑا کیا گیا تھا، اور جسے اپنے وقت میں بھی جاری رکھنا پڑا ہے، اب اُسے بند کر دینا چاہیئے، اور یہ بات تسلیم کر لینی چاہیئے کہ ہشام المؤید زندہ نہیں ہیں، جن اسباب کی بنا پر قاضی ابوالقاسم محمد کو ضرورت پیش آئی تھی کہ اس خلیفہ کو زندہ ظاہر کر کے اُس کی پناہ میں رہیں، اب وہ اسباب باقی نہ تھے، اس زمانہ میں عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا کہ قدیم طرز سلطنت کو پھر

زندہ کرنا ممکن نہیں، خلافت جو مٹ چکی ہے، اب دوبارہ قائم نہیں ہوسکتی، خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کے متعلق جو خواب و خیال لوگوں کے دلوں میں کچھ باقی بھی تھے وہ تجربہ سے بیکار اور عبث ثابت ہوچکے تھے، اس لیے قلعہ رباح کا بوریہ باف خلف جسے ہشام المؤید بنا رکھا تھا، اب ایک بیکار چیز تھا، ممکن ہے کہ یہ شخص جو نہ کبھی رعایا کے سامنے ظاہر ہوا تھا، اور نہ کبھی دربار میں بیٹھا تھا اس وقت زندہ نہ ہو، اور کبھی کا اپنی موت مرچکا ہو، یا معتضد نے اس کا کام تمام کرادیا ہو، جیسا کہ بعض مورخوں نے لکھا ہے، بہرکیف اس بارے میں صرف قیاس سے کام لیا جاسکتا ہے کیونکہ معتضد جس بات کو چھپانا چاہتے تھے، اس پر ایسا پردہ ڈالے رکھتے تھے کہ کوئی اس پردہ کو اٹھا نہ سکتا تھا، صرف اتنی بات یقینی ہے کہ ۴۵۱ھ / ۱۰۵۹ء میں معتضد نے دارالحکومت اشبیلیہ کے عمائد و اکابر کو طلب کیا، اور جب وہ حاضر ہوئے تو ان کو اطلاع دی کہ "تھوڑے دن ہوئے خلیفہ ہشام المؤید کا مرض فالج سے انتقال ہوگیا ہے، چونکہ اس وقت لڑائی ہورہی تھی اس لیے اس خبر کو عام نہیں کیا گیا، اب امن ہوگیا ہے اس لیے اس واقعہ کے ظاہر کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔" اس کے بعد معتضد کے حکم سے خلف بوریہ باف کا جنازہ شاہانہ شان و شوکت سے اٹھایا گیا، اور معتضد بہ حیثیت حاجب پیادہ پا بغیر طیلسان سر پر ڈالے جنازے کے ساتھ چلے اسپین کی مشرقی ریاستوں کو بھی جن سے اتحاد تھا خلیفہ ہشام المؤید کی موت کی اطلاع دی گئی، اور اس امر کا اعلان کیا گیا کہ خلیفہ مرحوم نے اپنے وصیت نامہ میں معتضد کو امیر اسپین مقرر کیا ہے۔

(۶۴۶) اب معتضد کے تمام کام اس غرض و نیت سے ہوتے تھے کہ وہ تمام اسپین کے امیر اور بادشاہ ہوجائیں، اور اسی غرض سے انہوں نے مصمم قصد کرلیا کہ سلطنت اسپین کے سابقہ دارالحکومت یعنی قرطبہ پر قبضہ کریں، لیکن قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اس معاملہ میں انہیں سخت ناکامی ہو۔

معتضد کی فوجیں قرطبہ کے علاقے پر کئی بار حملہ کرچکی تھیں، لیکن ۴۵۵ھ / ۱۰۶۳ء میں

معتضد نے اپنے فرزند کلاں اسماعیل کو جو امیر لشکر تھا، حکم دیا کہ مدینۃ الزہرا پر، جو نصف کے قریب کھنڈر ہو چکا تھا، قبضہ کیا جائے، اسماعیل نے اس حکم کو بجالانے میں کسی قدر پس و پیش ظاہر کیا، کچھ عرصہ سے اسماعیل باپ سے رنجیدہ خاطر رہنے لگا تھا باپ کی سخت مزاجی اور ظلم کی شکایت تھی، اور کہا کرتا تھا کہ جب بھی مجھے کوئی لڑائی لڑنی یا کوئی قلعہ فتح کرنا پڑا، تو ہمیشہ مجھے تھوڑی سی فوج دی گئی جسکی وجہ سے اکثر جان کا خطرہ رہا۔"

اسماعیل کی ان شکایتوں کو باہر کے ایک آدمی نے اور بھی دل میں بٹھا دیا، اس شخص کا نام ابوعبداللہ بزلیانی تھا، جس زمانہ میں بادیس بادشاہِ غرناطہ نے مالقہ پر قبضہ کیا تھا تو ابوعبداللہ بھاگ کر اشبیلیہ چلا آیا تھا، اُس کی بڑی تمنا یہ تھی کہ کہیں حاجب کا عہدہ مل جائے، اس سے بحث نہ تھی کہ کس بادشاہ کا حاجب مقرر ہو۔

غرض اس عبداللہ بزلیانی نے اسماعیل کو اس بات کا اشتعال دلایا کہ باپ سے باغی ہو کر کسی مقام پر مثلاً جزیرۃ الخضرا میں اپنی حکومت جدا قائم کرے، مگر بزلیانی کو اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی۔

مدینۃ الزہرا پر قبضہ کرنے کا حکم جس وقت اسماعیل کو ملا تو باپ سے کشیدہ خاطر تو پہلے ہی سے تھا، اب بالکل بے قابو ہو جانے کے لیے ایک اشارہ کافی ہو گیا، زیادہ فوج دینے سے معتضد نے انکار کر دیا، اسماعیل نے بہت کہا کہ "تھوڑی فوج سے قرطبہ جیسی ریاست پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے، اور اگر بادیس بادشاہِ غرناطہ قرطبہ والوں کی کمک پر آگیا، اور یقیناً وہ ایسا ہی کریگا تو پھر اشبیلیہ کی فوجیں دو طرف سے گھر جائیں گی۔" مگر معتضد نے ایک عذر بھی نہ سنا، اور غصہ میں آکر اسماعیل کو نامرد اور بزدل کہا، اور یہ بھی کہا کہ "اگر تو نے جانے میں دیر کی تو تیرا سر قلم کرا دونگا۔" قریب تھا کہ ان الفاظ پر عمل ہو جائے۔

اسماعیل اس ذلت پر پیچ و تاب کھاتا غصہ کی حالت میں مدینۃ الزہرا کی طرف چلا، بزلیانی سے مشورہ کیا، اُس نے اسماعیل کو آسانی سے یقین دلا دیا کہ جس بات پر

وہ مدت سے باہم مشورہ کیا کرتے تھے اُس کے حاصل کرنے کا اب موقع آگیا ہے، اشبیلیہ سے دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد اسماعیل نے فوج کے افسروں سے کہا کہ کسی اور کام کے لیے جو قرطبہ کی مہم سے بھی زیادہ ضروری ہے اُس کے والد معتضد کا حکم آیا ہے کہ فوراً اشبیلیہ واپس آئے۔ یہ کہہ کر اسماعیل، بزلیانی کو ہمراہ لیے تیس سواروں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا اشبیلیہ آیا، معتضد اُس وقت شہر میں نہ تھے، بلکہ دریا پار اپنے ایک قصر میں جس کا نام قصرِ زاہر تھا، ٹھیرے ہوئے تھے، اسماعیل نے دیکھا کہ قلعہ اشبیلیہ کے دروازوں پر پہرا معمولی ہے، چنانچہ رات کے وقت قلعہ پر اسماعیل نے قبضہ کرلیا اور باپ کے خزانے سے روپیہ نکال کر خچروں پر رکھا، اور اس خیال سے کہ دریا اُتر کر قصرِ زاہد تک کوئی خبر نہ پہنچا دے، قلعہ کے نیچے جس قدر کشتیاں دریا میں تھیں اُن کو ڈبوادیا، پھر اپنی ماں اور حرم سرا کی دیگر مستورات کو ہمراہ لیے جزیرۃ الخضرا کی طرف چلا۔ (۶۴۷)

اسماعیل نے بہت احتیاط کی تھی کہ باپ کے کانوں تک اِس واقعہ کی خبر نہ پہنچے، مگر اسماعیل کے ایک سوار نے اِس حرکت کو ناپسند کرکے جس طرح گھوڑے پر بیٹھا تھا، گھوڑا دریا میں ڈال دیا، اور دریا پار کرکے معتضد کو کل حالات سے آگاہ کردیا،

معتضد نے یہ سنتے ہی سواروں کا ایک دستہ اسماعیل کے تعاقب میں روانہ کیا، اور تمام قلعہ داروں کے پاس قاصد دَوڑا دیے، سب قلعوں میں خبر وقت پر پہنچ گئی، چنانچہ اسماعیل جس قلعہ پر پہنچا اُس کا دروازہ بند پایا، اِس پر اُس نے اِس خوف سے کہ کہیں قلعہ داروں کی فوج اُس پر حملہ نہ کردے، ایک قلعہ کے حاکم سے جس کا نام حسادی تھا، پناہ کی درخواست کی، یہ قلعہ مدینہ شذونہ کے علاقے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، حسادی نے اِس شرط سے پناہ دینے کا وعدہ کیا کہ اسماعیل پہاڑ کے نیچے ہی قیام رکھے، اِس کے بعد حسادی فوج ساتھ لیے قلعہ سے نیچے آیا، اور اسماعیل کو سمجھایا کہ باپ سے مصالحت کرلے، اسماعیل نے یہ دیکھ کر کہ بات بگڑ چکی ہے حسادی کا کہنا مان لیا۔

اِس کے بعد اسماعیل کو حسادی قلعہ میں لے آیا، اور اُس کی شان کے مطابق اُس کی خاطر مدارات میں مصروف ہوا، مگر ساتھ ہی معتضد کو کل واقعہ لکھ بھیجا، اور آخر میں یہ لکھ دیا کہ "اسماعیل کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہے، اور وہ آپ سے عفوِ تقصیر کا خواستگار ہے۔"

معتضد کے پاس سے حسادی کے اِس خط کا ایسا جواب آیا جس سے سب کو اطمینان ہو گیا کیونکہ اِس خط میں بیٹے کی خطا معاف کر دینے کا وعدہ تھا۔ چنانچہ اِس جواب سے مطمئن ہو کر اسماعیل فوراً اشبیلیہ چلا آیا۔

معتضد نے بیٹے کو اُس مال سے جو اُس نے نکالا تھا متمتع ہونے میں کسی طرح کی دست اندازی نہ کی، لیکن پہرے بٹھا دیے کہ شہزادے کی نقل و حرکت پر ہر وقت نظر رکھیں، بزلیانی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا،

اسماعیل اپنے باپ کی چالوں سے خوب واقف تھا، اور سمجھ گیا تھا کہ جو معافی اُسے دی گئی ہے وہ محض ایک فریب ہے، چنانچہ اُس نے پہرے والوں اور چند غلاموں کو روپیہ دے کر رات کے وقت ایک جگہ جمع کیا، اور ہمت بڑھانے کے لیے اُنہیں خوب شراب پلائی، پھر اُن کی مدد سے قصر کی دیوار پر چڑھا، جہاں سے باپ پر اچانک حملہ کرنا ممکن تھا، سمجھا یہ تھا کہ باپ قصر میں سوتے ہوں گے، اور میں اُن کو اسی حالت میں ہلاک کر دوں گا، مگر معتضد بالکل خلافِ توقع دفعتاً ایک دستۂ فوج لیے ہوئے سامنے نظر آئے، جنہیں دیکھتے ہی اسماعیل کے ساتھ والے بھاگ گئے، اسماعیل نے بھی چاہا کہ شہر کی فصیل پر چڑھ کر نکل بھاگے، مگر سپاہیوں نے تعاقب کر کے اُسے گرفتار کر لیا، معتضد غصہ سے بیتاب تھا، بیٹے کو گھسیٹتا ہوا قصر میں لے گیا، اور تمام ملازموں کو علیحدہ ہو جانے کا حکم دیکر اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ (۶۴۸)

بیٹے کے قتل کے بعد معتضد نے اسماعیل کے ساتھیوں، نوکروں، اور اُس کے حرم کی عورتوں سے بدلہ نکالا، اُن کے ہاتھ پاؤں اور ناکیں کاٹی گئیں، اور اہلِ سازش کو علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے قتل کرا دیا۔

جب غصہ اُتر گیا تو معتضد اِس ظلم و سفاکی پر رنج و افسوس کا شکار ہو گئے "جس فرزند نے باپ سے بغاوت کی ہو، جس نے باپ کو قتل کرنا چاہا ہو، جس نے باپ کا خزانہ لوٹا ہو، اور باپ کی حرموں کو بھی گرفتار کر لیا ہو، اِس میں شبہ نہیں کہ ایسا بیٹا نہایت سنگین جرموں کا مرتکب ہوا تھا" اِن خیالات سے معتضد اپنے دل کو تسلی دینی چاہتے تھے مگر تسکین نہ ہوتی تھی، ہر وقت یہی یاد آتا تھا کہ اسماعیل سے اُنہیں کیسی محبت تھی، معتضد باوجود ظالم ہونے کے اپنے بچوں سے بہت

محبت رکھتے تھے، یہ بیٹا وہ تھا جس کے مزاج میں احتیاط تھی، جو مشورہ دینے میں بڑا صائب الرائے تھا، اور میدانِ کارزار میں بڑا بہادر اور شجاع تھا، بڑھاپے کا عصا، باپ کے کاموں کو آگے بڑھانے والا، اگر کوئی نظر آتا تھا تو یہی ایک فرزند تھا، مگر اب اپنے ہی ہاتھ سے اُسے قتل کر کے اپنی تمام امیدوں پر خاک ڈال دی۔

اشبیلیہ کا ایک وزیر لکھتا ہے کہ "اِس قتل کے تین دن بعد میں دیگر وزیروں کے ساتھ معتضد کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت اس کا چہرہ ایسا ہیبت ناک ہو رہا تھا کہ اُس کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا، ہم سب مارے خوف کے لرزنے لگے، سلام کرنے کے بعد مشکل سے ہمارے منہ سے کوئی لفظ نکلا، زبان میں لکنت پیدا ہو گئی، بادشاہ نے نہایت غضب آلود نگاہ سے ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، پھر شیر کی مانند گرج کر کہا "بدبختو! تم کیوں چُپ کھڑے ہو؟ میری مصیبت پر دل میں خوش ہوتے ہو گے، دُور ہو میرے سامنے سے"۔

شاید یہ پہلا ہی موقع تھا کہ اِس مغلوب الغضب، فولاد سے زیادہ سخت ارادے اور حوصلے کے اِنسان نے اپنے دل کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا، وہ دل جو کسی سے مغلوب ہونا نہ جانتا تھا اِس وقت ایسا مجروح تھا جس کے زخموں کا مندمل ہونا ایک مدت گذرنے کے بعد شاید ممکن بھی ہوتا، مگر زخموں کے داغ کبھی مٹنے والے نہ تھے۔

غرض معتضد نے قرطبہ کی جمہوری ریاست کو مطیع کرنے کا خیال اِس وقت چھوڑ دیا، اور یہ ریاست اِس تعجب میں کہ کیونکر سلامت رہ گئی، کچھ دنوں اور باقی رہی، مگر جو عظیم الشان منصوبے معتضد نے سوچ رکھے تھے، وہ کچھ دنوں ملتوی رہ کر رفتہ رفتہ پھر دل میں اُبھرنے لگے اور مالقہ پر حکومت کرنے کی طمع نے اُنہیں بالکل ہی سرسبز کر دیا۔

مالقہ کی عرب رعایا برسوں سے بادیس بادشاہِ غرناطہ کے ظلم سہتے سہتے اِس ظالم کو رات دن کوسا کرتی تھی، اور معتضد بادشاہِ اشبیلیہ کی طرف نگاہیں لگائے بیٹھی رہتی کہ وہی کسی دن اُن کو اِس مصیبت سے نجات دے گا، یہ وہ جانتے تھے کہ معتضد بھی ظالم ہے، مگر یہ لوگ دو ظالم و مطلق العنان بادشاہوں میں سے اُس ظالم کو ترجیح دیتے تھے جو اپنی نسل اور قوم کا ہو۔

غرض مالقہ کے عربوں اور معتضد سے درپردہ گفتگو ہونے کے بعد عربوں نے بغاوت کا سامان کیا، بادیس کی غفلت اور بے پروائی نے اس سازش کو اور ترقی دی، بادیس اب اکثر مخمور رہتا تھا، سلطنت کے کاروبار کی طرف صرف کبھی کبھی متوجہ ہوتا تھا، بغاوت کا جو دن عربوں نے مقرر کیا تھا، اسی دن مالقہ اور اس کے علاقہ کے ۲۵ قلعوں میں غدر پڑ گیا معتضد کی فوجیں بھی معتمد کی سرکردگی میں جو معتضد کا دوسرا فرزند تھا، اسی روز مالقہ کی سرحد میں باغیوں کی مدد کو داخل ہو گئیں، بربر اس ناگہانی آفت سے بالکل بے خبر تھے، چنانچہ اس غدر میں بہت سے قتل ہو گئے، اور جو باقی رہے وہ بھاگ کر بمشکل اپنی جان بچا سکے۔ (۶۴۹)

ایک ہفتہ کے اندر مالقہ کی پوری ریاست معتمد کے قبضہ میں آگئی، صرف مالقہ کا قلعہ جس میں اسودیوں کی فوج تھی، ایسا مقام تھا جو فتح نہ ہو سکا، یہ قلعہ بہت مضبوط تھا، اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اور ایسا مقام تھا جو مدت تک دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا، معتمد نے اگرچہ قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا، مگر اسے یہ خوف تھا کہ اگر اس کے فتح ہونے میں دیر ہوئی تو بادیس اس تاخیر سے نفع اٹھا کر محصورین کی مدد کو آن پہنچے گا۔

یہ رائے کم سے کم ان لوگوں کی تھی جو اس بغاوت کے سرغنے تھے، اس لیے انہوں نے معتمد سے بہ اصرار کہا کہ قلعہ کے محاصرے میں زیادہ سختی اختیار کی جائے، اور بربر جو معتمد کی فوج میں تھے، اعتبار نہ کیا جائے۔ یہ نصیحت بہت اچھی تھی، مگر معتمد نے پروا نہ کی۔

معتمد کے مزاج میں سستی تھی، ہر شخص کا اعتبار جلد کر لیتا تھا۔ مالقہ کے لوگوں نے جو اس کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے، ضیافتوں کا سلسلہ شروع کر دیا، معتمد دعوتوں میں مصروف ہوئے، فوج کے بربر افسروں نے جو کچھ مشورہ دیا اسے مانتے رہے، حالانکہ یہ بربر بادیس سے درپردہ سازش اور معتمد سے دشمنی رکھتے تھے، ان لوگوں نے یقین دلایا کہ قلعہ جلد فتح ہو جائیگا باقی سپاہ اس خیال میں کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے، دشمن سے بے پروا ہو کر رنگ رلیوں میں مصروف ہو گئی۔

یہ غفلت مہلک ثابت ہوئی، قلعہ مالقہ کے اسودیوں کو ایسے وسائل مل گئے کہ بادیس کو اس حال کی خبر کر دیں کہ اس وقت اشبیلیہ کی فوج پر اچانک حملہ کرنا آسان ہے، بادیس کو

اِس خبر کا پہنچنا تھا کہ غرناطہ کی فوجیں مالقہ کی طرف چل پڑیں، اور پہاڑوں میں سے نزدیک کا راستہ نکال کر مالقہ میں ایسی چپ چاپ پہنچ گئیں کہ معتمد کو اُن کا آنا مطلق معلوم نہ ہوا، اب اشبیلیہ والوں کی حالت یہ تھی کہ غرناطہ کی فوج کو اُن سے لڑنے کی بھی ضرورت نہ ہوئی، اتنی زحمت البتہ گوارا کرنی پڑی کہ نہتے اور نشے میں چُور اشبیلی سپاہیوں کے گلے کاٹ ڈالیں، معتمد بھاگ کر رندہ چلے آئے، اور مالقہ کا کل علاقہ پھر بادیس کے قبضہ میں چلا گیا۔

معتضد نے جب اِس شکست کا حال سُنا تو اپنے فرزند کی اِس مجرمانہ غفلت پر آگ بگولہ ہوگیا، یہ غفلت ایسی تھی کہ اِس سے ایک اچھا لشکر غارت ہوگیا، اور ایک پُورا علاقہ ہاتھ سے نکل گیا، چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ معتمد کو رندہ میں قید رکھا جائے، اور اب بڑے بیٹے اسماعیل کے قتل پر جو رنج والم تھا، اُسے بھول کر اُس کے بھائی کی فکر میں ہوا کہ اُس پر بھی سزائے قتل کا حکم نافذ کرے۔

معتمد اِس کا اندازہ نہ کر سکا کہ باپ کو اُس پر کس قدر غصہ ہے؟ باپ کو خوش کرنے کیلئے معتمد نے اشعار لکھ کر بھیجنے شروع کیے، جن میں اُس کی سخاوت اور رحمدلی کی تعریف کر کے کوشش کی کہ گذشتہ فتوحات کو یاد دلا کر باپ کے دل کو تسکین دے، چنانچہ لکھا کہ

"کیسی کیسی شاندار فتوحات آپ حاصل کر چکے ہیں، یہ وہ فتوحات ہیں جو زمانہ آئندہ میں یاد کی جائیں گی، سیاحوں نے اُن کی شہرت دُور دراز ملکوں میں پھیلا دی ہے، اور جب لوگ چاندنی رات میں مشاہیر کے کارنامے سُنانے بیٹھتے ہیں، تو وہ صرف آپ کی شجاعت اور مردانگی کے کام بیان کرتے ہیں۔" (۶۵۰)

معتمد نے سارا قصور اپنے سر سے ٹال کر دغاباز بربروں کے سر تھوپا، اور اِس ناکامی پر جو کچھ رنج و افسوس اُسے ہوا تھا، اُس کو بڑی آب و تاب سے بیان کیا، لکھا کہ "میرا دل لرز رہا ہے، میری آواز اور نظر اب کام نہیں دیتی، میرے چہرے کا رنگ اُڑ گیا ہے، مگر میں بیمار نہیں ہوں، میرے سر کے بال سفید ہوگئے ہیں، گو میں ابھی جوان ہوں، کوئی چیز اب مجھے خوش نہیں کرتی، جام شراب اور عود اب میرے لیے دلکش چیزیں نہیں رہیں، حسینوں کی ادائیں، خواہ کیسی ہی دلآویز ہوں، مگر اب اُن کا تسلط میرے دل سے اُٹھ گیا، میں زاہد خشک

نہیں ہوں، اور تارک الدنیا بھی نہیں ہوں، جوانی کا خون اب بھی میری رگوں میں دوڑ رہا ہے، مگر اب جو خیال دل کو خوش کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ حضور میرا قصور معاف فرمادیں، اور میں اپنی برچھیاں آپ کے دشمنوں کے سینے سے پار اُتاروں۔"

معتضد کا دل رفتہ رفتہ نرم ہوا، کسی قدر معتمد کے اشعار سے، کیونکہ اچھا شعر معتضد کے دل پر اثر کرتا تھا، اور کسی قدر ایک نیک نفس درویش کی سفارش اور التجاؤں سے، غرض معتمد کو اشبیلیہ آنے کی اجازت مل گئی، اور اب باپ، بیٹے سے خوش رہنے لگا، لیکن مالقہ ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل گیا۔ کیونکہ بادیس بادشاہِ غرناطہ اب اس قدر ہوشیار ہوگیا تھا کہ معتضد کو حالتِ بے خبری میں اُس پر حملہ کرنے کا موقع ملنا ممکن نہ رہا۔

یہاں ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ بادیس جو سفر میں قبیلوں کے سرداروں کو ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا، وہ اُن بدنصیبوں کو جنھوں نے اُس سے بغاوت کی تھی، قتل و قید کی سزائیں دیتا رہا ہوگا، اور جو لوگ اُس سے منحرف رہتے تھے، اِس طریقے سے اُن کا جوش و خروش بھی سب مٹ گیا ہوگا

یہودی وزیر سموایل کے مرنے پر اس کا لڑکا یوسف اُس کی جگہ وزیر مقرر ہوا، یہ بھی بہت لائق اور قابل شخص تھا، مگر باپ کے سے اوصاف نہ رکھتا تھا کہ منصب وزارت کا کفارہ اخلاق اور مروت سے ادا کرتا رہے۔

یوسف شاہانہ تکلفات پسند کرتا تھا، اور جب اپنے بادشاہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تھا، تو بادشاہ اور وزیر دونوں کا لباس خوبی اور قیمت میں ایک سا ہوتا تھا، بلکہ یوسف کے ٹھاٹھ بادیس سے بھی زیادہ شاہانہ ہوتے تھے۔

(۱۰۵۱ھ) یوسف، بادیس کی طبیعت پر بالکل قابو پائے ہوئے تھا، جو اب اپنے ہوش و حواس میں کسی وقت بھی نہ رہتا تھا، یوسف اِس خیال سے کہ کہیں اُس کے اختیارات سلب نہ کر لیے جائیں، بادشاہ کے گرد و پیش بہت سے جاسوس لگائے رکھتا تھا، جن کے ذریعے سے بادشاہ کی ذرا ذرا سی بات اُس تک پہنچتی رہتی تھی۔

مذہب کے اعتبار سے یوسف صرف برائے نام یہودی تھا، مشہور یہ تھا کہ اُس کا مذہب

نہ اپنے بزرگوں کا سا ہے، اور نہ اور کسی کا سا، تمام مذاہب سے اُسے نفرت تھی، یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے دینِ موسوی کی کبھی علانیہ مخالفت کی ہو، لیکن اسلام کی نسبت اُس نے علی الاعلان گستاخیاں کی تھیں۔

اپنے نخوت وغرور، اور پھر اس پر لامذہبی اور عدل وانصاف کے خلاف روش رکھنے سے یوسف نے عرب، بربر، اور یہودیوں کو ناراض کر رکھا تھا، متعدد جرائم تھے جو لوگ اُس سے منسوب کرتے تھے، اُس کے بکثرت دشمنوں میں ایک عرب فقیہ ابواسحاق[1] نامی البیرہ کا رہنے والا اُس کا سب سے زیادہ شدید مخالف تھا، طرح طرح کی ترکیبوں سے اس فقیہ نے بادیس کے دربار میں اپنے حسب نسب کے شایاں درجہ حاصل کیا تھا، لیکن یوسف نے اسے بہت ستایا، اور آخر کار اُسے جلاوطن کرا دیا، ابواسحاق اب ایک فقیہ کے رنگ میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ ظاہر ہوئے، یوسف سے دشمنی تو پہلے ہی سے تھی، اب اور بھی زیادہ دشمن ہو گئے، اور ایک نظم یہودیوں کی مخالفت میں لکھی، جس کا مضمون یہ تھا:۔

اے قاصد جا! اور بنی صنہاجہ سے جو ہمارے وقت کے بدر واسد ہیں، یہ الفاظ کہہ دے۔ یہ الفاظ اُس شخص کی زبان سے نکلے ہیں جو صنہاجہ سے اُلفت رکھتا ہے، جسے اُن پر رحم آتا ہے، اور جو سمجھتا ہے کہ اگر اُس نے صنہاجہ کو سچی ہدایت نہ کی تو وہ اپنی دینی خدمت میں قاصر اور ناکام رہے گا۔

تمہارے آقا نے وہ کام کیا ہے جس پر تمام بدخواہ خوش ہیں، گو وہ اپنا وزیر مومنین کی جماعت میں سے منتخب کر سکتا تھا، لیکن اُس نے ایک کافر کو پسند کیا اس وزیر کی وجہ سے قابلِ نفرت یہودی ہمارے آقا اور حاکم بن گئے ہیں، اور اُن کے غرور اور تکبر کی کوئی حد نہیں رہی، جن چیزوں کی وہ توقع تک نہ کر سکتے تھے، وہ اُنھوں نے دل بھر کر حاصل کیں، اُنھوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب، اور بڑے بڑے اعزاز پائے، یہاں تک کہ اِن بے دینوں کا ذلیل سے ذلیل بندر بھی

---

[1] یا ابواسحاق، تجیبی تھے، ۴۵۹ھ/ ۱۰۶۶ء میں انتقال ہوا، مقابلہ کرو کتاب "تحقیقات" (ڈوزی) جلد ا ص ۲۸۲ - ۲۹۴ -

ایسا ہو گیا، جس کے خادموں میں بہت سے سچے اور نیک مسلمان شمار کیے جا سکتے ہیں، یہ باتیں خود اِن کافروں کے ارادے اور کوشش سے پیدا نہیں ہوئی ہیں بلکہ جس شخص نے اُنہیں اِس اعلیٰ درجہ پر پہنچایا ہے، وہ ہمارے ہی مذہب کا آدمی ہے، افسوس! کیوں اُس نے پُرانے صاحبِ ایمان بادشاہوں کی مثال کا اتباع نہیں کیا؟ کیوں اُس نے یہودیوں کو ذلیل اور بدترین مخلوق سمجھ کر اُن کے ساتھ برتاؤ نہیں کیا؟ پھر وہ کثرت سے آوارہ گرد ہو کر ہم لوگوں میں نہ پھرتے، اور ہمیشہ ہماری نفرت اور بیزاری کا نشانہ نہ بنے رہتے، پھر یہ یہودی ہمارے شریفوں کے ساتھ غرور کا برتاؤ، اور ہمارے بزرگانِ دین کے ساتھ گستاخیاں نہ کرتے، کیا پھر اِن بدترین خلائق کو اتنی جرأت ہوتی کہ ہمارے پہلو میں بیٹھتے، اور ہمارے شریفوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلتے؟

اے بادیس! تو عاقل و فرزانہ ہے، تیرے قیاسات صحیح ہوتے ہیں، کیوں ایسی بُرائی کو تُو نے نہ دیکھ لیا، جو اُن شیاطین کا شیوہ ہے جنھوں نے تیری حکومت میں اپنے سینگھ اُونچے کیے ہیں؟ تُو اِن بدنسل لوگوں کے ساتھ کیونکر مہربانی کر سکتا ہے جنھوں نے تیرے نام کو ہر شخص کی نظر میں قابلِ نفرت بنا دیا ہے؟ کیونکر تجھے اپنی قوّت کو برقرار رکھنے کی اُمید ایسی حالت میں پیدا ہو سکتی ہے، جبکہ یہ بدبخت ان چیزوں کو ڈھاتے اور گراتے رہتے ہیں جنھیں تُو نے بنایا ہے؟ تو ایک شریر آدمی کو کیونکر اپنا معتمد اور بے تکلف دوست بنا سکتا ہے؟ کیا تُو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اِن بیدینوں سے ملنے کی ممانعت کی ہے؟ ایسے آدمیوں کو اپنا وزیر نہ بنا، بلکہ اُن کو لعنت و ملامت کے حوالے کر دے کیونکہ کُل روئے زمین بیشتر اِس سے کہ متزلزل ہو کر فنا ہو جائے، اُن کی شکایتوں میں معروف ہے، ذرا دوسرے ملکوں کو دیکھ! کہ وہاں یہودی کتّوں کی طرح سمجھے جاتے ہیں، اور لوگ اُن کو اپنے سے دُور رکھتے ہیں، پھر تُو کیوں دوسری روش اختیار کرتا ہے؟ اے بادشاہ! تیری رعایا تجھ سے محبت رکھتی ہے، تُو بادشاہوں

(۶۵۲)

کی نسل سے ہے، تو اپنے ہم عصر بادشاہوں سے ایسی ہی فضیلت رکھتا ہے جیسے تیرے بزرگ اپنے زمانہ کے بادشاہوں سے رکھتے تھے۔

میں غرناطہ میں آیا، اور دیکھا کہ وہاں یہودی حکومت کرتے ہیں، انھوں نے غرناطہ کے شہر اور علاقے کو آپس میں تقسیم کرلیا ہے، ہر جگہ انہی ملعونوں میں سے کوئی ملعون حکومت کرتا ہے، محصول بھی یہی جمع کرتے ہیں، اور بہت خوشحال ہیں پرتکلف لباس پہنتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے لباس پرانے اور پھٹے ہوئے ہیں، ریاست کے تمام رازوں سے یہودی واقف ہیں، لیکن کیا یہ دانائی اور دانشمندی ہے کہ دشمنوں پر اعتماد کیا جائے؟ مومن تو تنگدستی کا ٹکڑا کھاتے ہیں، اور یہ بیدین محلوں میں بیٹھ کر لذیذ کھانے اڑاتے ہیں، مسلمانو! بادشاہ کے دل میں جہاں تمہاری جگہ تھی، تمہیں نکال کر وہاں یہ بیدین سما گئے ہیں، مسلمانو! کیا تم ان کا مقابلہ نہ کروگے؟ کیا ان کے ہاتھوں ذلیل ہوتے رہوگے؟ یہ ہمارے بازاروں میں بیل اور بھیڑیں ذبح کرتے ہیں، اور تم بلا تکلف ان ذبیحوں کا گوشت کھاتے ہو جو ان یہودیوں کی نظر میں نجس ہے[۱۵]، ان بندروں میں جو سب کا سردار ہے، اس نے اپنے محل کو سنگِ مرمر کے در و دیوار سے آراستہ کیا ہے، اور فوارے تیار کرائے ہیں جن میں صاف اور شفاف پانی اڑتا ہے، ہم اس کے دروازے پر اس کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں، اور وہ ہم پر اور ہمارے مذہب پر ہنستا ہے، اللہ اکبر! یہ کیسی ذلیل حالت ہے، اے بادشاہ اگر میں یہ کہوں کہ یہ وزیر بھی اتنا ہی دولتمند ہے جتنا کہ تو ہے، تو اس میں کچھ جھوٹ نہ ہوگا، اے بادشاہ! جلد اسے ہلاک کر کے سوختہ قربانی بنا دے، اسے ذبح کر ڈال کیونکہ وہ بڑا موٹا مینڈھا ہے، اس کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی زندہ نہ چھوڑ کیونکہ انھوں نے بہت دولت جمع کرلی ہے، ان سے ان کی دولت چھین لے

---

[۱۵] دیکھو ڈوزی کی کتاب "تحقیقات" (مطبوعہ ۱۸۸۱ء) ص ۲۸۰ و ۸۱

کیونکہ دولت چھیننے کا حق تجھ کو بہ نسبت اُن کے زیادہ حاصل ہے ، یہ نہ سمجھ کہ ان کو قتل کرنے میں تجھ پر کسی قسم کی دغا اور فریب کا الزام عائد ہوگا . نہیں ، دغا اور فریب تو یہ ہے کہ اُن کو بڑے بڑے منصبوں پر قائم رکھا جائے . یہ وہ ہیں، جنھوں نے ہم سے عہد شکنی کی ہے . پھر کون ایسا ہے کہ اِن عہد شکنوں کو سزا دینے پر تجھے الزام دے گا ؟ ہم سایہ میں رہ کر کیونکر سرسبز ہو سکتے ہیں ؟ یہودی اپنے غرور کی چمکتی ہوئی شعاعوں سے ہماری آنکھیں اندھی کیے دیتے ہیں، جب ہم اپنا اُن سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم ذلیل و خوار نظر آتے ہیں ، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہم بُرے ہیں اور وہ اچھے ہیں ، اُن کو ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرنے دے ، کیونکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اُس کا جوابدہ تو ہمارے سامنے ہے ، یاد رکھ ! کہ ایک دن خدا کے سامنے تجھے اِس برتاوے کا جواب دینا ہوگا جو دنیا میں تُو نے ہمارے ساتھ برتا ہے ، ہم خدا کے پسندیدہ ہیں ، اور ہمارے لیے عاقبت میں ہمیشگی راحت اُتری ہے ۔"

اِس نظم نے بادیس پر کچھ اثر نہ کیا ، اور وہ برابر اپنے یہودی وزیر یوسف پر پورا بھروسہ اور اعتماد کرتا رہا ، لیکن بربر پر اِس نظم کا بیحد اثر ہوا ، اور انھوں نے قسم کھائی کہ اب اس یہودی کو بغیر تباہ کیے نہ چھوڑیں گے ، چنانچہ ایک سازش اس کے خلاف کی گئی ، اور اس سازش کے سرگروہ نے یہ خبر مشہور کی کہ معتصم بادشاہ المریہ سے ، جس سے اِس زمانہ میں لڑائی ہو رہی تھی ، روپیہ کھا کر یہ وزیر اُس سے مل گیا ہے ، لیکن اور لوگ جو ایسی باتوں کا جلد یقین نہ کرتے تھے ، اور جن کی نظر غصہ کی وجہ سے خیرہ نہ ہوئی تھی ، پوچھتے تھے کہ یوسف کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ ایک ایسے بادشاہ سے دغا کرے جو بالکل اُس کے بس میں ہو ، اِس کا جواب یہ دیا جاتا تھا کہ جب یہ یہودی بادیس کو مار کر معتصم کو غرناطہ کی سلطنت حوالے کرے گا ، تو پھر معتصم کو مار کر خود غرناطہ کے تختِ حکومت پر بیٹھ جائے گا ۔

اِس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یوسف پر یہ سب بہتان بندیاں تھیں ، واقعہ یہ تھا کہ بربر کوئی حیلہ ڈھونڈتے تھے کہ یوسف کو تباہ کریں ، اور یہودیوں کو خوب لوٹیں ، جن کی

(۱۰۶۶ء) دولت اُنھوں نے مدت سے تاک رکھی تھی، اور اب یہ سمجھ کر کہ ایک حیلہ آخر کار ہاتھ آگیا ہے، اُنھوں نے ایک ہنگامہ برپا کیا، اور بادشاہی قصر پر جہاں یوسف نے پناہ لی تھی حملہ کر دیا۔

بلوائیوں کے اِس غول سے جان بچانے کے لیے یوسف قصر کی ایک کوٹھڑی میں جہاں کوئلے بھرے ہوئے تھے، چھپ گیا، اور صورت بدلنے کے لیے منہ کو سیاہ کر لیا، لیکن لوگوں نے اُسے پہچان لیا، فوراً گرفتار کر کے قتل کر ڈالا، اور لاش صلیب پر چڑھا دی۔

غرناطہ کے لوگ یوسف کے قتل کے بعد یہودیوں کے گھر لوٹنے، اور اُنہیں قتل کرنے میں مصروف ہوئے، چنانچہ چار ہزار یہودی اِس تعصب کی نذر ہو گئے۔

اسناد

عباد (ڈوزی) ج ۱ ص ۵۱ تا ۵۴، ۲۴۹ تا ۲۵۰، ۲۵۳ تا ۲۵۹، ۳۰۱ تا ۳۰۲

ج ۲ ص ۶، ۶۰، ۶۳ تا ۶۵، ۲۰۷، ۲۱۰

عبدالواحد ص ۶۶، ۸۰

ابن خلکان (کلائیڈ) ج ۱ ص ۱۷۷

ابن خلدون ص ۲۳

ابن بسام ج ۱ ص ۲۰۰ تا ۲۰۱

ڈوزی، ابن عذاری کی کتاب پر دیباچہ ص ۸۰ تا ۱۰۲

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

آٹھویں فصل

معتضد کی وفات

(۶۵۴) اسلامی اسپین کے جنوبی حصوں میں جو ابتری تھی، وہی باقی حصوں میں پیدا ہوگئی، قلمرو خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے تھے، اور ان ٹکڑوں پر آپس میں سخت لڑائیاں ہو رہی تھیں کہ سمتِ شمال سے عیسائیوں کا ایک سیلاب آیا، جس سے اندیشہ ہوا کہ کل اسلامی ریاستوں پر پانی پھرنے والا ہے۔

پچاس برس تک شمالی اسپین کے عیسائی بادشاہوں کو آپس کے مناقشوں سے اتنی مہلت نہ ملی کہ مسلمانوں پر حملہ کرتے، لیکن ۴۴۷ھ؍۱۰۵۵ء میں حالت بدلی، فرذلند اول، بادشاہِ قشتالیہ دلیون آخر کار اس قابل ہوگیا کہ فوجیں جمع کرکے مسلمانوں کے مقابلے پر لائے، یہ ظاہر تھا کہ مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ وہ عیسائیوں کا جواب کر سکیں، تقدیر نے اب عیسائیوں کا ساتھ دیا اور ان میں وہ چیزیں موجود ہوگئیں جو مسلمانوں میں ختم ہوچکی تھیں، یعنی لڑنے کا شوق اور مذہبی جوش یہی چیزیں تھیں جن کے باعث فرذلند بادشاہ قشتالیہ دلیون کو بڑی بڑی فتوحات جلد جلد ہونے لگیں، مظفر صاحب بطلیوس سے فرذلند نے بازو، اور لمیقیہ کے شہر چھین لیے (سنہ ۴۴۹ھ م سنہ ۱۰۵۷ء)

بادشاہ سرقسطہ سے دریائے دویرہ کے جنوب میں جس قدر قلعے تھے سب لے لیے، ابوالحسن یحییٰ المامون ذی النونی صاحب طلیطلہ کے علاقے پر چھاپہ مارا، اور قلعۃ النہر تک فتح کرتا ہوا چلا گیا، قلعۃ النہر کے باشندوں نے المامون صاحب طلیطلہ کو لکھا کہ اگر مدد جلد نہ بھیجی تو وہ مجبور ہو کر فردلند کی اطاعت قبول کرلیں گے، مامون میں اتنا دم نہ تھا کہ دشمن کا مقابلہ کرتا، اس لیے اُس نے احتیاط اور مصلحت سے کام لیا، فردلند سے ملاقات کی، اور اس کو زر و جواہر دے کر سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ اسی طرح بطلیوس اور سرقسطہ کے بادشاہوں نے بھی فردلند کا باجگذار ہونا قبول کیا۔

اب معتضد کی باری آئی ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء میں فردلند نے اشبیلیہ کے علاقے کے کچھ گاؤں جلا دیئے اسلامی ریاستوں کی کمزوری کا اب یہ حال تھا کہ معتضد نے بھی جو جنوبی اسپین میں سب سے زبردست بادشاہ گنا جاتا تھا، اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ مامون صاحب طلیطلہ کی طرح فردلند سے صلح کرلے، چنانچہ معتضد عیسائیوں کے لشکر میں آئے، اور فردلند کو بہت سے تحائف دے کر درخواست کی کہ اپنی ریاست کو واپس چلا جائے، فردلند کو غالباً معلوم نہ تھا کہ جس شخص سے اس وقت واسطہ پڑا ہے، وہ کیسی ہوشیار طبیعت اور غضب کی ترکیبوں کا آدمی ہے سفید بال اور پیشانی کی شکنوں سے معتضد کی شکل بہت واجب التعظیم معلوم ہوتی تھی، گو عمر ابھی سینتالیس ۴۷ سال سے متجاوز نہ تھی، لیکن سلطنت کے افکار اور حکومت کی طمع میں محنتِ شاقہ اُٹھاتے اُٹھاتے، جس کے ساتھ عجب نہیں اولاد کا غم بھی شامل ہو قبل از وقت بوڑھے معلوم ہونے لگے تھے، پس کچھ تعجب نہیں کہ عیسائی بادشاہ قشتالیہ و لیون پر اُن کی درخواست کا اثر ہوا ہو، لیکن فردلند نے بہتر سمجھا کہ پہلے اپنے امراء اور اساقفہ سے اس امر میں مشورہ کرلے، چنانچہ اُس نے ایک مجلس منعقد کی، تاکہ وہ اس امر کا تصفیہ کرے کہ معتضد سے کن شرائط پر صلح کرنی مناسب ہوگی؟ (۶۵۵)

طول طویل مباحثوں کے بعد بالآخر اس مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ "اشبیلیہ کا بادشاہ سالانہ خراج ادا کرنا منظور کرے، اور بادشاہِ قشتالیہ جو سفیر اُس کے دربار میں بھیجے، اُن کی معرفت مسیحی شہیدہ یُستہ کی لاش، جو معتضد بادشاہِ اشبیلیہ کی قلمرو میں کہیں دفن ہے

اُن کے حوالے کی جائے"۔ شہیدہ یستہ ایک کنواری نصرانیہ تھی، جو کبھی اگلے وقتوں میں رومانی بُت پرستوں کے ہاتھوں قتل ہو کر شہید مانی گئی تھی[51]۔

معتضد نے یہ شرطیں منظور کر لیں اور فردلند اپنا لشکر واپس لے گیا، جس وقت اپنے پایۂ تخت لیون میں آیا تو لیون کے اُسقف الویتوس[52]، اور اشتورقہ کے اُسقف اردونو کو اپنے سفیروں کے طور پر اشبیلیہ روانہ کیا۔

اِن اُسقفوں کے ذمے دو کام تھے، ایک یہ کہ شہیدہ یستہ کی لاش جہاں کہیں دفن ہو، اُس کو نکال کر لیون لے آئیں، دوسرا کام یہ تھا کہ خراج جو معتضد نے دینا منظور کیا تھا اُس کے متعلق تفصیلی امور طے کریں۔

شہیدہ یستہ کی لاش تلاش کرنے میں بدقسمتی سے اِن اُسقفوں کو کامیابی نہ ہوئی، اِس حالتِ ناکامی میں اسقف الویتوس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا "میرے بھائیو! ظاہر ہے کہ جب تک خدا کی رحمت شاملِ حال نہ ہوگی، ہم اِس سخت و دشوار سفر کی زحمتیں اُٹھانے کے بعد بھی نا امید ہو کر اپنے گھروں کو واپس جائیں گے، پس ہمیں خدا سے التجائیں کرنی اور تین دن تک روزے اور نماز میں مصروف رہ کر دعا مانگنی چاہیئے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اُس پوشیدہ خزانہ کو ہم پر ظاہر فرما دے، جس کی تلاش کو ہم نکلے ہیں"۔

---

[51] اشبیلیہ کے پُرانے اولیا میں دو عورتیں یستہ اور رفینہ تھیں، جو قتل ہونے پر شہید اور اشبیلیہ کی محافظ اور نگراں تصور کی جاتی تھیں، یہ عورتیں جس زمانے میں زندہ تھیں تو اُنھوں نے بُت پرستوں کے ہاتھ مٹی کے برتن بُتوں پر چڑھانے کے لیے بیچنے سے اِنکار کر دیا تھا، اور بُت پرستوں کی دیبی وینس کا بُت بھی توڑ ڈالا تھا۔ اِس جُرم میں وہ دونوں قتل کی گئی تھیں، قتل ہونے کے بعد اُن کو کلیسہ میں شہادت کا مرتبہ دیا گیا تھا، ایک روایت ہے کہ جرالدہ کا مینار جس وقت زلزلے کے صدمہ سے ایک طرف کو جھک گیا تھا، تو انہی ولی عورتوں کی کرامات سے وہ سیدھا ہو گیا۔

[52] ابن خلدون نے الویتوس اُسقف کو بادشاہِ قشتالیہ لکھ دیا ہے۔ دیکھو کتاب "تحقیقات" (۱۸۸۱ء) ج ۱ ص ۱۰۷ تعلیقہ

غرض ان پادریوں نے روزے رکھ کر تین شبانہ روز خدا سے دعا مانگنے میں صرف کیے، جس کی وجہ سے اسقف الویتوس کی صحت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہوگئی، اشبیلیہ میں وارد ہونے کے وقت بھی اسقف الویتوس علیل تھے،

تین دن دعائیں مانگنے کے بعد چوتھے دن صبح کے وقت الویتوس نے اپنے ساتھیوں کو طلب کرکے اُن سے کہا "پیارے بھائیو! آؤ، ہم جان و دل سے خدا کے منت گذار ہوں جس نے اپنی رحمت سے یہ خبر دی ہے کہ ہمارا یہ سفر رائیگاں نہ جائیگا، یہ سچ ہے کہ رضاء الٰہی نہیں ہے کہ ہم مبارک شہیدہ یستہ کی ہڈیاں یہاں سے لے جائیں، لیکن مشیت میں اُترا ہے کہ تم ایک ایسا تحفہ یہاں سے اپنے ملک کو لے جاؤ، جو مرتبے اور فضیلت میں شہیدہ یستہ کی ہڈیوں سے کم نہیں ہے، پیارے بھائیو! وہ تحفہ کیا ہے؟ وہ مبارک عیسیدور کا جسد ہے، وہ عیسیدور جس کے سر پر کسی زمانہ میں اسی اشبیلیہ کے شہر میں اُسقف کا تاج رکھا گیا تھا، اور جس نے اپنے کلام اور اپنے اعمال سے تمام اسپین کو بزرگی بخشی تھی، میرے بھائیو! میں نے چاہا تھا کہ کل تمام شب بیدار رہ کر خدا سے دعا مانگتا رہوں، لیکن چونکہ تھکا ہوا تھا، نیند کا غلبہ ہوا اور سو گیا، اِس حالتِ خواب میں ایک نورانی صورت اُسقف کا لباس پہنے میرے سامنے آئی، اور کہنے لگی "مجھے معلوم ہے کہ تُو اور تیرے ساتھی کس غرض سے یہاں آئے ہیں؟ لیکن چونکہ خدا کی مرضی نہیں ہے کہ یہ شہر شہیدہ یستہ کی ہڈیوں سے محروم ہوکر محزون ہو، اور چونکہ خداوند اپنی رحمتِ بے پایاں سے گوارا نہیں فرماتا کہ تُو اور تیرے ساتھی یہاں سے خالی ہاتھ جائیں، اِس لیے اُس نے میرا جسد تجھے عنایت فرمایا ہے۔"

(۶۵۶)

جب اِس مقدس و متبرک صورت نے یہ بات کہی تو میں نے پوچھا کہ "تم کون ہو جو یہ باتیں کرتے ہو؟" تب اُس نے جواب دیا کہ "میں اسپین کا ڈاکٹر ہوں[۵۱]، اور پہلے جس

[۵۱] یہ شخص ۶۳۶ء میں فوت ہوا تھا، اس کا نام کلیسہ کے نوشتوں میں اُن بزرگ پادریوں میں بیان ہوا ہے جو کسی عابد اور زاہد مسیحی کے مرنے پر اس بات کا فیصلہ کرتے تھے کہ اس کا نام فہرست اولیاء مسیحی میں درج کیا جائے یا نہیں؟ یہ اختیارات صرف پاپائے رومہ کو حاصل ہیں۔ لاطینی میں عیسیدور کا نام اس طرح لکھا ہے "بیاتی سیموس ڈاکٹر ہسپانیارم" مرنے پر یہ بزرگ اشبیلیہ کے بڑے گرجا میں دفن کیا گیا تھا۔

زمانہ میں زندہ تھا تو اس شہر کے قسیسوں کا سردار تھا، میں عیسید در ہوں"۔ اتنا کہہ کر وہ صورت غائب ہوگئی، میں فوراً بیدار ہوا، اور بیدار ہوتے ہی دعا کی کہ اگر یہ خواب خدا کی طرف سے دکھایا گیا ہے تو وہ اپنے کرم سے تین بار پھر وہی خواب مجھے دکھائے گا، چنانچہ دو مرتبہ پھر وہی خواب نظر آیا، اور دونوں مرتبہ پھر اُسی نورانی صورت نے وہی الفاظ جو پہلے کہے تھے، کہے، تیسری مرتبہ کے خواب میں اُس نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں اُس کا جَسَد خاکی دفن تھا، تین مرتبہ اُس نے اپنا عصا زمین پر مارا اور کہا "یہاں! یہاں! یہاں تجھے میرا جَسَد ملے گا، اور تجھے یہ بات بتانے کے لیے کہ یہ کوئی غلط اور وہمی صورت نہیں ہے، جو تجھ سے اِس وقت باتیں کر رہی ہے، تجھ پر ایک نشانی ظاہر کی جائے گی، جس وقت میری ہڈیاں زمین سے نکالی جائیں گی تو تُو ایک مرضِ لاعلاج میں مبتلا ہوگا، حتیٰ کہ تو اپنے جسمِ فانی کو چھوڑ دے گا اور ہمارے پاس آجائیگا، اور پھر تیرے سر پہ تاج رکھا جائے گا، اور وہ تاج عادلوں کا ہوگا"۔ اتنی تقریر کرکے وہ صورت پھر غائب ہوگئی"۔

اب الوینوس اور اُس کے ہمراہی قصرِ معتضد میں آئے، اور وہاں اُسقف الوینوس نے معتضد کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، اور بجائے شہیدہ یستہ کی لاش کے شہید عیسید در کا جَسَد اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی۔

اُسقف کے خواب نے معتضد کے دل پر جو کچھ نقش پیدا کیا ہوگا وہ عجیب ہوگا، مشکک اور تمام ادیان کو یکساں طریقہ پر بیزاری سے دیکھنے والا معتضد صرف دو چیزوں کا قائل تھا ایک نجوم، اور دوسرے شراب[۱]، باوجود اِس کے معتضد نے نہایت متانت سے اُسقف کا بیان سُنا، اور جب اُس کا بیان ختم ہوا تو بہت ہی رنج و ملال کے لہجے میں کہا کہ "اگر شہید عیسید در کی ہڈیاں آپ کی نذر ہوگئیں تو پھر میرے لیے یہاں کیا رہ جائے گا؟ مگر نہیں خدا کا حکم بجالانا ضروری ہے، کونسی چیز ہو سکتی ہے جسے آپ جیسا محترم اور پاکیزہ نفس بزرگ طلب کرے

---

[۱] پروفیسر ڈوزی لکھتا ہے کہ معتضد نے صبح کی نماز کے وقت پڑھنے کے لیے ایک نظم لکھی تھی، جس میں ایک شعر اِس مضمون کا تھا کہ "شراب علی الصباح پیو، یہ اصل دین ہے، جو نہ مانے وہ کافر ہے"۔

اور میں پیش نہ کروں، بسم اللہ کیجئے، اور شہید علیسیدور کا جسد مقدس جہاں کہیں ہو تلاش کر کے اپنے ساتھ لے جائیے، میرے رنج والم کا خیال نہ کیجئے"۔

معتضد بڑا عاقل و ہوشیار عرب تھا، عیسائیوں کی خوش اعتقادی پر دل ہی دل میں ہنستا رہا، اور یہ بھی سمجھ گیا کہ ان کی اس کمزوری سے خود کیونکر نفع اٹھا سکتا ہے، چونکہ اس وقت خراج ادا کرنے کا مسئلہ در پیش تھا، اس لیے خیال ہوا کہ ان عیسائیوں کے تبرکات کی بھاری قیمت بتانی ممکن ہے، اگر عیسائیوں نے اپنے تبرکات زبردستی لینے چاہے تو بہر صورت اپنی حفاظت کے خیال سے ان کے تبرکات ان کے حوالے کرنے پڑیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو وہ بہت بکار آمد ثابت ہوں گے، اب معتضد کا حال اس قرضدار کا سا ہوا جو قرضہ ادا کرتے وقت روپیہ کے ساتھ کوئی پرانی نادر شے بھی پیش کر کے قرضخواہ سے کہتا ہے کہ اسے بھی قرضہ میں محسوب کیجئے، کیونکہ یہ بڑی عجیب وغریب اور بے بہا چیز ہے، غرض اب یہی انداز اختیار کیا گیا۔ (۶۵۷)

اسقف الویتوس بیمار تو تھا ہی، اشبیلیہ ہی میں ختم ہو گیا، اور جب اس کا ساتھی اشتورقہ کا اسقف شہید علیسیدور کی ہڈیاں تابوت میں رکھی ہوئی اشبیلیہ لے جانے لگا، تو معتضد اس کے جلوس میں شریک ہوئے، اور تابوت پر ایک بہت قیمتی چادر جس پر زری کا نہایت خوبصورت کام تھا، ڈال کر بہت حزن سے کہا "اے بزرگ علیسیدور! کیا اب آپ ہم سے جدا ہوتے ہیں؟ مجھے معلوم ہے کہ وہ کیسی محبت تھی، جس نے ہم کو اب تک آپ سے ملائے رکھا تھا؟"[۵۱]

فردلند کی یورش کے ایک سال بعد یعنی ۴۵۷ھ ؍ ۱۰۶۴ء میں مسلمانوں پر ایک اور آفت ٹوٹی، قلمریہ کے شہر والوں نے چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد فردلند کی اطاعت قبول کر لی، شرائط صلح کے بموجب اہل شہر میں سے پانچ ہزار سے زیادہ آدمی فردلند کے حوالے کیے گئے، باقی لوگ اپنے گھروں سے نکال باہر کیے گئے، ان لوگوں کے پاس مشکل سے اتنا روپیہ تھا کہ کسی طرف سفر اختیار کر سکیں۔

---

۵۱ اس سفارت کے حالات مسیحی راہب سیلوس نے اسقف الویتوس کے ہمراہیوں کی زبانی سن کر لکھے ہیں۔

صرف یہی نہیں ہوا، بلکہ جو مسلمان دریائے دویرہ اور دریائے مندیق کے درمیانی قطعات میں آباد تھے وہ بھی ملک سے خارج کیے گئے

مغربی اسپین میں یہ تہلکہ ڈال کر اب فردلند نے مشرقی اسپین میں بلنسیہ کے علاقہ پر یورش کی، بلنسیہ میں اس وقت عبدالملک المظفر حکومت کرتا تھا، یہ اپنے باپ عبدالعزیز المنصور کے بعد ۴۵۳ھ ۱۰۶۱ء میں بلنسیہ کا بادشاہ ہوا تھا، کمزور اور آرام طلب تھا، فردلند نے بلنسیہ کے شہر کا محاصرہ کرلیا، لیکن قشتالیہ کے عیسائیوں نے یہ دیکھ کر کہ بلنسیہ کا شہر محاصرین سے فتح نہ ہو سکیگا، ایک چال اس نیت سے چلی کہ شہر کے لوگ بکثرت قتل ہوجائیں، فردلند کی یہ قشتالی فوج محاصرہ اُٹھاکر ایک طرف کو بھاگی، بلنسیہ والے یہ دیکھ کر ایسے خوش ہوئے کہ عید کا دن تھا، وہ اس خیال سے کہ بھاگتوں کو خوب قتل کریں گے عید کے کپڑے پہنے ہوئے قشتالیوں کے پیچھے دوڑ پڑے، لیکن بطرنہ کے مقام پر جو بلنسیہ سے مرسیہ کی سڑک پر بائیں ہاتھ کو تھا، قشتالی بھاگتے بھاگتے دفعتاً بلنسیہ والوں پر پلٹ پڑے، نتیجہ یہ ہوا کہ بلنسیہ کے لوگوں کو اپنی اس حماقت سے سخت نقصان پہنچا، صاحب بلنسیہ نے اس تہلکہ سے بھاگ کر اپنی جان بچائی، مگر یہ سب کچھ ہونے پر بھی بلنسیہ پر عبدالملک کی حکومت بدستور قائم رہی۔

دوسری مصیبت مسلمانوں پر یہ آئی کہ شمال مشرقی اسپین کا ایک بڑا مضبوط مقام برِبشتر[۵۱] نامی نارمن لوگوں کے قبضہ میں چلا گیا[۵۲]، نارمن قوم نے جس کے ظلم و ستم مشہور تھے، برِبشتر کے رہنے والوں پر ظلموں کی انتہا کردی، قلعہ برِبشتر میں جو فوج مقیم تھی، اُس نے اس شرط پر (۶۵۸) اطاعت قبول کی کہ اس کی جان سلامت رکھی جائے، لیکن جب یہ فوج قلعے سے باہر نکلی

---

۵۱ یہ شہر لاردہ اور سرقسطہ کے درمیان واقع تھا۔

۵۲ نارمن فوجوں کا سردار اُس وقت ایک عیسائی گیلامی، منت ریل کا رہنے والا تھا، یہ پاپائے رومہ الکساندر ثانی (۱۰۶۱ء تا ۱۰۷۳ء) کا ملازم تھا، ابن حیان نے اسے صرف "قائد خیل رومیہ" لکھا ہے، اس بحث کو پڑھنے کے لیے دیکھو کتاب تحقیقات (۱۸۸۱ء) ج ۲ ص ۳۵۰ تا ۳۵۲۔

تو نارمن لوگوں نے اُس کے تقریباً کُل آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔

شہر کے ساتھ بھی یہی سفاکی کی گئی، اہلِ شہر کو پہلے امان دیدی، لیکن جب وہ شہر چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے تو نارمن فوجوں کے عیسائی سپہ سالار نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ "شہر سے جو لوگ نکل رہے ہیں اُن کو مار کر اُن کی تعداد کم کردی جائے"۔ اب اِن مظلوم شہر والوں کا قتلِ عام اِس حد کو پہنچا کہ عیسائیوں نے چھ ہزار مسلمانوں کو تہِ تیغ کر دیا، اِس کے بعد عیسائی سپہ سالار نے اہلِ بربشتر کو حکم دیا کہ "وہ اپنے بیوی بچوں سمیت اپنے اپنے گھروں میں چلے آئیں"۔ اِن مظلوموں نے یہی کیا، مگر نارمن عیسائیوں نے اِن لوگوں کو بطور مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کر لیا، ایک عرب عہد نویس مورخ لکھتا ہے "ہر ایک عیسائی سوار، جس کو ایک گھر حصے میں ملا تھا، اُسے گھر کے علاوہ جو کچھ اُس گھر میں تھا وہ بھی دے دیا گیا، یعنی اُس گھر کی عورتیں، بچے، مال و اسباب، اور روپیہ وغیرہ سب اُس کا ہو گیا اور گھر کا مالک اُس کا غلام بنایا گیا، اِس غریب کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں تاکہ مال اگر کہیں دبا ہو تو بتائے، بعض وقت مسلمان اِن نارمن عیسائیوں کی ایذا رسانی سے مر جاتے تھے، اور مرنا فی الواقع اُن کے حق میں بہتر ہوتا تھا، کیونکہ یہ کافر زانی تھے، اور مسلمان بیویوں اور بیٹیوں کو اُن کے شوہروں اور والدین کے سامنے بے آبرو کرتے تھے، یہ حرکتیں وہ علی الاعلان کرتے تھے، اور مسلمان قیدیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہنے ایسے پاجیانہ موقعوں پر حاضر رہیں"۔

یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ یہ وحشی خونخوار زانی نارمن اسپین سے جلد اپنے ملک کو چلے گئے، تاکہ جو دولت اسپین میں اُنھوں نے کثرت سے لُوٹی تھی، اُسے اپنے وطن میں بیٹھ کر خرچ کریں۔

چلتے وقت یہ نارمن اپنے دو ہزار پیدل اور ڈیڑھ ہزار سوار قلعہ میں چھوڑ گئے، مگر قلعہ کی حفاظت کے لیے سپاہ کی یہ تعداد کافی نہ تھی، بنی ہود سے احمد مقتدر صاحب سرقسطہ نے اِس حالت میں معتضد سے پانچ سو سواروں کی کمک پاکر بربشتر کے شہر پر ۴۵۸ھ ۱۰۶۵ء کی ربیع میں پھر قبضہ حاصل کر لیا۔

فرڈلنڈ نے بلنسیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں کمی نہ کی، دوبارہ فوج کشی کی، عبدالملک بادشاہ بلنسیہ کو اپنے خسر ابوالحسن یحییٰ مامون ذوالنونی صاحب طلیطلہ سے کمک پہنچ گئی تھی، مگر عبدالملک کی حالت بہتر نہ ہوئی، فرڈلنڈ اسی زمانہ میں بیمار پڑ گیا، اور اس کو اپنے دارالحکومت لیون کو واپس جانا پڑا، فرڈلنڈ کے چلے جانے سے بھی عبدالملک کو کوئی نفع نہ پہنچا، کیونکہ نومبر ۱۰۶۵ء (ذی الحجہ ۴۵۷ھ) میں اس کے خسر ابوالحسن یحییٰ ذوالنونی صاحب طلیطلہ نے عبدالملک کو حکومت بلنسیہ سے بے دخل کرکے ایک قلعہ میں قید کردیا، اور بلنسیہ کے تمام علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد موت نے مسلمانوں کو ان کے ایک سخت دشمن سے نجات دیدی، یعنی موت کے فرشتے نے اپنا تاج نیک بخت، بہادر، اور پارسا فرڈلنڈ کے شریف سر پر رکھدیا، جو (عیسائیوں میں) بادشاہوں کا بہترین نمونہ تھا، جس وقت بیمار ہوکر بلنسیہ سے لیون میں آیا (شنبہ - ۲۴ دسمبر ۱۰۶۵ء م ۲۲ محرم ۴۵۸ھ) تو فوراً گرجا میں گیا، (۶۵۹) جو اس نے شہید علیسیدور کی یادگار میں اسی شہید کے نام سے تعمیر کرایا تھا، فرڈلنڈ کو اب اپنی موت کے قریب ہونے کا یقین ہوگیا تھا، اور سمجھتا تھا کہ عنقریب اس کا جنازہ اسی گرجا میں رکھا ہوگا، وہ گرجا میں دعا مانگنے کے بعد اپنے محل کو چلا گیا، تاکہ کچھ دیر وہاں آرام کرے، جب رات ہوئی تو پھر گرجا میں چلا آیا، یہاں اس وقت تمام قسیس ولادت مسیح کی یاد میں مصروف نماز تھے، جس وقت انہوں نے اس طریقہ عبادت کے مطابق جو طلیطلہ میں مروج تھا، نصف شب کو ولادت مسیح کی خوشی میں دعا کے لیے اپنی آوازیں بلند کیں، تو فرڈلنڈ نے بھی گو وہ بہت نحیف اور کمزور تھا، اپنی آواز ان کی آوازوں میں ملائی، اور صبح ہوتے ہی پادریوں سے درخواست کی کہ نماز قداس[۵] پڑھی جائے، جس وقت یہ نماز ختم ہوئی تو فرڈلنڈ کو نوکروں نے سہارا دیکر بمشکل اس کے محل تک پہنچایا۔

جب دن اچھی طرح نکل آیا تو فرڈلنڈ کو بادشاہی لباس پہنا کر پھر گرجا میں لائے، اور اب

---

۵ یہ نماز آدھی رات کو شروع ہوا کرتی تھی۔

وہ قربانگاہ کے سامنے گھٹنے زمین پر ٹیک کر کھڑا ہوا، کندھے سے ردائے شاہی، اور سر سے تاج سلطنت اُتار کر قربانگاہ پر رکھا، اور نہایت صاف آواز میں کہا "تیری ہی بادشاہی ہے اور تیری ہی سب قدرت ہے، اے خداوند! تو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے، آسمان اور زمین پر تیری ہی حکومت ہے، جو کچھ تُو نے دیا تھا، اور اُس پر تیرے ہی حکم اور رضا سے میں نے حکومت کی تھی، اب وہ سب تیرے حوالے کرتا ہوں، اے خداوند! اِس ظلمت کدہ دُنیا سے آزاد ہوتے ہی میری روح کو اپنے جوارِ رحمت میں لے لے"۔

یہ دعا مانگ کر فردلند سنگین فرش پر دراز ہو گیا، گناہوں کی معافی چاہی، اور ایک اُسقف نے اس کے جسم پر تیل ملا، پھر وہ ٹاٹ کا کرتہ پہن، سر پر خاک ڈال، موت کا منتظر ہو گیا، چہرے پر ایمان کا نُور اور خدا کی مرضی پر صبر و شکر کرنے کی علامتیں تھیں، دوسرے دن سہ شنبہ کو صبح کی چھ ساعتیں گذری تھیں کہ فردلند بادشاہِ قشتالیہ اور لیون نے اپنی رُوح خدا کو سونپ دی، مرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت اطمینان کے ساتھ ہنستی ہوئی صورت سے سو رہا ہے۔

اِس کے تھوڑے عرصہ بعد ایک اور موت وقوع میں آئی، اگر یہ موت کسی مسیحی ولی یا شہید کی نہ تھی[۵۱] (جس کے بیان میں انجیل کے موتی پرونے کی ضرورت ہو۔ مترجم اُردو) ۲۸ فروری ۱۰۶۹ء (م۔ شنبہ ۳ جمادی الاول ۴۶۱ھ) کو ہفتے کے دن معتضد بادشاہِ اشبیلیہ نے وفات پائی اِس نے مرنے سے دو سال پہلے قرمونہ کی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا، اور ایک دوسرا قتل اپنے ہاتھ سے اَور بھی کیا تھا، یعنی ابوحفص ہوزنی کو جو اشبیلیہ کا ایک رئیس تھا، خنجر

[۵۱] اِس موت کے حال میں سوائے اِس کے کہ اُسے بُری طرح بیان کیا جائے، کسی اور اہتمام کی ضرورت مصنف کو نہ تھی، فردلند مسیحی ولی اور شہید نے بھی ہزاروں کو قتل کیا ہوگا، مگر اُس کی موت کے حالات میں بیگناہوں کا قتل یاد دلانا ضروری نہ تھا، البتہ معتضد کی موت کے بیان میں ایک خونِ ناحق کا ذکر، جو معتضد کی موت سے کئی برس پہلے کا وقوعہ تھا، اِس موقعہ کے لیے لگا رکھا، تاکہ ایک مسلمان کی موت کے وقت اُس کا ذکر کر کے اپنے مسیحی ناظرین کو محظوظ کیا جائے، یہ ہیں صورت فریب انشا پردازی کے کمالات! (مترجم اُردو)

مار کر ہلاک کر دیا ۔

اخیر زمانہ میں معتضد کو سلطنت کے متعلق برے برے شگون نظر آنے لگے تھے، اُسے اس کا خوف نہ تھا کہ جو سلطنت اپنی ذہانت اور ترکیبوں سے قائم کی ہے اُسے قشتالیہ کے عیسائی تباہ کر دیں گے ۔ قشتالیہ کی طرف سے اُسے کوئی فکر یا اندیشہ نہ تھا، کیونکہ نجومیوں نے اُسے یہ خبر دی تھی کہ آپ کی سلطنت کو وہ لوگ تباہ کریں گے جو اسپین میں پیدا نہیں ہوئے ۔ چنانچہ معتضد کو مدت سے یہ خیال بندھ گیا تھا، کہ یہ اسپین سے باہر پیدا ہونے والے سوائے بربر کے اور لوگ نہیں ہیں، اور بربر کو غارت کرنے کے بعد معتضد دل میں خوش تھے کہ جو کچھ نجومیوں نے خبر دی تھی، اُس کا تدارک کر دیا، پھر یہ خیال ہوا کہ نہیں یہ خیال درست نہیں ہے ۔ بحر زقاق کی دوسری جانب صحرائیوں کا ایک انبوہِ کثیر، جسے ایک شخص نے (۶۶۰) ریگستانوں سے بُلا کر جمع کیا تھا، افریقہ کی فتح کے لیے چل پڑا ہے، اور اُس میں وہی جوش اور ہمت موجود ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں تھی، مذہب کے اِن متوالوں میں جن کا نام اسپین کے لوگوں نے المرابطین رکھا تھا، معتضد نے دیکھ لیا کہ آئندہ زمانہ میں اسپین کے فتح کرنے والے یہی لوگ ہوں گے، اور اب مرابطین کی طرف سے دل میں ایسا اندیشہ بیٹھا کہ کسی طرح دُور نہ ہوا ۔

ایک روز معتضد دربار میں بیٹھے ہوئے سکوت حاکم سبتہ کا خط بار بار پڑھتے تھے سکوت نے اطلاع دی تھی کہ "مرابطین کا مقدمۃ الجیش مراکش میں آکر اُترا ہے" ۔ اُس وقت ایک وزیر قریب حاضر تھا، اُس نے عرض کیا کہ "اِس خبر سے حضور کیوں پریشان ہوتے ہیں؛ اِن وحشیوں کی سکونت کے لیے مراکش کا میدان بمقابلہ ہمارے شاندار اشبیلیہ کے بہت بہتر مقام ہے، اگر اِن صحرائیوں نے وہاں اپنے خیمے لگائے ہیں تو ہمیں کیا اندیشہ ہے؟ اُن میں اور ہم میں بڑے بڑے صحرا، اور لشکر اور سمندر کی موجیں حائل ہیں" ۔

معتضد نے جواب دیا "مجھے پورا یقین ہے کہ ایک دن یہ لوگ یہاں آئیں گے، اور ممکن ہے کہ اُس دن کے دیکھنے کے لیے تم زندہ رہو، جزیرۃ الخضراء کے حاکم کو فوراً لکھو کہ جبلِ طارق کے قلعہ کو خوب مستحکم کرلے، اور بہت ہوشیار رہے، اور دیکھتا رہے کہ

سمندر پار کیا حالات پیش آ رہے ہیں۔" پھر معتضد اپنے فرزندوں کی طرف دیکھ کر بولے "معلوم نہیں وہ روزِ بد دیکھنا کس کی تقدیر میں لکھا ہے؟ تمہاری تقدیر میں یا میری تقدیر میں۔" باپ کے منہ سے یہ سُن کر معتمد کہنے لگے "خدا مجھ کو آپ پر فدا کرے، اور جو مصیبتیں خواہ وہ کیسی ہی ہوں جو آپ کی تقدیر میں اُتری ہیں، وہ میرے سر پر آجائیں۔"

معتضد کو موت سے پانچ دن پہلے طبیعت بہت گری گری معلوم ہوئی، اُس نے ایک مشہور مغنیہ کو جو صقلیہ کی رہنے والی تھی، طلب کر کے حکم دیا کہ کچھ گانا سُنائے، اِس سے بحث نہیں کہ وہ کیا ہو؟ خیال یہ کیا تھا کہ جو کچھ وہ گائے گی، اُسی سے اپنی تقدیر کا حال معلوم کروں گا، گانے والی نے اتفاق سے ایسے اشعار گائے جن میں اگرچہ حلاوت تھی مگر شدّت سے دل کی افسردگی اُن سے ظاہر ہوتی تھی، اشعار کا مضمون یہ تھا:-

"جہاں تک ہو سکے زندگی خوش گذار دے، کیونکہ جلد اُسے ختم ہونا ہے

اے میری محبوبہ! شراب میں سادہ اور شفاف پانی ملا کر میرے پاس لے آ"

(۶۶۱) اِس غزل کے پانچ شعر اُس نے گائے، اور یہ عجیب واقعہ ہے جس کے مستند ہونے میں شبہ نہیں کہ یہ پانچ کا عدد معتضد کی باقی زندگی کے دن تعبیر کرتا تھا۔

گانا سننے کے دوسرے دن ۲۶ فروری ۱۰۶۹ء مطابق یکم جمادی الاول ۴۶۱ھ جمعرات کے دن معتضد کی ایک بیٹی کا انتقال ہوگیا، اِس لڑکی سے باپ کو بہت محبت تھی معتضد کی نسبت بیان ہوا ہے کہ باوجود ظالم ہونے کے اُن کو اپنے بچوں سے بہت اُلفت تھی، غرض اِس بیٹی کی موت نے اور بھی درگور کر دیا، جمعہ کی شام کو سخت رنج و غم کی حالت میں بیٹی کے جنازے کے ساتھ گئے۔

میّت دفن ہونے کے بعد معتضد شدید دردِ سر کی شکایت کرنے لگے، ناک اور منہ سے خُون جاری ہوگیا، جس سے دم گھٹنے لگا، طبیب نے چاہا کہ فصد لی جائے، لیکن مزاج میں ضد تھی، کہا "آج نہیں کل۔" اِس تاخیر نے موت کو اور بھی جلد بُلا لیا۔

دوسرے دن ہفتے کو منہ اور ناک سے پھر خون جاری ہوا، اور اب اُس کی زیادتی کی انتہا نہ رہی، زبان بند ہوگئی، اور اِسی حالت میں انتقال کیا۔

معتضد کا جانشین اُس کا بیٹا معتمد ہوا، جس کے عجیب و غریب حالات لکھنے باقی ہیں +

اسناد

موناکی سی لین سیس - مندرجہ اسپانا ساگرادا - جلد ۱۷ ص ۳۲۰ تا ۳۳۰

کرونیکون کومیلوتنسی ص ۳۲۷-

کرونیکون کومپوسٹیلانم ص ۳۱۷ تا ۳۱۸

عباد جلد ۱ ص ۲۴۶، ۲۵۱ تا ۲۵۲

جلد ۲ ص ۶۱ تا ۶۲، ۲۱۶، ۲۱۹ تا ۲۲۰

ابن بسام (قلمی نسخہ گوتھا) اخیر ورق

مقری جلد ۱ ص ۱۱۱

جلد ۲ ص ۷۴۸ تا ۷۴۹

عبدالواحد ص ۷۰

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

نویں فصل

معتمد اور ابن عمّار

(۶۶۲) معتمد ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ گیارہ برس کی عمر تھی کہ باپ نے اُنہیں صوبہ ولبہ کا حاکم مقرر کردیا، اِس کے بعد تھوڑا زمانہ گذرا تھا کہ محاصرۂ شلب میں لشکرِ اشبیلیہ کی سپہ سالاری سپرد ہوئی، اِسی زمانہ میں معتمد کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو اُن سے عمر میں نو برس بڑا تھا، اور جس کی قسمت میں تھا کہ آئندہ معتمد پر اپنی طبیعت کا بہت بڑا اثر پہنچائے۔

اِس شخص کا نام محمد بن عمار، اور کنیت ابوبکر تھی، شہر شلب کے اعمال سے شنبوس نامی ایک قریے میں مفلس اور گمنام ماں باپ کے گھر پیدا ہوا تھا، جو عرب تھے، علمِ ادب پہلے شلب میں اور پھر قرطبہ میں حاصل کیا، اِس کے بعد پریشان گردی میں عمر گذرنے لگی، اسکی وجہ معاش یہ تھی کہ جس کسی سے کچھ وصول ہونے کی توقع ہوتی، اُس کا قصیدہ لکھتا، اگرچہ نامور شعراء سوائے وزیروں اور بادشاہوں کے کسی کا قصیدہ لکھنا اپنی شان کے خلاف

سمجھتے تھے، لیکن نوجوان ابن عمار، جس کے ذلیل کپڑوں، اور سر پر جھکی ہوئی ٹوپی، اور پرانی قبا پر کوئی ہنستا، اور کوئی رحم کھاتا تھا، اسی کو غنیمت سمجھتا تھا کہ کوئی تو دولت اس کا قصیدہ سُن کر کچھ سلوک کردے، ایک دن بہت ہی زدہ حال شلب میں آیا، تنگدستی کی یہ حالت تھی کہ جس جانور پر سوار تھا، اس کے لیے دانہ خریدنے کو بھی دام پاس نہ تھے، اتفاق سے اُسے شلب کے ایک شخص کا خیال آیا کہ شاید وہ اس وقت کچھ مدد کرے، یہ ایک دولتمند تاجر تھا، اگرچہ جاہل محض تھا، مگر اپنی تعریف میں شعر سننے کا ہمیشہ مشتاق رہتا تھا، ابن عمار نے فوراً ایک قصیدہ لکھا، اور اپنی مصیبت کی ایک داستان لکھ کر مع قصیدہ کے تاجر کے پاس بھیجی، تاجر قصیدہ سُن کر بہت خوش ہوا، اور ایک توبڑے میں جَو بھر کر مفلس شاعر کے پاس بھیجے، جب یہ کم قیمت انعام پہنچا، تو شاعر کو خیال آیا کہ افسوس تاجر سے اتنا بھی نہ ہوا کہ توبڑہ میں جَو کی جگہ گیہوں بھر کر بھیجتا، پھر بھی یہ جَو غنیمت ہوئے، ہم آگے پڑھیں گے کہ ابن عمار نے اپنے اس محسن کا شکریہ کس طرح ادا کیا۔

شاعری میں ابن عمار کو جلد شہرت حاصل ہوئی، اور اسی شہرت کے باعث معتمد کی خدمت میں پہنچنے کی اُسے عزت نصیب ہوئی، معتمد، ابن عمار کو دیکھتے ہی اُس پر مہربان ہوگئے، چونکہ دونوں عیش پسند، ہمت و جرأت کے کاموں میں شوق سے شریک ہونیوالے اور شاعری کے خصوصیت سے جوہر شناس تھے، اس لیے اُن میں بہت جلد دوستی پیدا ہوگئی (۶۶۳) غرض جب شلب دشمن سے فتح کرلیا گیا، اور معتمد وہاں کے حاکم مقرر ہوئے، تو اُنھوں نے اپنے دوست ابن عمار کو قلمدانِ وزارت عطا فرمایا، اور صوبہ شلب کا کُل انتظام اُس کے سپرد کردیا۔

شلب جیسے پُر فضا اور دلفریب مقام میں جہاں کا ایک معمولی کسان بھی شعر کہہ سکتا تھا، معتمد اور ابن عمار کا جو زمانہ خوشی اور خرمی میں گذرا وہ معتمد کے دل سے کبھی نہ بھولا، شہزادہ کے دل میں عشق نے ابھی تک راہ نہ پائی تھی، دل میں حسین سے حسین خیالات پیدا ہوتے اور مٹ جاتے، کوئی مستقل نقش پیچھے نہ چھوڑتے، یہ سن ایسا تھا جسمیں سچی اور پکی دوستیاں پیدا کرنے کا ایک ولولہ اُٹھتا رہتا تھا، غرض اسی دُھن میں جوانی و شباب کا

پورا زور معصومانہ طریقہ پر صرف ہونے لگا۔

ابن عمار دولت کی چھاؤں اور عیش و آرام کے سایہ میں نہ پلا تھا، ابتدائے عمر سے اُسے افلاس و تنگدستی، اور مشکلوں و مایوسیوں کا تجربہ ہوتا رہا تھا، ابن عمار کے خیال اور تصور میں معتمد کی سی تازگی نہ تھی، نہ معتمد کی طرح وہ خوش رہتا تھا، اور نہ شہزادہ کی سی جوانی اور جوانی کا جوش اُس میں موجود تھا، کلام میں ایک دبا ہوا شکوہ اور رُکی ہوئی فریاد تھی، جو بغیر زبان سے نکلے نہ رہتی تھی، عقائد میں کسی قدر شکّی تھا، ایک دن جمعہ کی نماز کے لیے یہ دونوں دوست مسجد کو جاتے تھے کہ راستہ میں مؤذن کی اذان سنی، معتمد نے اذان سنتے ہی اِس مضمون کا مصرع کہا "سنو! موذن پکارتا ہے کہ نماز کا وقت آگیا" پھر ابن عمار سے کہا کہ اِس پر مصرع لگاؤ، ابن عمار نے اِس مضمون کا مصرع لگایا "اور یقین کرتا ہے کہ اِس میں خدا اُس کے بہت سے گناہ معاف کردیگا" معتمد نے تیسرا مصرع کہا "اور خدا اُسے خوش رکھے کہ حق پر گواہی دیتا ہے۔" ابن عمار نے ہنس کر چوتھا مصرع کہا "بشرطیکہ دل میں بھی وہی ہو جو زبان پر ہے"۔

ابن عمار بہت کم سنی سے دوسروں کی طبیعت کو پہچاننا اور اُن کا اعتبار نہ کرنا سیکھ گیا تھا، اِس لیے زیادہ تعجب کا مقام نہیں کہ معتمد کی دوستی اور محبت کو بھی جس کی کوئی انتہا نہ تھی، بعض وقت وہ شبہ کی نظر سے دیکھا کرتا تھا، مے نوشی کے جلسوں میں بالخصوص اُس کی طبیعت افسردہ ہوجاتی تھی، اور جو بُرے خیالات اِس وقت دل میں آتے تھے وہ پھر ذہن سے نہ نکلتے تھے، چنانچہ اِس بارہ میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے جو اگرچہ عجیب ہے، مگر اس کی صحت میں کلام نہیں، کیونکہ اس پر گواہی دینے والے خود ابن عمار اور معتمد ہیں۔[۵] (۶۶۴)

قصہ یہ ہوا کہ ایک دن معتمد نے ابن عمار کو شام کے وقت ایک ضیافت میں مدعو

---

[۵] عبدالواحد المراکشی نے اِس قصہ کو ابن عمار کے الفاظ میں بیان کیا ہے، اور ابن بسام نے اشبیلیہ کے اکثر وزرا سے سُن کر، جنھوں نے خود معتمد سے سُنا تھا، یہ قصہ لکھا ہے۔

گیا، ضیافت ہوئی، اور اس میں شراب نوشی معمول سے زیادہ ہوئی، جب اور مہمان رخصت ہوگئے تو معتمد نے ابن عمار سے کہا کہ "تم نہ جاؤ" ابن عمار نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور دونوں باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

ابن عمار تھوڑی دیر سوئے تھے کہ ان کے کان میں آواز آئی "اے نامراد! ایک دن یہی تجھ کو مارڈالے گا" ابن عمار ڈر کر جاگ اٹھے، مگر یہ سمجھ کر کہ خمار میں برے خیالات آرہے ہیں، بہت کوشش سے اس آواز کا خیال دور کرکے پھر سو گئے، مگر ذرا سی دیر سوئے تھے کہ پھر وہی منحوس آواز سنی، پھر سوئے اور پھر وہی آواز آئی، اس تیسری بار ان کو یقین ہوگیا کہ یہ آواز محض واہمہ نہیں بلکہ ندائے غیب ہے، اب سوائے اس کے دوسری کوئی بات قیاس کرنے کی ہمت نہ ہوئی، چپکے سے اٹھے، محل کی ڈیوڑھی میں آئے، اور یہاں ایک کونے میں بوریے میں لپٹ کر اس ارادہ سے کھڑے ہوگئے کہ دروازہ کھلتے ہی محل سے باہر نکل جائیں گے، اور پھر ساحل کا رستہ لے وہاں کسی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو افریقہ چلتے ہوں گے۔

معتمد کی آنکھ کھلی تو دوست کو نہ پایا، اس پر انہوں نے اس زور سے آواز لگائی کہ نوکر جاگ اٹھے، معتمد نے نوکروں کو تلاش کا حکم دیا، خادموں نے سارا قصر چھان مارا مگر ابن عمار کا کہیں پتہ نہ چلا، معتمد خود تلاش میں شریک ہوئے، اور یہ دیکھنے کو کہ قصر کا دروازہ کھلا ہے یا بند، ڈیوڑھی کی طرف گئے، یہاں ابن عمار چھپے کھڑے ہی تھے، بے اختیار کچھ ایسی جنبش کی کہ بوریا جس میں لپٹے کھڑے تھے ہلا، معتمد کی نظر ادھر گئی، پوچھا کہ "اس بوریے میں کیا ہے؟" نوکر فوراً دوڑ کر بوریے کے پاس پہنچے تو ابن عمار بوریے میں سے نکلے، حالت رحم کے قابل تھی، ننگے گلے، صرف پاجامہ پہنے ہوئے تھے، سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپتے تھے، اور شرم و ندامت سے آنکھیں نیچی کیے ہوئے تھے۔

معتمد دوست کی یہ حالت دیکھ کر رو دیے، اور کہنے لگے "ابوبکر! یہ کیا حالت ہے" مگر پھر یہ دیکھ کر کہ ابن عمار کانپ رہے ہیں، انہیں اپنے کمرے میں لے آئے، اور اب معلوم کرنا چاہا کہ آخر یہ ماجرا کیا تھا؟ مگر ابن عمار بہت دیر تک کچھ جواب نہ دے سکے

کچھ تو خوف سے اور کچھ اپنی شرمناک حالت سے ہوش وحواس معطل سے ہو گئے تھے، کبھی ہنستے تھے کبھی روتے تھے، آخر جب کچھ تسکین ہوئی تو کل واقعہ بیان کیا، جسے سن کر معتمد ہنس پڑے، اور بڑی محبت اور دردمندی سے کہنے لگے کہ "شراب کے بخارات نے دماغ پر اثر کرکے یہ فضول خیال تمہارے دماغ میں پیدا کیا تھا، اس کے سوا اور کچھ نہ تھا، بھلا تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے مار ڈالنے کا خیال میرے دل میں کیونکر آسکتا ہے؟ تم میری جان اور زندگی ہو، تم کو قتل کرنا خود اپنے آپ کو قتل کرنا ہے، بس اب اس خیال کو دور کرو، اور اس کا پھر کبھی ذکر بھی نہ کرنا"۔

(۶۶۵) اس موقع پر عربی مورخ لکھتا ہے کہ "ابن عمار اس واقعہ کو بھول گئے، لیکن جب بہت لیل ونہار گذر لیے، تو وہ واقعہ پیش آیا جس کی طرف عنقریب اشارہ کیا جائیگا"۔

جب یہ دونوں دوست شلب میں نہ ہوتے تو اپنا وقت اشبیلیہ میں گذارتے، اشبیلیہ دارالسلطنت تھا، ہر قسم کا سامان عیش وہاں میسر تھا، یہاں آرام وآسائش سے زندگی بسر کرتے، اکثر بھیس بدل کر مَرج الفضّہ (چاندی والے چرک) میں جاتے، جہاں عورتیں اور مرد تفریح کے لیے جمع ہوا کرتے تھے، یہی مقام تھا جہاں معتمد اس حسین صورت سے پہلی بار ملے، جس کے نصیب میں معتمد کا عمر بھر ساتھ دینا لکھا تھا، ابن عمار کے ساتھ ایک دن اسی نزہت گاہ میں سیر کرتے تھے کہ ہوا کے چلنے سے دریا کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں پیدا ہوئیں، معتمد نے فوراً اس مضمون کا مصرع موزوں کیا:-

نسیم کے جھونکوں سے پانی کی موجیں زرہ بن گئی ہیں

ابن عمار دوسرا مصرع سوچتے ہی رہے کہ اتنے میں ایک نوجوان حسین عورت نے جو قریب کھڑی تھی بے تکلف دوسرا مصرع کہا:-

لڑنے والے کے لیے کیا خوب زرہ ہوتی اگر پانی کی موجیں صف ہوتیں

معتمد کو حیرت ہوئی کہ کس بلا کی تیز عورت ہے، جس نے مصرع لگانے میں ابن عمار کی تقدیم کی، اور ابن عمار بھی وہ جس کی شاعری کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے، اس حیرت کے عالم میں معتمد اس عورت کو غور سے دیکھنے لگے، اس کی اچھی صورت کا دل پر اثر ہوا،

ایک خواجہ سرا سے جو کچھ فاصلے سے پیچھے آرہا تھا، کہا کہ "اِس شاعرہ کو قصر میں لے جا کر بٹھاؤ" اِتنا کہکر خود بھی قصر میں آئے، جس وقت وہ حسین عورت سامنے آئی، تو معتمد نے اس کا حسب نسب دریافت کیا، عورت نے جواب دیا کہ "میرا نام اعتماد ہے، لیکن بالعموم رُمیکیہ کے نام سے مشہور ہوں، کیونکہ میں رُمیک کی لونڈی ہوں، اور خچر ہانکنا میرا کام ہے۔" اِتنا سُن کر شہزادے نے پُوچھا "کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے" رمیکیہ نے جواب دیا "نہیں" معتمد نے کہا "یہ خوب ہوا، میں تمہیں تمہارے آقا سے خرید کر تم سے شادی کروں گا۔"[1]

معتمد جب تک زندہ رہے رُمیکیہ کے ساتھ اُن کے عشق میں کبھی کمی نہیں ہوئی کوئی دل لبھانے والی چیز معتمد کی نظر میں ایسی نہ تھی جو رمیکیہ میں موجود نہ ہو، بعض اوقات رُمیکیہ کو شہزادی ولادہ سے جو اُموی خلیفہ المستکفی باللہ کی بیٹی تھیں، اکثر نسبت دی گئی ہے، لیکن تمام باتوں میں یہ نسبت پُوری نہیں اُترتی، رُمیکیہ علم وفضل میں شہزادی ولادہ سے کوئی نسبت نہ رکھتی تھی، لیکن شیریں کلامی اور بذلہ سنجی میں شہزادی ولادہ سے ہرگز کم نہ تھی، اور معصوم بچوں کی سی خوش ادائی، کھیل کود، اور شرارت میں ولادہ سے بڑھی ہوئی تھی۔ (۶۶۶)

رمیکیہ کو جو نیا شوق اُچھلتا، وہ شوہر کے لیے مسرت اور مایوسی دونوں کا باعث ہوتا کوئی فرمائش ایسی نہ تھی جو پُوری نہ کی جاتی ہو، چاہے اُس میں کتنی ہی دولت و زحمت صرف ہو، رُمیکیہ جس بات کا ارادہ کرلیتی پھر دُنیا اِدھر سے اُدھر ہو جاتی مگر اپنی بات سے نہ ٹلتی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فروری کا مہینہ تھا، قصرِ قرطبہ کی ایک کھڑکی سے رُمیکیہ باہر کی سیر دیکھ رہی تھی، یکایک برف روئی کے گالوں کی شکل میں گرنی شروع ہوئی، جس ملک میں جاڑا شدت کا نہ ہوتا ہو، وہاں کبھی اتفاق سے برف کا گرنا ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے، برف کے سفید سفید گالے دیکھ کر رُمیکیہ رونے لگی، معتمد نے پُوچھا

[1] معتمد نے اپنا لقب "معتمد" رکھا، جس کا مادہ وہی ہے جو اعتماد کا ہے۔

"کیوں! کیوں! روتی کیوں ہو؟" رُمیکیہ نے سُبکیاں لے لے کر جواب دیا "تمہارے برابر کوئی بُرا اور ظالم نہ ہوگا۔ ذرا دیکھو! یہ برف گرتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے؟ کس طرح اِس کے گالے درختوں کی شاخوں کو لپٹ گئے ہیں، لیکن تم بڑے نااحسانمند ہو، تمہیں اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ہر جاڑے مجھے یہی بہار دِکھا دیا کرتے۔ اگر یہاں ممکن نہ تھا تو پھر ایسے ملک ہی کی سیر کرادی ہوتی جہاں برف ہمیشہ گرا کرتی ہے۔" یہ کہتے کہتے رُمیکیہ کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ معتمد نے آنسو پونچھ کر کہا "پیاری دلبر! کیوں پریشان ہوتی ہو؟ لو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے ہر جاڑے برف گرنے کی بہار دیکھ لیا کروگی۔"

معتمد نے فوراً حکم دیا کہ "جبلِ قرطبہ پر بادام کے درخت لگائے جائیں، تاکہ جاڑے میں کُہر گرنے کے بعد جب مطلع صاف ہو، تو اُن درختوں کے خوبصورت سفید پھول ہوا سے جھوم جھوم کر برف گرنے کا لطف پیدا کردیں، جس کی رُمیکیہ اِس قدر مشتاق ہے۔"

ایک اور موقعہ پر رُمیکیہ نے دیکھا کہ کچھ غریب عورتیں اینٹیں بنانے کے لیے پاؤں سے مٹی گوندھ رہی ہیں، رُمیکیہ یہ دیکھ کر پھر رو کر شوہر سے کہنے لگی "ہائے! جس دن سے ایک غریب گھر سے نکال کر جہاں میں خوش اور آزاد رہتی تھی، تم نے آدابِ شاہی کی زنجیروں میں جکڑ کر مجھے اِس تاریک محل میں بند کیا ہے، وہ دن اور آج کا دن، جسے آرام کہتے ہیں وہ مجھے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ذرا دریا کے کنارے اِن غریب عورتوں کو دیکھو! کیا اچھا ہو تا کہ میں بھی انہی کی طرح پاؤں سے مٹی گوندھتی ہوتی، مگر افسوس تم نے ملکہ بنا کر مجھے قید میں ڈال دیا۔ اِن غریب عورتوں کی طرح مٹی گوندھنے کا لطف مجھے کب نصیب ہو سکتا ہے؟" معتمد نے مسکرا کر کہا "کیوں! نصیب کیوں نہیں ہو سکتا۔"

اِس کے فوراً بعد معتمد محل کے صحن میں آئے۔ اور خدامِ شاہی کو حکم ہوا کہ کافور و شکر اور مشک و عنبر کے ڈھیر صحن میں لگائے جائیں، جب یہ چیزیں حاضر کردی گئیں تو دوسرا حکم یہ ہوا کہ اِن سب اشیاء کو آمیختہ کرکے عرقِ گلاب سے نرم کیا جائے، یہاں تک کہ وہ

(۶۶۷)

نرم گیلی مٹی کی طرح ہو جائیں۔

جب یہ سب کچھ ہولیا تو معتمد نے رُمیکیہ کو آواز دی "اب ذرا یہاں قدم رنجہ فرمائیے خواصیں اور سہیلیاں بھی ساتھ ہوں، پائے نازک سے پامال کرنے کے لیے مٹی تیار ہے"۔ اتنا سُنتے ہی سلطانہ رُمیکیہ مع خواصوں کے بالاخانہ سے نیچے اُتریں، اور ننگے پاؤں ہوکر اُس مشک وعنبر کی کیچڑ کو خوب خوش ہو ہو کر رَوندنا شروع کیا۔

اِس کھیل میں بڑی دولت صرف ہوئی تھی، چنانچہ معتمد نے ایک موقع پر اپنی نازک مزاج سلطانہ کو یہ شغل یاد بھی دلایا، وہ موقع یہ تھا کہ ایک دن پھر رُمیکیہ نے اسی قسم کی دولت ضائع کرنے والی فرمائش معتمد سے کی اور کہا "کیوں! مجھے تم سے شکایت کیوں نہ ہو؟ میرے برابر مصیبت زدہ کون عورت ہوگی؟ خدا جانتا ہے کہ ایک بات بھی تو میرے خوش کرنے کو کبھی تم نے نہ کی"۔ اِتنا سُن کر معتمد نے ایک آہِ سرد بھر کر کہا "کیا جس دن پاؤں سے مٹی گُوندھ رہی تھیں اُس دن بھی جی خوش نہیں ہوا تھا؟" رُمیکیہ یہ فقرہ سُن کر شرمندہ ہوگئی اور پھر کبھی کوئی فرمائش نہ کی۔

یہ بات غور کے قابل ہے کہ فقہاء اور علماء نے اِس خفیف الحرکات سلطانہ کا نام بھلائی کے ساتھ نہیں لیا، یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اسی ملکہ نے معتمد کو عیش ونشاط اور لہو ولعب میں مبتلا کر رکھا ہے، اور جب یہ بزرگ معتمد کی اصلاح میں کوشش کرتے ہیں تو یہی ملکہ مزاحم ہوتی ہے، جمعہ کو مسجدیں اگر نمازی کم آتے تو یہ کمی بھی رُمیکیہ ہی کا قصور سمجھی جاتی، رُمیکیہ اِن بزرگوں کی شکایتوں پر ہنستی تھی، مگر کچھ خبر نہ تھی کہ یہی بزرگ ایک دن اُس کی جان کے دشمن بن جائیں گے۔

معتمد ملکہ کے عشق میں ڈوبے رہتے تھے، مگر باوجود اس کے ابن عمار سے جو محبت تھی وہ بدستور قائم رہی، ایک مرتبہ رمیکیہ سے جدا ہوکر ابن عمار کے ہاں مہمان تھے تو ملکہ کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے:۔

"آنکھوں سے اوجھل ہو مگر دل میں بسی ہو، تمہیں نعمتیں اور لذتیں ایسی ہی کثرت سے نصیب ہوں جس کثرت سے آہیں، اور آنسو، اور راتوں کی نیندیں اُچاٹ ہوئی

بِ مجھے نصیب ہو رہی ہیں۔

جب دوسری عورتیں لگام چڑھا کر مجھے ہانکنا چاہتی ہیں تو تاب نہیں رہتی اُن کے قابو سے باہر ہو جاتا ہوں، لیکن تمہاری خاطر ذرا ذراسی بات میں بھی جان اور دل سے ہر وقت منظور ہے، ہر وقت یہ تمنا ہے کہ تمہارے پہلو میں ہوں، خدا کرے کہ یہ تمنا جلد پُوری ہو، اے میرے دل کی پیاری! مجھے یاد کرتی رہو، بھولو نہیں، خواہ میں کتنے ہی دن تم سے دُور رہوں۔

واہ ناموں میں بھی کیسا پیارا نام نکالا ہے "اعتماد" میں نے اُسے لکھ لیا ہے، اور اُس کا مادہ بھی تلاش کر لیا ہے۔"

اِس خط کو معتمد نے اِس جملہ پر ختم کیا:۔

"میں تم سے عنقریب ملوں گا، بشرطیکہ اللہ اور ابنِ عمار نے اجازت دی۔"

(۶۶۸) جس وقت ابنِ عمار کو اِس آخری فقرے کی اطلاع ملی تو اُس نے چند اشعار صنعتِ توشیع میں لکھ کر معتمد کی خدمت میں بھیجے، جن کا مضمون یہ تھا:۔

"اے میرے بادشاہ! میں تیری رضا کے سوا اور کوئی آرزو نہیں رکھتا، تو میری رہنمائی اِس طرح کرتا ہے جیسے اندھیری رات میں بجلی کوند کر مسافر کو راہ بتاتی ہے اپنی محبوبہ کے پاس واپس جانے کا قصد فرمائیے، ایک تیز رفتار کشتی پر سوار ہو جیے میں بھی آپ کے متعاقب حاضر ہوتا ہوں، یا گھوڑے پر سوار ہو جائیے، اور میں پیچھے پیچھے چلوں، اور جس وقت خدا کے فضل سے آپ صحنِ قصر میں داخل ہوں تو مجھے اپنے گھر واپس جانے کی اجازت دی جائے، اور پھر تلوار کمر سے نہ کھلنے پائے کہ اُس حسینہ کے قدموں پر سر رکھ دیجئے جس کا شالِ کمر زریں ہے، پھر جتنے دن مفارقت میں گذرے ہیں اُن کا حساب کر کے اُتنی ہی بار اس محبوبہ سے بغل گیر ہو جیے اور اپنے سینے سے اُسے لگائیے، اور پھر آپ کے اور اُس کے لبوں سے شیریں الفاظ اس طرح نکلیں جیسے طیورِ خوش الحان کی منقار سے صبح کی آمد میں نغمے نکلتے ہیں"

رُمیکیہ کے عشق اور ابنِ عمار کی دوستی میں معتمد کے دن نہایت عیش سے گذر رہے

تھے۔ لیکن اِس عیش کو خاک میں ملانے والا دن بھی آیا، معتمد کے والد معتضد نے ابن عمار کو جلاوطن کردیا، یہ واقعہ دونوں دوستوں کے حق میں ایسے صدمہ کا تھا جیسا سروں پر بجلی کا گرنا، لیکن کیا کرسکتے تھے، معتضد نے جب کسی بات کا قصد کرلیا ہو، تو پھر اُس کو جنبش نہ تھی۔ غرض ابن عمار نے اسپین کے شمال میں بالخصوص سرقسطہ میں حالتِ جلاوطنی میں بہت دن کاٹے، حتیٰ کہ معتمد اپنی عمر کے انتیسویں سال میں اپنے والد معتضد کی وفات پر تخت نشین ہوئے [۵]۔

بادشاہ ہوتے ہی معتمد نے اپنی جوانی کے دوست ابن عمار کو واپس بُلالیا، اور اُن سے کہا کہ جو منصب پسند ہو وہ اختیار کرو، ابن عمار نے صوبہ شلب کی حکومت پسند کی، جہاں وہ پیدا ہوئے تھے، معتمد کو افسوس ہوا کہ اِس خدمت پر جانے سے اُن کا دوست اُن سے بہت دُور ہوجائے گا۔ بہرکیف معتمد نے ابن عمار کی درخواست منظور کی لیکن جب ابن عمار رخصت ہونے لگے تو معتمد کو اپنا اور ابن عمار کا کبھی شلب میں ساتھ رہنا یاد آگیا، اور محبت کے جذباتِ شیریں پھر عود کرآئے، جنھوں نے اِن دونوں دوستوں میں کبھی کوئی ملال پیدا ہونے نہ دیا تھا، چنانچہ اسی کیفیت میں معتمد نے ایک نظم لکھی جسکا مضمون تھا:-

"اے ابوبکر! جب شلب پہنچو تو اُن محبوب مقامات سے جن سے تم واقف ہو میرا سلام کہنا، اور اُن سے یہ پوچھنا کہ میں بھی اُنہیں کبھی یاد آتا ہوں یا نہیں؟ سب سے پہلے شراجیت سے سلام کہنا، یہ وہی محل ہے جس کے عالیشان کمروں میں شیروں اور حسین عورتوں کے مجسمے نصب ہیں، یہاں تک کہ وہ قصر کبھی شیروں کا جنگل اور کبھی حسینوں کا گھر معلوم ہوتا ہے، اور اُس سے یہ کہنا کہ ایک نوجوان تجھے پھر دیکھنے کی آرزو میں سوختہ دل ہوکر جی رہا ہے۔ ہائے! کیسی کیسی راتیں جوان و خوش اندام نازک کمر حسینوں کے پہلو میں گذاری تھیں، سہ وشانِ سیاہ چشم کی وہ میٹھی میٹھی نگاہیں کس طرح میرے دل کے پار ہوتی تھیں، معلوم ہوتا تھا

[۵] یہ روایت کہ معتضد کی زندگی میں ابن عمار واپس چلے آئے تھے زیادہ قرین قیاس نہیں ہے

کہ نگاہیں نہیں ہیں تلواریں اور برچھیاں ہیں، اور ہائے وہ راتیں بھی کس لطف سے کٹی تھیں جبکہ دریا کے قریب ایک سبزہ زار کے بیچوں بیچ کھلی ہوئی جگہ میں وہ پری جمال مطرب پہلو میں ہوتی تھی، جس کے گلے کا ہار ہلالِ عید معلوم ہوتا تھا طرح طرح سے یہ گانے والی دل میں آگ روشن کرتی تھی، کبھی پیاری و شرمیلی نگاہوں سے، کبھی بادۂ ناب سے، اور کبھی شیریں بوسوں سے وہ تواضع کرتی تھی، پھر جب کبھی عود اُٹھا کر میدانِ کارزار کا کوئی راگ چھیڑ دیتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ تلواروں کی جھنکار سُن رہا ہوں، اور لڑنے مرنے کا اک جوش دل میں پیدا ہو رہا ہے، اور سب سے غضب کا وقت وہ ہوتا تھا جبکہ لباس پھینک کر وہ بیدِ مجنوں کی ایک نازک اور نرم شاخ کی طرح سامنے آتی تھی اور میں کہتا تھا کہ واہ وا، کلی کھِل کر پھول ہو گئی۔"

(۶۶۹)

ابنِ عمار ایسے خدم وحشم کے ساتھ شلب میں داخل ہوئے کہ معتمد بھی جس زمانہ میں شلب کے حاکم مقرر ہو کر بھیجے گئے تھے اِس کر و فر کے ساتھ شہر میں داخل نہ ہوئے تھے، لیکن اِس غرور اور نمود کا کفارہ شکرگذاری کے ایک شریفانہ کام سے کیا، آتے ہی دریافت کیا کہ وہ تاجر زندہ ہے یا نہیں، جس نے اُنہیں مفلسی اور آوارہ گردی کے زمانہ میں ایک توبڑا جَو کا بھر کر بھیجا تھا، وہ توبڑا ابنِ عمار نے اب تک اپنے پاس رکھا تھا، جب معلوم ہوا کہ وہ تاجر زندہ ہے تو اُسی توبڑہ میں ابنِ عمار نے درہم (چاندی کے سکّے) بھر کر اُس کے پاس بھیجے، مگر اُس پُرانے محسن سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رکھی کہ جس وقت اُس کا تحفہ پہنچا تھا تو خیال آیا تھا کہ محسن نے احسان کرنے میں خسّت کی ہے، اگر وہی توبڑا گیہوں سے بھر کر بھیجتا تو میں آج اُسے دینار (سونے کے سکّوں) سے بھروا کر واپس کرتا۔

ابنِ عمار زیادہ دن تک شلب میں نہیں رہے، معتمد کو بغیر اُن کے چین نہ تھا، اِس وجہ سے اُنہیں وزیر کر کے اپنے پاس بُلا لیا +

اسناد

عبدالواحد ص ۷۷ ، ۷۹ تا ۸۳

عبّاد (ڈوزی) ج ۱ ص ۳۹ ، ۸۴ ، ۳۸۴

ج ۲ ص ۶۸ تا ۶۹ ، ۸۸ ، ۱۲۰ ، ۱۵۱ تا ۱۵۳

۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۳۴

ابنِ بسّام ج ۲ ص ۹۸ ، ۱۱۳

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

دسویں فصل

معتمد

(۶۷۰) معتمد اور ابن عمار دونوں کو شاعری کے برابر کسی چیز سے عشق نہ تھا، اس وجہ سے اشبیلیہ کا دربار نامی شعرا کا ملجا و ماویٰ بن گیا، معمولی درجے کے شاعر یہاں عزت حاصل نہ کر سکتے تھے، کیونکہ معتمد بڑے سخن سنج اور زبردست ناقد تھے، جو نظم پیش ہوتی تھی اُس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک مصرعے کو نہایت غور سے جانچتے تھے، جو شعرا واقعی صاحبِ کمال ہوتے، اُن کے ساتھ معتمد کی داد و دہش کی انتہا نہ رہتی، ایک دن حاضرین میں سے کسی نے اِس مضمون کے دو شعر معتمد کے سامنے پڑھے:-

"وعدوں کی وفا ایک شاذ و نادر نیکی ہو گی۔

ایسی مخلوق کہاں جسے اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا خیال ہو یا اپنے قول کا پاس و لحاظ ہو

وعدہ وفا کرنا یا تو کہانیوں والی عنقا ہے یا

ایک حکایت ہے جسمیں بیان کیا جائے کہ فلاں کو ایک ہزار مثقال انعام میں ملے تھے۔"

معتمد نے پوچھا کہ "یہ شعر کسکے ہیں"؟ حاضرین نے عرض کیا کہ "عبدالجلیل ابن وہبون کے ہیں"۔ معتمد نے یہ سُن کر بہت حیرت سے کہا "وائے قسمت! ایک شخص ہمارے خدام سے ہو، اور شاعر بھی اچھا ہو، اور پھر وہ ایک ہزار مثقال کے انعام کو عنقا سمجھے"۔
غرض زیادہ زمانہ نہ گذرنے پایا کہ ابن وہبون کا یہ فرضی قصّہ معتبر تاریخ بن گیا۔
ایک اور موقع پر جبکہ نارمنڈی کے بادشاہ روجر[۱] نے صقلیہ کا جزیرہ مسلمانوں سے لے لیا تھا تو اسی جزیرہ کا ایک مسلمان شاعر اشبیلیہ میں وارد ہوا، ایک دن معتمد اِس شاعر سے باتیں کر رہا تھا کہ دارالضرب سے کچھ نئی اشرفیاں تیار ہو کر آئیں، اور وہ تھیلیوں میں بند بادشاہ کے سامنے رکھی گئیں، بادشاہ نے اُنمیں سے دو تھیلیاں شاعر کو مرحمت فرمائیں، یہ انعام کو کم نہ تھا مگر شاعر کی تسلّی نہ ہوئی، اور بہت ہی حسرت سے وہ ایک نادر صنعت کی طرف دیکھنے لگا، یہ عنبر کا ایک کھلونا اُونٹ کی صورت کا تھا، اور اِس پر موتی جڑے ہوئے تھے، اِس نادر شے کو دیکھ کر شاعر نے کہا "حضور نے جو انعام عطا فرمایا ہے وہ بہت ہے، لیکن اُس میں وزن اتنا ہے کہ گھر تک لے جانے کے لیے ایک اُونٹ درکار ہے"۔ معتمد نے ہنس کر جوابدیا "اُونٹ تمہارا ہے"۔
معتمد کا حال یہ تھا کہ کمال کی قدر کرتا تھا، چاہے وہ پیشۂ قزاقی ہی میں کیوں نہ دکھایا گیا ہو، چنانچہ ایک قزاق کا قصہ لکھا ہے جس کا نام صقر اشہب (بھورے رنگ کا باز) مشہور ہو گیا تھا، اِس کے سِوا دوسرا نام نہ رکھتا تھا، یہ اپنے زمانہ کا بڑا مشہور رہزن اور لُٹیرا تھا، اور تمام ملک میں قہر و عذاب کا ایک نمونہ بنا پھرتا تھا، آخر کار گرفتار ہوا، معتمد نے حکم دیا کہ شاہراہ کے کنارے صلیب پر لٹکا دیا جائے، تاکہ دیہات کے رہنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انصاف کیا گیا ہے، جس دن اِس قزاق کو صلیب کی سزا دی گئی تو گرمی بہت تھی، سڑک پر راہگیر کوئی نہ تھا، قزاق کے بیوی بچے صلیب

(۱۷۶)

[۱] روجر اول (رُدجرگس کارڈ) اور اُس کے بھائی رابرٹ گس کارڈ نے صقلیہ کا جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا (۴۵۲ھ ۱۰۶۰ء تا ۴۷۰ھ ۱۰۷۷ء) تو ۴۶۴ھ ۱۰۷۱ء میں راجر گس کارڈ نے اپنا لقب قومس صقلیہ رکھا

کی لکڑی سے لگے نیچے بیٹھے رو رہے تھے، اُوپر قزاق لٹکا ہوا تھا، بیوی اور بچے یہ کہہ کہہ کر روتے تھے کہ "ہائے تمہارے مرتے ہی ہم بھی بھوکے مر جائیں گے۔" مگر واقعہ یہ ہے کہ صقراشہب دل کا نرم تھا، اِس خیال سے کہ اہل وعیال کو اب بہت تکلیف رہا کرے گی، وہ بہت فکرمند ہوا، اِسی فکر میں تھا کہ ایک پھیری والا جو گاؤں گاؤں سوداگری کا مال بیچا کرتا تھا خچر پر سوار جس پر کپڑوں کے تھان اور بکری کا اور سامان لدا ہوا تھا اُدھر سے گذرا، یہ دیکھتے ہی قزاق نے صلیب پر لٹکے ہی لٹکے تاجر سے کہا "حضرت! میں جس حالِ زار میں ہوں وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں، اگر آپ چاہیں تو اِس وقت میری مدد کر سکتے ہیں، اور اُس میں آپ کا بھی فائدہ ہو جائیگا" سوداگر نے کہا "جس طرح کہو حاضر ہوں" قزاق بولا "یہ سامنے والا کنواں آپ دیکھتے ہیں؟" سوداگر نے کہا "ہاں دیکھتا ہوں" قزاق بولا "تو حضرت! بات یہ ہے کہ جس وقت اِن موذی سرہنگوں نے مجھے گرفتار کیا ہے تو اُس سے ذرا ہی پہلے میں نے اِس کنوئیں میں جو اندر سے خشک ہے، سَو اشرفیاں ڈال دی تھیں، اگر آپ میرے حال پر رحم کر کے وہ اشرفیاں اِس کنوئیں میں سے نکال دیں تو اُن میں سے آدھی آپ لے لیجئے گا، میرے بیوی بچے آپ کا خچر پکڑے کھڑے رہیں گے۔"

سوداگر کو اشرفیوں کا لالچ ہوا، فوراً اُس نے ایک رسی نکالی، اور اس کا ایک سِرا کنوئیں کی مینڈ میں باندھ کنوئیں کے اندر اُتر گیا۔

اِتنا دیکھتے ہی قزاق نے اپنی بیوی سے کہا "اری جلدی کر، رسی کاٹ دے اور خچر کو لے کر بچوں سمیت جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے بھاگ جا۔" بیوی نے میاں کے کہنے پر عمل کیا، اب سوداگر نے کنوئیں میں چیخنا اور غل مچانا شروع کیا، لیکن آس پاس کوئی آدمی نہ تھا، کچھ دیر کے بعد ایک مسافر اُدھر سے گذرا، مگر یہ اکیلا آدمی تھا، اور آدمیوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا، غرض جب آدمی آئے اور اُنھوں نے سوداگر کو کنوئیں سے نکالا تو کنوئیں میں جانے کا کُل قصہ سوداگر نے سب کو سنایا، اور

ہزاروں گالیاں اُس قزاق کو دینی شروع کیں، جس نے اِس کے ساتھ یہ فریب کیا تھا۔

یہ کُل قصہ شہر میں فوراً مشہور ہوگیا، یہاں تک کہ معتمد کے کانوں تک بھی پہنچا، معتمد نے سُنتے ہی حکم دیا کہ صقر اشہب کو صلیب سے اُتار کر اسی وقت ہمارے سامنے حاضر کیا جائے چنانچہ جب قزاق قصر میں حاضر ہوا تو معتمد نے کہا "بدبخت! تیرے برابر بھی کوئی سنگدل اور بدمعاش دنیا میں نہ ہوگا، کہ موت سامنے کھڑی تھی مگر تو اُس وقت بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور دھوکا اور فریب دینا اُس وقت بھی نہ بھولا" صقر اشہب نے جواب دیا "غلام کیا عرض کرے، اگر حضور کو معلوم ہوتا کہ قزاقی میں کیسے کیسے لُطف ہیں تو جہاں پناہ بھی یہ لباس شاہی اُتار کر پھینک دیتے اور کسی شاہ راہ پر رہزنی کرنے تشریف لے جاتے"۔ (۶۷۲)

معتمد نے یہ سُن کر قہقہہ لگایا اور کہا "خبیث! کیا بکتا ہے؟" اِتنا فرما کر قزاق سے کہا کہ "اب معقول باتیں کرنی چاہئیں، اگر میں تیری جان بخش دوں، اور آزاد کرکے تجھے اِس قابل کردوں کہ ایمانداری سے اتنی روزی پیدا کرنے لگے کہ تیری ضروریات کو کافی ہو تو اِس صورت میں اِس قابل نفریں پیشے کو ترک کرکے تو اپنی اصلاح کرسکیگا یا نہیں؟ اِس کا جواب دے"۔

قزاق نے عرض کیا "جہاں پناہ! جان بڑی چیز ہے، حضور تو اصلاح کرنے کو فرماتے ہیں، میں تو جان کی خاطر اِس سے بھی بدتر کام کرنے کو حاضر ہوں، جہاں پناہ! اب مجھ سے کبھی قصور نہ ہوگا"۔

معتمد نے اُسے پولیس کا افسر اعلیٰ مقرر کردیا، صقر اشہب اپنے قول کا پابند رہا، اور اب اُس نے اپنے پُرانے رہزن دوستوں میں وہی کھلبلی ڈالدی جو پہلے یہی دوست دیہات کے لوگوں میں ڈالا کرتے تھے۔

معتمد رنگ رلیوں میں زندگی بسر کیا کرتے تھے، اُمورِ سلطنت کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی، چنانچہ ایک نظم میں لکھتے ہیں کہ "بغیر شراب کے زندگی زندگی نہیں" اُن کا زیادہ تر وقت جلسوں اور ضیافتوں میں صرف ہوتا تھا، باقی وقت حرم کی حسین عورتوں کی صحبت میں گذرتا تھا، تاکہ اُن کے ساتھ لطف و محبت میں نام پیدا کریں، یہ نہ تھا کہ رمیکیہ سے اُن کا

عشق کم ہوگیا ہو، یہ عشق اُسی زور پر رہا جس زور سے شروع ہوا تھا، لیکن مسلمانوں کے ملکوں میں عشق کے قواعد و قوانین کچھ عجیب ہیں، ان قوانین کی رُو سے غیر عورتوں کی طرف[۱] تھوڑے دن کو توجہ ہو جانے سے بیوی کے حق میں کسی قسم کی بیوفائی نہیں ہوتی۔ گو معتمد کی طبیعت گاہے گاہے دوسری طرف مائل ہو جاتی تھی، لیکن اقلیمِ دل کی اصلی مالکہ رُمیکیہ ہی تھیں، اور ایسی حرکتوں پر وہ شوہر کو خطاوار نہ سمجھتی تھیں۔

معتمد کو جن حسین عورتوں سے صحبت رہتی تھی، اُن میں اَمندہ نے غضب کی دلفریب صورت پائی تھی، جب کبھی معتمد اُس کا جامِ صحت پیتے تو اپنے ساغر میں دو چار پھول اَمندہ کے ہاتھ کے پڑے ہوئے ضرور نظر آتے، معتمد جس وقت پُرانے شعرار کا کلام مطالعہ کرتے یا خود شعر کہنے بیٹھتے تو قمر ضرور پہلو میں ہوتی، اور اگر کرے میں شعاعِ آفتاب گستاخیاں کرتی آتی تو قمر ہی بادشاہ پر سے دھوپ روکنے کھڑی ہوتی اور بادشاہ کہتا "سچ ہے چاند ہی سورج کو گہنا سکتا ہے"۔

کبھی کبھی شرمیلی، شوخ اور ہٹیلی مرغزیطہ، جس کا پیار کا نام لُولُو تھا، ضدیں کرنے لگتی، اور جب کبھی اُسے زہر چڑھتا تو معتمد بڑی بڑی منتیں کر کے اُس کا غصہ دُور کرتے، ایک مرتبہ معتوب ہوئے تو عفوِ تقصیر کے لیے معروضہ بھیجا، مرغزیطہ نے جواب تو دیا، لیکن نامے کی

---

[۱] مسلمانوں پر ڈوزی کا یہ طعن عجب مضحکہ خیز ہے، ایسے آدمیوں کو چھوڑ کر جن کی ظاہری محبت محض بوالہوسی اور عیاشی کے لیے ہوتی ہے، کوئی بھی شخص جو اپنی بیوی سے حقیقی محبت کرنے والا اور اُس کا عاشقِ صادق ہو، وہ غیر عورتوں کی طرف تھوڑے دنوں کے لیے متوجہ ہونا تو الگ رہا، کبھی اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کا روادار نہیں ہوگا، یہی عشق کا قانون ہے اور یہی مسلمانوں کے ملکوں میں رائج ہے، نہ کہ وہ قانونِ عشق جو ڈوزی نے بیان کیا ہے، لیکن قانونِ عشق کی اِس بحث کو الگ رکھتے ہوئے ہمارا خیال ہے کہ غالباً یہاں ڈوزی کو لونڈیوں کے تعلق کے متعلق دھوکہ لگا ہے، جو ایک شخص اسلامی قانون کے بموجب علی الاعلان بیوی کے علاوہ متعدد رکھ سکتا ہے، اور چونکہ مرد ایسی عورتوں کو بالعموم قیمتاً خریدتا ہے، لہٰذا وہ اُن سے عیش و آرام حاصل کرنے کا جائز حقدار بھی ہوتا ہے، آگے چلکر اس ضمن میں معتمد کی بعض لونڈیوں کا ذکر بھی آتا ہے جس سے ہمارے خیال کی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پیشانی پر اپنا نام نہ لکھا جیسا کہ دستور تھا، معتمد نے خط پڑھ کر کہا "ہائے! ابھی تک معافی نصیب نہیں ہوئی، دیکھو اپنا نام نہیں لکھا، جانتی ہے کہ اس نام پر جان دیتا ہوں، مگر غصہ کو کیا کرے، سب کچھ لکھا مگر نام نہ لکھا، اُسے تو شکایت یہ رہتی ہے کہ "جہاں میرا نام دیکھتے ہیں اُسے پیار کر لیتے ہیں، واللہ! میں اب نام ہی نہ لکھوں گی، جو دیکھیں اور یہ پیار کریں"۔

(۶۷۳) پھر تیمارداری میں جنیہ کو کمال حاصل تھا، معتمد دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ عمر بھر بیمار پڑا رہوں، تاکہ بالیں سے اس غزال کو دیکھا کروں جس کے لب یاقوت کے ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ معتمد کے باپ معتضد اور دادا ابوالقاسم محمد نے جو کام شروع کیا تھا، اُس کے جاری رکھنے میں معتمد نے کسی طرح کی غفلت یا کوتاہی کی، گو ان دونوں بزرگوں کی طرح معتمد حکومت کی طمع نہ رکھتے تھے، مگر باوجود اس کے اُنھوں نے وہ کامیابی حاصل کی جو اُن کے دادا اور باپ کوششِ بلیغ کے بعد بھی حاصل نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تصدیق ہوتی ہے۔

انفرادی اور ذاتی طور پر کسی شخص کے افعال سے اُس کی کُل قوم یا مذہب کو قابلِ الزام ٹھیرانا یورپین مورخین کی مخصوص عادت ہے، مگر یہ مورخین دوسروں پر طعن و تشنیع کے تیر پھینکنے سے قبل اپنی آنکھ کا شہتیر بالکل نہیں دیکھتے، اب اِسی "قانونِ عشق" کو لے لیجئے، ڈوزی کے اپنے وطن یورپ میں یہ کتنا عجیب ہے، یعنی گرجا میں تو بیوی اور خاوند ایک دوسرے سے پیمانِ اُلفت محکم باندھتے اور شوق کے ساتھ حلفِ محبت اُٹھاتے ہیں، مگر گرجا سے باہر نکل کر ایسے ایسے ناکردنی کام کرتے ہیں کہ عفت و عصمت مارے شرم کے اپنا منہ چھپا لیتی ہے اور دوسرے تیسرے ہی مہینے طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے، حالانکہ وہ شادی مدتوں کی خاموش راہ و رسم اور طویل معاشقہ کے بعد عمل میں آئی تھی، اِسی "قانونِ عشق" کا نتیجہ ہے کہ پچھلے دنوں شائع ہوا تھا کہ امریکہ میں ایک سال کے اندر ۹ لاکھ طلاقیں دی گئیں، پھر یہ "قانونِ عشق" کتنا عجیب ہے کہ ناچ گھر میں اپنے تمام حیاسوز مناظر و حرکات کے ساتھ ایک دوسرے کے عین سامنے بیوی غیر مرد کے ساتھ ناچ رہی ہے، اور مرد غیر عورت کے ہمراہ مشغولِ تفریح ہے، دراصل دونوں کی حالت پر اکبر کا یہ شعر پورے طور پر صادق آتا ہے ؎

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اس کو نہیں آتا، اُنھیں غصّہ نہیں آتا

(اسماعیل)

کر سکے تھے، خلاصہ یہ کہ جلوس کے دوسرے سال معتمد نے قرطبہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا
یہ سچ ہے کہ قرطبہ پر قبضہ کرنے کی تدبیر معتمد کے باپ معتضد نے اپنے ہی زمانہ میں شروع
کردی تھی، حالات بھی بہت موافق پیدا ہوتے رہے، وہ یہ کہ اس زمانہ سے چھ سال پیشتر یعنی
سنہ ۴۵۷ھ ۱۰۶۴ء میں قرطبہ کی جمہوری ریاست کے صدر ابوالولید بن جہور نے مستعفی ہو کر اپنی جگہ پر
اپنے دو بیٹوں یعنی عبدالرحمٰن اور عبدالملک کو سلطنت کے انتظام پر مقرر کرا دیا تھا، بڑے
بیٹے عبدالرحمٰن کو خزانہ اور عام انتظام سپرد کیا گیا تھا، اور چھوٹے بیٹے عبدالملک کو فوج کی
سپہ سالاری ملی تھی، عبدالملک جلد اپنے بھائی سے بڑھ گیا، مگر کچھ زمانہ تک وزیر ابن سقا
کی وجہ سے خیریت رہی، یہ وہ صاحب تدبیر تھا جس سے قرطبہ کے چھپے اور ظاہر دونوں طرح
کے دشمن بہت ڈرتے تھے، چنانچہ معتضد نے یہ سوچ رکھا تھا کہ اگر اپنا مقصد حاصل کرنا ہے
تو پہلے اس وزیر کو اُسکی جگہ سے ہٹانا چاہیئے، معتضد نے ابن سقا کی طرف سے عبدالملک
کو بدگمان کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیابی ہوئی، ابن سقا قتل کر دیا گیا جس کا نتیجہ
ریاست کے حق میں بہت مضر ہوا، اس قتل پر سلطنت کے بہت سے عہدہ داروں اور
فوجی افسروں نے جو ابن سقا سے تعلق اور اُنس رکھتے تھے استعفے دے دیے، اور اب
عبدالملک کی سختی اور بے پروائی نے قرطبہ کے لوگوں کو اُس سے سخت متنفر کر دیا، اور جمہوری
ریاست کی جو تھوڑی بہت خصوصیتیں اب تک چلی آتی تھیں وہ بھی مٹ گئیں۔

جس وقت سنہ ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ء میں ابوالحسن یحییٰ المامون ذوالنونی صاحب طلیطلہ نے قرطبہ کا
محاصرہ کیا تو عبدالملک کی قوت زائل ہو چکی تھی، لشکر میں سواروں کے رسالے برائے نام
رہ گئے تھے، اور جو تھے وہ بھی بھروسے کے نہ تھے، پس عبدالملک نے مجبور ہو کر معتمد
سے مدد چاہی، معتمد نے کمک روانہ کی، اور یہ کمک ایسی زبردست تھی کہ المامون ذوالنونی
کی فوجیں محاصرہ اُٹھا کر واپس چلی گئیں، لیکن اس سے عبدالملک کو کوئی نفع نہ ہوا، کیونکہ
اشبیلیہ سے جو کمک آئی تھی اُس کے افسروں نے معتمد کی ہدایت کے مطابق اہل قرطبہ سے
اس امر میں اتفاق کر لیا کہ عبدالملک کے ہاتھ سے کُل اختیارات نکال کر قرطبہ کو سلطنت
اشبیلیہ میں شامل کر دیا جائے، یہ سازش ایسے خفیہ طریقہ پر کی گئی تھی کہ عبدالملک کو

کچھ خبر نہ ہوئی اور اُس کو اپنی نسبت کوئی اندیشہ یا خوف پیدا نہ ہوا، جب الماموں ذوالنونی صاحب طلیطلہ قرطبہ کا محاصرہ اُٹھا کر چلا گیا، تو اُس کے ساتویں دن عبدالملک اپنے قصر سے نکل کر اشبیلیہ کی فوجوں کو رخصت کرنے جانے لگا، جنہوں نے اُسی روز اشبیلیہ کو واپسی کا قصد کیا تھا، باہر نکلنے کو تھا کہ باغیوں کی آوازیں کان میں آئیں، اور دیکھا کہ قرطبہ کے باشندوں (۴۶۲ھ) اور اشبیلیہ کی سپاہ نے جو دوست بن کر کمک پر آئی تھی، قصر کو گھیر لیا ہے، اب عبدالملک اور عبدالملک کے باپ ابوالولید ابنِ جہور مع اہل وعیال کے سب گرفتار کر لیے گئے۔

قرطبہ میں اب معتمد کی بادشاہی کا اعلان ہوا، اور تمام بنی جہور جزیرہ شلطیش میں قید کر دیے گئے، بڈھے ابوالولید ابنِ جہور نے اِس واقعہ کے چالیس روز بعد انتقال کیا۔

دربارِ معتمد کے شاعر نے اِس فتح کا حال اِس طرح نظم کیا ہے کہ گویا پُرانے عاشق کو اپنی حسین معشوقہ پر فتح نصیب ہوئی ہے:۔

"میں نے پہلے ہی حملے میں خوبصورت قرطبہ کو حاصل کر لیا، قرطبہ وہ بہادر عورت تھی جو ہمیشہ تلوار اور برچھی سے اُن لوگوں کو جو اُس سے شادی کرنی چاہتے تھے دُور رکھا کرتی تھی، اور اب مَیں اُس کے قصر میں شادی رچاتا ہوں، دُوسرے بادشاہ میرے نامراد رقیب روتے اور خوف سے کانپتے ہیں، اے نفرت کے قابل دشمنوں! تمہارا خوف سے لرزنا درست ہے، کیونکہ کوئی دم میں شیر تم پر جست کرنے والا ہے۔"

ماموں ذوالنونی صاحب طلیطلہ گو قرطبہ سے محاصرہ اُٹھا کر چلا گیا تھا، مگر وہ یہ نہ سمجھتا تھا کہ اُس کو ناکامی ہوئی ہے، وہ ایک ایک دن قرطبہ پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا، چنانچہ اُس نے عیسائی بادشاہ ادفونش ششم کو ساتھ لے کر مضافاتِ قرطبہ پر یورش کی، لیکن حاکمِ قرطبہ عباد نے جو معتمد اور رُمیکیہ کا فرزند تھا، ماموں اور ادفونش کی فوجوں کو پسپا کر دیا، ماموں ذوالنونی کے بعد ابنِ عکاشہ کو قرطبہ پر قبضہ کرنے کی ہوس دامنگیر ہوئی ابنِ عکاشہ بڑا ظالم اور خونخوار آدمی تھا، کسی زمانہ میں پہاڑوں پر رہ کر قزاقی کا پیشہ کر چکا تھا، لیکن بہت ہوشیار اور عقلمند انسان بھی تھا، اور قرطبہ کے حالات سے بخوبی واقف

تھا، وہاں کے امور ملکی میں دخل رکھ چکا تھا، قرطبہ کے عمال سے، جب ایک قلعہ کا حاکم مقرر ہوا تو قرطبہ میں بغاوت پھیلانی چاہی، یہ کام کچھ مشکل بھی نہ معلوم ہوا، کیونکہ قرطبہ کے لوگوں میں حکومت کے خلاف ناراضی پہلے ہی سے ترقی پر تھی، اہل قرطبہ کو عباد ابن معتمد سے بہت کچھ اچھی امیدیں تھیں، لیکن عباد کی عمر ابھی اتنی نہ تھی کہ اپنی ذات سے حکومت کرتا، تمام اختیارات فوج مقیم کے افسر محمد بن مرتن کے سپرد کر رکھے تھے، ابن مرتن کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے بزرگ کبھی عیسائی رہے ہوں گے، ابن مرتن گو سپاہی اچھا تھا مگر ظالم اور مفسد تھا، قرطبہ کے لوگوں کو اُس سے نفرت تھی، قرطبہ میں بہت سے لوگ ایسے بھی موجود تھے جو ابن عکاشہ سے علانیہ تعلقات قائم کرنے میں مطلق تذبذب نہ رکھتے تھے، ابن عکاشہ بھی اپنی تمام تدبیروں کو پورے طور پر پوشیدہ نہ رکھ سکا، ایک افسر کو معلوم ہوگیا کہ یہ پرانا قزاق اکثر رات کے وقت قرطبہ کے دروازے پر آیا کرتا ہے، اور وہاں جو فوج مقیم ہے اُس کے سپاہیوں سے ایسی باتیں کرتا ہے جن کی نسبت بہت کچھ شبہ پیدا ہوسکتا ہے۔

اس واقعہ کی خبر عباد حاکم قرطبہ کو پہنچائی گئی، عباد نے خود کچھ خیال نہ کیا، اور افسر فوج کو جو خبر لایا تھا محمد بن مرتن کے پاس جانے کا حکم دیا، ابن مرتن سے جب یہ واقعہ کہا گیا تو اُس نے کہا کہ ہمارے ماتحت افسروں کو اطلاع دی جائے، غرض ایک نے دوسرے پر ذمہ داری ڈالنی چاہی، اور یہ معاملہ یونہیں رہا۔

ابن عکاشہ بہر حال ہوشیار تھا، جنوری ۱۰۷۵ء (جمادی الاول ۴۶۷ھ) میں ایک رات جبکہ اندھیرا بہت تھا، اور طوفان آیا ہوا تھا، ابن عکاشہ کو موقع مل گیا، اور اپنے لوگوں کو ساتھ لیے شہر میں اس طرح داخل ہوا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی، ابن عکاشہ (۶۷۵) اور اُس کے آدمی عباد کے قصر تک آئے، اور یہ دیکھ کر کہ پہرا کچھ نہیں ہے، دروازہ توڑنے کو ہوئے، اتنے میں اندر کے دربان کو معلوم ہوگیا، اور اُس نے دوڑ کر عباد کو اطلاع کی، عباد چند غلاموں اور سپاہیوں کو لے کر نکلے، اور ابن عکاشہ کا راستہ روکا، اور باوجود نوعمر ہونے کے شیر کی طرح لڑکر اپنے کو دشمن سے بچاتے رہے، یہ امر یقینی ہے کہ انہوں نے ابن عکاشہ کے آدمیوں کو قصر کے سامنے سے ہٹا دیا، لیکن لڑنے میں پاؤں پھسلا، زمین پر

گرے، اور گرتے ہی ایک دشمن نے کام تمام کر دیا، مقابلہ کے لیے جس وقت نکلے تھے تو نیند سے دفعتاً بیدار ہو کر نکلے تھے، کپڑے کم پہنے ہوئے تھے، لاش اسی حالت میں نیم برہنہ راستہ میں پڑی رہی۔

ابن عکاشہ اب اپنے ہمراہیوں کو فوج مقیم کے افسر اعلیٰ کے مکان کی طرف لے گیا، اس افسر کو خیال تک نہ تھا کہ اِس وقت کوئی حملہ ہونے والا ہے، بیٹھا ناچ دیکھ رہا تھا، یہ افسر عباد کی طرح جوانمرد نہ تھا، مکان کے صحن میں تلواروں کی آواز سُن کر فوراً چھپ گیا، لیکن جہاں چھپا تھا، وہ مقام دشمن نے جلد معلوم کر کے اُس کو بھی قتل کر دیا۔

صبح ہوتے ہی ابن عکاشہ اپنے بلوائیوں کو ساتھ لیے شرفائے قرطبہ کے گھروں کا گشت لگا رہا تھا کہ اُن کو اس ہنگامہ میں اپنا شریک بنائے کہ ایک امام صاحب نے جو مسجد کو جا رہے تھے راستہ میں ایک نیم برہنہ لاش پڑی دیکھی، لاش کو خاک اور خون میں بہت آلودہ تھی، مگر اُنھوں نے پہچان لیا کہ عباد قتل ہوئے پڑے ہیں، امام صاحب نے اِس شہزادے کی آخری خدمت یہ کی کہ جو قبا خود پہنے ہوئے تھے، اُسے اُتار کر لاش پر ڈال دیا، وہ ہٹے ہی تھے کہ ابن عکاشہ ایک انبوہِ کثیر کے ساتھ وہاں پہنچا، اِس انبوہ میں وہ لوگ بھی تھے، جو ہر ہنگامہ میں مجنونانہ طریقے سے شریک ہو جاتے ہیں، ابن عکاشہ کے حکم سے لاش سے سر کاٹ لیا گیا، اور اُسے ایک نیزے کے پھل پر لگا کر قرطبہ کے گلی کوچوں میں گشت کرانا شروع کیا، عباد کی فوج جو قرطبہ میں مقیم تھی، یہ کیفیت دیکھتے ہی ہتھیار پھینک کر بھاگی، ابن عکاشہ نے اب اہلِ شہر کو جامع مسجد میں جمع کیا، اور اُن سے کہا کہ مامون صاحبِ طلیطلہ کی بیعت قبول کریں، گو حاضرین میں بہت لوگ ایسے تھے جو معتمد بادشاہِ اشبیلیہ کے دل سے ہوا خواہ تھے، لیکن سب پر خوف ایسا طاری تھا کہ ابن عکاشہ کا حکم مان لیا۔

چند روز کے بعد المامون ذوالنونی صاحبِ طلیطلہ خود قرطبہ میں آیا، اور ابن عکاشہ کی سپاس گذاری ظاہر کی، اور کثیر انعام اور خلعتِ فاخرہ دے کر ظاہر کیا کہ ابن عکاشہ پر اُس کو پورا بھروسہ اور اعتماد ہے، لیکن المامون دل میں اِس پرانے رہزن سے ڈرتا تھا

جو جرائم کرتے کرتے بالکل سنگدل ہوگیا تھا، مامون سمجھتا تھا کہ اگر ضرورت ہوئی تو ابن عکاشہ اُس کو بھی عباد کی طرح پیوندِ خاک بنا دیگا۔

غرض مامون اِس فکر میں ہوا کہ کسی حیلے سے اپنی حکومت کو اس خطرناک آدمی سے محفوظ رکھے، مامون نے اپنے اِس خیال کو درباریوں سے پوشیدہ نہ رکھا، چنانچہ ایک دن ابن عکاشہ، مامون کے دربار سے جانے لگا تو مامون نے ایک آہِ سرد بھر کر، اور غصہ سے منہ لال کر کے بے اختیار ایسے الفاظ منہ سے نکالے جن سے بُرا شگون نکلتا تھا، اِس کے کچھ دنوں بعد ابن عکاشہ کے ایک دوست نے ابن عکاشہ کی نسبت مامون کے سامنے کچھ اچھے الفاظ کہے تو مامون نے کہا "بس خاموش رہو، جس شخص کو بادشاہوں کی جان لینے میں دریغ نہ ہو، وہ بادشاہوں کی خدمت میں رہنے کے قابل نہیں سمجھا جا سکتا۔" (۶۷۶)

قرطبہ میں ابوالحسن یحییٰ المامون ذوالنونی والی طلیطلہ کو آئے ہوئے چھٹا مہینہ تھا (جون ۱۰۷۵ء مطابق شوال ۴۶۷ھ) کہ اس کا انتقال ہوگیا، درباریوں میں سے ایک شخص کی نسبت شبہ ہوا کہ مامون کو اس نے ہلاک کیا ہے، اگر مامون فی الواقع ہلاک کیا گیا تھا تو اس بات کا باور کرنا مشکل نہ ہوگا کہ ابن عکاشہ بھی اِس جرم میں شریک تھا۔

اشبیلیہ میں جب اِس دوگونہ مصیبت کی خبر پہنچی کہ قرطبہ بھی ہاتھ سے گیا اور شہزادہ عباد بھی مارا گیا، تو معتمد کے رنج والم کی انتہا نہ رہی، عباد، معتمد کا سب سے پہلا بچہ تھا اور اُس کو وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا، لیکن معتمد کی شرافت دیکھیئے کہ اُس کو نہ بیٹے کے مرنے کا اتنا رنج تھا، اور نہ دشمن سے انتقام لینے کا اِتنا خیال تھا، جس قدر کہ اُس شخص کے احسان کا دل پر اثر تھا جس نے اُس کے لختِ جگر کی برہنہ لاش پر اپنے گلے سے قبا اُتار کر ڈال دی تھی، معتمد کو اِس کا سخت صدمہ تھا کہ اس محسن کا احسان نہیں اُتار سکتا تھا کیونکہ اُس کے نام تک کا علم نہ تھا، معتمد بار بار ایک قدیم شاعر کا شعر جو ایسے ہی ایک موقع پر لکھا گیا تھا پڑھتا تھا:-

"افسوس! جس شخص نے اپنی قبا سے میرے فرزند کی لاش کو ڈھکا تھا، گو میں اُسے نہیں جانتا، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک شریف اور فیاض انسان تھا۔"

تین برس تک معتمد کی کوششیں کہ قرطبہ پر پھر قبضہ حاصل ہو، اور وہ بیٹے کے قتل کا انتقام لے، ناکام ثابت ہوتی رہیں، لیکن آخر کار ۱۰۷۵ء عیسوی کے ماہ ستمبر کی چوتھی تاریخ سہ شنبہ کو (۲۲ ماہ صفر ۴۶۸ھ) معتمد کی فوج نے قرطبہ کو ہلّہ کرکے دشمن سے چھین لیا، معتمد شہر کے ایک دروازے سے داخل ہوئے اور ابن عکاشہ دوسرے دروازے سے بھاگا، معتمد کے سواروں نے اُس کا تعاقب کیا اور آخر کار اُسے گھیر لیا، ابن عکاشہ نے یہ سمجھ کر کہ جس کے بیٹے کو قتل کیا ہو، اُس سے رحم کی امید فضول ہوگی، بہت لوگوں کی جان لے کر اپنی جان دینے کا ارادہ کر لیا، اور دشمنوں میں ایک جنگلی بچار کی طرح گھس پڑا، لیکن معتمد کے آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی، اُنہوں نے ابن عکاشہ کو قتل کر دیا، معتمد کے حکم سے اُس کی لاش صلیب پر ایک کتّے کی لاش کے ساتھ لٹکائی گئی، اور قرطبہ کی فتح کے بعد ریاست طلیطلہ کا وہ کل علاقہ جو وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان پڑتا تھا معتمد کی قلمرو میں شامل کر لیا گیا۔

معتمد کو اگرچہ شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، لیکن اِس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی تھا اندلس کے ملوک الطوائف میں معتمد ایک زبردست بادشاہ تھا، لیکن انہی ملوک الطوائف کی طرح وہ بھی ایک عیسائی ریاست کا باجگذار ہو گیا تھا، پہلے بادشاہِ جلیقیہ غرسیہ کو جو فرڈلند کا تیسرا بیٹا تھا خراج ادا کیا گیا، اور پھر ادفونش ششم کو جس وقت وہ اپنے دو بھائیوں شانجہ اور غرسیہ کی ریاستوں کا مالک ہو کر بادشاہ ہوا، خراج دیا گیا، خراج کے معاملہ میں ادفونش بڑا ہی زشت خو، اور بدمزاج بادشاہ تھا، ملوک الطوائف سے سالانہ خراج لینے کو کافی نہ سمجھا، بار بار عربی ریاستوں پر قبضہ کرنے کی دھمکی دیتا رہا، ایک مرتبہ اُس نے ریاست اشبیلیہ کے علاقے پر بہت بڑا لشکر لے کر حملہ کیا، مسلمان ڈرے لیکن اُن میں اتنی قوت نہ رہی تھی کہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے، مگر وزیر اعظم ابن عمار مطلق نہ (۴۷۷) گھبرایا، اشبیلیہ کی فوج پر اُسے بالکل بھروسہ نہ تھا، اور اِس فوج کو عیسائیوں کے مقابلہ پر لا نا مفت میں جان گنوانا سمجھتا تھا، ادفونش سے وہ خوب واقف تھا، کئی بار اُس کے دربار میں حاضر رہ چکا تھا، اور جانتا تھا کہ یہ عیسائی بادشاہ گو بڑا لالچی ہے، لیکن اگر کوئی

شخص اُس کے مذاق اور مزاج سے واقف ہوجائے تو پھر ایک عرب بادشاہ کی طرح اِس عیسائی فرمانروا پر قابو پاجانا بالکل آسان ہے۔

غرض ادفونش کی اِس کمزوری سے ابنِ عمار نے نفع حاصل کرنا چاہا، لڑکر مقابلہ کرنیکی جگہ اِس وزیر نے حکم دیا کہ فلاں شطرنج نکلوائی جائے، یہ شطرنج صنعت میں ایسی عجیب و غریب تھی کہ اُس کی مثل کسی اور بادشاہ کے ہاں نہ تھی، اُس کے مہرے آبنوس اور صندل کے تھے جن پر سونے کا کام ہورہا تھا، جب یہ شطرنج نکالی گئی تو ابنِ عمار کسی بہانے سے ادفونش کے لشکر میں پہنچا، بادشاہ نے اُس کی خاطر و مدارات کی، کیونکہ ابنِ عمار اُن مسلمانوں میں سے تھا جن کی ادفونش بہت قدر کرتا تھا، ایک دن ابنِ عمار نے قشتالیہ کے ایک رئیس کو جو ادفونش کے مقربوں میں تھا، وہ شطرنج دکھائی، اُس رئیس نے ادفونش سے اِس کا ذکر کیا، ادفونش نے ابنِ عمار سے پوچھا کہ "کیا تمہیں شطرنج کھیلنے کا شوق ہے؟" ابن عمار بولے "میرے بعض احباب کا خیال ہے کہ میں شطرنج اچھی کھیلتا ہوں"۔ پھر بادشاہ نے کہا "سُنتا ہوں کہ تمہارے پاس ایک بہت ہی خوبصورت شطرنج ہے"۔

ابنِ عمار۔ یہ درست ہے۔

بادشاہ۔ کیا تم اُسے دِکھا سکتے ہو؟

ابنِ عمار۔ یقیناً۔ مگر ایک شرط کے ساتھ، وہ یہ کہ میں اور آپ ایک بازی کھیلیں اگر آپ جیت جائیں تو شطرنج آپ کی، اور اگر میں جیتوں تو جو مانگوں سو ملے۔

ادفونش۔ اچھا منظور۔

اِس کہنے پر شطرنج منگوائی گئی، بادشاہ اُس کی خوبصورتی اور عمدہ صنعت کو دیکھ کر اِس قدر متحیر ہوا کہ فوراً نشانِ صلیب اپنے سینے پر بنایا اور کہا "واہ کیا کمال کیا ہے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ شطرنج ایسی خوبصورت بن سکتی ہے"۔ کچھ دیر تک اُسے دیکھنے کے بعد کہنے لگا "ابنِ عمار! تم نے کیا شرط کی تھی؟" ابنِ عمار نے پھر شرط بیان کی اِس پر ادفونش نے کہا "میں شرط میں کوئی بات ایسی قبول نہ کرونگا، جس کا علم مجھے پہلے سے نہ ہوجائے، ممکن ہے جیتنے کے بعد تم کوئی درخواست ایسی کرو جسے میں منظور نہ کرسکوں"

ابنِ عمار نے جواب دیا "پھر جیسی حضور کی مرضی ہو۔"
یہ کہہ کر نوکروں کو حکم دیا کہ "شطرنج جہاں سے لائی گئی ہے، وہیں پہنچا دی جائے۔"
ملاقات ختم ہوئی، مگر ابنِ عمار ہمت ہارنے والا آدمی نہ تھا، اُس نے چند قشتالی رئیسوں کو جو اذفونش کے ساتھ تھے، بہت خفیہ طور پر بتا دیا کہ بازی جیتنے پر وہ بادشاہ سے کیا چیز طلب کریگا؟ اُس نے ان رئیسوں سے یہ بھی کہا کہ اگر اس کام میں اُنھوں نے مدد کی تو بہت روپیہ دیا جائے گا، عیسائی رئیسوں کو روپے کی طمع تو تھی ہی، جب اُن کو یقین ہو گیا کہ ابنِ عمار کیا چیز مانگنے والا ہے، تو اُنھوں نے مدد کرنے کا وعدہ کر لیا،
اذفونش پہلے ہی شطرنج دیکھ کر اُس پر ایسا فریفتہ ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُسے حاصل کرنا چاہتا تھا، مگر اپنے درباریوں سے اس بارے میں مشورہ کرنا بھی ضروری سمجھا، اُنکو ابنِ عمار نے پہلے ہی درست کر رکھا تھا، چنانچہ اذفونش نے جب اُن سے مشورہ کیا تو اُنھوں نے عرض کیا کہ "اگر حضور جیت گئے تو ایک ایسی نایاب چیز ہاتھ لگتی ہے جسے دیکھ کر کون سا بادشاہ ہے جو رشک نہ کرے گا، اور اگر ہار گئے، تو یہ عرب آخر کار کچھ مانگے گا بھی تو کیا مانگیگا اگر اُس نے کوئی درخواست حد سے متجاوز کی تو پھر ہم اُس کو اور ہر طرح پر سمجھانے کو تیار ہیں"
اذفونش نے اپنے مشیروں کی بات مان لی، اور ابنِ عمار کو مع شطرنج طلب کر کے کہا "مجھے شرط قبول ہے، آؤ ایک بازی ابھی کھیلیں۔" ابنِ عمار نے کہا "بہت مناسب لیکن حضور شرط کا خیال رکھیں، اور چند گواہ بھی حاضر رہیں تو اچھا ہو۔" اذفونش نے یہ بات بھی منظور کر لی، اور جب قشتالیہ کے وہی رئیس جن سے پہلے ابنِ عمار کی گفتگو ہو چکی تھی بطور گواہ حاضر ہو گئے تو بازی شروع ہوئی، اذفونش ہار گیا۔
ابنِ عمار نے بادشاہ سے عرض کیا "اب مجھے حق حاصل ہو گیا ہے کہ جو چاہوں سو مانگوں۔" اذفونش نے کہا "مانگو، کیا مانگتے ہو؟" ابنِ عمار نے فوراً کہا "میں جو کچھ مانگتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ آپ اپنا لشکر یہاں سے اُٹھا کر اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔" اتنا سنتے ہی اذفونش کا رنگ فق ہو گیا، کبھی اُٹھ کر کمرے میں ٹہلتا، کبھی بیٹھ جاتا اور پھر کرسی سے اُچھل کر کھڑا ہو جاتا، اور ٹہلتا، تھوڑی دیر کے بعد دربار کے رئیسوں سے

(۶۷۸)

مخاطب ہوا، اور کہنے لگا "تم نے دیکھا کہ مجھے کس طرح دھوکا دیا ہے، اور تم سب اِس دھوکے کا باعث ہوئے ہو، میں خوب سمجھتا تھا کہ ایسی ہی کوئی درخواست یہ عرب کرے گا، مگر تم لوگوں نے اطمینان دلایا، اور میں شرط قبول کرنے پر راضی ہوگیا، اور اب تمہارے مشورہ کا کڑوا پھل مجھے چکھنا پڑا۔" پھر کچھ دیر چُپ رہ کر بادشاہ نے کہا "مگر میں شرط پوری ہی کیوں کروں؟ کوئی میرا کیا کرسکتا ہے؟ بس سُن لو، ہم فوج کشی جاری رکھیں گے۔" قشتالی رئیسوں نے کہا "حضور یہ عہد شکنی ہوگی، آپ مسیحی بادشاہوں میں سب سے زبردست بادشاہ ہیں، حضور اپنے قول سے پھرنا کیونکر گوارا فرماسکتے ہیں؟"

اوفونش خاموش ہوکر پھر غور کرنے لگا، اور آخر کار بولا "اچھا میں اپنے قول کا پابند ہوں، لیکن اِس ہارنے کے بدلے ہم اِس سال کا خراج دوچند وصول کریں گے۔"

ابنِ عمار نے کہا "خراج دوچند آپ کو ملے گا۔"

یہ کہہ کر ابنِ عمار نے جس قدر روپیہ اوفونش نے طلب کیا، اُس کے ادا کیے جانے کا بندوبست کردیا، اور اِس طرح اشبیلیہ اِس دانشمند وزیر کی ہوشیاری اور تدبیر سے ایک زبردست غنیم کے خطروں سے محفوظ ہوگیا۔[1]

---

[1] ۱۴۶۶ء (۸۷۱ھ) میں ابو عبداللہ الزغل نے بھی عیسائی حاکم لورقہ پیڈرو فیجاردو سے شطرنج پر بازی لگائی تھی، بازی میں المریہ اور لورقہ کے علاقے لگائے گئے تھے، ابو عبداللہ بازی جیت گیا، مگر پیڈرو فیجاردو نے بے ایمانی سے کام لے کر ان متذکرہ بالا علاقوں پر ابو عبداللہ الزغل کا قبضہ نہ ہونے دیا۔

اسناد :-

عباد (ڈوزی) جلد ۱ ص ۴۶ تا ۴۸ ، ۳۲۲ تا ۳۲۴ ، ۳۸۸ ، ۳۹۱ تا ۳۹۲

جلد ۲ ص ۱۶ ، ۳۰ ، ۳۵ ، ۸۹ ، ۱۴۶ ، ۱۴۸ ، ۲۲۲ ، ۲۲۴ تا ۲۲۵

عبد الواحد ص ۷۲ تا ۷۳ ، ۸۳ تا ۸۵ ، ۹۰

ابنِ خلدون ص ۲۵

ابنِ بسّام جلد ۱ ص ۱۵۸ تا ۱۶۰ (ابنِ حیان کی عبارت نقل کی ہے)

ابن القصیرہ (ابن الخطیب ، قلمی نسخہ P ص ۵۱)

لوکاس دی توی ص ۱۰۰

کرونیکون کومپلوٹنسی ص ۳۲۷

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

گیارھویں فصل

ابنِ عمّار کی تباہی

۹۱) ابنِ عمار نے اشبیلیہ کی سلطنت کو مضبوط و مستحکم کرنا ہی کافی نہ سمجھا، بلکہ اُس کی حدود کو وسعت دینے کی بھی فکر کی، اور مُرسیہ کی ریاست پر خاص طور سے دانت جمانا چاہا، کسی زمانہ میں یہ ریاست عمید الدولہ ابوالقاسم زہیر العامری کی قلمرو میں شامل تھی، اس کے بعد وہ سلطنتِ بلنسیہ میں شامل کرلی گئی تھی، لیکن جس زمانہ کا ہم ذکر کرتے ہیں، اُس وقت وہ ایک خود مختار حکومت تھی، اور وہاں کا فرما نروا عرب کے قبیلہ قیس کا ایک شخص اَبُو عَبد الرحمٰن ابنِ طاہر تھا، یہ بڑا دولتمند تھا، مُرسیہ کا تقریباً آدھا علاقہ اُس کی ذاتی جائداد تھا، بڑا عاقل اور روشن ضمیر تھا، لیکن فوج کم رکھنے کی وجہ سے ہر دشمن کا آسانی سے نشانہ بن سکتا تھا، ابنِ عمار پر یہ حال کھل گیا تھا، اور اب کسی وجہ سے جس کا کسی کو پتہ نہ تھا، ابنِ عمار کو والی برشلونہ ریمند برنگر کے دربار میں جانے کی ضرورت ہوئی، اور ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں برشلونہ جاتے ہوئے مرسیہ

سے گذرنا پڑا، مرسیہ پہنچکر ابنِ عمار نے اُن رئیسوں سے تعلقات پیدا کیے جو ابنِ طاہر سے ناراض تھے، اور اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی رو بیہ دے تو اُس کی تباہی میں کوشش کریں۔

غرض مرسیہ میں قیام کے بعد جب وزیر ابنِ عمار برشلونہ پہنچا، تو ریمند کو دس ہزار اشرفیاں دینے کا اِس شرط سے وعدہ کیا کہ وہ مرسیہ کو فتح کرنے میں مدد دے، ریمند نے مدد دینی منظور کی، اور اس کے متعلق باہمی عہد و پیمان بھی ہوگیا، ریمند نے ایفائے عہد کی ضمانت میں اپنی طرف سے اپنے بھتیجے کو ابنِ عمار کے حوالے کر دیا، اور ابنِ عمار نے ریمند سے یہ شرط کرلی کہ اگر دس ہزار اشرفیاں تاریخ معینہ پر نہ پہنچیں تو ریمند معتمد کے بیٹے رشید کو اپنی حراست میں بطور یرغمال کے لے سکتا ہے۔

ابنِ عمار نے معتمد کو اس کُل معاملہ کی اطلاع کی، لیکن اس آخری شرط کی خبر نہ دی کہ اشرفیاں وقت پر نہ پہنچنے کی صورت میں رشید حراست میں لے لیا جائے گا، وجہ یہ تھی کہ ابنِ عمار کو پورا یقین تھا کہ ریمند کو اشرفیاں وقت پر مل جائیں گی، اور رشید ابنِ معتمد کو حراست میں جانے کی نوبت نہ آئے گی۔

اب اشبیلیہ کی فوجوں نے ریمند کی فوجوں کے ساتھ مل کر مرسیہ کے علاقے پر چڑھائی کی، معتمد کے مزاج میں کاہلی تھی، ریمند کو دس ہزار اشرفیاں ملنے کی تاریخ ٹل گئی، ریمند کو شبہ ہوا کہ ابنِ عمار نے دھوکا دیا، اِس پر اُس نے فوراً ابنِ عمار اور رشید کو گرفتار کرلیا اشبیلیہ کی فوج والوں نے چاہا کہ اپنے وزیر اور شہزادے کو چھڑالیں، لیکن کچھ نہ کرسکے اور خود پیچھے ہٹنا پڑا۔

(۶۸۰) معتمد اِس وقت اشبیلیہ سے اُٹھ کر مرسیہ آرہا تھا، اور ریمند کا بھتیجا اُس کے ساتھ تھا، منزلیں آہستہ طے کر رہا تھا، جب وادیانہ صغیر کے کنارے پہنچا تو دریا طغیانی پر تھا اُسے عبور نہ کرسکا، دریا کے کنارے ٹھیرا ہوا تھا کہ ایک روز فوج اشبیلیہ کے چند سپاہی جو ابنِ عمار کا ساتھ چھوڑ کر بھاگے تھے، دریا کے دوسرے کنارے پر نظر آئے، اِن میں دو سوار وہ تھے جن کو ابنِ عمار نے معتمد کو حالات سے مطلع کرنے بھیجا تھا، اِن سواروں نے

معتمد کو دیکھ کر اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے، اور جب اِس پار آئے تو معتمد سے جس قدر افسوسناک واقعات پیش آئے تھے، بیان کیے، اور یہ بھی کہا کہ ابنِ عمار قید سے جلد آزاد ہوجائیگا، اُنہوں نے معتمد سے التجا کی کہ "حضور جہاں مقیم ہیں وہیں رہیں" معتمد نے اُن کی یہ بات نہ مانی، آگے تو نہ بڑھا، لیکن مشرق میں جیان کی طرف ہٹ آیا، بیٹے کے قید ہوجانے کی خبر نے پریشان کردیا، ریمند کا بھتیجا جو ریمند نے ابنِ عمار کو بطور یرغمال کے سپرد کیا تھا، اِس وقت معتمد کے ساتھ تھا، معتمد نے یہ سُن کر کہ اپنا فرزند قید ہوگیا ہے ریمند کے بھتیجے کو بھی قید کردیا۔

اِس واقعہ کے دس روز بعد ابنِ عمار جنہیں ریمند نے قید سے آزاد کردیا تھا، جیان کے قریب پہنچے، لیکن معتمد سے ایسے ڈرے ہوئے تھے کہ سامنے حاضر نہ ہوئے، اور یہ اشعار بادشاہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے :-

"میں اپنے دل کا کہا مانوں یا ساتھ والوں کی بات کا، جو تدبیر خود سوچی ہے اُس پر چلوں، یا جہاں اِس وقت ہوں، مع اپنے ہمراہیوں کے وہیں ٹھیرا رہوں دل کا کہنا مانتا ہوں تو آگے بڑھتا ہوں، اور اُمید ہوتی ہے کہ میرا حبیب کیسے ہاتھ پھیلا کر ملیگا، لیکن عقل جو کچھ بتاتی ہے، اُس سے میرے قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں محبت کہتی ہے "آگے چل"، اپنی غلطیاں کہتی ہیں "پیچھے ہٹ" قسمت کی باتیں بھی عجیب ہیں، کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ آپ کی دوری مجھے خوش رکھے گی۔ مجھے اب آپ سے خوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ میری جان لے سکتے ہیں، مجھے آپ پر اعتبار ہے کیونکہ آپ سے دلی محبت رکھتا ہوں، اُس پر رحم کیجیے جس کی محبت کو آپ جانتے ہیں کہ کبھی نہ بدلے گی اور جس کا سب سے بڑا حق آپ پر یہ ہے کہ آپ سے محبت رکھتا ہے۔ میں نے کوئی بات ایسی نہیں کی ہے کہ حاسد میری گرفت کرسکیں، میری طرف سے نہ غفلت ہوئی ہے اور نہ بے احتیاطی، لیکن آپ نے مجھے سخت مصیبت میں گرفتار کردیا ہے، میری تلوار آپ نے کُند کردی ہے بلکہ اُسے توڑ ڈالا ہے، سچ

یہ ہے کہ اگر میں آپ کی بے شمار مہربانیوں کو جو مجھ پر ہمیشہ اس طرح رہی ہیں جیسے درختوں پر بارانِ رحمت برستا ہے، یاد نہ کرتا ہوتا، تو کبھی تکلیف اور مصیبت کے خیالات مجھے نہ ستاتے، اور میں یہ نہ کہتا کہ قصور میرا ہے، اب میں آپ کے قدموں پر سر رکھ کر رحم کا خواستگار اور عفوِ تقصیر کا امیدوار ہوں لیکن اگر آپ کے قہر و عتاب کی بادِ شمال بھی میرے غارت کرنے کو اٹھے گی تو بھی کہوں گا کہ نسیم رُوح پرور کے جھونکے دل کو راحت دے رہے ہیں۔"

معتمد، جسے اتنا خیال ضرور ہوگا کہ دراصل غلطی اپنی تھی، ابن عمار کی اس التجا اور درخواست کو نامنظور نہ کر سکا، اور جواب لکھا۔

"آؤ! ایک مرتبہ پھر میرے قریب بیٹھو، آؤ! ڈرو نہیں، کیونکہ زجر و توبیخ نہیں بلکہ قدر و منزلت تمہاری منتظر ہے، سمجھ لو کہ مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ تمہاری کسی تکلیف کو دیکھ نہیں سکتا، تمہیں خوش دیکھوں، اس سے زیادہ میری کوئی خوشی نہیں، جب تم آؤ گے تو دیکھو گے کہ میں بدستور خطا واروں کو معاف، اور دوستوں کے ساتھ سلوک اور مہربانی کرنے والا آدمی ہوں، مَیں تمہارے ساتھ اُسی لطف و کرم سے پیش آؤں گا جیسا کہ ہمیشہ پیش آتا تھا میں تمہارا قصور معاف کر دوں گا، بشرطیکہ کوئی قصور نکلا، کیونکہ خدا نے مجھے دل سخت نہیں دیا ہے، اور سچی اور پُرانی دوستی کو بھولجانا میری عادت میں شامل نہیں ہے۔"

۶۸) معتمد کے اِن الفاظ سے ابن عمار کو تسکین ہوئی، اور وہ بہت جلد آقا کی قدم بوسی کو حاضر ہوا، اور اب دونوں دوستوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ریمنڈ والئ برشلونہ کو دس ہزار اشرفیاں دیدیجائیں اور اُس کے بھتیجے کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا جائے تاکہ ریمنڈ، رشید کو قید سے آزاد کر دے، لیکن ریمنڈ اب بجائے دس ہزار کی رقم قرار داد کے تیس ہزار اشرفیاں مانگنے لگا، معتمد کے پاس اِس وقت روپیہ زیادہ نہ تھا، اس لیے کھوٹ ملوا کر ٹکسال سے اشرفیاں تیار کر دیں، رشید کو آزاد کرنے سے پہلے ریمنڈ کو یہ قصہ معلوم نہ ہوا۔

باوجودیکہ مرسیہ پر پہلی بار قطعی ناکامی ہوئی تھی، مگر مرسیہ کو فتح کرنے کا خیال ابن عمار کے دل سے نہ نکلا، معتمد اشبیلیہ میں تھا کہ ابن عمار نے اُس سے عرض کیا کہ مرسیہ کے بعض اُمرار کے بہت امید افزا خطوط اُس کے پاس آئے ہیں، مرسیہ کا قصد پھر کیا جائے"۔

غرض ابن عمار نے معتمد کو اس بات پر راضی کر لیا کہ صرف اشبیلیہ کی فوجوں سے شہر مرسیہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔

مرسیہ کے قصد سے اشبیلیہ سے روانہ ہوکر وہ جب قرطبہ میں آیا تو ۲۴ گھنٹے وہاں قیام کیا، غرض یہ تھی کہ قرطبہ میں سواروں کے رسالے جس قدر دستیاب ہو سکیں اُنہیں اپنے لشکر کے ساتھ کر لے۔ اُس وقت قرطبہ کا حاکم معتمد کا فرزند فتح تھا۔ شب کو ابن عمار نے فتح کے پاس قیام کیا۔ فتح کی ظرافت اور شیریں کلامی پر ابن عمار ایسا فریفتہ ہوا کہ جب ایک خواجہ سرانے آکر اطلاع کی کہ صبح ہو گئی ہے تو ابن عمار نے یہ شعر پڑھا:-

> دُور ہو احمق! میرے لیے تو یہ تمام رات صبح تھی، جب فتح میرے ساتھ ہو، تو
> اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

قرطبہ سے دور نکل کر ابن عمار ایک قلعے کے قریب پہنچا، جس کا نام بلج بن بشر کے نام پر اب تک قلعہ بلج[۱] مشہور تھا۔ بلج بن بشر دوسری صدی ہجری میں شامی عربوں کا جو افریقہ میں بربر سے ہزیمت اُٹھا کر اندلس میں وارد ہوئے تھے، سردار تھا، اس زمانہ میں بھی بلج ہی کے قبیلہ قشیر کا ایک شخص اس قلعہ کا حاکم تھا، اس کا نام ابن رشیق تھا۔

ابن رشیق نے جب سُنا کہ وزیر ابن عمار آ رہا ہے، تو قلعہ سے اُس کی ملاقات کو نکلا، اور درخواست کی کہ شب کو قلعہ میں آرام فرمائیں، ابن عمار نے ابن رشیق کی درخواست منظور کی، ابن رشیق نے اس معزز مہمان کی خاطر و مدارات میں کوئی بات ایسی فروگذاشت نہ کی کہ ابن عمار کے دل میں ابن رشیق کی عزت و وقعت کا پایہ بلند نہ ہوتا، اس مہمانداری میں قلعہ بلج کے حاکم کو ضرورت سے زیادہ کامیابی ہوئی، یعنی ابن عمار نے اُسے اپنا سازدار

---

[۱] یہ غالباً وہی مقام ہے جسے آجکل ویلیز ر و بیو کہتے ہیں۔ (مترجم اردو)

بنا لیا، لیکن ابنِ رشیق کو راز دار بنانا آگے چل کر ایک سخت غلطی ثابت ہوا۔

اب ابنِ عمار ابنِ رشیق کو ساتھ لیے ہوئے شہر مرسیہ کے محاصرہ کو چلا، راستہ میں حصنِ مولہ کے لوگوں نے اطاعت قبول کی، شہر مولہ کے مفتوح و مطیع ہوجانے سے مرسیہ کے لوگوں کو سخت نقصان پہنچا، کیونکہ مرسیہ میں رسد کا سامان اسی شہر سے پہنچا کرتا تھا اب مرسیہ کا محاصرہ شروع کیا گیا، ابنِ عمار کو یقین ہوگیا کہ شہر والے جلد اطاعت قبول کرلیں گے، چنانچہ محاصرہ پر ابنِ رشیق کو چھوڑ کر اور کچھ فوجِ سوارہ متعین کرکے ابنِ عمار باقی فوج کو لے کر اشبیلیہ واپس چلا آیا۔

(۶۸۲) اشبیلیہ پہنچکر ابنِ رشیق کے پاس سے اس مضمون کے خطوط آئے کہ "مرسیہ قحط سے تباہ ہورہا ہے، اور عمائدِ شہر نے بڑی بڑی تنخواہوں کے وعدے پر ہماری مدد کرنی منظور کرلی ہے"۔

ان خطوط کو پڑھ کر ابنِ عمار نے کہا "شاید کل یا پرسوں تک سننے میں آئے کہ مرسیہ نے ہماری اطاعت قبول کرلی ہے"۔

ابنِ عمار کا خیال درست نکلا، محاصرے کی حالت میں کسی نمک حرام نے مرسیہ کے دروازے اندر سے کھول دیے، ابنِ رشیق شہر میں داخل ہوا، اور ابنِ طاہر رئیس شہر کو قید کرکے اہلِ شہر سے معتمد کی بیعت لی۔

ابنِ عمار نے جب یہ مژدہ سنا کہ مرسیہ فتح ہوگیا، تو معتمد سے اجازت مانگی کہ اس جدید مفتوح شہر کا جاکر معائنہ کرے، معتمد نے بلا تامل اجازت دیدی، اب ابنِ عمار نے اس خیال سے کہ اہلِ مرسیہ میں خوب داد و دہش کروں گا، شاہی اصطبل سے بہت سے گھوڑے، اور خچر، اور دوستوں سے سواری کے جانور، جو تعداد میں تقریباً دو سَو تھے اپنے ساتھ لیے، اور ان سب پر نہایت قیمتی پارچات کی گٹھڑیاں رکھیں، اور اپنا پرچم اڑاتا ہوا طبل و دہل کے ساتھ مرسیہ روانہ ہوا، جس شہر سے گذرا وہاں کے خزانے میں روپیہ خوب بھر دیا، مرسیہ میں پورے جلوس کے ساتھ بڑی شان سے داخل ہوا، دوسرے دن دربار کیا، اور اس میں شاہانہ انداز اختیار کیے، اور اسی قسم کی اونچی ٹوپی پہنی، جو

معتمد دربار کے موقعوں پر پہنا کرتا تھا، عرضیاں جس قدر پیش ہوئیں اُن پر حکم لکھا " ایسا ہونا چاہیئے، انشاء اللہ " لیکن معتمد کا نام نہ لکھا۔

اِس قسم کی باتوں سے ظاہر ہوا کہ ابن عمار اپنے آقا سے منحرف ہے، کم سے کم معتمد کو تو یہی خیال پیدا ہوا، لیکن معتمد کو ان حرکتوں پر کچھ غصہ نہ آیا، بلکہ افسوس اور مایوسی ہوئی ابن عمار کی دوستی کا نقش جو ۲۵ برس سے نظر کے سامنے تھا یک لخت محو ہوگیا، معتمد سمجھا کہ دل کی صداؤں نے اب تک دھوکے میں رکھا، وزیر ابن عمار کے دعوے دوستی اور جاں نثاری کے سب جھوٹ اور باطل تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وزیر کا اتنا قصور نہ تھا، جتنا کہ معتمد نے سمجھ لیا تھا، یہ سچ ہے کہ ابن عمار کی نمود و نخوت تمسخر کی حد تک پہنچ گئی تھی، لیکن یہ امر یقینی نہ تھا کہ وہ اپنے آقا اور محسن سے باغی یا اُس کا دشمن اور بدخواہ ہوگیا ہے، ابن عمار میں حدتِ نفس، اور کسی نقش سے جلد تر متاثر ہو جانے کا مادہ معتمد سے بہت کم تھا، اِس وجہ سے وہ معتمد کی دوستی اور خلوص کا پورا بدل نہ کرسکا، مگر پھر بھی اُس کو اپنے آقا سے واقعی محبت تھی، جس کا ثبوت اُس کے اشعار سے ملتا ہے، معتمد نے جب اُس کی ان حرکتوں کو ناپسند کرکے اُس کو بہت بُرا بھلا لکھا تو ابن عمار نے جواب میں یہ اشعار لکھے :-

" آپ فرماتے ہیں کہ حوادثِ تقدیر نے مجھے بدل دیا، نہیں، جب آپ یہ فرماتے ہیں تو خود ایک دھوکے میں پڑ جاتے ہیں، مجھ کو اپنی بڑھیا ماں سے جو محبت ہے، وہ اُس محبت سے کم ہے جو آپکے ساتھ ہے، میرے محبِ معظم یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کی محبت آمیز عنایات میرے بختِ سیاہ کو اب اس طرح روشن نہیں کرتیں، جس طرح بجلیاں کوند کر شبِ تاریک کو روشن کیا کرتی ہیں؟ کیا سبب ہے کہ اب ایک لفظ بھی آپ کی زبان سے نسیمِ جاں بخش کی طرح میرے دل کو تازگی نہیں بخشتا؟ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ بدخواہوں نے جنہیں میں خوب جانتا ہوں، سازش کرکے ہمارے جامِ اُلفت میں یہ زہر ملایا ہے کیا ۲۵ برس کی دوستی کے بعد آپ اس طرح قطع تعلق فرما سکتے ہیں؟ یہ وہ زمانہ

۱۸۳

تھا جس میں سوائے خوشی اور انبساط کے کوئی چیز بے لطف کرنے والی نہ تھی
اِس کندن میں کھوٹ نام کو نہ تھا، یہ زمانہ اِس طرح گذرا تھا کہ کوئی وجہ شکایت
کی نہ مجھے پیدا ہوئی تھی نہ آپ کو، اور جس میں نہ کوئی قصور مجھ سے سرزد ہوا
تھا، کیا اب آپ اپنا ہاتھ کھینچ کر مجھے بیچ تقدیر میں چھوڑنا چاہتے ہیں؟ میں
کیا ہوں؟ بجز اس کے کوئی ہستی نہیں رکھتا کہ آپ کا ایک مطیع اور فرمانبردار
غلام ہوں، کچھ دیر غور فرمائیے، جلدی نہ کیجئے، جو تیز چلتا ہے ٹھوکر کھاتا ہے
جو احتیاط سے چلتا ہے وہ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے، جس وقت وہ تعلقات
جو مجھے اور آپ کو وابستہ کیے ہوئے ہیں ٹوٹ جائیں گے، اُس وقت میں آپ کو
یاد آؤں گا، پھر سوائے جھوٹے اور خود غرض دوستوں کے اور کوئی آپ کے پاس
نہ ہوگا، اُس وقت آپ مجھے ڈھونڈیں گے جب کوئی نیک صلاح دینے والا
آپ کے نزدیک نہ ہوگا، اور میں بھی آپ کے پاس نہ ہوں گا کہ اُن کی عقلوں کی کسوٹی
بنوں۔"

اگر معتمد تخلیے میں ایک گھنٹہ بھی ابن عمار سے گفتگو کر لیتے تو سب بدگمانیاں اُن کے دل سے دور ہو جاتیں، اور دونوں دوستوں میں جن کا باہمی تعلق فطرت کا پیدا کیا ہوا تھا مصالحت ہو جاتی، لیکن افسوس معتمد اور اُس کے وزیر ابنِ عمار میں ایک فاصلۂ دراز حائل تھا، اشبیلیہ میں ابنِ عمار کے دشمنوں کا ایک پورا غول موجود تھا، جو ہر وقت اُسے بُرا کہنے اور بادشاہ کی نظر میں ذلیل کرنے، اور اُس کی ہر بات اور کام کے اُلٹے معنی بیان کرنے میں مصروف رہتا تھا، "بدخواہوں" میں جن کی طرف ابنِ عمار نے اپنے اشعار میں اشارہ کیا تھا سب سے بڑھ کر ابوبکر ابنِ زیدون تھا، اُسے معتمد کے دربار میں اس وقت بہت رسوخ حاصل تھا، اُس نے پہلے ہی سے معتمد کے کان اِس طرح بھرے تھے کہ ابن عمار جس وقت اشبیلیہ سے مرسیہ روانہ ہوا تھا، تو جب ہی سے بادشاہ کو اُس کی وفاداری میں کچھ شبہ پیدا ہو چلا تھا۔

اِن دشمنوں کے علاوہ ابن عبدالعزیز والیٔ بلنسیہ، جو ابنِ طاہر بادشاہِ مرسیہ کا بڑا

دوست تھا، ابنِ عمار کا کچھ کم خطرناک دشمن نہ تھا۔

مرسیہ پہنچنے پر ابنِ عمار نے ابنِ طاہر سے نہایت اخلاق سے پیش آنے کا ارادہ کیا، ایک نہایت پُرتکلف خلعت ابنِ طاہر کے خوش کرنے کو اُس کے پاس بھیجا، لیکن ابنِ طاہر ریاست سے بیدخل ہو جانے پر ہر وقت بدمزاج رہتا تھا، ابنِ عمار کے قاصد اور خلعت کو، جو یہ قاصد اپنے ساتھ لایا تھا، دیکھ کر قاصد سے کہنے لگا کہ اپنے آقا سے کہدینا "میں تو صرف ایک جُبّے اور سر کی چنگوان ٹوپی کا آپ سے خواستگار ہوں" قاصد یہ جواب سُن کر ابنِ عمار کے پاس آیا، ابنِ عمار کے پاس اُس وقت بہت سے درباری حاضر تھے۔ قاصد نے ابنِ طاہر کا جواب سُنایا، ابنِ عمار جواب سُن کر دانتوں سے ہونٹ چابنے لگا، اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا کہ " ابنِ طاہر کے اِن الفاظ کا مطلب میں خُوب سمجھتا ہوں، جُبّہ اور چنگوان ٹوپی میں اُس وقت پہنا کرتا تھا، جب مفلس اور تنگدست تھا اور اسی حالت میں ابنِ طاہر کے سامنے حاضر ہو کر اُس کی تعریف میں شعر پڑھے تھے۔"

ابنِ عمار نے ابن طاہر کے اِن الفاظ کو جنھوں نے واقعی اُس کے دل کو مجروح کیا تھا کبھی معاف نہ کیا، فوراً اپنا ارادہ بدل کر ابنِ طاہر کو مرسیہ کے قریب ایک قلعہ میں، جس کا نام منت اقود [۵۱] تھا قید کر دیا، ابنِ عبد العزیز والیٔ بلنسیہ نے ابنِ طاہر کی سفارش میں معتمد کو خط لکھا، معتمد نے ابنِ عمار کو فرمان بھیجا کہ ابنِ طاہر کو رہا کر دیا جائے، ابنِ عمار نے معتمد کے اِس حکم کی پروا نہیں کی، لیکن ابنِ عبد العزیز کی مدد سے ابنِ طاہر کسی طرح قید سے نکل بھاگا، اور بلنسیہ میں سکونت اختیار کر لی، ابنِ عمار کو اس پر بیحد غصہ آیا، اور ایک نظم لکھی جس میں اہلِ بلنسیہ میں اس بات کا جوش پیدا کرانا چاہا کہ وہ اپنے بادشاہ ابن عبد العزیز سے بغاوت کریں، اِس نظم کا ایک حصہ یہ تھا:۔

۶۸۴ھ

"بلنسیہ کے رہنے والو! تن واحد ہو کر ابنِ عبد العزیز کے خلاف کھڑے ہو جاؤ اپنی شکایتیں بیان کر کے کسی اور کو اپنا بادشاہ منتخب کرو، اور وہ بادشاہ ایسا ہو"

---

[۵۱] یہ قلعہ مرسیہ کے شہر سے ایک فرسخ تھا، پُرانے قلعے کے کھنڈر ابتک موجود ہیں۔

جو تم کو دشمنوں سے محفوظ رکھ سکے، چاہے وہ محمد ہو یا احمد ہو، جو کچھ بھی وہ ہو، ہر حال میں ابن عبد العزیز سے بہتر ہونا چاہیئے، جس نے تمہارے شہر سے ایسی بے اعتنائی کی ہے، جیسے کوئی بے غیرت شوہر اپنی بیوی کو خود بیسوہ بنائے اُس نے اپنے پاس ایک ایسے شخص کو چھپایا ہے جس کو خود اُس کی رعایا نے اپنے ہاں سے نکال دیا تھا، یہ ابن عبد العزیز ایک منحوس پرند تمہارے درمیان لے آیا ہے، اُس نے تمہارا ساتھی اور ہموطن ایسے شخص کو بنایا ہے جو بد بھی ہے اور بدنام بھی، ہاں میرا فرض تھا کہ میں ایک ایسے شخص سے شہر (مرسیہ) کو پاک کردوں جس کے سر پر ایک ذلیل لونڈی نے جس کے گلے میں ہار تک نہ تھا تماچے مارے تھے، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُس شخص کے انتقام سے بچ جائیگا، جو دشمن کے تعاقب سے ایسی راتوں میں بھی باز نہیں آیا، جن میں تارے اپنا منہ تک نہیں دکھاتے، وہ کونسا مکر و حیلہ ہے جس سے تو بنی عمار کے ایک بہادر لڑنے والے سے، اور اُس کے انتقام کش ہاتھوں سے جس کے ساتھ برچھوں کا ایک جنگل حرکت میں ہے، بچ کر نکل جائیگا، بہت جلد تو دیکھ لے گا کہ بنی عمار کا ایک بہادر بے شمار لشکر کے ساتھ تیرے سر پر ہوگا، اہل بلنسیہ! میں تمہیں نیک صلاح دے رہا ہوں، اُٹھو، اور اُس قصر پر حملہ کردو جو اپنی عمارت میں ایسی ایسی خبیث چیزیں چھپائے ہوئے ہے، اُس کے خزانے لُوٹ لو، اور اسے گرا کر زمین کے برابر کردو، اور صرف اُس کے کھنڈروں کو اس بات کا گواہ بنا دو کہ ہاں کبھی وہ یہاں تھا۔"

معتمد کو جب ابن عمار کی حرکتوں کی خبر لگی، اور اس نظم کا حال معلوم ہوا، تو اُسے بہت غصہ آیا، اور ابن عمار کی نظم کی اس طرح خاک اُڑائی :-

"حقیقت میں وہ کونسا مکر و حیلہ ہے جس سے تو بنی عباد کے ایک انتقام کش لڑنے والے کے ہاتھ سے بچ سکتا ہے؟ بنی عمار وہ ہیں جو کل کی بات ہے کہ ذلت و خواری کے ساتھ ہر بادشاہ، امیر، اور صاحب زر کے قدموں میں گر کر

لجاجت کرتے تھے، ذلیل ترین نوکروں سے دو لقمے بھی زیادہ اگر بنی عمار کو ان کے آقا
دیدیتے تھے تو بنی عمار کی عید ہو جاتی تھی، نحس و ناپاک جلادوں کی طرح مجرموں کو
قتل کرنا ان کی خاص خدمت تھی، اور وہ شدت سے نکبت اور ذلت کی حالت
سے اٹھا کر بڑے بڑے منصبوں پر ممتاز کیے گئے تھے۔"

معتمد کے ان اشعار نے ابن عبد العزیز بادشاہ بلنسیہ کو بیحد محظوظ و مسرور کیا، ابن عمار
نے معتمد کے اشعار پڑھے، بہت چاہا کہ اپنے غصے کو روکے، مگر بن نہ پڑا، دم گھٹنے لگا،
اور بالکل بے آپے ہو کر معتمد، رمیکیہ، اور بنی عباد کی ہجو ان الفاظ سے بھی زیادہ دل جلے
الفاظ میں جو اہل بلنسیہ سے خطاب کیے تھے، لکھی، یعنی اب یہ نوبت آئی کہ وہ مفلس و
تنگدست اور آوارہ گرد، جو ایک تاریک جھونپڑی میں پیدا ہوا تھا، اور جسے معتمد کی فیاضی
نے حالت گمنامی سے اعلیٰ ترین رتبے پر پہنچایا تھا، اتنی جرأت کرے کہ بنی عباد کو قریہ یا مین
کا گمنام کسان اور کاشتکار بتائے، اور قریہ یا مین کو جو ایک کوردہ تھا، طنزاً کہے کہ وہ
دنیا کا دارالحکومت تھا، ہجو کے اشعار میں سے بعض کا مفہوم یہ تھا:-

"قوم کی بیٹیوں میں سے تُو نے اُسے پسند کیا جو رمیکیہ کی لونڈی تھی، لونڈی
بھی ایسی ذلیل جسے اس کا مالک یکسالہ بچۂ شتر کے عوض فروخت کر ڈالتا، تین بدکار بیٹیاں (۶۸۵)
اور دو بدقوارہ وابستہ قد بیٹے تجھے شرم دلانے کے لیے اُس کے بطن سے پیدا
ہوئے، معتمد! میں تیری بے عزتی کو تمام عالم میں مشعل کی طرح روشن کر دوں گا
میں وہ پردہ اُٹھا دوں گا جو تیرے گناہوں کو ڈھکے ہوئے ہے۔ گھر سے باہر پرانے
شہسواروں کی مثل فخریہ اپنے قریوں اور شہروں کی حفاظت کرتا ہے، اور گھر کے
اندر اپنی بیویوں کے ساتھ جو آوارہ ہیں، خلیق بنتا ہے۔"

ابن عمار میں اتنی غیرت باقی تھی کہ اس ہجو کو جو حالت طیش میں لکھی تھی، سوائے اپنے
گھرے دوستوں کے اور کسی کو نہ دکھایا، لیکن ان دوستوں میں بدقسمتی سے مشرق کا ایک
یہودی بھی تھا، جس پر ابن عمار کو کامل اعتماد تھا، اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ دراصل یہ
ابن عبد العزیز کا جاسوس ہے، اس یہودی نے بہت آسانی سے اس ہجو کی ایک نقل

خود ابن عمار کے ہاتھ کی لکھی ہوئی، حاصل کر کے ابن عبدالعزیز صاحب بلنسیہ کے پاس روانہ کردی، ابن عبدالعزیز نے فوراً معتمد کو ایک خط لکھا، اور اس خط میں ہجو کی نقل بھی رکھدی، یہ خط ایک کبوتر کے گلے میں باندھ کر بھیجا گیا۔

اب ابن عمار اور معتمد میں مصالحت بالکل ناممکن تھی، یہ بیہودہ اور نامعقول ہجو ایسی تھی کہ نہ معتمد، نہ رُمیکیہ اور نہ معتمد کے بیٹے اُسے معاف کر سکتے تھے، لیکن بادشاہ اشبیلیہ کو اس کی ضرورت نہ ہوئی کہ وہ وزیر ابن عمار کو اس گستاخی کی سزا دیتا، سزا دینا دوسروں نے اپنے ذمہ لے لیا۔

ابن عمار پر حکومت کا غرور اب ایسا چھایا کہ اُس کو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ ابن عبدالعزیز والی بلنسیہ کی پشت گرمی سے ابن رشیق فی الحقیقت اُس کا دشمن اور بدخواہ ہوگیا ہے۔ لیکن جب ابن عمار کو یہ معلوم ہوا تو وقت نکل چکا تھا۔

ابن رشیق کے اغوار سے ابن عمار کے سپاہیوں نے تنخواہ کے بقایا کے لیے ایک شور برپا کیا، ابن عمار جب تنخواہوں کی ادائیگی کا بندوبست نہ کرسکا، تو سپاہیوں نے دھمکی دی کہ ہم اُسے معتمد کے حوالے کردیں گے۔ اس دھمکی سے ابن عمار پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ مرسیہ چھوڑ کر کہیں اور پناہ لینے چلا گیا۔

لیون اور قشتالیہ کے بادشاہ ادفونش کے دربار میں ابن عمار نے اس امید میں پناہ لی کہ یہ عیسائی بادشاہ مرسیہ کو دوبارہ فتح کرنے میں اُس کی مدد کرے گا۔ لیکن ابن عمار کا یہ خیال غلط نکلا، ابن رشیق ادفونش کو پہلے ہی بڑے بڑے قیمتی تحائف پہنچا چکا تھا ابن عمار نے جب ادفونش سے مدد کے لیے کہا، تو اُس نے جواب دیا کہ "تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ ایک لُوٹ کا قصہ ہے، یعنی ایک قزاق کو دوسرے قزاق نے لُوٹا، اور جب اس دوسرے کی باری آئی، تو ایک تیسرے قزاق نے اُسے لُوٹ لیا۔"

(تین قزاقوں سے مراد معتمد، ابن عمار، اور ابن رشیق ہیں، مگر ادفونش بھی کچھ کم قزاق نہ تھا، اور ان سب قزاقوں کے ساتھ قزاقی کا سہرا اُن نیک نہاد عیسائی قزاقوں کے سر بندھا، جن میں ایک ادفونش بھی تھا۔ مترجم اُردو)

ابنِ عمار کو جب معلوم ہوگیا کہ لیون میں کام نہ چلیگا، تو وہ سرقسطہ چلا گیا، یہاں احمد مقتدر کی جو بنی ہود سے تھا، اور سرقسطہ میں حکومت کرتا تھا، ملازمت اختیار کی، لیکن مقتدر کے دربار میں وہ شان کہاں تھی جو معتمد کے دربار میں تھی، ابن عمار کا یہاں جی نہ لگا، مجبور ہوکر لاردہ چلا گیا، جہاں مقتدر کا بھائی منظفر حکومت کرتا تھا، منظفر نے ابن عمار کی بہت خاطر و مدارات کی، لیکن لاردہ ابن عمار کو سرقسطہ سے بھی زیادہ بے لطف معلوم ہوا، اِس لیے لاردہ چھوڑ کر پھر سرقسطہ چلا آیا، اب جو آیا تو مقتدر کا انتقال ہوچکا تھا، اور اُسکی جگہ اکتوبر ۱۰۸۱ء (جمادی الاول ۴۷۴ھ) میں اُس کا بیٹا موتمن سرقسطہ کا بادشاہ ہوا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ ابن عمار کی بیکاری و سستی، اور ہر چیز سے دل کا اُچاٹ رہنا، جو اُس کے حال و استقبال پر ابرِ سیاہ کی طرح چھا گیا تھا، آخر کار اُسے تباہ کردے گا۔ اِس بیکاری کاہلی کو دُور کرنے کی ایک تدبیر اُس نے بہت خوش ہوکر سوچی، سرقسطہ کی ریاست میں ایک قلعہ دار (۶۸۶) جو ابنِ عمار کا شناسا تھا، بادشاہِ سرقسطہ سے اِس زمانہ میں باغی ہوگیا تھا، ابنِ عمار نے موتمن سے کہا کہ وہ اِس باغی قلعہ دار کو موتمن کا مطیع کردیگا، چنانچہ تھوڑی سی فوج لیکر وہ اُس باغی کے قلعے کی طرف گیا، قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا، جب ابن عمار پہاڑ کے نیچے پہنچا، تو قلعہ دار سے کہلا بھیجا کہ صرف دو ملازموں کی ہمراہی میں وہ ملاقات کرنی چاہتا ہے قلعہ دار کو شبہ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا، اُس نے اجازت دیدی، ابنِ عمار نے اپنے دو ملازموں جابر اور ہادی کو یہ ہدایت کی کہ "جس وقت دیکھو کہ میں قلعہ دار سے مصافحہ کرتا ہوں، تو تم فوراً اُس کے سینے میں تلوار اُتار دینا۔" غرض ملاقات ہوئی اور قلعہ دار قتل ہوگیا، قلعہ کے سپاہیوں کو امان دی گئی، موتمن بادشاہِ سرقسطہ ابن عمار کی اِس عمدہ خدمت سے بہت خوش ہوا۔

اب ابن عمار کو اپنی بیچین اور بیقرار طبیعت کی تسکین کے لیے ایک دوسرا موقع ہاتھ آیا تدبیر یہ سوچی کہ شقورہ کا قلعہ موتمن کے لیے فتح کرلیا جائے، یہ قلعہ ایک ایسے اُونچے پہاڑ کی چوٹی پر تھا جس کے اوپر پہنچنا سخت دشوار تھا، یہ قلعہ علی اقبال الدولہ صاحب دانیہ کے مقبوضات سے تھا، مقتدر صاحب سرقسطہ نے جب علی اقبال الدولہ کے علاقوں کو فتح

کیا تھا، تو یہ قلعہ بدستور خود مختار اور غیر مفتوح رہا تھا، اور علی کا ایک فرزند سراج الدولہ کچھ عرصہ سے وہاں حکومت کرتا تھا، مگر حال میں اُس کا انتقال ہو گیا تھا، اور بنی سہل نے جو سراج الدولہ کے بچوں کے ولی تھے، یہ چاہا کہ قلعہ شقورہ کو قریب کے ایک رئیس کے ہاتھ فروخت کر ڈالیں۔

ابن عمار نے موتمن سے کہا کہ جیسے پہلے ایک قلعہ آپ کے لیے فتح کیا ہے، یہ دوسرا بھی فتح کر لیا جائیگا، چنانچہ اسی قصد سے ابن عمار کچھ سوار لے کر شقورہ کی طرف بڑھا، شقورہ پہنچکر بنی سہل سے ملاقات کی درخواست کی، بنی سہل نے درخواست منظور کی، لیکن بنی سہل ابن عمار کی طرف سے ہوشیار تھے، وجہ یہ تھی کہ جب ابن عمار مرسیہ میں حکومت کرتا تھا تو بنی سہل اُس سے کسی بات پر ناراض ہو گئے تھے، اب بجائے اِس کے کہ بنی سہل ابن عمار سے دھوکا کھاتے، بنی سہل نے ابن عمار کو دھوکا دیا۔

قلعہ شقورہ تک پہنچنے کا راستہ ایسی سیدھی اور اونچی چٹانوں پر تھا کہ کہیں کہیں ہاتھوں کے سہارے سے اوپر چڑھنا ہوتا تھا، جب ایسے ہی ایک مقام پر ابن عمار مع اپنے ملازموں جابر اور ہادی کے جو ہر معرکے میں اُس کے ساتھ رہتے تھے، پہنچا، تو ابن عمار نے سب سے پہلے اوپر چڑھنا شروع کیا، لیکن جونہی اوپر پہنچکر ہموار زمین پر قدم رکھا، قلعے کے سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر لیا، اور دونوں ملازموں سے جو نیچے تھے، کہا کہ "جان کی خیر چاہتے ہو، تو بھاگو، ورنہ ہم ابھی تیروں سے تمہارا کام تمام کیے دیتے ہیں"۔

اِس بات کے دوبارہ کہنے کی ضرورت نہ تھی، جابر اور ہادی پہاڑ سے بالکل نیچے اُتر گئے، اور سرقسطہ کے سوار جو ساتھ آئے تھے، اُن کو اطلاع دی کہ بنی سہل نے ابن عمار کو گرفتار کر لیا ہے، سواروں نے دیکھا کہ ابن عمار کو چھڑانا کسی طرح ممکن نہیں، اِس لیے وہ سرقسطہ واپس چلے گئے۔

بنی سہل نے ابن عمار کو قید خانے میں ڈال دیا، اور نیت یہ کی کہ جو سب سے زیادہ قیمت دے گا، اُسی کے ہاتھ یہ مال بیچا جائے گا،

سب سے بڑا خریدار معتمد ثابت ہوا، جس نے قلعہ شقورہ کے ساتھ ابن عمار کو بھی

خرید لیا، اور اپنے بیٹے راضی کو حکم دیا کہ ابنِ عمار قیدی کو قرطبہ میں حفاظت کے ساتھ حاضر کرے۔

اب وزیر ابنِ عمار اس صورت سے قرطبہ میں داخل ہوا کہ پاؤں میں بیڑیاں تھیں، اور ایک خچر پر، جس کے دونوں طرف بھوسے کے بورے لدے ہوئے تھے بوروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا؛ جس وقت معتمد کے سامنے پیش ہوا، تو معتمد نے سخت لعنت و ملامت کی، اور جو ہجو ابنِ عمار نے لکھی تھی، اُس کی نقل دکھا کر کہا کہ "اپنا خط پہچانتے ہو؟" ابنِ عمار بیڑیوں کے بوجھ سے سیدھا نہ کھڑا ہو سکتا تھا، اسی حال میں نظریں نیچی کیے کھڑا رہا، لیکن جب معتمد برا بھلا کہہ چکے تو ابنِ عمار نے کہا "میرے آقا! جو کچھ آپ نے فرمایا، اُس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے آپ کے کسی لفظ کی تردید سے مجھے کیا حاصل ہو سکتا ہے؛ جبکہ ہر ایک بیجان چیز بھی گواہی دینے کو موجود ہے کہ جو کچھ حضور نے کہا، وہ سب سچ کہا، مجھ سے خطا ہوئی، میں نے آپ کی بے ادبی کی، لیکن اب معاف کر دیجئے۔" معتمد نے جواب دیا کہ "جو کچھ تم نے کیا، وہ معافی کے قابل نہیں۔"

معتمد کی ملکہ اور بیٹیوں نے بھی، جن کی نسبت ہجو میں ابنِ عمار نے بہت بری باتیں لکھی تھیں، اِس ہجو گو کو بہت سخت و سست کہہ کر اپنے دل کا بخار نکالا۔

قرطبہ سے ابنِ عمار اشبیلیہ بھیج دیا گیا، وہاں شہر کے لوگوں نے اُس کی اور بھی بے عزتی کی، بہر کیف اُس کی قید کا زمانہ بڑھتا رہا، اِس سے کچھ توقع ہوتی تھی کہ شاید رہا کر دیا جائے۔

اِس کے علاوہ چند مقتدر اور ممتاز لوگوں نے جن میں شہزادہ رشید بھی شامل تھا زبانی یا تحریر کے ذریعے ابنِ عمار کی سفارش کی تھی۔

اِن مربیوں کی تعریف میں ابنِ عمار اشعار لکھ لکھ کر اُن کو آمادہ کرتا تھا کہ اُس کے مقدمے میں کوشش کرتے رہیں، معتمد کو بھی بے شمار درخواستیں اور عرضیاں لکھتا رہتا تھا یہاں تک کہ معتمد تنگ آ گئے، اور اُنہوں نے حکم دیا کہ لکھنے کی کوئی چیز قیدی کو نہ دی جائے

لیکن ابن عمار نے بہت ہی منت و لجاجت سے کہا کہ "ایک بار اور کاغذ، قلم، اور دوات ملنے کا حکم دیا جائے۔" جب یہ درخواست منظور ہوئی تو ابن عمار نے ایک نظم لکھی، اور قید خانہ کے محافظ سے کہا کہ "رات کو جب بادشاہ سلامت ضیافت میں تشریف رکھتے ہوں تو یہ نظم اُس وقت پیش کر دی جائے" جب سب مہمان رخصت ہو لیے تو معتمد نے وہ نظم پڑھی، دل پر اثر ہوا، اور ابن عمار کو سامنے آنے کا حکم دیا، ابن عمار جب حاضر ہوا، تو معتمد نے پھر اُس کی نا احسانمندی پر اُسے فضیحت کی، ابن عمار اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی، منہ سے کوئی جواب نہ نکلتا تھا، جب ذرا دم ٹھیرا تو اِس قدر پُر درد اور فصیح تقریر میں وہ زمانہ بیان کیا، جس میں دونوں ساتھ خوش و خرم رہا کرتے تھے، کہ معتمد بے حد متاثر ہوئے، معلوم ہوتا تھا کہ دل کچھ نرم ہوا ہے، بلکہ آدھا رام ہو گیا ہے، چند باتیں ابن عمار کی تسکین کی کیں، لیکن باضابطہ معافی نہ دی، بدقسمتی یہ ہوئی، اور بدقسمتیوں میں سب سے بڑی بدقسمتی وہ ہے جو امید کی سحر ہوتے ہی مطلع روشن کو پھر سیاہ کر دے کہ ابن عمار نے معتمد کے خیالات کا اندازہ غلط کیا تھا، غصے اور رحم کی جو کیفیتیں یکے بعد دیگرے دیکھی تھیں اُن کو غلط معنی پہنا دیے۔

اِس میں شک نہیں کہ معتمد کو اپنے وزیر سے کسی قدر پہلی سی محبت محسوس ہوئی تھی لیکن کسی خطاکار کے حال پر افسوس کرنے، اور اُس کی خطا کو معاف کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے، اِس نکتے تک ابن عمار نہ پہنچ سکا۔ وہ معتمد سے رخصت ہو کر جب واپس قید خانے میں آیا تو وزارت پر پھر بحالی کا تصور بندھا، اور اِس تصور میں ایسا خوش ہوا کہ شہزادہ رشید کو خط لکھ مارا، اور اُس میں بادشاہ سے جو گفتگو ہوئی تھی اُس سے اپنے حق میں اچھا نتیجہ نکالا۔ (۶۸۸)

جب یہ خط رشید کے پاس پہنچا تو وہ تنہا نہ تھے، خط پڑھنے لگے تو اُن کے وزیر عیسیٰ نے ایک اُچٹتی سی نظر خط پر ڈالی، اور اتنا سمجھ میں آگیا کہ خط کا مضمون کیا ہے، وزیر عیسیٰ نے یا تو اِس وجہ سے کہ ابن عمار کو وہ اچھا نہ جانتا تھا، یا اِس سبب سے کہ زیادہ باتیں کرنے کی عادت تھی، خط کا مضمون طشت از بام کر دیا، یہاں تک کہ اُس کی خبر

ابو بکر ابنِ زیدون تک پہنچی، اور خبر بھی بہت کچھ مبالغے اور رنگ آمیزیوں کے ساتھ پہنچی جن کی تفصیل کا علم ہمیں نہیں ہو سکا، لیکن اِس میں شبہ نہ کرنا چاہیئے کہ اس خبر میں بہت سی نامعقول اور بیہودہ باتیں اضافہ کردی گئی تھیں، کیونکہ ایک عربی مورخ لکھتا ہے کہ "اسمیں ایسی قبیح باتیں بڑھادیں کہ اُن کی نقل سے مَیں اپنی کتاب کو محفوظ و پاک رکھنا چاہتا ہوں"

ابنِ زیدون نے رات پریشانی میں گذاری، کیونکہ ابنِ عمار کی بحالی سے اندیشہ تھا کہ خود تباہ ہوجائیگا، اور ممکن ہے کہ جان سے بھی مارا جائے، دوسرے دن بھی اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے، بہرکیف وہ دارالامارت میں حاضر ہونے کی بجائے اپنے گھر میں بیٹھا رہا، جب وہ آیا تو معتمد نے اُس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، اُس نے عرض کیا "غیر حاضری کی وجہ یہ ہوئی کہ اب حضور کی نظرِ مہر مجھ پر نہیں رہی" اِس کے بعد بیان کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ گفتگو ابنِ عمار سے کی تھی، وہ تمام اہلِ دربار کو معلوم ہوگئی ہے، اور وزارت پر ابنِ عمار کی واپسی بالکل عنقریب سمجھی جارہی ہے، چنانچہ ابنِ عمار کے دوست ابنِ سلیم حاکم شہر نے اپنے مکان میں چند کمرے بڑی شان سے آراستہ کیے ہیں، تاکہ جب تک ابنِ عمار کے مکانات واگذاشت ہوں، وہ ابنِ سلیم کے پاس قیام کرے۔

اِن باتوں کے ساتھ ابنِ زیدون نے ایک بیہودہ بات بھی جو مشہور ہوگئی تھی بیان کردینے سے پرہیز نہ کیا۔

اِس وقت معتمد کا مارے غصے کے بُرا حال ہوا، معتمد اور ابنِ عمار میں جو باتیں ہوئی تھیں، اگر دشمن اُن میں شگوفہ کاری نہ بھی کرتے، تب بھی معتمد کو اس بات پر غصہ آتا کہ مہربانی کے چند الفاظ کو ابنِ عمار نے رہائی اور بحالی کا وعدہ کس طرح سمجھ لیا، غرض فوراً ایک خواجہ سرا سے کہا "جاؤ، ابنِ عمار سے دریافت کرو کہ کل شام کو مجھ میں اور اُس میں جو باتیں ہوئی تھیں وہ دوسروں پر کیوں ظاہر کی گئیں"۔ خواجہ سرا جلد جواب لایا اور کہا کہ "ابنِ عمار انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے کسی سے اُن باتوں کا ذکر نہیں کیا"۔ معتمد نے کہا کہ "ممکن ہے زبان سے نہ کہا ہو، بلکہ لکھ کر بھیجا ہو،

میں نے اُس کو کاغذ کے دو ورق دیے تھے، ایک پر اُس نے نظم لکھی جو مجھے بھیجی، دوسرا ورق اُس نے کیا کیا؟ جاؤ اُس سے دریافت کرو۔"

(۶۸۹) خواجہ سرا جواب لے کر پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "ابنِ عمار کا بیان ہے کہ دوسرے ورق پر اُس نے نظم کا مسودہ کیا تھا۔" معتمد نے کہا "اگر یہی بات ہے تو وہ مسودہ اُس سے مانگ لاؤ۔"

اب ابنِ عمار میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ سچ بات بتانے سے انکار کرتا، لہٰذا صاف کہدیا کہ "اُس ورق پر شہزادہ رشید کو خط لکھا تھا" اور نہایت ندامت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ "بادشاہ کے وعدے سے شہزادے کو میں نے اطلاع دی تھی۔"

اقبالِ جرم پر معتمد کا خون جوش کھا گیا، باپ کی بے درد طبیعت جو درندے کی طرح اپنے شکار کو پھاڑ کھاتی تھی، معاً بیٹے میں حلول کر آئی، ایک تبر قریب رکھا تھا، جو بادشاہِ لیون ادفونش نے اُسے تحفہ میں دیا تھا، وہ تبر اُٹھا کر ابنِ عمار جہاں قید تھا وہاں دوڑا ہوا گیا۔

ابنِ عمار معتمد کی سُرخ آنکھیں دیکھتے ہی لرزنے لگا، اور سمجھ گیا کہ موت کا وقت قریب ہے، بیڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے بڑھا، اور قدموں میں گر کر پاؤں چومنے لگا، لیکن معتمد کے دل میں اب رحم نہ تھا، تبر مارنے شروع کیے، یہانتک کہ ابنِ عمار کا خاتمہ ہوگیا۔

ابنِ عمار کا خاتمہ نہایت غمناک صورت میں پیش آیا، تمام اسپین عربیہ میں اُس کا بیحد اثر ہوا، لیکن اثر زیادہ دن نہ رہا، کیونکہ طلیطلہ میں عجیب واقعات پیش آرہے تھے، اور قشتالیہ کے عیسائی لشکر نے مسلمانوں کے مقبوضات پر یورشیں کر کے لوگوں کے خیالات دوسری طرف متوجہ کردیے تھے۔

اسناد:-

ابن الابار ص ۱۸۶ تا ۱۸۹

عباد ج ۲ ص ۳۶، ۸۶ تا ۸۷، ۹۱ تا ۹۴، ۱۰۳ تا ۱۱۹

ابن بسام ج ۲ (ابنِ عمار پر مضمون)

عبد الواحد ص ۸۵ تا ۹۰

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

بارھویں فصل

اوفونش ششم

جنگ زلاقہ

(۶۹۰) اوفونش ششم نے جو صوبجات لیون، قشتالیہ، جلیقیہ، اور نبرہ کا بادشاہ ہوگیا تھا، مصمم قصد کرلیا کہ تمام جزیرہ نمائے اسپین کو مسلمانوں سے فتح کرلے گا، یہ بھی نہ تھا کہ اس قصد کو عمل میں لانے کی قوت نہ رکھتا ہو، مگر اس کام میں عجلت کرنی اُسے منظور نہ تھی سمجھے بیٹھا تھا کہ جب چاہے گا مسلمانوں سے ملک خالی کرالے گا، وہ اس زمانہ میں سامانِ حرب بڑی مستعدی سے فراہم کرتا رہا، اور فی الواقع یہی سامان اُس کو اپنی مراد تک پہنچا سکتا تھا، اُموی سلطنتِ اسلامیہ کی بربادی پر جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں مسلمانوں نے قائم کی تھیں، اوفونش اُن پر سخت دباؤ ڈالتا تھا، اور اُن کی دولت اتنی نچوڑتا تھا کہ اُن کے خزانے خالی ہوئے چلے جاتے تھے۔

مسلمانوں کی ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں، جو اوفونش کو خراج دینے لگی تھیں

غالباً سب سے کمزور ریاست بادشاہِ طلیطلہ یحییٰ القادر ذوالنونی کی تھی، یحییٰ القادر ناز و نعمت کے پلے ہوئے، خواجہ سراؤں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے، قرب وجوار کے والیانِ ریاست اُن کا مذاق اُڑانے کے علاوہ دولت بھی اُن سے چھینا کرتے تھے، اور ظاہر ایسا ہوتا تھا کہ صرف ادفونش ہی اُن کا محافظ و مددگار ہے۔

غرض جب رعایا قابو سے باہر ہوئی، جو حکومت سے بیزار تھی تو یحییٰ القادر کو ادفونش سے مدد مانگنی پڑی، ادفونش نے فوج دینے کا اِس شرط سے وعدہ کیا کہ بہت بڑی رقم روپیہ کی اس خدمت کے معاوضہ میں ادا کی جائے۔

یحییٰ القادر نے رؤسائے شہر کو بُلایا، اور اُن سے رقم طلب کی، رئیسوں نے روپیہ دینے سے انکار کیا، یحییٰ القادر نے کہا کہ "اگر تم نے یہ روپیہ فوراً فراہم نہ کیا، تو میں تمہاری اولاد کو ادفونش کے حوالے کردوں گا۔" رئیسوں نے جواب دیا "جب تک تو ہم تم کو یہاں سے نکال باہر کریں گے"۔

چنانچہ اہلِ طلیطلہ نے یحییٰ القادر کی اطاعت چھوڑ کر بطلیوس کے بادشاہ عمر المتوکل کی اطاعت قبول کرلی، یحییٰ القادر رات کے وقت طلیطلہ سے فرار ہوئے، اور اب اُنھوں نے ادفونش سے امداد کی درخواست کی۔

ادفونش کو اُس کی عیسائی رعایا اب بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ کہنے لگی تھی، غرض شہنشاہ ادفونش نے یحییٰ القادر کو جواب دیا کہ "میں طلیطلہ کا محاصرہ کرونگا، اور اُس پر قبضہ کرکے پھر تمہیں تخت پر بٹھا دونگا، لیکن شرط یہ ہے کہ جس قدر زر و جواہر اپنے ساتھ لے گئے ہو وہ مجھے دیدو، اور روپیہ کی اَور رقمیں آئندہ ادا کرنے کی ضمانت میں چند قلعے بھی ہمیں تفویض کردو"۔

یحییٰ القادر نے یہ سب شرطیں قبول کرلیں، اور ۴۷۳ھ ۱۰۸۰ء میں طلیطلہ سے لڑائی کا سلسلہ چھڑ گیا۔

اس لڑائی کو جاری ہوئے دو برس ہوئے تھے کہ ادفونش نے سالانہ خراج وصول کرنے کے لیے ایک سفارت حسبِ معمول معتمد بادشاہِ اشبیلیہ کے پاس بھیجی، اِس

۱۷

سفارت کے ساتھ کچھ سوار بھی تھے، اور ایک یہودی تھا، جس کا نام ابنِ شالیب تھا،
اُسے خراج وصول کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، اس زمانہ میں اسلامی اور عیسوی ریاستوں (۶۹/۱)
میں گفتگو اکثر یہودیوں کے ذریعے سے ہوا کرتی تھی۔

ادفونش کے سفیروں نے اشبیلیہ کے باہر جب اپنے خیمے نصب کیے تو معتمد کے چند معزز لوگ بماتحتی وزیر ابوبکر بن زیدون خراج کا روپیہ لیے ہوئے سفیروں کے پاس گئے، روپے جو ساتھ لائے تھے، اُن میں کچھ ایسے تھے جو کھرے نہ تھے، وجہ اُس کی یہ تھی کہ رعایا پر اس خراج کے لیے زیادہ محصول لگانے پر بھی خراج کی رقم پوری نہ ہو سکی تھی، یہودی نے کھوٹے سکّے دیکھ کر کہا "میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ جعلی سکّے قبول کروں اِس سال تو خالص سونا لیا جائیگا، اور دوسرے سال تمہارے شہروں پر قبضہ کیا جائیگا۔"

جب یہودی کی اس گفتگو کی اطلاع معتمد کو کی گئی، تو وہ غصے سے لال ہوگئے، اور فرمایا کہ "اِس یہودی اور اس کے ساتھ والوں کو میرے پاس پکڑ لاؤ"۔ اِس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ جس وقت ادفونش کے سفیر معتمد کے سامنے حاضر کیے گئے، تو اُنمیں جو عیسائی تھے اُن کو تو قید خانے بھیجنے کا حکم ہوا، اور یہودی کی نسبت یہ حکم ہوا کہ "اِس کو فوراً صلیب پر چڑھا دیا جائے"۔

یہودی جو پہلے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا تھا، اب سر سے پاؤں تک کانپنے لگا اور رو رو کر کہنے لگا کہ "امیر، مجھ پر رحم کر، میں اپنے وزن کے برابر تجھے سونا دوں گا" معتمد نے جواب دیا "خدا کی قسم، اگر تو مجھے تمام ملک اسپین اور ملکِ مغرب کو بھی فدیے میں دے تو قبول نہ کروں"۔ غرض یہودی صلیب پر چڑھا دیا گیا۔[۵۱]

جب ادفونش کو معلوم ہوا کہ اُس کے سفیروں کی کیا گت بنی، تو اُس نے تالوتِ مقدس

---

[۵۱] دربار معتمد کے مشہور شاعر ابن اللبانہ نے قصہ اسی طرح بیان کیا ہے، علامہ مقری نے روضۃ المطار سے اِس قصہ کو دوسری طرح بیان کیا ہے، روضۃ المطار ایشیائی روایات کا مجموعہ بہت بعد کے زمانہ کا معلوم ہوتا ہے۔

اور اولیائے مسیحی کی قسم کھائی کہ "معتمد سے اِس کا بدلہ ایسا لونگا جسے بدلہ کہتے ہیں، میں اُس بے دین کی ریاست کو ایسے لڑنے والوں کے ذریعہ سے غارت اور تباہ کر دونگا جن کی تعداد میرے سر کے بالوں کے برابر ہوگی، اور اُس وقت تک دم نہ لونگا جب تک آبنائے جبلِ طارق تک نہ پہنچ جاؤں گا"۔

لیکن اذفونش اپنی سفارت کے اُن معزز لوگوں کو جو اسوقت اشبیلیہ کے محبس میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے، اِس حالتِ زار میں کیسے چھوڑ دیتا، لاچار معتمد کے پاس درخواست بھیجی، اور دریافت کیا کہ کن شرائط پر آپ اِن عیسائیوں کو قید سے رہا کر سکتے ہیں معتمد نے جواب دیا کہ "المدور[۵] کا شہر جس پر تم نے قبضہ کر رکھا ہے واپس کرو"۔

اذفونش نے المدور پر سے اپنا قبضہ اُٹھا کر شہر معتمد کو واپس کر دیا، معتمد نے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

یہ عیسائی، لیون پہنچے ہی تھے کہ اذفونش نے معتمد کی سلطنت کو غارت کرنے کی جو قسم کھائی تھی، اُس پر عملدرآمد شروع کر دیا، شرف اشبیلیہ کے گاؤں اور قصبات کو جلانے اور غارت کرنے لگا، اور مسلمانوں کو جو وہاں سے نکلکر کسی قلعے میں نہ چھپ سکے تھے، یا تو قتل کر دیا، یا قید کر کے غلام بنایا، شہر اشبیلیہ کا تین دن تک محاصرہ جاری رکھا، مدینہ شذونہ کے علاقے کو خوب لُوٹا، جس وقت بڑھتے بڑھتے طریف کے مقام پر پہنچا، تو اپنا گھوڑا سمندر میں ڈالدیا، اور کہا "دیکھو میں اسپین کی انتہا تک پہنچ گیا"۔

(۶۹۲) اذفونش نے اِس طرح اپنی قسم پوری کر کے اپنے مغرور دل کو تسکین دی، اور اب لشکر کو پلٹا کر طلیطلہ کے علاقے میں یحیٰی القادر کی طرف سے لڑنے کے لیے پہنچا۔

یہاں بھی اُسے فتح ہوئی، عمر المتوکل بطلیوس کا بادشاہ، جس کی اطاعت طلیطلہ کے لوگوں نے قبول کر لی تھی طلیطلہ کے علاقے کو چھوڑ کر چلا گیا، اور شہر کے باشندوں نے

---

[۵] اوبیدو کے پیلاگیوس (سی ۱۱) نے المدور کو اُن شہروں میں شمار کیا ہے، جن پر اذفونش نے قبضہ کر لیا تھا۔

بہ اکراہ شہر کے دروازے یحییٰ القادر کے لیے کھول دیے (۴۷۸ھ/۱۰۸۴ء)

یحییٰ نے آتے ہی اہلِ طلیطلہ پر ایک بڑا بھاری محصول لگایا، اور جو رقم وصول ہوئی وہ ادفونش کی نذر کردی، ادفونش نے کہا کہ رقم کافی نہیں ہے، القادر نے مہلت چاہی، ادفونش نے مہلت اس شرط سے منظور کی کہ ان قلعوں کے علاوہ جو یحییٰ پہلے تفویض کرچکا تھا، چند اور قلعے اس رقم کی ضمانت میں اُس کے حوالے کیے جائیں، القادر کو سوائے منظور کرنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

یحییٰ القادر نے جو ریاست بزرگوں سے پائی تھی، اب وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ہاتھ سے نکل رہی تھی، دولت ختم ہوچکی تھی، اور یہ علم بھی تھا کہ ادفونش کی تلوار سر پر چمک رہی ہے، اگر ذرا بھی کسی بات سے انکار کیا، تو سر کے سر پر آنے میں دیر نہ ہوگی۔

غرض القادر مجبور و معذور ادفونش کو بار بار روپیہ اور قلعوں پر قلعے نذر کرتا رہا، ادفونش کا پیٹ بھرنے کے لیے اُسے اپنی رعایا پر ظلم کرنے پڑے، یہاں تک کہ رہنے والوں سے ریاست خالی ہوگئی، کیونکہ جب طلیطلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ حالت انتہا درجہ خراب ہوگئی ہے، تو وہ طلیطلہ کے علاقے کو چھوڑ، سرقسطہ کے علاقے میں جاکر آباد ہوگئے،

القادر کی تمام کوششیں بیکار تھیں، وہ جس قدر روپیہ رعایا سے وصول کرکے ادفونش کو دیتا تھا، اُتنی ہی ادفونش کی بھوک اور بڑھتی تھی، جب القادر نے قسمیں کھا کر کہا کہ "اب میرے پاس ایک حبّہ بھی دینے کو نہیں ہے" تو ادفونش نے مضافاتِ طلیطلہ کو لوٹنا شروع کیا۔[۱]

کچھ دنوں تک اور یحییٰ القادر گرتے ہوئے تختِ حکومت کو اس طرح لپٹے رہے جیسے ڈوبتا ہوا آدمی ٹوٹی ہوئی ناؤ کے تختے کو لپٹا رہتا ہے، لیکن آخر کار اتنی گرفت بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی، ادفونش پہلے ہی تاک لگائے بیٹھا تھا، یحییٰ القادر نے مجبور ہوکر

---

[۱] یہ وہی ادفونش ہے جس نے معتمد، ابنِ رشیق اور ابنِ عمار کو قزاق کہا تھا، ملاحظہ ہو حاشیہ کا صفحہ ۶۸۵ (مترجم اردو)

طلیطلہ کا علاقہ ادفونش کے سپرد کرنا چاہا، مگر چند شرطوں کے ساتھ، اور وہ شرطیں یہ تھیں کہ

۱- ادفونش اہلِ طلیطلہ کی جان اور مال کو محفوظ رکھے۔

۲- اگر طلیطلہ کے لوگ علاقہ چھوڑنا چاہیں تو انہیں منع نہ کیا جائے۔

۳- باشندگانِ شہر پر محصول صرف ایک لگایا جائے۔

۴- جامع مسجد پر مسلمانوں کا قبضہ رہے۔

۵- یحییٰ القادر کو بلنسیہ کی حکومت دی جائے۔

ادفونش نے یہ شرطیں منظور کرلیں، اور ۲۵ مئی ۱۰۸۵ء (۲۷ محرم ۴۷۸ھ) کو یہ عیسائی بادشاہ طلیطلہ کے شہر میں جو قوم قسیقوط کا قدیم دارالسلطنت تھا بطور بادشاہ اور فرمانروا کے داخل ہوا۔

اب ایک طرف تو ادفونش کے غرور اور تکبر کی انتہا نہ تھی، اور دوسری طرف ذلت و غلامی، اور خوشامد حد سے گذری ہوئی تھی، چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مسلمان رئیسوں نے ادفونش کے پاس اپنے ایلچی مبارکباد کہنے بھیجے، بڑی بڑی نذریں گذرانیں اور عرضے ارسال کیے کہ ہم تو آپ کے محصول جمع کرنے والے ہیں۔

ادفونش نے "حامی دینِ مسیح واسلام" کا لقب اختیار کیا، لیکن مسلمانوں کو ذلیل اور حقیر سمجھنے میں کوتاہی نہ کی، قصہ مشہور ہے کہ حسام الدولہ والی شنت مریہ بنو رزین جب ادفونش کے دربار میں ایک بھاری نذر پیش کرنے خود آیا تو ادفونش اُس وقت ایک بندر سے کھیل رہا تھا، حسام الدولہ نے جب نذر پیش کی تو ادفونش بہت ہی نفرت و حقارت سے کہنے لگا کہ "اپنی نذر کے بدلہ میں میری طرف سے یہ بندر لے جاؤ" حسام الدولہ نے بجائے غصہ ظاہر کرنے کے اُس بندر کو ادفونش سے دوستی قائم رکھنے کا ایک وثیقہ سمجھا، اور خیال کیا کہ اب اُس کی ریاست کو دشمنوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔[۱]

(۶۹۳)

---

[۱] غالباً یہ قصہ پادری مورخوں کے قلم کا ہے، لیکن کچھ عجب نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ ملاحظہ کیجیے مسلمانوں کی خاطر و مدارات، جو ادفونش کے بزرگوں کے ساتھ ناصر و مستنصر نے کی تھی، جن کی امداد (باقی برصفحہ آئندہ)

ادفونش کی حکومت میں طلیطلہ کے الحاق کے بعد اب بلنسیہ کے شامل ہونے کی نوبت آئی، بلنسیہ میں ابن عبدالعزیز کے دو بیٹوں میں حکومت پر نزاع برپا تھا، ہر ایک ایک ایک فریق تھا، ان کے علاوہ ایک تیسرا فریق ایسا تھا جو بلنسیہ کی حکومت کو مسلمان بادشاہِ سرقسطہ کے سپرد کرنا چاہتا تھا، ایک چوتھا فریق بھی تھا، اُس کی خواہش یہ تھی کہ یحییٰ القادر ذوالنونی، جس نے طلیطلہ کو ادفونش کے حوالے کیا ہے بلنسیہ کا بادشاہ بنے یہ چوتھا فریق جو یحییٰ القادر کا طرفدار تھا کامیاب ہوگیا۔

القادر کے بادشاہ ہونے پر کون معترض ہوسکتا تھا، کیونکہ ادفونش کا لشکر ایک مشہور عیسائی سپہ سالار اَلوَر فانیز کی سرکردگی میں یحییٰ القادر کی مدد کے لیے موقع پر موجود تھا، اہلِ بلنسیہ کو جو اَب القادر کی رعیت ہوگئے تھے، اِس لشکر کے مصارف کے لیے چھ ہزار اشرفیاں روزانہ ادا کرنی پڑتی تھیں، یحییٰ القادر نے بہت کہا کہ "عیسائی لشکر کی اب ضرورت نہیں ہے، ہم سب آپ کی خیرخواہ رعایا ہیں"۔ مگر ادفونش نے ایک نہ سُنی، وہ ایسا بیوقوف نہ تھا کہ یحییٰ القادر کی بات کا یقین کرلیتا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ رعایا فی الحقیقت اُس سے سخت نفرت کرتی ہے، اور بلنسیہ کی حکومت کے جو لوگ مدعی ہیں، وہ ابھی تک امید رکھتے ہیں کہ ایک دن کامیاب ہوجائیں گے، غرض ادفونش نے اپنی قشتالی فوج کو بلنسیہ ہی میں متعین رکھا۔

یحییٰ القادر نے اِس لشکر کے مصارف ادا کرنے کے لیے ایک خاص محصول شہر اور تمام علاقہ بلنسیہ پر لگا دیا، اور بلنسیہ کے رئیسوں[۱] سے بڑی بڑی رقمیں جبراً وصول کیں باوجود اِس زور و زبردستی کے لشکر کے اخراجات کے لیے بقایا رقم القادر کے ذمے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حاصل کرنے کیلئے عیسائی بادشاہ دربارِ خلافت میں حاضر ہوتے تھے، اب یہ حالت ہے کہ ایک بندر نذر کے عوض میں ہر ایک مسلمان سمجھتا ہے کہ عیسائی سے دوستی پکی ہوگئی، لیکن جیسے بندر کی دوستی کا اعتبار نہیں، اسیطرح نذر کے معاوضہ میں بندر کا ملنا دوستی کی ضمانت نہ ہوسکا، جیسا کہ آگے ثابت ہوا۔ (مترجم اُردو)

[۱] ان میں ابن عبدالعزیز کے بیٹے بھی تھے۔ کتاب تحقیقات (۱۸۸۱ء) جلد ۲ ص ۱۲۱

برابر نکلتی رہی، سپہ سالار البورفانیز نے تقاضے شروع کیے، اور یحییٰ القادر کی حالت اب ایسی زبوں ہوئی کہ اُس کے پاس ایک حبّہ نہ رہا، اُس نے مجبور ہو کر قشتالیہ کے لشکر والوں سے کہا کہ "بلنسیہ کے علاقے میں جاگیریں لیلو اور یہیں آباد ہو جاؤ، جاگیریں دینے کو میں تیار ہوں"۔

لشکریوں نے یہ بات منظور کرلی، لیکن جاگیریں لیکر اُنھوں نے زمین کی کاشت تو غلاموں کے سپرد کی، اور خود قرب وجوار کے ملک کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

اِن لشکر والوں کی تعداد ایسے لوگوں کے شامل ہونے سے، جو عربوں میں بد ترین طبقے کے لوگ تھے، زیادہ ہوتی گئی۔

عیسائیوں اور عربوں کے علاوہ ایک بڑا گروہ غلاموں، مجرموں، اور بدمعاشوں کا بھی ساتھ ہوگیا، اِن میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے اسلام ترک کرکے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا، اور اب وہ اِس مسیحی قشتالی لشکر کے علَم کے سائے میں آکر (لشکر والوں کی طرح) ظلم وجفاکاری میں شہرہ آفاق ہوگئے، مَردوں کو قتل اور عورتوں کو بے عزت کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا سلوک یہ تھا کہ شراب کے ایک مٹکے، یا ایک روٹی، یا آدھ سیر گوشت کے عوض میں ایک گرفتار شدہ مسلمان کو فروخت کر دیتے تھے، اگر کوئی مسلمان اُن کی قید میں آکر فدیہ ادا نہیں کرنا چاہتا تھا، یا ادا نہ کرسکتا تھا، تو اُس کی زبان کاٹ ڈالتے تھے، آنکھیں نکال لیتے تھے، یا کتّوں سے اُنہیں پھڑوا ڈالتے تھے۔

اب بلنسیہ فی الواقع ادفونش کے قبضے میں تھا، یحییٰ القادر برائے نام "صاحب بلنسیہ" کہلاتا تھا، ریاست کا بہت سا حصہ قشتالی عیسائیوں کی دست برد میں تھا، بلنسیہ کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کے لیے ادفونش کی زبان کی ایک جنبش کافی تھی، سرقسطہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلتا معلوم ہوتا تھا، ادفونش نے اُس کا محاصرہ کر رکھا تھا اور قسم کھائی تھی کہ سرقسطہ کو فتح کرکے چھوڑیگا۔ (۳

سرقسطہ سے دُور اسپین کے جنوب مشرقی حصے میں ادفونش کا ایک نائب غرسیہ رُمی ریز نامی سواروں کی ایک فوج لے کر حصن الّلیط پر متصرف ہوگیا تھا، یہ قلعہ شہر لورقہ سے دُور (۶۹۴

نہ تھا، غرسیہ رمی نیز کا نائب اِس قلعہ سے المریہ کے علاقے پر لوٹنے کی غرض سے اکثر دھاوے کیا کرتا تھا۔

غرناطہ بھی ادفونش کے حملوں سے نہ بچ سکا، کیونکہ ۴۷۸ھ (۱۰۸۵ء) کی ربیع میں قشتالیہ کی فوج نے قریہ نبار تک جو غرناطہ سے مشرق میں ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا، حملے کیے تھے اور خاص نبار میں مسلمانوں سے معرکہ کیا تھا، مسلمانوں کی اب یہ حالت تھی کہ اگر خود پانچ ہوتے تھے اور قشتالی عیسائی اکیلا ہوتا تھا تو بھی لڑنے کی ہمت نہ رکھتے تھے، قشتالیہ کے اسّی عیسائیوں نے المریہ کے چار سو لڑنے والے مسلمانوں کو شکست دیدی۔

غرض یہ حالات صاف ظاہر کر رہے تھے کہ اسپین کے عرب اگر اپنے ہی بھروسے پر رہے، تو دو باتوں میں سے ایک بات ہونی ضروری ہے۔ یا تو مسلمان عیسائی بادشاہ ادفونش ششم کی رعیت بن کر رہیں، اور یا ملک سے نکل جائیں۔

چنانچہ بہت سے مسلمان ملک چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے، ایک شاعر نے اُسی زمانہ میں کہا تھا "اندلس کے مسلمانو! رحلت اختیار کرو، اب یہاں رہنا جنون ہے۔"

باوجود اِس کے مسلمانوں کا ملک سے قطعی نکل جانا نہایت مشکل کام تھا، عربوں کو بالعموم یہ قصد پسند نہ آیا، وہ سوچتے تھے کہ ابھی تک کچھ نہیں گیا ہے، افریقہ سے مدد ملنی ممکن ہے، اور اب افریقہ ہی وہ ملک تھا جس کی طرف لوگ امید کی نظروں سے دیکھنے لگے، اور سمجھنے لگے کہ اگر پناہ ملیگی تو اُسی کے ہاتھوں ملے گی، ایک تحریک یہ ہوئی کہ افریقیہ کے بدوؤں سے مدد مانگنی چاہیئے، لیکن اِس پر یہ اعتراض ہوا کہ افریقیہ کے بدوی جس قدر لڑائی میں بہادر مشہور ہیں اُسی قدر وحشی اور ظالم بھی ہیں، اور اگر وہ اسپین میں بُلائے گئے تو عیسائیوں سے لڑنے کی بجائے وہ مسلمانوں کو لوٹنے لگیں گے، اس کے بعد المرابطین کا خیال آیا کہ اُن سے مدد لی جائے، یہ افریقہ کے صحرائے اعظم کے رہنے والے بربر تھے اور شہرت کے میدان میں پہلی ہی بار اُنھوں نے قدم رکھا تھا، شہر سجلماسہ کے ایک واعظ نے حال میں اُنہیں مسلمان کیا تھا، مسلمان ہو کر ملک گیری میں اُنھوں نے بہت جلد ترقی کی، جس زمانہ تک ہم اِس تاریخ میں پہنچے ہیں، اُس وقت تک مرابطین کی سلطنت مغرب

یں دریائے سینیگال سے شروع ہوکر مشرق میں الجزائر تک پہنچ چکی تھی۔

مرابطین کو اندلس میں بُلاکر مدد لینے کا خیال خصوصیت کے ساتھ علمائے دین کو پیدا ہوا، ملوک الطوائف یعنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بادشاہوں کو اس میں مُدّت تک پس وپیش رہا، معتمد بادشاہِ اشبیلیہ، اور متوکل بادشاہ بطلیوس، بادشاہِ مرابطین یوسف بن تاشفین سے خط وکتابت رکھتے تھے، اور انہوں نے کئی بار اس حد تک ارادہ کیا تھا کہ عیسائیوں سے لڑنے کے لیے یوسف بن تاشفین سے مدد لینے کی درخواست کریں، لیکن اندلس کی اور ریاستوں کے مسلمان فرمانروا بالعموم صحرائے افریقہ کی ایک وحشی اور متعصب قوم کے بادشاہ کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ رکھتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ بجائے دوست و رفیق رہنے کے وہ ایک خطرناک دشمن اور حریف ہوجائیگا۔ لیکن عیسائیوں کی طرف سے اندیشہ اس قدر بڑھتا گیا کہ حفاظت کی صورت صرف یوسف بن تاشفین سے رجوع کرنے میں نظر آئی، کم ازکم معتمد بادشاہِ اشبیلیہ کی تو یہی رائے ہوئی، اور جب اُس کے بیٹے رشید نے وہ خطرے بتائے جو مرابطین کو اندلس میں مدعو کرنے سے ہوسکتے تھے تو معتمد نے جواب دیا "لیکن میں اپنے اخلاف سے یہ ملامت سُننی نہیں چاہتا کہ مَیں ہی وہ شخص ہوں جس نے اندلس کو چھوڑ کر اُسے کفار کا شکار بنایا، مجھے گوارا نہیں ہوگا کہ ہر مسجد کے منبر سے مجھ پر لعنت کی آواز بلند ہو، رہا اپنا ذاتی خیال، تو وہ یہ ہے کہ افریقہ میں اونٹ چرانے کی خدمت کو اس سے بہتر سمجھونگا کہ قشتالیہ میں سُور چراؤں"۔ (۶۹۵)

معتمد نے اب مصمم قصد کرکے قریب کے ملوک الطوائف میں سے عمر متوکل بادشاہِ بطلیوس، اور بادیس کے پوتے عبداللہ[۱] بادشاہِ غرناطہ کو لکھا کہ اب متحد و متفق ہوکر کام کرنے کا وقت آگیا ہے، اور اُن کا فرض ہے کہ اپنے اپنے دارالحکومت کے قاضیوں کو سفارت کے لیے نامزد کریں۔ (۳)

[۱] ۴۶۶ھ / ۱۰۷۳ء میں بادیس بادشاہِ غرناطہ کا جب انتقال ہوگیا، تو اُس کی ریاست دو پوتوں میں اسطرح تقسیم ہوئی کہ غرناطہ عبداللہ کو، اور مالقہ تمیم کو دیا گیا۔ (۹۴)

اِس درخواست کے مطابق بطلیوس کے قاضی ابوالسحاق ابن مکانا، اور غرناطہ کے قاضی ابوجعفر قلیعی نامزد ہوکر اشبیلیہ آئے، معتمد نے ابن ادہم قاضی قرطبہ، اور اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر ابن زیدون کو سفارت میں اور اضافہ کیا، اور یہ سب لوگ جزیرۃ الخضراء پہنچکر وہاں سے جہاز پر سوار ہو، یوسف بن تاشفین کے پاس افریقہ پہنچے۔

اِن سفیروں کو اپنے اپنے بادشاہ کی طرف سے اجازت تھی کہ یوسف کو مع اُس کے لشکر کے اندلس میں آنے کی دعوت دیں، لیکن اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی تھی کہ چند شرطیں بھی یوسف بن تاشفین سے کرالی جائیں، اِن شرائط کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، صرف اِتنا دریافت ہوتا ہے کہ یوسف نے قسم کھائی کہ وہ اندلس کے کسی مسلمان بادشاہ کی ریاست پر قبضہ نہ کریں گے۔

اِس شرط کے بعد یہ ضروری ہوا کہ کوئی خاص مقام اسپین کے ساحل پر مقرر کیا جائے جہاں یوسف بن تاشفین جہاز سے اُتریں، ابن زیدون نے جبل طارق کی بندرگاہ تجویز کی، لیکن یوسف نے جزیرۃ الخضراء کو ترجیح دی، اور کہا کہ یہ شہر اُن کے حوالے کردیا جائے ابن زیدون نے کہا کہ "اِس کا مجھے اختیار نہیں دیا گیا"۔

اِتنا سُن کر یوسف نے سفیروں سے سردمہری کا برتاؤ کیا، اور اُن کے سوالوں کا جواب مبہم طور پر دینے لگا۔ غرض جس وقت اہلِ سفارت یوسف سے رخصت ہوئے تو کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ "یوسف کیا ارادہ رکھتے ہیں؟ اور کیا کریں گے؟ اسپین آنے کا اُنھوں نے نہ اقرار کیا ہے نہ انکار"۔

اسپین کے ملوک الطوائف اسی پریشانی میں تھے کہ ایک واقعہ نے اس پریشانی کو رفع کردیا، مگر وہ واقعہ فی نفسہٖ ایسا تھا جو ناگوار گذرا، اور یوسف کی طرف سے جو اندیشہ ملوک الطوائف کو پہلے سے تھا، وہ اور بھی پختہ ہوگیا۔

یوسف بن تاشفین کوئی کام بغیر فقہار کے مشورے کے نہ کرتے تھے، چنانچہ اندلس جانے کے بارے میں بھی اُن لوگوں سے استصواب کیا، فقیہوں نے کہا کہ قشتالیہ کے عیسائیوں سے جنگ کرنی یوسف کا فرض ہے، اور اس کے لیے اگر جزیرۃ الخضراء تفویض نہیں کیا جاتا تو

خود اُس پر قبضہ کر لیا جائے۔

فقیہوں کے اِس فتوے پر یوسف اندلس جانے پر آمادہ ہوگئے اور حکم دیا کہ ایک بڑا لشکر بندرگاہِ سبتہ سے سو جہازوں کے بیڑے میں سوار ہو کر جزیرۃ الخضرا روانہ ہو جائے چنانچہ اِس حکم کے بعد بہت جلد جزیرۃ الخضرا کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک بڑے لشکر نے اُن کے شہر کو گھیر لیا ہے، اور لشکر والوں نے رسد حاصل کرنے، اور شہر پر قابض ہونے کے لیے ایک حشر برپا کر رکھا ہے۔

معتمد کا فرزند راضی جو اس وقت جزیرۃ الخضرا کا حاکم تھا، سخت پریشان ہوا کہ اس مشکل کو کیونکر حل کرے؛ مرابطین کے لشکر کو سامانِ رسد تو پہنچاتا رہا، لیکن جب اُنہوں نے لڑنا چاہا تو راضی بھی کلہ بکلہ جواب دینے کو مستعد ہو گیا، مگر فوراً ہی کبوتروں کی ڈاک سے ایک خط اپنے والد معتمد کو اس مضمون کا بھیجا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؛ معتمد نے یوسف بن تاشفین کی اِس حرکت کو کہ بغیر اجازت یا اطلاع کے اسپین کے ساحل پر چلے آئے، سخت اعتراض کے قابل بات سمجھا۔

(۶۹۶) بہرکیف اب معاملہ کی صورت ایسی ہوگئی تھی کہ معتمد نے بات بڑھانی نہیں چاہی اور جہاں تک امکان میں تھا، بطریقِ احسن اُسے طے کرنے کی کوشش کی، چنانچہ فوراً راضی کو لکھا کہ "جزیرۃ الخضرا خالی کر کے رندہ چلا جائے"۔

اِس اثنا میں یوسف کی مزید فوجیں سبتہ سے جہاز لے کر جزیرۃ الخضرا آئیں، اور آخر میں یوسف بن تاشفین بھی آموجود ہوئے، آتے ہی جزیرۃ الخضرا کی فصیلوں اور بُرجوں کو مستحکم کیا، لڑائی کا سامان، اور کھانے پینے کی چیزیں بکثرت شہر میں جمع کر کے ایک زبردست فوج وہاں مقیم کر دی، اور لشکر کے بڑے حصے کو ساتھ لے، یوسف اشبیلیہ روانہ ہوگئے، معتمد گھوڑے پر سوار ہو، اراکینِ دولت کو ہمراہ لیے شہر کے باہر استقبال کے لیے نکلے، جس وقت دونوں قریب آئے تو معتمد نے یوسف کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا، مگر یوسف نے بہت محبت اور اخلاق سے اُنہیں بغل گیر کیا، تحفے تحائف بھی جو ایسے موقعوں پر پیش ہوا کرتے ہیں پیش ہوئے، معتمد نے جو تحائف و ذخائر نذر میں پیش کیے تھے، وہ اتنے تھے کہ

یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کے ہر سپاہی کو اُس میں سے کچھ تقسیم کر سکے، اور اسپین کی دولت کا اندازہ اُنھوں نے ایک بڑے پیمانہ پر کیا۔

لشکر نے شہر اشبیلیہ کے قریب قیام کیا، بادیس کے دو پوتے، عبداللہ صاحب غرناطہ اور تمیم صاحب مالقہ یہاں آکر مرابطین کے ساتھ ہو گئے۔ عبداللہ کے ساتھ تین سُو، اور تمیم کے ساتھ دو سُو سوار تھے، معتصم صاحب المریہ نے سواروں کا ایک رسالہ اپنے لڑکے کی سرکردگی میں اِس معذرت کے ساتھ بھیجا کہ "حصن اللیط کے عیسائیوں نے ایسا ستا رکھا ہے کہ خود حاضر نہیں ہو سکتا۔"

آٹھ دن کے بعد امیر مرابطین یوسف کا لشکر اشبیلیہ سے اُٹھ کر بطلیوس کی طرف چلا، اب متوکل صاحبِ بطلیوس، اور اُس کی فوج یوسف کے لشکر سے آملی، اور اس طرح فوجیں مجتمع ہو کر طلیطلہ کے قصد سے آگے بڑھیں، مگر زیادہ دُور نہ گئی تھیں کہ دشمن سامنے آگیا۔

اسپین میں مرابطین کے داخلے کی خبر ادفونش نے اُس وقت سُنی جبکہ وہ سرقسطہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، یہ سمجھ کر کہ بادشاہِ سرقسطہ احمد المستعین کو مرابطین کے اندلس میں وارد ہونے کی اطلاع ابھی نہیں پہنچی ہوگی، کہلا بھجوایا کہ اگر مستعین ایک رقمِ کثیر ادا کرے تو محاصرہ اُٹھا لیا جائے گا، مگر مستعین کو پہلے ہی خبر لگ چکی تھی، اُس نے فوراً جواب دیا کہ "مَیں ایک درہم بھی نہ دُونگا"، اب ادفونش مجبور ہوا، اور سرقسطہ کا محاصرہ اُٹھا طلیطلہ کا رُخ کیا، اور اپنے سپہ سالار اَلور فانیز، اور دیگر افسرانِ فوج کو حکم بھیجا کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر طلیطلہ پر ملیں،

جس وقت ادفونش کی فوجیں یکجا ہو گئیں، جن میں بہت سے فرانس کے معزز شہسوار بھی آکر مل گئے تھے، تو ادفونش نے مسلمانوں کے مقابلہ میں خود ہی تقدیم کی، مرابطین، اور مرابطین کے اتحادیوں سے ایک مقام پر جو بطلیوس سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا، اور جس کا نام مسلمان مورخوں نے زلاقہ، اور عیسائیوں نے ساکری لیاس لکھا ہے، اُس کا مقابلہ ہو گیا

ادفونش کا لشکرگاہ ابھی پُورا درست نہ ہوا تھا کہ یوسف بن تاشفین کا خط اِس مضمون کا اُس کے نام آیا کہ "یا تو اسلام قبول کرو، یا جزیہ دو، اور اگر اِن دونوں باتوں سے

انکار ہے تو ہم تم سے لڑیں گے"۔

ادفونش اِس خط کو پڑھ کر بہت برہم ہوا، اور عرب کاتب جو لشکر میں حاضر تھے اُن سے جواب لکھوایا " چونکہ اسپین کے مسلمان بادشاہ کئی سال سے میرے باجگذار ہیں، اِس لیے میں تمہاری اِس گستاخانہ تحریر کی کچھ پروا نہیں کرتا"۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ "میرے پاس ایسا زبردست لشکر موجود ہے جو دشمنوں کے غرور کو ڈھا دیگا"۔

۶۹۷،

جس وقت ادفونش کا یہ خط دارالانشار میں پہنچا تو ایک اندلسی کاتب نے فوراً اِس کا جواب لکھا، مگر اِس جواب کی عبارت یوسف کو بہت پرتکلف معلوم ہوئی، اور اُسی خط پر اپنے قلم سے یہ سادے الفاظ لکھدیے " جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ تم خود ہی دیکھ لوگے"۔ یہ خط جواب میں ادفونش کے پاس بھیجدیا گیا۔

اُس زمانہ کا دستور تھا کہ فریقین لڑائی سے پہلے باہمی تصفیہ سے ایک دن لڑائی کا مقرر کرلیا کرتے تھے، چنانچہ جمعرات کے دن ۲۲ راکتوبر سنہ ۱۰۸۶ء (۱۲ ر رمضان سنہ ۴۸۰ھ) کو ادفونش نے مسلمانوں کو یہ پیغام بھیجا کہ " جمعہ تمہارا مبارک دن ہے، اور اتوار ہمارا، اِس لیے مناسب ہوگا کہ اتوار کے دوسرے دن لڑائی شروع کی جائے"۔

امیر یوسف نے اِس تجویز سے اتفاق کرلیا، لیکن معتمد کو شبہ ہوا کہ ادفونش نے اِس میں کوئی فریب سوچا ہے، اِس خیال سے کہ اسلامی لشکر میں اندلسیوں کی فوج سب سے آگے، اور مرابطین کی فوجیں پہاڑوں کی آڑ میں پیچھے ہیں، دشمن کے یکایک حملے کا پورا زور اندلسی فوج کو برداشت کرنا ہوگا، ایسے اچانک حملے سے بچنے کے لیے معتمد نے بہت ہی احتیاط سے کام لیا، دشمن کی نقل وحرکت سے خبردار رہنے کے لیے کچھ سواروں کو آگے روانہ کردیا، معتمد اِس وقت بہت گھبرا رہے تھے، نجومیوں سے باربار سوال کرتے تھے، وقت بہت نازک آگیا تھا، اِسی ایک لڑائی پر کل اسپین کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا، قشتالی فوجیں مسلمانوں سے تعداد میں کہیں زیادہ تھیں، مسلمانوں کے اندازے سے عیسائی لڑنے والوں کی تعداد پچاس اور ساٹھ ہزار کے درمیان تھی، اور اِن کے مقابلے میں مسلمان بیس ہزار سے زائد نہ تھے۔

جمعہ کے دن (۱۳ رمضان ۴۷۹ھ) علی الصباح معتمد کو معلوم ہوگیا کہ ادفونش کی طرف سے فریب و دغا کا جو اندیشہ تھا، وہ غلط نہ تھا، سواروں نے آکر خبر دی کہ عیسائیوں کی فوجیں مقابلے کے لیے آرہی ہیں، معتمد کی حالت اِس وقت نازک تھی، اندیشہ یہ تھا کہ مرابطین کے آنے تک کہیں اپنی فوج بالکل غارت نہ ہوجائے۔ اُس نے یوسف کو کہلا بھیجا کہ "اپنی کل فوج لے کر مدد کو آئیں، یا کم از کم ایک زبردست کمک روانہ کریں"۔

امیر یوسف کو جلدی کی کوئی وجہ نہ تھی، لڑائی کا جو نقشہ اُنھوں نے سوچا تھا اُس پر قائم تھے، اندلسی فوجوں کی اُنہیں پروا نہ تھی، بلکہ اُنھوں نے یہ کہا تھا کہ "اگر یہ سب کے سب مارے جائیں تو ہمیں پروا نہیں، کیونکہ یہ ہمارے دشمن ہیں"۔

یہ حالت دیکھ کر کہ کوئی مددگار نہیں ہے، بہت سے اندلسی میدان سے ہٹ گئے، صرف اشبیلیہ کی فوجیں معتمد کی ہمت بڑھانے سے میدان میں جم کر لڑتی رہیں، لڑائی میں اگرچہ معتمد کے چہرے اور ہاتھ پر زخم آئے، مگر وہ نہایت دلیری اور ہمت سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ امیر یوسف کے پاس سے کمک آگئی۔

اب لڑائی تعداد کے لحاظ سے اتنی بے جوڑ نہ رہی جتنی پہلے تھی، مگر اشبیلیہ کی فوجیں یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ ادفونش کی فوجیں میدان چھوڑ کر یک لخت بھاگ رہی ہیں حالانکہ امیر یوسف نے جو کمک معتمد کو بھیجی تھی وہ ایسی نہ تھی کہ مسلمانوں کو فتح کی امید ہوجاتی واقعات جو پیش آئے تھے وہ یہ تھے کہ امیر یوسف نے یہ دیکھ کر کہ ادفونش کی فوجیں مسلمانوں سے لڑنے میں مصروف ہیں، عیسائیوں کے عقب سے اُن پر حملہ کرنا چاہا، معتمد کے پاس صرف اتنی کمک بھیج کر کہ عیسائی معتمد کی فوجوں کو نیست و نابود نہ کردیں، خود چکّر کاٹ کر اپنی پوری قوت سے ادفونش کے لشکرگاہ پر حملہ آور ہوا، عیسائی سواروں کے رسالے جو لشکرگاہ کی حفاظت پر مقرر تھے، اُن میں امیر یوسف نے قتل و غارت کا بازار گرم کردیا، اور لشکرگاہ میں آگ لگا کر عقب والی عیسائی فوجوں پر ایسا زبردست ایلغار کیا کہ وہ تاب نہ لاسکیں، آگے عیسائی بھاگ رہے تھے، اور پیچھے امیر یوسف کے رسالے تھے، اب ادفونش نے دیکھا کہ دشمن نے ہر طرف سے اُسے گھیر لیا ہے، اور چونکہ اسلامی فوجیں

(۶۹۸)

جو عیسائیوں کے عقب پر حملہ کر رہی تھیں، تعداد میں اُن فوجوں سے زیادہ تھیں جو سامنے سے حملہ کرتی تھیں، اس لیے ادفونش مجبور ہوا کہ اپنے قلب کی فوجوں کو عقب کی فوجیں بچانے کے لیے کام میں لائے۔

اب بہت زور کی لڑائی ہوئی، اور ادفونش کے لشکرگاہ پر امیر یوسف نے بار بار قبضہ کیا، اور اپنی فوجوں میں للکارتے رہے "مسلمانو! ہمت سے کام لو، تمہارے سامنے خدا کے دشمن ہیں، اور جو مسلمان اس لڑائی میں شہید ہوں گے، جنت اُن کی منتظر ہے۔"

اندلسی، جو شروع میں میدان سے ہٹ گئے تھے، اب پھر یکجا ہو کر معتمد کی مدد کو آئے۔ اِدھر تو یہ ہوا اُدھر امیر یوسف نے اپنے اسودی سواروں کو جن سے ابتک کچھ کام نہیں لیا تھا، عیسائی فوجوں پر دھر لپکایا، اور اب اِن سیاہ فام افریقیوں نے عیسائیوں میں ایک تہلکۂ عظیم برپا کر دیا۔ ایک اسودی راستہ کاٹتا ہوا ادفونش تک پہنچ گیا، اور اپنے خنجر سے اُس کی ران میں زخم پہنچایا۔

جب رات ہوئی تو اِس لڑائی میں جو نہایت سخت تھی، فتح کا سہرا مسلمانوں کے سر بندھا۔ ادفونش کی فوجوں کے زیادہ تر لوگ میدانِ کارزار میں زخمی یا مُردہ پڑے تھے، باقی سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، اور ادفونش بادشاہِ قشتالیہ، لیون و جلیقیہ پانچ سواروں کے ساتھ بمشکل تمام میدان سے بھاگ سکا (۲۳ر اکتوبر ۱۰۸۶ء مطابق ۱۳ر رمضان ۴۸۰ھ ہجری)

مسلمانوں کو اِس جنگ میں اگرچہ شاندار فتح حاصل ہوئی، مگر اس سے اُن کے حق میں وہ تمام فوائد پیدا نہیں ہوئے جن کی توقع تھی۔ امیر یوسف کا ارادہ تھا کہ عیسائیوں کے ملک میں دُور تک پہنچے، لیکن یہ قصد اس وجہ سے ترک کرنا پڑا کہ اُن کے بڑے لڑکے کے مرنے کی خبر آئی جسے سبتہ میں بیمار چھوڑ آئے تھے، اِس لیے اُنہوں نے یہی کافی سمجھا کہ تین ہزار سپاہ معتمد کے پاس چھوڑ کر باقی فوجوں کو لیے ہوئے افریقہ واپس چلے جائیں[۵]۔

---

[۵] جنگِ زلاقہ کے حالات پادری مورخوں نے جن کی تصنیفات لاطینی زبان میں ہیں، بہت (باقی برصفحہ آئندہ)

اسناد

عباد ج ۱ ص ۱۶۹، ۱۷۵

ج ۲ ص ۸، ۱۷ تا ۲۳، ۲۷، ۳۷ تا ۳۸

۱۷۴ تا ۱۷۵، ۱۸۷ تا ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۳،

۲۳۱، ۲۳۸ تا ۲۳۹

قرطاس ص ۹۲، ۱۰۹

روڈریگو طلیطلی ج ۶ ص ۲۳

ابن خلکان ج ۱۲ ص ۱۶

ابن خلدون (تاریخ بربر) ج ۲ ص ۷۷ (ترجمہ)

ابن الخطیب (قلمی نسخہ E) مُقابل پر مضمون

مقرّی ج ۲ ص ۶۷۲.۲

عبدالواحد ص ۹۱، ۹۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کم لکھے ہیں، عرب مورخوں نے اس لڑائی کے بیان میں نہایت تفصیل سے کام لیا ہے، مگر بعض جگہ غلطیاں بھی کی ہیں (یہاں ڈوزی نے مسلمان مورخوں کی غلطیاں نہیں بتائیں، غالباً وہ "غلطیاں" اسی وجہ سے غلطیاں سمجھی گئی ہوں گی کہ پادری مورخوں کے بیانات کے خلاف پڑتی ہونگی، مگر یہ پادری مورخ ایسے تھے جن کی نسبت خود حال کے ایک عیسائی مورخ کا قول ہے کہ "جہاں کسی دوسرے مذہب یا قوم کا ذکر آئے وہاں ان پادریوں کے بیان کو یقین کرنے میں جلدی نہ کی جائے"۔ مترجم اُردو)

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

تیرھویں فصل

یوسف بن تاشفین

(۶۹۹) اسپین میں مرابطین کے وارد ہوتے ہی ادفونش کی قشتالی فوجیں، ادھر تو بلنسیہ سے نکل گئیں، اور اُدھر سرقسطہ کا محاصرہ اُنہیں مجبوراً اُٹھالینا پڑا، اور زلاقہ کی شکستِ فاش نے ادفونش کو اُس کی بہترین سپاہ سے محروم کردیا۔ اِس لڑائی میں بعض مسلمان مورخوں نے دس ہزار، اور بعض نے چوبیس ہزار قشتالی عیسائیوں کا قتل ہونا بیان کیا ہے۔

اِس جنگِ عظیم سے علاوہ اِس نتیجہ کے کہ ملوک الطوائف کو اِس شرمناک مجبوری سے کہ وہ ادفونش کو سالانہ خراج ادا کریں، نجات ملی، یہ بھی فائدہ ہوا کہ اسپین کے مغربی اضلاع میں جہاں قلعوں کی حفاظت اب امیر یوسف کی پسماندہ فوجوں کے سپرد تھی، ادفونش کے حملوں کا مطلق خوف نہ رہا۔

غرض جنگِ زلاقہ میں فتح پانے سے یہی فوائد تھے جو مسلمانوں کو فوراً حاصل ہوئے،

اور مسلمانانِ اسپین کے خوش ہونے کے لیے کافی اسباب پیدا ہوگئے، سارا ملک خوشی کے نعروں سے گونج اُٹھا، امیر یوسف کا نام ہر شخص کی زبان پر تھا، ہر جگہ اُن کے زہد و اتقا، جوانمردی و شجاعت، اور حربی کمالات کی تعریفیں ہونے لگیں، امیر یوسف عیسائیوں کے جور و ظلم سے پناہ دینے والے، اور اندلس اور اسلام دونوں کے محافظ سمجھے گئے۔ فقہا اور علمائے دین اُن کی مدح و ثنا میں سب سے زیادہ سرگرم ہوئے، اُن کی نظروں میں امیر یوسف صرف فاتح ہی نہ تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی ہستی تھے جسے خدا نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لیے دُنیا میں پیدا کیا تھا۔

اگرچہ فتح زلاقہ نہایت عظیم الشان فتح تھی، مگر ایسی نہ تھی جس سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی قسمت کا قطعی فیصلہ ہوگیا ہو، کم سے کم قشتالیہ کے عیسائیوں نے تو اُسے اسی نظر سے دیکھا۔

باوجودیکہ عیسائیوں نے پے درپے شکستیں کھائیں، مگر جو کچھ ہاتھ سے گیا، اُسے پھر حاصل کرنے کی امید منقطع نہ ہونے دی، اسپین کے مغربی علاقوں میں بطلیوس اور اشبیلیہ کی سلطنتوں پر حملہ کرنے کو عیسائی اپنے حق میں خطرناک سمجھتے تھے، لیکن اسپین کے مشرقی حصے کو فتح کرنا، یا فتح نہ ہوسکے تو اُسے غارت اور تباہ کرنا ممکن سمجھتے تھے، مشرقی اسپین کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں مثلاً بلنسیہ، مرسیہ، لورقہ، اور المریہ سب کمزور ریاستیں تھیں، اور اِن سب کے وسط میں ایک مقام پر قشتالیہ کے عیسائیوں نے ایسے قدم جمائے تھے کہ فی الواقع اِن اسلامی ریاستوں پر وہ بالکل حاوی ہوگئے تھے، اِس مقام کا نام حصن اللیط تھا، جس کے کھنڈر مرسیہ اور لورقہ کے درمیان ایک جگہ اب تک نظر آتے ہیں۔

حصن اللیط کا قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر تھا، اور اتنا وسیع تھا کہ اُس میں بارہ تیرہ ہزار فوج سکونت رکھ سکتی تھی، اور یہ قلعہ اِس درجہ محفوظ و مستحکم سمجھا جاتا تھا کہ اُسکا فتح ہونا لوگ غیر ممکن خیال کرتے تھے،

اِس قلعہ پر قشتالیوں کا قبضہ تھا، اور یہ لوگ یہاں سے نکل کر قرب و جوار کے تمام

۱۰۷۷ علاقوں میں قزاقی اور لوٹ مار کیا کرتے تھے ، اور یہاں تک نوبت آئی تھی کہ یہ قشتالی المریہ لورقہ ، اور مرسیہ کے شہروں کا محاصرہ کر چکے تھے ، اور بہ ظاہر ہوتا تھا کہ اگر ان شہروں کو محفوظ رکھنے کی کوئی تدبیر نہ کی ، تو یقیناً ایک دن عیسائیوں کا ان پر قبضہ ہو جائیگا۔

معتمد سمجھ گئے تھے کہ اسپین کے مشرقی علاقوں کو کیسا خطرۂ عظیم در پیش ہے ، اور خطرہ نہ صرف ان علاقوں کو ہے ، بلکہ خود معتمد کا نفع یا نقصان اس میں شامل ہے ، کیونکہ مرسیہ اور لورقہ کے علاقے جن کو عیسائیوں کی طرف سے سب سے زیادہ خطرہ تھا ، دراصل معتمد کی ملکیت تھے ، ایک ازروئے استحقاق ، اور دوسرا ازروئے واقعہ ، اسلیے کہ لورقہ کے بادشاہ ابن الیسع نے جب دیکھا تھا کہ حصن اللیط کے عیسائیوں سے مقابلہ کی طاقت اُس میں نہیں ہے ، تو معتمد کو اُس نے اپنا بادشاہ اس غرض سے تسلیم کر لیا کہ معتمد اُس کو عیسائیوں سے محفوظ رکھیں گے ، مرسیہ پر ابن رشیق نے قبضہ کر رکھا تھا ، حالانکہ وہ معتمد کا تھا ، معتمد اِس باغی ابن رشیق کو سخت سزا دینی چاہتے تھے ،

غرض معتمد نے اسپین کے مشرقی حصے پر فوج کشی کا مصمم قصد کر لیا ، اس عزم کے دو بڑے مقصد تھے ، ایک یہ کہ عیسائیوں کی لوٹ مار سے علاقوں کو محفوظ کرے ، دوسرے ابن رشیق باغی کو مطیع کرے ، اور انہی دونوں مقاصد کے پیشِ نظر معتمد کچھ اپنی فوجیں اور کچھ امیر یوسف کے رسالے لیکر لورقہ کے قصد سے چل پڑے۔

معتمد جب لورقہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ نزدیک ہی تین سو قشتالی سواروں کا رسالہ پڑا ہوا ہے ، معتمد نے اپنے فرزند راضی کو حکم دیا کہ تین ہزار اشبیلی سواروں سے قشتالیوں پر حملہ کرے ، راضی نے جسے لڑائی سے زیادہ شوق کتابیں پڑھنے کا تھا ، بیماری کا عذر کر کے اِس معرکہ پر جانے سے اِنکار کیا ، معتمد کو اس بات پر بہت غصہ آیا ، اور اُنھوں نے اپنے دوسرے فرزند کو جس کا نام معتد تھا ، تین ہزار سواروں کا افسر کر کے قشتالیوں پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا ، لیکن اب پھر اندلسی مسلمانوں کے مقابلہ میں قشتالی عیسائیوں کا بہتر سپاہی ہونا ثابت ہو گیا ، اشبیلیہ کے تین ہزار سواروں کو تین سو قشتالی سواروں نے شکست دیدی۔

مرسیہ کو مغلوب کرنے کی کوشش میں بھی معتمد کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی، معتمد کے اشبیلی لشکر میں مرابطیوں کے رسالے بھی تھے، ان مرابطیوں سے ابن رشیق نے دوستی کر کے اُنہیں اپنا ہمدرد بنا لیا تھا، نتیجہ اس فوج کشی کا یہ ہوا کہ معتمد کا ایک کام بھی نہ نکلا، نہ لورقہ پر قبضہ ہوا، نہ مرسیہ پر، اور معتمد اشبیلیہ واپس چلے آئے۔

یہ بات ثابت ہو گئی کہ فتح زلاقہ کے بعد بھی اندلس کے مسلمان، دشمن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے میں ایسے ہی لاچار اور بے بس ہیں جیسے کہ اس فتح سے پہلے تھے، سب لوگ اس خیال پر متفق تھے کہ اگر امیر یوسف ایک بار پھر اُن کی مدد کو اسپین نہ آئے تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ چنانچہ اندلس کے فقیہوں، اور بلنسیہ، مرسیہ، لورقہ، اور بیاسہ کے رئیسوں نے ازیقہ پہنچ کر امیر یوسف کے قصر پر ہجوم کیا، اور اپنا اپنا حال اُن سے عرض کیا، بلنسیہ والوں کو رزریق قنبیطور سے شکایت تھی، یہ عیسائی سردار (الور فانیز سپہ سالار اوفونش کی طرح) یحییٰ القادر ذوالنونی سے اس بات کو ظاہر کر کے کہ وہ اُسکا محافظ ہے چھ ہزار اشرفیاں ماہوار جبراً وصول کیا کرتا تھا، اور باغیوں[۵۱] کو مطیع کرنے کے حیلے سے تمام ملک کو لوٹنے اور غارت کرنے میں مصروف رہتا تھا، بلنسیہ کے علاوہ متصل علاقوں میں مسلمانوں کو حصن اللیط کے قشتالیوں سے سخت شکایت تھی کہ اُنہوں نے بڑے ظلم ڈھا رکھے ہیں، یہاں کے لوگ بھی اس امر میں متفق الرائے تھے کہ اگر امیر المسلمین یوسف بن تاشفین مسلمانوں کی مدد کو دوبارہ نہ آئے تو مسلمان عیسائیوں کا لقمہ ہو جائیں گے

لیکن امیر المسلمین پر مسلمانانِ اندلس کی اس منت و زاری کا زیادہ اثر نہ ہوا، یہ سچ ہے کہ اُنہوں نے ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ جب موسم مناسب ہوگا تو وہ سمندر عبور کر کے اندلس میں پھر وارد ہوں گے، لیکن اس روانگی کے لیے انہوں نے کسی قسم کی تیاری کا حکم نہیں دیا، اور گو سب کے سامنے نہ کہا، مگر کنایۃً ظاہر کیا کہ اس قسم کی درخواست شاہانِ اندلس کی طرف سے ہونی چاہیئے تھی۔

(۱۰۵)

---

۵۱ مقابلہ کرو ڈوزی کی کتاب تحقیقات (۱۸۸۱ء) جلد ۲ ص ۱۲۸

اتنی خبر سن کر معتمد نے اس قسم کی درخواست بھیجنے کا قصد کر لیا، امیر یوسف کی اصلی نیت کی طرف سے معتمد کو جو کچھ بدگمانی پہلے تھی، وہ رفتہ رفتہ جاتی رہی تھی، یا یہ کہیے کہ اب اُس بدگمانی کا زور گھٹ گیا تھا، کیونکہ سوائے جزیرۃ الخضراء پر قبضہ کر لینے کے امیر یوسف نے کوئی بات ایسی نہ کی تھی جو ملوک الطوائف کی شکایت یا خوف کا موجب ہوتی، بلکہ امیر یوسف نے اکثر موقعوں پر کہا تھا کہ "اندلس آنے سے پہلے تو انہوں نے اِس ملک کی خوبیوں اور دولت کا بڑا اندازہ کیا تھا، لیکن جب اُسے دیکھا تو کچھ نہ نکلا۔" غرض معتمد کو امیر یوسف کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہوگیا تھا، اور چونکہ اِس وقت ملک بلاشبہ بہت خطرے کی حالت میں تھا، اِس لیے اُنھوں نے بذاتِ خود امیر یوسف سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔

امیر یوسف نے معتمد کو نہایت تواضع و اخلاق کے ساتھ اپنے پاس ٹھہرایا، اور اُن کے حالات دریافت کیے، اور یہ بھی کہا "آپ نے خود کیوں تکلیف کی، صرف ایک خط بھیج دینا کافی تھا۔" معتمد نے کہا "میں آپ کے پاس اِس لیے حاضر ہوا ہوں کہ ہماری حالت بہت خطرناک ہو رہی ہے، حصن اللیط ہماری عملداری کے وسط میں ہے، عیسائیوں نے اُس پر قبضہ کر رکھا ہے، اور ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ اُن کو اِس قلعہ سے بے دخل کر سکیں اگر آپ عیسائیوں کو اِس قلعے سے نکال دیں، تو یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی، ایک مرتبہ آپ دشمن سے ہماری گلو خلاصی کرا چکے ہیں، اب ایک مرتبہ اَور تکلیف فرمائیے۔" امیر یوسف نے کہا "میں ضرور کوشش کروں گا۔"

غرض جب معتمد واپس اشبیلیہ آئے تو امیر یوسف نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں جب کُل سامان فراہم ہوگیا تو فوجوں کے ساتھ بحر زقاق عبور کر کے ۴۸۲ھ / ۱۰۹۰ء کی ربیع میں جزیرۃ الخضراء کے ساحل پر جہازوں سے اُترے، اور معتمد سے ملاقات کر کے اندلس کے ملوک الطوائف کو دعوت دی کہ اُن کے ساتھ ہو کر حصن اللیط کا محاصرہ کریں۔

تمیم صاحب مالقہ، عبداللہ صاحب غرناطہ، معتصم صاحب المریہ، اور چند اور کم درجہ کی ریاستوں کے فرمانرواؤں نے امیر یوسف کی دعوت قبول کی، اور حصن اللیط کا محاصرہ

شروع کر دیا گیا، مرسیہ کے بخاروں اور معماروں نے آلاتِ حرب تیار کیے، اور یہ طے پایا کہ ایک ایک والیٔ ریاست ایک ایک دن قلعے پر حملہ کرے، لیکن محاصرہ میں ترقی کی رفتار سست رہی، حصن اللیط میں اس وقت عیسائیوں کی فوج تیرہ ہزار تھی، ان میں (۷۰۲) ایک ہزار سوار تھے، مسلمانوں کے حملوں کا عیسائی جواب دیتے رہے، لیکن قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ باوجود مسلمانوں کی کوشش کے، ہلّہ کر کے فتح نہ ہو سکا۔ آخر کار محاصرہ کرنے والوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ قلعہ کے اندر جو لوگ ہیں، اُن کی رسد قطعی بند کر دی جائے، تاکہ وہ فاقوں کی تکلیف سے مجبور ہو کر آخر کار قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔

لیکن حالت واقعی یہ تھی کہ مسلمانوں کو محاصرہ کا اتنا خیال نہ تھا جتنا خیال اپنے ذاتی فوائد اور اغراض کا تھا، اسلامی لشکر سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا۔

اب امیر یوسف کی نیت کچھ اور ہو گئی، اُن کا شروع میں یہ کہنا کہ اسپین کا ملک اُن کی توقع کے مطابق نہ نکلا، سچے دل سے نہ تھا، واقعہ یہ تھا کہ وہ اسپین کو سب ملکوں سے زیادہ پسند کرتے تھے، اور اُس پر قبضہ جمانا چاہتے تھے، یہ قصد یا تو ملک گیری کے شوق نے پیدا کیا تھا، یا اُس میں زیادہ تر شریفانہ نیت مخفی تھی، کیونکہ دین کے فوائد کا خیال نہایت خلوص کے ساتھ اُن کے دل میں موجود تھا، اور یہ خیال ایسا نہ تھا جس کا پورا ہونا دشوار ہوتا، کیونکہ بہت سے اندلسی دل سے یقین کرتے تھے کہ ملک کو عیسائیوں کی دست برد سے بچانے کی صورت اگر کوئی ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ اِس ملک کا الحاق سلطنتِ مرابطین سے کر دیا جائے۔

لیکن یہ خیال اندلس کے طبقۂ اعلیٰ کے مسلمانوں کا نہ تھا، کیونکہ شائستہ اور تعلیم یافتہ لوگوں کی نظر میں امیر یوسف، جو عربی زبان سے بہت کم واقف تھے۔ اور ایک جاہل اور وحشی آدمی تھے۔

امیر یوسف اپنی تعلیم و تربیت کی کمی کا اکثر موقعوں پر ثبوت دے چکے تھے، چنانچہ جب اشبیلیہ کے شاعروں نے اُن کی شان میں اُن کے سامنے قصیدے پڑھنے شروع کیے تو معتمد نے امیر سے پوچھا کہ "آپ اِن قصیدوں کے معنی سمجھتے ہیں یا نہیں؟" امیر یوسف

نے جواب دیا " صرف اتنے معنی سمجھتا ہوں کہ ان کے لکھنے والے روٹیوں کے محتاج ہیں"
ایک اور موقع ایسا آیا کہ جب امیر یوسف افریقہ واپس چلے گئے، تو معتمد نے اندلس[۵۲]
کے مشہور شاعر ابوالولید بن زیدون[۵۱] کے کچھ اشعار جو شاعر نے اپنی سرپرست ومربیہ ولادہ
بنت خلیفہ المستکفی کی تعریف میں کہے تھے، امیر یوسف کی خدمت میں بھیجے، مضمون
اُن کا یہ تھا "جب آپ مجھ سے دُور ہوتے ہیں، تو آپ کے دیدار کا شوق مجھے جلائے
ڈالتا ہے، اور ایک سیل اشک میری آنکھوں سے جاری ہوجاتا ہے، آجکل میرے دن
سیاہ ہیں، لیکن زیادہ دن نہیں گذرے کہ میری راتوں کو آپ نے سپید کیا تھا۔" یہ
اشعار سُن کر امیر یوسف بولے "کیا معتمد یہ چاہتے ہیں کہ میں سیاہ اور سپید دونوں
رنگ کی لونڈیاں اُن کو بھیجوں۔" یہ معنی سنکر حاضرین نے عرض کیا کہ "شاعری کی اصطلاح
میں سیاہ کے معنی اندوہگیں اور سپید کے معنی پاکیزہ اور نشاط انگیز کے ہیں۔" یہ مطلب
سُنکر امیر یوسف نے کہا "بہت خوب! میری طرف سے بھی بادشاہ سے کہہ دینا کہ
جب وہ نظر سے دُور ہوتے ہیں تو میرے سر میں درد رہنے لگتا ہے۔"
اندلس جیسے ملک میں جو فی الواقع شاعروں، عالموں، اور ادیبوں کا خطہ تھا، کسی
بادشاہ میں اس قسم کی خامیاں قابلِ معافی نہ تھیں، اصحابِ علم جس قدر تھے وہ اپنی حالت سے
خوش تھے، اُن کی خواہش نہ تھی کہ اندلس سلطنت مرابطین کے تحت میں آجائے، جن
ملوک الطوائف کی ریاستوں میں یہ اربابِ علم رہتے تھے، اُن کے دربار دربار نہ تھے بلکہ
دارالعلوم تھے، اور وہاں کے عالم اور ادیب بادشاہوں کی ناز پروردہ اولاد ہوتے تھے، (۷۰۳
جن پر بادشاہ بڑی بڑی دولتیں صرف کرتے رہتے تھے، عالموں کی تو یہ کیفیت تھی مگر
جو لوگ آزاد خیال تھے وہ بھی ملوک الطوائف سے کوئی وجہ شکایت کی نہ رکھتے تھے، اور
یہی زمانہ پہلی مرتبہ ایسا آیا تھا کہ بغیر اس خوف کے کہ اُن کو سنگسار یا نذرِ آتش ہونا پڑے گا

---

[۵۱] ابوالولید، معتمد کے وزیر کے باپ تھے (ولادت ۳۹۴ھ / ۱۰۰۳ء وفات ۴۶۳ھ / ۱۰۷۱ء)

[۵۲] دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۶۶۵

جو کچھ وہ لکھنا چاہتے تھے، آزادی سے لکھ سکتے تھے، مرابطین کی حکومت کی خواہش جسقدر کم اِن لوگوں کو تھی، اُتنی کسی دوسرے کو نہ تھی، کیونکہ مرابطین کی حکومت کے معنی مذہبی حکومت کے تھے۔

بہرکیف اگر طبقۂ اعلیٰ اور تعلیم یافتہ گروہ میں اِس بات کے حامی کم تھے کہ اندلس کی ریاستوں کا الحاق مرابطین کی سلطنت سے ہو جائے، تو عامۃ الناس میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اِس خیال کا حامی نہ ہو، عام لوگ اِن چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے ناراض اور ناخوش تھے، اور اُس کی وجہ کافی تھی، ہر ایک بڑا شہر ایک ریاست تھا، اُس کا دربار، اُس کا خدم وحشم علیحدہ تھا، جس کے قائم رکھنے میں مصارفِ کثیر عائد ہوتے تھے کیونکہ ہر ریاست کا امیر انتہا سے زیادہ مسرف تھا۔

اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ رعایا بھاری قیمت دے کر حفاظت اور امن مول لیتی تھی، نہیں، حالت اِس کے برعکس تھی، یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں اور اُن کے مالک اکثر اس قدر کمزور ہوتے تھے کہ عیسائی تو چیزِ دیگر تھے، قرب وجوار کے مسلمانوں سے بھی وہ اپنی رعایا کو محفوظ نہ رکھ سکتے تھے، رعایا کی جان ومال کو نہ دشمن سے پناہ نصیب تھی، اور نہ ریاستوں میں امن تھا۔

یہ حالت اِتنی بڑھی کہ قابلِ برداشت نہ رہی، اور اِس حال سے نجات پانے کی آرزو اہلِ حرفہ کے لیے ایک قدرتی امر تھا، لیکن اب تک کوئی موقع ایسا نہ آیا تھا کہ اِس خراب حالت کو بدلنے کا خیال پیدا ہوتا، سرکشی اور بغاوت کی خواہش دلوں میں موجود تھی مگر اُس کی کوئی واضح صورت قائم نہ ہوئی تھی، چنانچہ غرناطہ کے شاعر سمیسر کے یہ اشعار بہت شوق سے لوگ سنا کرتے تھے:-

"بادشاہو! آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ اسلام کو تم نے دشمنوں کے حوالے کر دیا اور اُس کے بچانے کو ہاتھ نہیں بڑھاتے، تم سے بغاوت کرنی ہر شخص کا فرض ہے کیونکہ تم عیسائیوں سے مِل گئے ہو، تمہاری حکومت سے اپنی گلوخلاصی چاہنی ہرگز گناہ نہیں ہے، کیونکہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں سے تم نے گردن پھیر لی ہے"

چونکہ بغاوت سے حالات کی صورت اور بھی خراب ہو جاتی، اس لیے سردست سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ یہی شاعر شمیسر[۵۱] کہتا ہے:۔

"بادشاہو! ہم نے تم پر بھروسا کیا، مگر تم نے ہماری توقعات کو حرفِ غلط کر دیا مصیبتوں سے نجات پانے کے لیے ہم نے تمہاری طرف دیکھا، مگر ہمارا دیکھنا بیکار تھا، صبر، صبر، زمانہ بڑے بڑے انقلاب پیدا کرے گا، عاقلوں کے لیے ایک لفظ کافی ہوتا ہے۔"

لیکن اب صبر کی ضرورت نہ تھی، ملوک الطوائف سے بغاوت کرنی ممکن تھی، کیونکہ ایک عادل، زبردست، اور نیکنام بادشاہ اسپین میں وارد تھا، عیسائیوں کے مقابلے میں عظیم الشان فتوحات حاصل کر چکا تھا، اور آئندہ ایسی ہی فتوحات حاصل کرنے کی اس سے توقع تھی، لوگ سمجھتے تھے کہ خدا نے اپنی رحمت سے ایک ایسے شخص کو بھیجدیا ہے جو اندلس کو پھر اسی عظمت و اقبال پر پہنچا دیگا جو اُسے پہلے حاصل تھا، ایسے بادشاہ کی اطاعت اختیار کرنی بہترین تدبیر ہوگی جو بے شمار پریشان کن محصولوں سے رعایا کو نجات دے، (۷۰۴) ایسا بادشاہ امیر یوسف تھا، کیونکہ اُس نے اپنی قلمرو میں ایسے کُل محصولوں کو جن کا قرآن میں حکم نہ تھا بند کر دیا تھا، عام خیال تھا کہ اندلس میں بادشاہ ہو کر یہاں بھی وہ ایسے محصول بند کر دے گا۔

عامۂ خلائق کے ذہن میں یہی دلائل تھے، اور بعض وجوہ سے وہ بالکل معقول تھے، لیکن ان کے ساتھ چند امور ایسے بھی تھے جن کا لحاظ انہوں نے نہیں کیا تھا، مثلاً اس پر غور نہیں کیا تھا کہ جن محصولوں کو وہ بند کرانا چاہتے ہیں، اگر وہ بند کر دیے گئے تو انتظامِ سلطنت کے مصارف ادا کرنے کی کیا سبیل ہوگی؟ یا اگر اندلس کا الحاق مراکش سے ہو گیا، اور مراکش میں سیاسی انقلاب، اور ایسے انقلابوں کے ساتھ جو مصائب ہوتے ہیں وہ پیش آئے، تو اُنکے بُرے اثر سے اندلس کیونکر محفوظ رہ سکیگا؟ نیز یہ کہ اندلس میں مرابطین کی حکومت بہرحال

---

[۵۱] شمیسر شاعر کے حالات کے لیے دیکھو ڈوزی کی کتاب تحقیقات ۱۸۸۱ء ج ۱ ص ۲۵۹ تا ۲۶۱

غیر ملک والوں کی حکومت ہوگی، علاوہ اس کے امیر یوسف کی فوج والے ایسی قوم کے لوگ ہوں گے جن کو اہلِ اسپین ہمیشہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں، یہ لوگ کسی قاعدے اور قانون کا پابند ہو کر رہنا کم جانتے تھے، ممکن تھا کہ اندلس میں اُن کا قیام ایک آزار دہ مہمان کی سی حیثیت اختیار کرلے۔

پھر الحاق کی ضرورت کو اندلس کی بعض ریاستیں زیادہ، اور بعض ریاستیں کم محسوس کرتی تھیں، مثلاً غرناطہ میں تمام رعایا، کیا عرب اور کیا اندلسی جنہوں نے بربر کی حکومت کو اُس کے ظلموں کی وجہ سے بُرا کہنا ابتک بند نہیں کیا تھا، بہت خواہشمند تھی کہ اندلس میں مرابطین کی حکومت ہو جائے، لیکن معتمد کی قلمرو میں حکومت سے ناراض لوگ بہت کم تھے، المریہ میں اپنے بادشاہ سے کوئی بھی ناراض نہ تھا، کیونکہ معتصم جو وہاں حکومت کرتا تھا، رعایا میں بہت ہر دلعزیز تھا، یہ ایک نیک بخت، عادل اور رحمدل بادشاہ تھا، رعایا کے ساتھ ایسی ہی محبت رکھتا تھا جیسی باپ اپنے بچوں کے ساتھ رکھتا ہے، اِس فرمانروا میں نہایت دلکش نیکیاں موجود تھیں۔

فقہار اور علمائے دین ہر جگہ امیر یوسف کے بڑے معاون و مددگار تھے، اُن کو یہ ڈر تھا کہ اگر عیسائی ملک پر مسلط ہو گئے تو اُن سے زیادہ کوئی نقصان میں نہیں رہے گا۔ ملوک الطوائف سے بھی اُنہیں کوئی خاص اُنس نہ تھا، کیونکہ یہ بادشاہ ناپاک اور خبیث علوم سیکھتے تھے، ہمیشہ عیش و نشاط اور لہو و لعب میں منہمک رہ کر علمار کو کم عقل سمجھتے تھے، اور کبھی اُن کی پند و نصیحت پر نہ چلتے تھے۔ بلکہ فلسفیوں کے بلا تکلف سرپرست اور مربی بن جاتے تھے، لیکن امیر یوسف اِن بادشاہوں کے برعکس زہد و ورع کا کامل نمونہ تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ وہ معاملاتِ سلطنت میں علمار سے مشورہ نہ لیتے ہوں، اور اُن کی ہدایتوں پر عمل نہ کرتے ہوں، اِس لیے امیر یوسف سے اِن علمار کو بہت ہی خلوص اور ہمدردی کا تعلق تھا۔

اِن عالموں اور فقیہوں کو یا تو واقعی کسی ذریعہ سے علم ہو گیا تھا، یا اُنہوں نے محض قیاس کر لیا تھا کہ امیر یوسف ملوک الطوائف کو تخت سے اُتار کر خود اندلس کی حکومت

اپنے قبضے میں لانی چاہتے ہیں۔

باوجود اس علم اور قیاس کے ان علماء و فقہا کو اس کے سوا کسی بات کا خیال نہ تھا کہ امیر یوسف کے اس ارادے کو تقویت بخشیں، اور ان کو باور کرا دیں کہ ان کا ارادہ بالکل دین کے مطابق ہے۔

اس تحریک میں کہ امیر یوسف اندلس کے بادشاہ ہو جائیں، سب سے بڑے کارگذار قاضی غرناطہ ابو جعفر قلیعی تھے، چونکہ وہ عرب تھے اس لیے بربرے جو ان کے ملک پر ظلم کیا کرتے تھے، سخت عداوت رکھتے تھے، اور بربرے اپنی دشمنی کو مخفی رکھنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے تھے، بادیس جس وقت غرناطہ میں بادشاہ تھا، تو اس کا دل (۷۰۵) بار بار یہی کہا کرتا تھا کہ اس کے خاندان کے زوال کا باعث اگر کوئی ہونے والا ہے تو وہ یہی قاضی ابو جعفر ہوں گے۔

بادیس، قاضی صاحب کو ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا بھی کرتا تھا، کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ ان کو قتل کرادے، لیکن بقول ایک عرب کے "خدا ظالم کے ہاتھ باندھ دیتا ہے تاکہ مشیت کا فرمان پورا ہو" وہ قاضی صاحب کے قتل پر قادر نہ ہو سکا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ قاضی ابو جعفر اس وقت اس لشکر کے ساتھ تھے جو حصن اللیط کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، امیر یوسف سے کئی بار تخلیہ میں ملاقات بھی کر چکے تھے، امیر یوسف ان سے خوب واقف تھے، کیونکہ چار برس پہلے اہل اندلس کے لیے مدد مانگنے کو وہ امیر یوسف کے دربار میں حاضر ہو چکے تھے، تخلیے میں دونوں کی جو کچھ باتیں ہوئی ہوں گی، ان کا مقصود معلوم کرنا چنداں دشوار نہیں، امیر یوسف اس بات کی قسم کھا چکے تھے کہ اندلس میں کسی مسلمان بادشاہ کی ریاست پر قبضہ نہ کریں گے، اب اندلس کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا خیال ان کا ایمان کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔

قاضی صاحب نے امیر کے دل سے یہ تردد رفع کر دیا، اور عرض کیا کہ اندلس کے فقہاء حضور کو اس قسم سے بالکل بری کر دیں گے، اور ملوک الطوائف کے خلاف فقہاء سے ایک ایسا فتویٰ بہ آسانی حاصل کیا جا سکتا ہے، جس میں ان بادشاہوں کے عیب اور ان کی

قبیح حرکات ایک ایک کرکے گنوادی جائیں گی، اور یہ امر ثابت کردیا جائیگا کہ جن ریاستوں پر وہ حکومت کرتے ہیں، اُن پر حکومت کرنے کا حق اُن کا قطعی سلب ہوچکا ہے"۔

غرض اِدھر تو قاضی ابو جعفر جو بڑے دانشمند اور صاحب تقویٰ مشہور تھے، اُن کے دلائل نے امیر یوسف کے دل پر اثر کیا، اُدھر معتصم صاحب المریہ کی گفتگو نے ملوک الطوائف میں سب سے بڑے بادشاہ معتمد کی طرف سے امیر یوسف کو برانگیختہ کردیا۔

معتصم، جیساکہ بیان ہوچکا ہے، بڑی خوبیوں کا بادشاہ تھا، سب سے خلوص اور محبت رکھتا تھا، لیکن ایک شخص ایسا بھی تھا جس سے اُس کو جانی دشمنی تھی، اور یہ معتمد تھے، یہ دشمنی رشک وحسد کی خفیف خفیف باتوں سے پیدا ہوئی تھی، کوئی واقعی وجہ شکایت ایک سے دوسرے کو نہ تھی، باوجود اس کے دشمنی سخت تھی، اور گو دونوں میں بظاہر مصالحت ہوگئی تھی، لیکن معتصم نے جن نازیبا طریقوں سے امیر یوسف کو اپنے اُوپر مہربان بنایا تھا، ویسے ہی نازیبا طریقوں سے معتمد کی طرف سے امیر یوسف کے دل میں زہر بھر دیا، اور معتمد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی کہ معتصم نے درپردہ اُن کے خلاف کیا کارروائی کی ہے۔

جب کبھی معتصم سے ملاقات ہوتی تھی تو معتمد بے تکلفی سے باتیں کیا کرتے تھے، ایک دن معتصم، اندلس میں امیر یوسف کے زیادہ قیام پر اپنی پریشانی ظاہر کرنے لگا تو معتمد کسی قدر غرور میں آکر بولے "اس میں شک نہیں کہ یہ شخص اندلس میں مدت سے ٹھیرا ہوا ہے، لیکن جس دن میرا دل اس سے بیزار ہوا، فقط ایک انگلی اُٹھانے کی دیر ہوگی کہ دوسرے ہی دن وہ اور اُس کی فوجیں یہاں سے چلتی نظر آئیں گی، معلوم ہوتا ہے تم ڈرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی بُرائی کرے گا، مگر یہ اور اسکی سپاہ ہے کیا چیز؟ یہ سب اپنے ملک میں کنگلے اور فقیر تھے، اُن کی بھلائی کے خیال سے ہم نے انہیں یہاں بُلالیا تھا، تاکہ پیٹ بھر کر انہیں روٹی مل جائے، اور جب سیر ہوجائیں تو اپنے ملک کو واپس کردیے جائیں"۔ (۷۰۶)

معتمد کے یہ الفاظ معتصم کے ہاتھوں میں خنجر بن گئے، اُس نے امیر یوسف سے معتمد کی

کُل تقریر جا کہی، جسے سنتے ہی امیر یوسف آگ بگولہ ہو گئے، اور اندلس پر حکومت کرنیکا خیال جو ابتک ضعیف تھا، بالکل پختہ ہو گیا۔

معتصم کی دشمنی چل گئی، لیکن افسوس! اُس نے اِس دشمنی کا انجام کچھ نہ سوچا تھا، ایک عرب مورخ لکھتا ہے کہ "معتصم نے یہ نہ دیکھا کہ جو کنواں اُس نے معتمد کے لیے کھودا ہے اُس میں ایک دن خود بھی ڈوبنا ہو گا، اور جس تلوار کو اُس نے اپنے نزدیک ایک موذی درندے کے قتل کے لیے برہنہ کرایا ہے وہ ایک روز خود اُس کا گلا کاٹ ڈالے گی"۔

اِس قسم کی ناعاقبت اندیشی ملوک الطوائف میں عام تھی، امیر یوسف کے سامنے وہ ایک دوسرے کی برائیاں کیا کرتے تھے، اور آپس کے جھگڑوں میں وہ امیر یوسف کو حَکَم مقرر کرتے تھے، اِدھر صاحب المریہ معتصم نے امیر اشبیلیہ معتمد کے غارت کرنے کا سامان کیا اُدھر امیر اشبیلیہ نے صاحب مرسیہ ابن رشیق کی تباہی میں کوشش کی۔

معتمد نے امیر یوسف کو بار بار یہ بات جتائی کہ ابن رشیق، ادفونش کا دوست رہ چکا ہے، اور اُس نے حصن اللیط کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بڑی مدد پہنچائی ہے، اور اب تک مدد پہنچا رہا ہے، اِس کے بعد مرسیہ کے متعلق اپنے حقوق بیان کرکے امیر یوسف سے کہا کہ "اِس باغی ابن رشیق کو جس نے میرے شہر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، گرفتار کرکے میرے حوالے کر دیا جائے"۔

یوسف نے فقہا سے کہا کہ اِس مقدمہ کے حالات تحقیق کریں، فقہا نے فیصلہ معتمد کے حق میں کیا، امیر یوسف نے ابن رشیق کو گرفتار کرا کے معتمد کے حوالے کر دیا، لیکن یہ کہدیا کہ "ابن رشیق کو جان سے نہ مارا جائے"۔

ابن رشیق کی گرفتاری نے بُرے نتیجے پیدا کیے، مرسیہ کے لوگ لشکر سے چلے گئے اور فوج کو سامان رسد پہنچانے اور مزدور دینے سے قطعی انکار کر دیا، حالانکہ فوج کو اِن چیزوں کی بیحد ضرورت تھی۔

غرض جو لشکر اِس وقت حصن اللیط کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، وہ سخت مشکلات میں مبتلا ہو گیا، چونکہ جاڑے کی آمد تھی اس لیے خیال ہوا کہ آئندہ اور بھی حالت خراب ہو جائیگی

اِسی زمانہ میں خبر آئی کہ ادفونش اٹھارہ ہزار فوج لیکر حصن اللیط کے عیسائیوں کو مدد دینے آرہا ہے، امیر یوسف نے پہلے تو یہ ارادہ کیا کہ طوطانہ سے مغرب میں جبلِ تریزہ میں ادفونش سے جنگ کرے۔ لیکن اس کے بعد امیر یوسف نے لڑائی کا نقشہ بدل دیا اور وہ بجائے طوطانہ کے طوطانہ ہی کی سمت میں آگے لورقہ کی طرف اپنی فوجیں لے گئے

امیر یوسف نے لوگوں پر یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ خاص اندلسی فوجیں جو اُس کے لشکر میں اِس وقت شامل ہیں، وہی ہیں جو جنگِ زلاقہ میں میدان سے ہٹ گئی تھیں، اور اب پھر وہ یہی کرتی نظر آتی ہیں، امیر نے یہ بھی کہا کہ اب حصن اللیط کے آثار میں اتنا دم نہیں ہے کہ قشتالی عیسائی جو اُس میں محصور ہیں، اُس کی حفاظت کر سکیں، ضرور ہے کہ محصورین قلعہ چھوڑ کر باہر نکل جائیں گے۔

امیر یوسف کی یہ رائے بالکل درست تھی، ادفونش جس وقت حصن اللیط پر پہنچا ہے تو قلعے کے بُرج اور اُس کی دیواریں کھنڈر نظر آئیں، اور عیسائیوں کی جو فوج اُس میں مقیم تھی اُس میں صرف سو آدمی باقی تھے، ادفونش نے یہ حالت دیکھ کر قلعہ میں آگ لگادی، اور جو لوگ قلعہ میں باقی رہے اُن کو اپنے ساتھ قشتالیہ لے آیا۔

(۴۰۷) حصن اللیط کے محاصرہ کا جو مقصد مسلمانوں نے سوچا تھا وہ حاصل ہوگیا، یعنی عیسائیوں کو وہاں سے نکلنا پڑا، مسلمانوں کو کامیابی ضرور ہوئی مگر بُری طرح، چار مہینے تک محاصرہ جاری رکھا گیا مگر قلعہ فتح نہ ہوا[۵]۔

ادفونش کے آنے کی خبر سن کر امیر یوسف کا لڑنے کے قصد سے آگے بڑھنا، اور قلعہ سے لشکر کو ہٹا لینا، یہ دونوں باتیں ایسی تھیں، جن سے لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ نقل و حرکت بھاگنے کے برابر تھی، لیکن فقیہوں نے ایسا اہتمام کیا کہ امیر یوسف کی شہرت کو کوئی نقصان

---

[۵] جب قلعے کی دیواریں اور بُرج بیکار کر دیے، اور محصورین وہاں رہ نہ سکے، اور قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے، جو بچے وہ گرفتار ہوئے، پھر قلعہ میں آگ لگادی گئی، ان سب کے بعد یہ کہنا کہ "قلعہ فتح نہ ہوسکا" بیکار سا معلوم ہوتا ہے (مترجم اُردو)

نہ پہنچے، انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ چار برس پہلے امیر المسلمین کو عیسائیوں پر جو فتح ہوئی تھی، ویسی ہی فتح کا اس موقع پر حاصل نہ ہونا دراصل ملوک الطوائف کا قصور ہے، ان بادشاہوں نے آپس کی سازشوں، اور باہمی رشک وحسد، اور مناقشوں کے باعث امیر یوسف کو ایسی عظیم الشان فتوحات سے باز رکھا، جو تنہا لڑنے کی صورت میں وہ ضرور حاصل کر لیتے۔

اب فقہاء خفیہ کارروائیوں میں اور بھی سرگرم ہوئے، اور اس کی وجہ بھی معقول تھی اُمراء اندلس کو ان فقیہوں کے منصوبے معلوم ہو گئے تھے، اس لیے فقیہوں کو اپنی طرف سے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوئے، قاضی غرناطہ ابوجعفر قلیعی کو اس کا پتہ چل گیا کہ انکی کارروائیاں ظاہر ہو چلی ہیں، اس افشائے راز سے قاضی صاحب کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، جس وقت حصن اللیط کے سامنے امیر یوسف کا لشکر پڑا ہوا تھا، تو عبداللہ امیر غرناطہ اور امیر یوسف کے خیمے پاس پاس تھے، یہاں عبداللہ کو معلوم ہوا کہ قاضی ابوجعفر پوشیدہ طور سے امیر یوسف سے ملاقات کیا کرتے ہیں، امیر عبداللہ ان ملاقاتوں کا مطلب سمجھ گیا، لیکن چونکہ امیر یوسف خود لشکر میں موجود تھے، اس لیے ہمت نہ ہوئی کہ قاضی صاحب، اور ان کے فریق کے خلاف کوئی سخت کارروائی کرتا، مگر جب غرناطہ کو واپسی ہوئی، تو صاحب غرناطہ عبداللہ نے قاضی ابوجعفر کو بغاوت کا الزام دے کر بہت سخت وسست کہا، اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیں، لیکن عبداللہ کی ماں نے بیٹے کے قدموں پر سر رکھدیا، اور کہا کہ ایسے بزرگ کا خون کرنے سے باز رہے، عبداللہ ماں کا بہت مطیع تھا، قاضی ابوجعفر قتل نہیں کیے گئے، بلکہ قصر کے ایک کمرے میں قید کر دیے گئے۔

قاضی صاحب کو معلوم تھا کہ جس قدر لوگ قصر میں رہتے ہیں، وہ بہت خوش اعتقاد انسان ہیں، اکثر نماز میں مصروف رہتے، اور قرآن اس قدر بلند آواز سے پڑھتے کہ تمام قصر گونجتا رہتا، ہر شخص ان کا پڑھنا نہایت ادب سے سنتا، کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلتی کہ قاضی صاحب کو تکلیف ہو گی، رفتہ رفتہ اہل قصر نے امیر عبداللہ کے کان تک یہ بات پہنچا دی کہ اگر قاضی صاحب کو فوراً رہا نہ کیا گیا، تو عنقریب خدا کا کوئی غضب ٹوٹنے والا ہے۔

عبداللہ کی والدہ سب سے بڑی سفارشی قاضی صاحب کی تھیں، کبھی ڈرا کر، کبھی دھمکا کر، کبھی عاجزی سے بیٹے کو سمجھایا کرتیں، آخر کار عبداللہ نے قاضی ابوجعفر کو رہا کر دیا، قاضی صاحب رہا ہوئے، مگر ایسا سبق ملا کہ انہوں نے غرناطہ کا رہنا ہی چھوڑ دیا، ایک رات تاریکی میں القلعیہ کے شہر کو چلے گئے، اور ایک خط امیر المسلمین یوسف بن تاشفین کو لکھا، اس میں تمام ذلتیں اور خواریاں جو اٹھانی پڑی تھیں لکھیں، اور بہ اصرار عرض کیا کہ جس امر میں باہمی گفتگو بار بار ہو چکی ہے، اب اس کو معرض التوا میں زیادہ نہ رکھا جائے۔" (۷۰۸)

اس کے ساتھ ہی قاضی ابوجعفر نے اندلس کے اور قاضیوں اور فقیہوں کو خطوط لکھے اور ان سے ایک ایسا فتویٰ طلب کیا جس میں ملوک الطوائف کی نالائقیاں بالخصوص بادیس کے دونوں پوتوں کی بری حرکتیں درج کی جائیں۔

قضاۃ و فقہاء کو اس امر میں مطلق تامل نہ ہوا کہ وہ عبداللہ صاحب غرناطہ اور تمیم صاحب مالقہ کی نسبت لکھ دیں کہ ان بادشاہوں کے مظالم نے ان کو مستحق حکومت نہیں رکھا، بالخصوص بادیس کے بڑے پوتے عبداللہ کو، جس نے اپنے قاضی کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا ہے، باقی شاہان اندلس کی نسبت سختی سے کوئی رائے نہیں لکھی، اور صرف اس کو کافی سمجھا کہ ایک دوسرا فتویٰ امیر یوسف کے پاس اس مضمون کا بھیج دیں کہ یہ امیر یوسف کا فرض ہے کہ شرع شریف کی پابندی کا حکم تمام شاہان اندلس پر جاری کریں، اور ان کو ہدایت کریں کہ قرآن پاک میں جن محصولوں کا حکم نہیں ہے وہ رعایا پر نہ لگائے جائیں۔

ان دو فتووں کی بنا پر امیر یوسف نے ملوک الطوائف کو لکھا کہ "بیگار، اور ایسے محصول جن کے وصول کرنے سے رعایا پر سختی ہوتی ہے یکلخت موقوف کیے جائیں۔"

اس کے بعد ہی امیر یوسف اپنی فوجوں کے چار حصے کر کے ایک حصے کو ساتھ لے غرناطہ کی طرف بڑھے، باقی کے تین حصوں کو حکم دیا کہ بعد میں غرناطہ چلے آئیں، امیر یوسف نے عبداللہ والی غرناطہ سے واقعی کوئی جنگ نہیں کی، لیکن عبداللہ امیر کا مطلب سمجھ کر

بیحد خوف زدہ ہوگیا ، یہ عبداللہ اپنے دادا بادیس سے کسی بات میں بھی نہ ملتا تھا ، بادیس ایک جاہل مگر نہایت مضبوط دل و دماغ کا آدمی تھا ، عبداللہ کسی قدر لکھا پڑھا تھا ، عربی خاصی بول لیتا تھا ، بلکہ عربی میں شعر بھی کہتا تھا ، خوش نویس اعلیٰ درجہ کا تھا ، اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید عرصہ تک غرناطہ میں محفوظ رہا ، لیکن حوصلے کا ضعیف آرام طلب اور کاہل وجود تھا ، مرد ایسا تھا جو عورت کے لیے مطلق دلکش نہ ہو ، تلوار دیکھ کر ڈر جاتا تھا ، اور تذبذب ہر بات میں اس درجہ تھا کہ جو پاس آتا تھا اُسی سے صلاح و مشورہ کرنے لگتا تھا ۔

عبداللہ نے اس نازک موقع پر مجلس سیاسی کے ارکان کو جمع کیا ، اور سب سے پہلے پیرانہ سال مُمل سے جس نے عبداللہ کے دادا بادیس کی کوئی بڑی خدمت انجام دی تھی صلاح پوچھی ، مُمل نے عبداللہ کو سمجھایا کہ امیر یوسف کوئی قصد اُس کے خلاف ایسا نہیں رکھتے جس سے دشمنی ثابت ہوتی ہو ، عبداللہ کو چاہیئے کہ امیرالمسلمین کے استقبال کو جائے تاکہ اُنہیں معلوم ہو جائے کہ عبداللہ اُن پر اعتماد رکھتا ہے ۔

جب مُمل کو یہ معلوم ہوا کہ اُس کی صلاح عبداللہ کو ناگوار گذر رہی ہے ، اور عبداللہ حملے کی صورت میں امیر یوسف سے لڑنے کو تیار ہے ، تو عبداللہ کو سمجھایا کہ دیکھو مرابطین کا اب مقابلہ کرنا بالکل غیر ممکن ہے ۔

مُمل کی یہ نصیحت بالکل درست تھی ، کیونکہ عبداللہ کے پاس فوج کم تھی ، اور اپنے فوجی افسروں میں جو شخص سب سے بہتر تھا ، یعنی بربر مقاتل ، اُسے وہ جلاوطن کر چکا تھا ، مجلس کے پرانے تجربہ کار اراکین نے مُمل کی صلاح سے اتفاق کیا ، لیکن عبداللہ کو بڈھے مُمل کی خیر خواہی میں شبہ تھا ، اور خیال تھا کہ قاضی ابوجعفر سے جن کو عبداللہ بے ایمان سمجھتا تھا وہ ملا ہوا ہے ، قاضی ابوجعفر جس وقت غرناطہ سے فرار ہوئے تھے ، تو یہ سمجھ کر کہ مُمل کے اشارے سے ایسا ہوا ہے ، عبداللہ اس بڈھے نمک خوار کو بہت بُرا بھلا کہہ چکا تھا ، عبداللہ کا یہ شبہ بالکل غلط بھی نہ تھا ،

یہ یقینی طور پر دریافت نہیں ہوا کہ مُمل واقعی امیر یوسف کے فائدے کی بات کہتے

(۷۰۹)

تھے، لیکن اِس میں شک نہیں کہ امیر یوسف جو معمل کی عقل ورائے کی قدر کرتے تھے، اِس بات کے متوقع تھے کہ معمل اُن کی مدد کرے گا۔

غرض عبداللہ صاحب غرناطہ نے اِس بڈھے ناصح کی نصیحت کو ایک دھوکا خیال کیا، اور چونکہ نوجوان صلاح کاروں اور مشیروں نے سمجھا رکھا تھا کہ امیر یوسف غرناطہ کی طرف بُری نیت سے آرہا ہے، اِس لیے عبداللہ نے یہ ارادہ ظاہر کر دیا کہ تلوار کا جواب تلوار سے دیا جائے گا۔

معمل اور اُس کے دوستوں کی عبداللہ نے بہت بُری طرح فضیحت کی، لیکن اسکے برابر کوئی ناعاقبت اندیشی نہ تھی، عبداللہ کی اِس حرکت سے مجبور ہو کر یہ لوگ یوسف کی پناہ میں چلے گئے۔

معمل اور اُس کے ہم خیال رات کے وقت غرناطہ سے نکل کر لوشہ میں آگئے، اور اِس شہر پر قبضہ کر کے امیر المرابطین کی حکومت کا اعلان کر دیا، عبداللہ نے اِن لوگوں کے مقابلے کے لیے فوج بھیجی، اِس فوج نے اِن لوگوں کو گرفتار کیا، اور لوشہ سے وہ سب غرناطہ لائے گئے، یہاں بازاروں میں اُن کی تشہیر اِس طرح کی گئی کہ گویا وہ بہت ہی بُری قسم کے مجرم ہیں، مگر امیر یوسف کی مداخلت سے اِن لوگوں کی جان بچ گئی۔ امیر یوسف نے صاحب غرناطہ کو حکم بھیجا کہ اِن لوگوں کو فوراً رہا کر دو، عبداللہ کو ابھی تک امیر یوسف کی بُری یا بھلی نیت کا حال یقین کے ساتھ معلوم نہ تھا، اِس لیے اُس نے اِن قیدیوں کو رہا کر دینا مناسب سمجھا۔

عبداللہ گو دل سے یہی چاہتا تھا کہ امیر مرابطین سے لڑائی نہ ہو، لیکن در پردہ جنگ کی تیاری بھی کرتا رہا، بادشاہ لیون ادفونش کے پاس قاصد پہ قاصد طلب امداد کی درخواست کے ساتھ بھیجنے شروع کیے، اور بہت روپیہ صرف کر کے مختلف قسم کے اہل حرفہ کو جن میں سوداگر، جلاہے، اور دوسرے لوگ شامل تھے، فوج میں بھرتی کیا، لیکن عبداللہ کی یہ سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ادفونش بادشاہ لیون و قشتالیہ نے اُس کی درخواست منظور نہ کی۔

خود غرناطہ کی رعایا عبد اللہ سے دل میں ناراض تھی، اور بہت شوق سے مرابطین کے آنے کی منتظر تھی، غرناطہ کے بہت لوگ روز شہر سے نکل کر امیر یوسف کے پاس جانے لگے عبد اللہ کو یہ حال معلوم ہوگیا، ۱۰ ار نومبر ۱۰۹۰ء (۱۴ ار رمضان ۴۸۳ھ) کو اتوار کے دن جبکہ امیر یوسف کو غرناطہ پہنچنے میں صرف ۸ میل کی مسافت طے کرنی باقی رہ گئی تھی، عبد اللہ نے اراکین مجلس سیاسی کا پھر ایک جلسہ منعقد کیا، مجلس نے رائے دی کہ امیر یوسف کا مقابلہ کر کے شہر کو بچانا بے سود ہوگا، اس کا خیال تک دل میں نہ لانا چاہیئے، عبد اللہ کی ماں جو اس وقت مجلس میں موجود تھی، اور جس کی نسبت مورخ یقین دلاتے ہیں کہ اس نے امیر یوسف سے نکاح کرنے کی خواہش کی تھی، اپنے فرزند سے کہنے لگی کہ "بیٹا! تیرے لیے سلامتی کی بس یہی صورت ہے کہ امیر یوسف کے استقبال کو جا، وہ تیرا عم زاد ہے (یعنی تو بھی بربر ہے اور وہ بھی) وہ تجھ سے اچھی طرح ملے گا، اور تیری بہت عزت کرےگا۔"

عبد اللہ، ماں کو ساتھ لیے ہوئے ایک بڑے جلوس کے ساتھ امیر یوسف کے استقبال کو نکلا، صقالبہ کا رسالہ آگے آگے تھا، اور عیسائی سوار عبد اللہ کے چاروں طرف (۱۰۷ء) حاضر تھے، سب کے سروں پر سفید عمامے تھے، اور نہایت عمدہ گھوڑوں پر، جن پر زری کا سامان تھا، سوار تھے، امیر یوسف کے سامنے آتے ہی عبد اللہ گھوڑے سے اترا، اور عرض کیا کہ اگر کسی وجہ سے اس نے امیر المسلمین کو ناخوش کیا ہے تو اسے معافی دی جائے، امیر یوسف نے کہا کہ اگر کوئی شکایت تھی بھی، تو اب وہ رفع ہوگئی، امیر یوسف نے عبد اللہ کو ایک خیمہ بتایا کہ اس میں قیام کرے اور اس کی عزت اس کی شایانِ شان کی جائے گی، لیکن عبد اللہ نے جونہی خیمہ کے اندر قدم رکھا، پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئیں۔

اس کے بعد ہی شہر کے رئیس اور امیر، یوسف کے لشکر میں حاضر ہوئے، یوسف ان سب سے بہت اخلاق سے ملے، اور ان کو یقین دلایا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، مسلط خاندانِ شاہی کی تبدیلی سے، جو عنقریب پیش آنے والی ہے، وہ فائدے میں رہیں گے۔

جس وقت ان لوگوں نے بادشاہ مرابطین یوسف بن تاشفین کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو امیر موصوف نے ایسے محصولوں کے بند کرنے کا حکم دیا، جن کا ذکر قرآن مجید میں نہ تھا،

اب امیر یوسف شہر غرناطہ میں داخل ہوئے۔ رعایا بڑے جوش وخروش سے مبارکباد کے نعرے لگاتی تھی، امیر قصر میں آکر اُترے، تاکہ جو خزانے اور ذخائر بادیس نے یہاں جمع کیے تھے اُن کو ملاحظہ فرمائیں، یہ خزانے اور ذخیرے بے شمار اور حیرت انگیز تھے، قصر کے کمروں میں دیوار پوش نہایت قیمتی لگے ہوئے تھے، اور نہایت بیش بہا قالینوں کا فرش تھا، ہر جگہ زمرد و فیروزے، لعل و یاقوت، ہیرے اور موتی، بلور کے ظروف اور سونے چاندی کے قیمتی سامان کی چمک سے نظر خیرہ ہوئی جاتی تھی، صرف ایک ہار میں چار سو موتی ایسے تھے جن میں ہر موتی کی قیمت سو اشرفیاں تھی۔

یوسف اِن ذخیروں کو دیکھ کر حیران رہ گئے، غرناطہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اِس تمام دولت کے مالک اب وہ خود ہیں، لیکن شوقِ ناموری طبع پر غالب آیا، اور فیاضی سے کام لے کر ان تمام خزانوں کو اپنی سپاہ میں تقسیم کر دیا، اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔ لیکن یہ سب جانتے تھے کہ قصر غرناطہ میں جس قدر دولت یوسف کی نظر سے گذری ہے، اُس سے کہیں زیادہ وہاں موجود ہے، اور عبداللہ کی ماں نے بہت سی نادر اور قیمتی اشیاء زمین میں دفن کر رکھی ہیں، اب اُس پر جبر کر کے تمام دفینے معلوم کیے گئے، لیکن پھر بھی شبہ رہا کہ اُس نے تمام دفینے نہیں بتائے، امیر یوسف نے معمل کو، جو اُس کے حکم سے اب قصر اور تمام املاک شاہی کا منتظم مقرر کیا گیا تھا، حکم دیا کہ قصر کی بنیادوں اور عمارتوں کی موریوں کو کھود کر خزانے معلوم کیے جائیں۔

یہ واقعات ایسے تھے جنہیں دیکھ کر اندلس کے ملوک الطوائف امیر یوسف سے قطعاً بگڑ جاتے، لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اس کے برعکس معتمد بادشاہ اشبیلیہ اور متوکل بادشاہِ بطلیوس، امیر یوسف کو مبارکباد دینے غرناطہ میں آئے، اور معتصم صاحب المریہ نے اپنے فرزند عبید اللہ کو اپنی جگہ مبارکباد دینے روانہ کیا،

معتمد کی یہ بڑی نادانی تھی جو اُس کی عقل سے بعید بھی معلوم ہوتی تھی کہ اس حالت میں وہ ایک عجیب امید دل میں قائم کر کے خوش ہونے لگا، وہ امید یہ تھی کہ امیر یوسف غرناطہ کی ریاست معتمد کے فرزند راضی کو جزیرۃ الخضراء کے عوض میں دیدیں گے، جس شخص نے امیر یوسف سے یہ امید رکھی ہو کہ وہ ملک کا کوئی حصہ کسی کو دیدیں گے، اُسے یوسف کی طبیعت اور مزاج سے قطعی ناواقفیت تھی، امیر یوسف نے معتمد کی غلطی بہت جلد معتمد پر ثابت کر دی، ملوک الطوائف جو مبارکباد دینے حاضر ہوئے تھے، اُن سے بہت بے رُخی اور سرد مہری کا برتاؤ کیا، اور جس وقت معتمد نے غرناطہ کی نسبت اشارتاً کچھ کہا تو اُس کے جواب میں یہ عجیب بات دیکھنی پڑی کہ امیر نے معتصم صاحب المریہ کے بیٹے کو جو مبارکباد دینے آیا تھا قید کر دیا۔

اب ملوک الطوائف کی آنکھیں کھلیں، معتمد سخت پریشان ہوا اور کہنے لگا "اس شخص کو اپنے ملک میں بلانے میں ہم نے سخت غلطی کی، اب ہم کو بھی اُسی پیالے سے پینا پڑے گا جو عبد اللہ کو وہ زبردستی پلا چکا ہے۔"

اِس کے بعد معتمد اور متوکل نے اِس بہانے سے کہ قشتالیہ کے عیسائیوں نے اُنکی سرحدوں پر حملہ کرنے کی دھمکی دی ہے، واپسی کی اجازت چاہی، امیر نے اجازت دی، اور یہ دونوں اپنی اپنی ریاست کو واپس چلے گئے۔

اب معتمد اور متوکل نے دوسرے ملوک الطوائف سے کہا کہ "یوسف کی نیت اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی ریاستوں کو اُس کے حملہ سے بچانے کے لیے کوئی تدبیر کریں۔"

اِس تحریک میں انہیں کامیابی ہوئی، ملوک الطوائف نے باہم اتفاق کر لیا کہ مرابطین کو آئندہ فوجیں اور سامانِ رسد مطلق نہ دیا جائے گا، اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ اندلس کی تمام اسلامی ریاستیں اونفونش عیسائی بادشاہ لیون سے اتحاد پیدا کریں۔

یوسف بن تاشفین، غرناطہ سے جزیرۃ الخضراء واپس آئے، تاکہ جہاز پر سوار ہو کر افریقہ جائیں، اور اپنے سپہ سالاروں کو اسپین میں اِس کام کے لیے چھوڑ گئے کہ وہ اندلس کے

ملوک الطوائف کو حکومت سے معزول کریں۔

غرناطہ سے جزیرۃ الخضرا کی راہ طے کرنے میں امیر یوسف نے عبداللہ معزول صاحب غرناطہ کے بھائی تمیم سے مالقہ کی ریاست چھین لی۔ مالقہ کی ریاست اور مالقہ کا رئیس ملوک الطوائف میں سب سے کم حیثیت رکھتا تھا۔

امیر یوسف نے اندلس کے فقیہوں کو بھی تاکید کردی کہ اب قطعی فتویٰ لکھنے، اور جاری کرنے کا وقت آگیا ہے۔ فقہار کو اتنا اشارہ پانے پر فتویٰ تیار کرنے میں کیا دیر لگتی تھی، چنانچہ فتویٰ فوراً تیار ہوگیا، جس میں بیان کیا گیا کہ "ملوک الطوائف بڑے بے دین، اور فاسق وفاجر ہیں، اُنہوں نے اپنی بُری مثال سے رعایا کو خراب، اور دین سے اُسے بدراہ کر رکھا ہے، دیکھو! یہ بادشاہ نماز کی طرف سے کیسے غافل ہیں، اور باوجود امیر المسلمین کی ممانعت کے اُنہوں نے خلافِ شرع محصول اب تک جاری کر رکھے ہیں اُن کی نازیبا حرکتوں میں بدترین کرتوت یہ ہے کہ قشتالیہ کے عیسائی بادشاہ سے جا ملے ہیں، اور یہ کافر بادشاہ وہ ہے جو دینِ برحق کا جانی دشمن ہے، بس یہ ملوک الطوائف اب ہرگز مستحق نہیں رہے کہ وہ مسلمانوں پر حکومت کریں، امیر المسلمین یوسف نے جس قدر عہد و پیمان اُن سے کیے تھے، اب اُن کے ایفا پر امیر موصوف مطلق مجبور نہیں رہے، اور یہ اُن کا حق ہی نہیں بلکہ فرضِ عین ہے کہ وہ ملوک الطوائف کو بلا تامل اُنکی حکومتوں سے معزول کردیں۔"

فقہار نے فتوے کے اخیر میں لکھا کہ "ہم اپنے اِس فیصلے کی نسبت خدا کے سامنے جواب دینے کے ذمہ دار ہیں، اگر ہم خطا پر ہیں تو عاقبت میں اس کی پاداش بھگتیں گے (۷۱۲) اور ہم کہے دیتے ہیں کہ امیر المسلمین! اب آپ اِس امر میں ہر سابقہ عہد و پیمان سے آزاد ہیں، اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ اگر آپ نے اندلس کے اِن بادشاہوں کو سلامت چھوڑ دیا، تو وہ اِس مُلک کو کُفّار کے حوالے کردیں گے، اور اس صورت میں آپ کو خدا کے سامنے اِس غفلت کا جواب دینا ہوگا۔"

یہی انداز بیان اس قابلِ یادگار فتوے کا تھا، اِس میں اندلس کے خاص خاص بادشاہوں

پر الزام بھی لگائے گئے تھے ، رُمَیکیہ ملکۂ معتمد کا بھی اُس میں ذکر تھا ، اُس پر یہ الزام تھا کہ اُس نے اپنے شوہر کو دیدہ و دانستہ عیش و عشرت اور شراب خواری میں مبتلا کیا ، اور پابندیٔ دین کے زوال و انحطاط کا خاص باعث یہی عورت ہے۔

یہ فتویٰ یوسف کے لیے بڑی ہی قابلِ قدر چیز تھا ، اور اس کو زیادہ استحکام بخشنے کے لیے افریقہ کے فقیہوں سے بھی اس کی منظوری حاصل کی گئی ، اِس کے بعد یہ فتویٰ مصر اور ایشیا کے مشہور علمار کی خدمت میں اِس غرض سے بھیجا گیا کہ فقہائے مغرب کی رائے کو وہ بھی مستند قرار دیں۔

مشرق کے علمار ممکن تھا کہ ایسے معاملات میں دخل دینے سے پرہیز کرتے ، جن کا انہیں کسی قسم کا علم نہ تھا ، مگر ایسا نہ ہوا ، وہ اِس خیال سے خوش ہوئے کہ دنیا میں ایک ملک ایسا بھی ہے جہاں علمائے دین کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس کو چاہیں بادشاہ بنائیں ، اور جسے چاہیں بادشاہی سے خارج کر دیں۔

اِس وقت علمائے مشرق میں سب سے زیادہ مشہور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تھے ، اُن کو بھی اندلس کے فقہار کے فیصلے سے اتفاق کرنے میں مطلق تامل نہ ہوا۔

لیکن اِن بزرگوں نے یوسف بن تاشفین کو اِس بات کی ضرور ہدایت کی کہ وہ حکومت انصاف سے کرے ، اور راہِ راست سے نہ ہٹے ، یا دوسرے لفظوں میں اِسکے معنی یہ سمجھیے کہ علمائے دین کی ہدایتوں پر ہمیشہ چلے ۔

اسناد :-

عباد (ڈوزی) ج ۱ ص ۱۷۲ تا ۱۷۵
ج ۲ ص ۹ ، ۲۳ تا ۲۷ ، ۳۹ ، ۱۲۰ تا ۱۲۱ ،
۱۳۱ تا ۱۳۲ ، ۱۵۱ ، ۱۷۹ تا ۱۸۰
۱۹۹ تا ۲۰۴ ، ۲۱۱ ، ۲۲۱ -
عبدالواحد ص ۹۲ ، ۹۴ تا ۹۷
ابن بسّام ج ۱ ص ۲۳۰
ابن الخطیب (قلمی نسخہ گوتھا) ص ۱۴ تا ۱۷
(قلمی نسخہ E) مضامین متعلق ابوجعفر قلیعی ، مقاتل ،
ابن بلوگین ، اور مُعتمِل -
ابن خلکان جلد ۱۲ ص ۲۷ تا ۲۶
ابن خلدون (تاریخ بربر) ج ۲ ص ۷۹ تا ۸۲ (ترجمہ)
قرطاس ص ۹۹

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

چودھویں فصل

مرابطین کی حکومت

(۱۳ے) جنگ و منازعت کی شکل جیسا کہ قیاس چاہتا تھا اب دوسری ہوگئی، لڑائیاں کھلے میدانوں کی نہ رہیں بلکہ صرف محاصرے رہ گئے، فریقین مقابل کا یہ کام تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق کے قلعوں کا محاصرہ کرے، اور دوسرا فریق اپنے قلعوں کو دشمن سے بچائے۔ مرابطین کا لشکر، جس کا سردار امیر یوسف کا بھتیجا سیر ابن ابوبکر تھا، کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، ایک حصہ المریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اور باقی حصے معتمد کے قلعوں پر حملہ کرتے تھے، ان قلعوں میں سے جزیرہ طریف کا قلعہ دسمبر ۱۰۹۰ء (شوال ۴۸۳ھ) میں مرابطین نے فتح کر لیا۔

مرابطین کو فتوحات اس قدر جلد حاصل ہو رہی تھیں کہ جزیرہ طریف کی فتح کے بعد ہی امیر یوسف کے لشکر نے قرطبہ کا محاصرہ شروع کر دیا، قرطبہ کی فوجوں کا سپہ سالار فتح ابن معتمد

تھا، اس کا لقب المامون تھا، بنی امیہ اندلس کا پرانا دارالخلافہ قرطبہ اب اِس قابل نہ تھا
کہ دشمن کے حملوں کو زیادہ مدت تک روک سکتا، خود اُسی کے باشندوں نے شہر مرابطین
کے حوالے کردیا، فتح نے چاہا کہ دشمنوں اور باغیوں میں سے رستہ نکالتا ہوا باہر آئے مگر دشمن زیادہ
تھے، قتل ہوگیا، مرابطین نے اُس کا سر کاٹ کر نیزے پر لگایا اور فتح کی خوشی میں اُسے گشت کرایا
(۲۶ مارچ ۱۰۹۱ء- ۲ صفر ۴۸۴ھ) ڈیڑھ مہینے کے بعد ۱۰ مئی ۱۰۹۱ء (۱۸ ربیع الاول ۴۸۴ھ)
کو قرمونہ بھی مرابطین کے قبضہ میں آگیا، اِس کے بعد اشبیلیہ کا محاصرہ شروع ہوا، مرابطین کے دو
لشکر اِس شہر پر حملہ کرنے کو بڑھے تھے، ایک نے شہر کی شرقی سمت میں اور دوسرے نے مغربی
سمت میں اپنے خیمے نصب کر دیے، مغربی سمت والے لشکر اور شہر کے درمیان دریائے وادی الکبیر
حائل تھا، اور شہر والے کنارے کی طرف شہر کی حفاظت کے لیے دریا میں ایک بیڑا جنگی جہازوں
اور کشتیوں کا موجود تھا، معتمد کی حالت اِس وقت نازک تھی، صرف ایک شخص سے کچھ امید باقی
تھی، اور یہ میون کا عیسائی بادشاہ ادفونش تھا، معتمد نے اِس سے مدد چاہی، اور مدد کے معاوضہ
میں بڑے بڑے انعاموں کا وعدہ کیا، ادفونش نے مدد دینے کا اقرار کیا، اور وعدہ ایفا بھی کیا،
یعنی اپنے سپہ سالار الورفانیز کو بہت سی فوج دیکر روانہ کیا، لیکن حصن المدور کے قریب سیر ابن ابوبکر
کی بھیجی ہوئی ایک فوج سے الورفانیز کا مقابلہ ہوا، اور اس معرکہ میں الورفانیز شکست کھا گیا،
اِس شکست کی خبر معتمد کے لیے ایک صدمۂ عظیم ثابت ہوئی، لیکن پھر بھی ہمت کو ہاتھ
سے نہ دیا، دربار کے نجومی بھی اچھی خبریں اور اچھے خواب سُنا کر ہمت بڑھاتے رہے، جبتک
نیک فالیں نکلتی رہیں، معتمد کو امید رہی کہ پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائیگی کہ
اسکی سلطنت قائم رہے گی، لیکن جب نجومیوں نے بُری فالیں اور خاتمہ کے قریب آنے کی خبریں
سُنائیں، جنمیں سے ایک یہ بھی تھی کہ "ایک شیر اپنے شکار پر جست لگانیکو ہے" تو معتمد کے دل پر
غم کی گھٹا چھا گئی، اور شہر کو دشمن سے بچانے کا جس قدر کام تھا وہ اپنے فرزند رشید کے سپرد کر دیا۔

(۷۱۴) اِسی اثنا میں بدخواہوں نے جو شہر کو دشمن کے حوالے کرنا چاہتے تھے، شہر کے لوگوں میں
بغاوت پھیلانے کی کوششیں بند نہ کیں، معتمد کو ان لوگوں کا حال معلوم تھا، اگر چاہتا تو ان کو
قتل کر دیتا، لیکن اُسے یہ گوارا نہ ہوا کہ اپنے دورِ حکومت کو ایسے تشدد پر ختم کرے، پس اُس نے

صرف اس بات کو کافی سمجھا کہ ان غداروں کو نظر میں رکھا جائے، مگر ان کی نگرانی بیکار تھی ان دشمنوں کو ایسے ذرائع میسر ہو گئے تھے کہ شہر کی خبریں مرابطین کو باہر پہنچاتے رہیں، مرابطین نے فصیل میں نقب لگائی، دشمنوں نے مرابطین کی مدد کی، اور اسی نقب سے ۲ ستمبر ۱۰۹۱ء (۱۵ رجب ۴۸۴ھ) کو شنبہ کے دن مرابطین میں سے کچھ لوگ شہر میں داخل ہو گئے، معتمد نے جب سنا تو تلوار ہاتھ میں لیے بغیر زرہ پہنے یا سپر لگائے گھوڑے پر سوار ہوا، اور کچھ سواروں کو ساتھ لے دشمن پر دھاوا کر دیا، ایک مرابطی نے اپنا نیزہ معتمد کی طرف چلایا، نیزہ معتمد کی بغل کے پاس سے قبا کو چھوتا ہوا نکل گیا، اس پر معتمد نے تلوار دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس زور سے لگائی کہ مرابطی کے دو ٹکڑے ہو گئے، اس مرابطی کا حشر دیکھ کر باقی جس قدر دشمن نقب کے رستے شہر میں داخل ہوئے تھے سب بھاگ گئے، نقب جلد بند کر دی گئی، لیکن خطرہ جس کا سدباب کچھ دیر کے لیے ہو گیا تھا، پھر جلد پیدا ہو گیا اسی دن تیسرے پہر مرابطین نے دریا میں جو بیڑا پڑا ہوا تھا اس میں آگ لگا دی۔

اس واقعہ نے محصورین کے ہوش پراگندہ کر دیے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جہازوں کے تباہ ہو جانے کے بعد شہر کو دشمن سے محفوظ رکھنا کسی طرح ممکن نہ تھا، دشمن نے آخری حملہ اپنے سپہ سالار سیر ابن ابوبکر کے آنے تک ملتوی کر رکھا تھا، شہر والوں کو اب اپنی جان کی پڑی، کسی نے دریا تیر کر بھاگنے کی کوشش کی، کوئی فصیل پر چڑھ کر نیچے کودا، بعض نے خالو اور موریوں میں چھپ گئے۔ اسی زمانہ میں سیر ابن ابوبکر اشبیلیہ پہنچ گیا، اور ۷ ستمبر ۱۰۹۱ء (۱۲ رجب ۴۸۴ھ) کو اتوار کے دن اشبیلیہ پر آخری حملہ کیا گیا، معتمد کے سپاہی جو فصیلوں پر تھے، بڑی جوانمردی سے دشمن کے حملے کو روکتے رہے، لیکن دشمنوں کی تعداد نے آخرکار اُن کو مغلوب کر دیا، اور مرابطین شہر میں داخل ہو گئے، اور شہر بہت جلد ہر قسم کی زیادتیوں اور خوں ریزیوں کا مرکز بن گیا، فاتحین نے لالچ میں آ کر شہر والوں کے کپڑے تک اُتروا لیے۔

معتمد اپنے قصر میں تھے، اُن کی بیگمات رو رہی تھیں، اُن کے دوست اور ہواخواہ اُنہیں سمجھانے لگے کہ اطاعت قبول کر لیجیے، مگر معتمد انکار کرتے رہے، کیونکہ وہ ڈرتے تھے، موت سے نہیں، اُس سے تو اکثر دوچار ہو چکے تھے، ڈرتے تھے بے عزتی سے، چنانچہ

اس مضمون کے چند اشعار بھی اُنھوں نے کہے تھے :-

"جب میرے آنسو بہنے بند ہوئے، اور میرے دُکھتے ہوئے دل کو سکون ہوا، تو لوگوں نے کہا رضا رقضا مقتضائے سیاست ہے، لہٰذا تیری جانب سے مرابطین کے لیے اطاعت ظاہر ہونی چاہیے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس جام ذلت سے زہر ہلاہل میرے لیے زیادہ شیریں ہے، اگر دشمن نے میری قلمرو مجھ سے چھین لی ہے اور سپاہیوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو کیا ہوا، میرا دل تو ہنوز پہلو میں ہے پسلیوں نے ابھی دل کو تو نہیں چھوڑا، فطری شرافت تو مجھ سے چھینی نہیں گئی، کیا شرافت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے چھینی جا سکتی ہے؟ جس روز میں نے دشمن پر حملہ کیا تو میں نے زرہ نہیں پہنی تھی، میں اس شان سے مقابلہ میں آیا کہ بجز کرتے کے اور کوئی چیز جسم کو ڈھانکنے والی نہ تھی، میں اپنی جان پر کھیل گیا، تاکہ جسم سے خون نکلنے کے بعد جان بھی نکل جائے، میری موت میں تاخیر ہوگئی مگر میری خواہش کبھی نہ تھی کہ ذلت و اطاعت قبول کروں۔"

(۷۱۵)

ایک مرتبہ پھر معتمد نے موت کو جو اُن سے بچنا چاہتی تھی، تلاش کیا، اُنھوں نے اپنے سپاہیوں کو جمع کیا، اور مرابطین کے اُس دستۂ فوج پر جو قصر میں داخل ہوگیا تھا، حملہ کیا، اور اُسے قصر سے باہر نکال دیا، جو لوگ فصیل پر چڑھ آئے تھے اُنہیں دریا میں دھکا دے دیا گیا۔

اس ہنگامہ میں معتمد کے ایک فرزند جن کا نام مالک تھا کام آئے، لیکن معتمد کو کوئی ضرر نہ پہنچا، معتمد جب قصر میں واپس آئے تو خودکشی کا ارادہ کیا، لیکن خدا کی نظر میں ایسے کام کو بُرا سمجھ کر اُس کا خیال دل سے نکال ڈالا، اور آخر کار مرابطین کی اطاعت اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا۔

جب رات ہوئی تو معتمد نے اپنے فرزند رشید کو سیر ابن ابوبکر کے پاس اِس اُمید سے بھیجا کہ شاید صلح کی کچھ شرطیں منظور کی جائیں، لیکن یہ امید بیکار ثابت ہوئی، رشید نے بہت چاہا کہ سیر ابن ابوبکر سے بالمواجہ گفتگو ہو، مگر کامیابی نہ ہوئی، اور ابنِ ابوبکر نے رشید کو کہلا بھیجا کہ

اپنے باپ سے کہدو کہ وہ بلا کسی شرط کے اطاعت قبول کرتے

معتمد نے اب شیت کے سامنے سر جھکا دیا، اپنے اہل وعیال اور روتے ہوئے افسرانِ فوج کو الوداع کہا، اور خود اور اپنے فرزند کو مرابطین کے حوالے کر دیا۔

معتمد جب قصر سے چلے گئے تو قصر لوٹا گیا، اور معتمد کو اطلاع دی گئی کہ اُن کو اور اُن کے فرزند کی جان کو صرف اِس شرط پر سلامتی دی جا سکتی ہے کہ معتمد اپنے دو بیٹوں راضی اور معتد کو حکم دیں کہ وہ اپنے اپنے قلعے مرابطین کے سپرد کر دیں، جن کا مرابطین اِس وقت محاصرہ کیے ہوئے تھے۔

راضی اُس وقت رندہ کے اور معتد، مرتلہ کے حاکم تھے۔ معتمد اِس پر رضامند ہو گئے مگر وہ جانتے تھے کہ دونوں فرزند بھی اُنہی کی طرح دل کے مضبوط ہیں۔

معتمد نے نہایت محبت اور شفقت کے الفاظ میں والدین پر مہربانی اور رحم کی درخواست کے ساتھ راضی اور معتد کو لکھا کہ "میرے کہنے سے اپنے اپنے قلعے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ۔ کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس سے تمہارے ماں باپ اور بھائی بہنوں کی جان سلامت رہ سکتی ہے۔"

سیدہ اعتماد (رُمیکیہ) نے بھی دونوں فرزندوں کو وہی باتیں لکھیں، جو باپ نے لکھی تھیں، کیونکہ اُنہیں بہت خوف تھا کہ کہیں راضی اور معتد اپنے اپنے قلعوں کو چھوڑنے سے انکار نہ کر دیں، یہ خوف بہت حد تک ٹھیک تھا۔

راضی کو جانتا تھا کہ ماں باپ اور بھائی بہنوں کی اِس صورت میں جان نہ بچے گی، مگر اُسے اصرار ہوا کہ وہ مقابلہ جاری رکھ کر رندہ کو مرابطین کے قبضے میں نہ جانے دے، کیونکہ وہ خوب واقف تھا کہ رندہ کا قلعہ دشمن سے مدت تک فتح نہ ہو سکیگا، غیرور مرابطین کا سپہ سالار جو رندہ کی فتح کے لیے مقرر کیا گیا تھا، قلعہ سے کچھ دُور رہتا تھا، اُس کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اِس آشیانۂ عقاب کے قریب جائے، جو بلند اور سیدھے پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، غیرور اُس کی فتح کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا،

راضی پر آخر کار والدین کی محبت غالب آئی، اور اُس نے دشمن سے مصالحت کی

گفتگو کرنی چاہی، شرائط صلح اچھی طے پائیں، اس کے بعد راضی نے مرابطین کے لیے قلعہ کا دروازہ کھول دیا، لیکن مرابطین کے سپہ سالار نے نقض عہد کیا، اور اس قصور پر کہ قلعہ میں رہ کر اتنی مدت تک کیوں مقابلہ کیا، راضی کو قتل کرا دیا۔

معتد نے قلعہ مرتلہ کو حوالے کرنے میں زیادہ دیر نہ کی، اس لیے اُس کا حال راضی سے بہتر رہا، مرابطین نے شروع میں معتد سے وعدہ کیا کہ اُس کا مال و متاع سب اُس کے قبضے میں رہے گا۔ مگر اخیر میں یہ مال ضبط کر لیا۔ (۱۶ر)

اشبیلیہ کے فتح ہو جانے سے مرابطین کے لیے المریہ کی فتح آسان ہو گئی، معتصم صاحب المریہ کا جب انتقال ہونے لگا تو اُس نے اپنے بڑے فرزند عز الدولہ سے کہدیا تھا کہ اگر مرابطین اشبیلیہ فتح کر لیں، تو تم افریقہ میں بجایہ کے بادشاہ کے پاس چلے جانا، عز الدولہ نے باپ کا کہنا کیا، اور المریہ چھوڑ کر بجایہ چلا گیا، مرابطین ذی قعدہ ۴۸۴ھ (آخر ۱۰۹۱ء) میں المریہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے، اس کے تھوڑے ہی دن بعد مرسیہ، دانیہ، اور شاطبہ پر مرابطین کا تصرف ہو گیا، اور اب وہ بطلیوس کی طرف متوجہ ہوئے۔

متوکل صاحب بطلیوس نے محاصرۂ اشبیلیہ کے زمانہ میں چاہا تھا کہ مرابطین سے مل کر اپنی ریاست بچالے، بیان ہوا ہے کہ اُس نے مرابطین کو خوش کرنے کے لیے معتد کے دار الحکومت کو فتح کرنے میں اُنکی مدد کی، لیکن جب مرابطین نے جو برائے نام متوکل کے دوست بنے ہوئے تھے، اُسکی ریاست کی سرحدوں پر غارتگری شروع کی تو متوکل نے ادفونش سے مدد مانگی اور اس مدد کے عوض میں اشبونہ، شنترہ، اور شنترین کے شہر ادفونش کے حوالے کر دیے

ان شہروں کی حکومت عیسائیوں کے حوالے کر دینے سے مسلمان رعایا متوکل سے بگڑ بیٹھی، اور ان میں سے بعض نے مرابطین سے بات چیت شروع کر دی، سیر ابن ابو بکر نے جو اس زمانہ میں اشبیلیہ کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا فوراً ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) میں ایک لشکر متوکل سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا، اور علاقہ بطلیوس پر مع شہر بطلیوس کے اس سرعت اور تیزی سے قبضہ کیا کہ ادفونش کو متوکل کی مدد دینے کا وقت تک نہ مل سکا، متوکل اس وقت بطلیوس کے شہر میں اُسے محفوظ مقام سمجھ کر مع اہل و عیال کے چلا آیا تھا جب شہر پر مرابطین

کا قبضہ ہوا تو متوکل گرفتار ہو گیا، سیر ابن ابو بکر نے متوکل کو جسمانی ایذائیں پہنچا کر پوشیدہ خزانوں کا پتہ چلایا، اور پھر حکم دیا کہ متوکل اور اُس کے دونوں بیٹوں طفیل اور عباس کو اشبیلیہ لے جائیں، لیکن سیر ابن ابو بکر کا ارادہ دراصل اُن کو اشبیلیہ بھیجنے کا نہ تھا، بلکہ اصل مقصود اُن کو ہلاک کر دینے کا تھا، لیکن اِس خیال سے کہ اگر بطلیوس میں اُن کو قتل کیا تو اس کا اثر اچھا نہ ہوگا، اُس نے افسر فوج کو جو متوکل اور ان شہزادوں کو حراست میں لیے ہوئے تھا، ہدایت کر دی کہ جس وقت شہر سے باہر کچھ دُور پہنچو تو اُن کو قتل کر دینا، شہر سے نکل کر کچھ دُور جانے کے بعد افسر فوج نے متوکل اور اُس کے دونوں فرزندوں سے کہا کہ موت کے لیے تیار ہو جائیں، متوکل نے اِن قاتلوں سے رحم کی درخواست نہ کی، کیونکہ وہ اِس کو ایک فعل عبث سمجھتا تھا، صرف اتنا کہا کہ "بیٹوں کو پہلے قتل کیا جائے" یہ اِس خیال سے کہا کہ باپ کو بیٹوں کی موت دیکھنے میں سخت تکلیف اور اذیت ہوگی، اور مسلمان کو جس قدر اذیتیں اور تکلیفیں اِس دنیا میں زیادہ پہنچتی ہیں، اُتنے ہی اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

متوکل کی یہ درخواست منظور ہوئی، اور جب اُس نے اپنے دونوں بیٹوں کے کٹے ہوئے سر دیکھ لیے تو نماز پڑھی، سجدہ ہی میں تھا کہ سپاہیوں نے برچھیاں بھونک کر متوکل کو ہلاک کر دیا۔

(۱۷) ۴۹۶ھ / ۱۱۰۲ء میں مرابطین نے بلنسیہ پر قبضہ کر لیا، آٹھ برس پہلے اِس شہر پر قنبیتور مستولی ہو گیا تھا، جب تک وہ زندہ رہا، مرابطین بلنسیہ پر قبضہ نہ کر سکے، قنبیتور کے مرنے پر (۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء) اُس کی بیوی زمینہ دو برس اور قابض رہی، اذفونش بادشاہ لیون سے اُس نے مدد کی درخواست کی، لیکن اذفونش نے یہ سمجھ کر مدد نہ دی کہ بلنسیہ اُس کے دارالحکومت سے بہت دُور ہے، اِس لیے ہمیشہ اُس کی حفاظت کرنی ممکن نہ ہوگی، بدیں وجہ اُس نے بلنسیہ سے بے تعلق رہنا مناسب سمجھا، قشتالی عیسائیوں کو جب مرابطین کے خوف سے بلنسیہ خالی کرنا پڑا، تو وہ جاتے ہوئے شہر میں آگ لگاتے گئے جس سے سارا شہر جل کر خاک ہو گیا۔

اسپین اسلامیہ میں اب صرف دو ریاستیں ایسی رہ گئی تھیں جنہیں مغلوب کرنا ابھی مرابطین کے لیے باقی تھا، ایک تو سرقسطہ کی ریاست جسمیں احمد المستعین حکومت کرتے تھے جو بنی ہود میں سے تھے، اور دوسری ریاست سہلہ کی تھی، جس کے مالک بنی رزین تھے، بنی رزین امیر یوسف بن تاشفین کو اپنا بادشاہ مانتے تھے مگر باوجود اس کے وہ سہلہ کی ریاست سے معزول کیے گئے، احمد مستعین جنھوں نے قیمتی تحائف دیکر مرابطین کو خوش کر رکھا تھا، بنی رزین سے اچھے رہے، یعنی مستعین کی زندگی تک سرقسطہ کی ریاست بحالِ خود قائم رہی، لیکن جب ۲۴ جنوری ۱۱۱۰ء (یکم رجب ۵۰۳ھ) کو المستعین کا انتقال ہو گیا، تو ریاست میں انقلاب پیدا ہوا، سرقسطہ کے باشندوں نے مستعین کے فرزند اور جانشین عماد الدولہ کی اطاعت اس شرط سے کرنے کا وعدہ کیا کہ جس قدر عیسائی عماد الدولہ کی فوجوں میں ملازم ہیں وہ برطرف کر دیے جائیں۔

اس شرط کی پابندی مشکل تھی، کیونکہ سرقسطہ کی بہترین فوجیں وہی تھیں جن کے سپاہی عیسائی تھے، اور یہ عیسائی فوجیں کچھ آج سے نہیں بلکہ سو برس پہلے سے ریاست میں چلی آرہی تھیں، عماد الدولہ کو ان فوجوں کے موقوف کر دینے کے بعد اپنی معزولی بھی صاف نظر آرہی تھی، کیونکہ رعایا کی بڑی خوشی یہی تھی کہ مرابطین کی اطاعت قبول کرلی جائے لیکن آخر کار عماد الدولہ مجبور ہوا، اور اس نے رعایا سے عیسائی فوجوں کے برخاست کر دینے کا وعدہ کر لیا، جس وقت یہ عیسائی فوجیں برطرف ہوئیں تو رعایا نے یوسف بن تاشفین کا تو اب انتقال ہو چکا تھا، اُن کے بیٹے علی سے جو باپ کے جانشین ہوئے تھے، خط و کتابت شروع کر دی، اور امیر علی بن یوسف کو لکھا کہ "عیسائیوں کی فوجیں برخاست کر دی گئی ہیں اب ریاست آپ کے لیے حاضر ہے۔"

رعایا کی طرف سے جب یہ سازش دیکھی تو عماد الدولہ نے عیسائیوں کو پھر فوج میں بھرتی کر لیا، اس پر رعایا کے غصے کی انتہا نہ رہی، فوراً امیر علی بن یوسف کو اس واقعہ کی اطلاع دی، اور اُن سے مدد چاہی، امیر علی بن یوسف نے علمائے مراکش سے اس امر میں استفسار کیا کہ ایسی حالت میں سرقسطہ کے معاملات میں اُسے دست اندازی

کرنی چاہیئے یا نہیں؟ علمار نے دست اندازی کی اجازت دی، اجازت ملتے ہی
علی بن یوسف نے حاکم بلنسیہ کو لکھا کہ سرقسطہ پر قبضہ کرلے۔ اس حکم کی تعمیل بغیر دشواری کے ہوئی
کیونکہ عماد الدولہ یہ سمجھ کر کہ سرقسطہ اب اُس کے لیے محفوظ مقام نہیں ہے، شہر چھوڑ کر قلعہ
روطہ[۵] میں جا رہا تھا، سرقسطہ سے روانہ ہونے سے پہلے اُس نے ایک بہت پُر درد خط (۷۱۸)
علی بن یوسف کو اس مضمون کا لکھا کہ "جو دوستی اور محبت میرے اور آپ کے والدین میں تھی
اُس کا لحاظ کرتے ہوئے اُمید ہے کہ آپ میری ریاست پر قبضہ نہ کریں گے، کیونکہ مجھ سے
کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس پر آپ ناراض ہوں"۔

علی بن یوسف پر اس خط کا بڑا اثر پڑا، کیونکہ اُن کے والد امیر یوسف نے مرتے وقت
بیٹے کو وصیت کی تھی کہ بنی ہود سے صلح رکھنا، چنانچہ خط پڑھتے ہی علی نے فوراً اپنا حکم
جو حاکم بلنسیہ کو دیا تھا، مسترد کیا، لیکن اب اس کا وقت نہ رہا تھا، مرابطین سرقسطہ پر
قابض ہو چکے تھے۔

اِس طرح امیر مرابطین یعنی بادشاہ مراکش میں تمام اسلامی سپین کی حکومت مجتمع
ہوگئی، عالموں اور فقیہوں کے دلوں کو تسکین ہوئی، اس انقلاب سلطنت پر اُنہیں افسوس
کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، مرابطین کی سلطنت میں علمائے دین کو جو زور اور قدرت حاصل
تھی، اُس کی مثال اگر عیسوی حکومت میں تلاش کرنی ہو تو قوم نسیقوط کے عہد کو یاد
کیا جائے، جس میں پادری تمام سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک ہو رہے تھے،
خاندان مرابطین کے تین بادشاہ جنہوں نے یکے بعد دیگرے اندلس پر حکومت کی، یعنی
یوسف بن تاشفین، علی بن یوسف (۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء تا ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء) اور تاشفین بن علی بن یوسف
(۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء تا ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء) یہ سب بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے، فقیہوں کی بیحد
عزت کرتے تھے، اور کوئی کام تاوقتیکہ وہ منظور نہ کرلیں نہیں کرتے تھے، لیکن زہد اور

---

[۵] عماد الدولہ اس قلعہ پر اپنی وفات (۵۲۵ھ/۱۱۳۰ء) تک قابض رہے، اس کے دس برس بعد عماد الدولہ کے بیٹے اور
جانشین سیف الدولہ نے یہ قلعہ ادفونش ہفتم کو تفویض کردیا۔

اتقا علی بن یوسف پر ختم ہو گیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ علی تختِ حکومت کے لیے نہیں پیدا
کیے گئے تھے، بلکہ کسی خانقاہ یا صحرا کے کسی رباط میں عبادت و ریاضت میں زندگی بسر
کرنے کے لیے پیدا کیے گئے تھے، فقہاء ایسے بادشاہ سے بے انتہا خوش تھے، جس طرح
چاہتے تھے اُسے چلاتے تھے، فقہاء سلطنت کا کل انتظام اپنے ہی قبضے میں لے آئے
تھے، ملازمینِ سلطنت کا عزل و نصب، اُن کی قدر افزائی، یا خواری اُنہی کے اختیار میں
تھی، دولت اِن لوگوں نے خوب جمع کر لی تھی، خلاصہ یہ کہ حکومتِ مرابطین سے جو جو پھل
اُنہوں نے چکھنے چاہے تھے وہ چن لیے، اور پھلوں کی فصل بھی اُنکے اندازہ سے بہتر اُٹھی
لیکن جہاں فقہا کی عمدہ توقعات پوری ہوئی تھیں، وہاں ایسے لوگوں کا خوف و ہراس
بھی صحیح نکلا جو نہ مراکش کے فقیہوں کا اور نہ صحرا کے وحشیوں کا محکوم ہونا پسند کرتے تھے،
شعراء و فلاسفہ اور دیگر اہلِ علم کو مرابطین سے سخت شکایتیں پیدا ہوئیں، یہ درست ہے
کہ بہت سے اہلِ علم اور لکھے پڑھے لوگ، جو پہلے اندلسی بادشاہوں کے محکموں اور
دفتروں میں ملازم تھے، اب مرابطین کی ملازمت میں تھے، لیکن وہ متعصب فقیہوں
اور وحشی فوجیوں کے ہجوم میں خوشی سے زندگی بسر نہ کر سکتے تھے، جن شاہی درباروں
کی خدمت کے وہ پہلے سے خوگر ہو چکے تھے، وہ کچھ اور ہی طرز اور قماش کے تھے،
پیٹ کے لیے ٹکڑا پیدا کرنے کی غرض سے جو شاعر رؤسائے مرابطین کی شان میں قصیدے
کہتے تھے، یا مصنفین اپنی کتابیں اُن کے نام معنون کرتے تھے، ان سب کے کلام
میں ایک افسردگی پائی جاتی تھی، اور یہ لوگ اپنے اشعار اور تصانیف میں شاہانِ اندلس
کو جو دنیا سے چل بسے تھے، بڑی حسرت سے یاد کرتے تھے، اِن شعراء اور مصنفین
میں بعض بگڑے دل ایسے بھی تھے، جو بے اختیار ہو کر مرابطین پر اپنا غضب ظاہر کرنے
لگتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر امیر المسلمین نے اپنے کاتب ابو مروان کو حکم دیا کہ بلنسیہ
کے لشکر کو اِس حرکت پر کہ عیسائی بادشاہ ارغون سے اُس نے شکست کھائی، نصیحت (۷۱۹)
کی جائے، ابو مروان نے مرابطین کی طرف سے جو بخار اُس کے دل میں بھرا ہوا تھا وہ
خط میں اِس طرح کے جملے لکھ کر نکالا " بزدلو! نامردو! جو ایک سوار کو دیکھتے ہی

ڈر کر بھاگنے کو ہوتے ہو، تم کو سواری کے لیے گھوڑے نہیں بلکہ دودھ دہنے کے لیے بھیڑ بکریاں ملنی چاہیئے تھیں، اب وقت آگیا ہے کہ تم کو سخت سزا دی جائے، اور اسپین کو خس و خاشاک سے پاک کرنے کے لیے تمہیں پھر صحرا میں واپس آنے کا حکم دیا جائے۔"
اِس قسم کی عبارت امیر مرابطین کو اپنی فوج کی نسبت لکھنی کیونکر گوارا ہوسکتی تھی؟ چنانچہ ابومروان کاتب برطرف کردیا گیا۔

اِس زمانہ میں شاعروں کے لیے سرپرستوں اور مربّیوں کا کال پڑ گیا، ہر وقت کفِ افسوس ملتے تھے کہ ہائے لوگوں کا مذاق کیسا بگڑ گیا ہے، صحرا کے وحشی فاتحوں پر لعنت و ملامت کی بوچھاڑ رکھتے تھے، کچھ شاعر ایسے بھی تھے جو فقیہوں کی مدح سرائی کرکے قوتِ لایموت پیدا کر لیتے تھے، کیونکہ فقہار بھی باوجود زہد و اتقا کے خود پسندی کے عیب سے پاک نہ تھے، احمد ابن حمدین قاضیٔ قرطبہ فقہار میں سب سے سربرآوردہ تھے، اور خود بینی بھی اُن میں سب سے زیادہ تھی، چونکہ شرفائے عرب سے ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے، اور شاہانہ کرو فر سے رہتے تھے، اِس لیے اِس قسم کے اشعار سُننے پسند کرتے تھے "مت ذکر کرو بغداد کی شان، اور چین و ایران کے حُسن کا، دنیا کے شہروں میں کسی شہر کو قرطبہ کے اور دنیا کے لوگوں میں کسی انسان کو احمد بن حمدین کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جاسکتا" لیکن فقہار شدّت سے بخیل ہوتے تھے، یہانتک کہ احمد بن حمدین بھی جو سب سے زیادہ دولت رکھتے تھے، اِس عیب سے مُستثنیٰ نہ تھے، اِسی لیے جن شاعروں کو اپنے فن یا اپنی عزت کا ذرا بھی پاس تھا، وہ فقیہوں کی شان میں قصیدے لکھنے سے پرہیز کرتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ مفلسی و تنگدستی شاعروں کا حصہ ہوچکی تھی، شاعرِ خوش بیان ابن البقی اندلس کے بہترین شعرار میں سے تھا مگر حالت یہ تھی کہ شہر بشہر دریوزہ گری کرتا پھرتا تھا، ایک موقع پر بہت ہی رنج و ملال کے ساتھ کہتا ہے "اے ہموطنو! میں تم میں رہ کر مفلسی اور تکلیف میں گذر کر رہا ہوں، اگر مجھے اپنی عزت کا خیال ہوتا، تو کبھی کا یہاں سے چلا گیا ہوتا، تمہارے باغ اب پھل پیدا نہیں کرتے، تمہارا آسمان اب بارانِ رحمت

نہیں برساتا، کمال مجھے حاصل ہے، اگر اندلس اپنی زمین سے مجھے نکالتا ہے، تو عراق مجھے قبول کریگا، شاعری کر کے اِس ملک میں زندہ رہنا دیوانگی ہے، کیونکہ اِس سرزمین میں اب سوائے نالائق اور نودولت جاہلوں کے کوئی آباد نہیں۔"[۵۱]

اب شاعروں کے لیے صرف ایک چیز تسکین دینے والی رہ گئی تھی، اور وہ یہ تھی کہ اِس وقت ملک میں جو لوگ صاحبِ اقتدار تھے، اُن کی مذمت یا فقیہوں پر ہجو کے تیر برسایا کریں، کبھی اُن کو "اہلِ ریا" اور کبھی ایسا بھیڑیا بتائیں جو "اندھیرے میں گشت لگاتا ہوا مذہب کے حیلے سے سب کا مال ہڑپ کر جاتا ہے۔"[۵۲]

لیکن اِس قسم کی بدکلامی شعراء کے حق میں خطرناک تھی، کیونکہ ایسے دریدہ دہن اور بدزبان لوگوں کو سزا دینی فقہاء کے اختیار میں تھی۔

فلسفہ کی نسبت اِس زمانہ میں یہ کہنا کہ وہ ایک ممنوع علم تھا، بیکار اعادہ ہوگا، مالک ابنِ وہب اشبیلی سے جوانی میں یہ غلطی ہوئی تھی کہ وہ فلسفہ کی تحصیل میں مصروف ہوئے تھے، لیکن جب دیکھا کہ اس میں جان کا خطرہ ہے، تو اُسے چھوڑ کر فقہ پڑھنے لگے، اِس بات پر افسوس کرنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ فقہ دانی کی بدولت وہ امیر المسلمین کے مقرب و معتمد ہو گئے، لیکن جوانی میں جو خطا ہوئی تھی، وہ معاف نہ ہوئی، ایک دشمن نے لکھ مارا کہ "تاشفین کے پوتے علی کا دربار بالکل پاک رہتا، اگر شیطان مالک ابن وہب کو اُس میں جگہ نہ ملتی۔" (۴۲۰)

اِس زمانہ میں فقہاء کا تعصب حد سے گذر چکا تھا، اور جس قدر تعصب تھا، اُسی قدر خیالات میں تنگی و پستی موجود تھی، یہ فقہاء حدیثِ نبوی پر بہت کم غور و خوض کرتے تھے سارا دارومدار مالکی مذہب کی تصانیف پر تھا، یہی کتابیں پڑھی جاتی تھیں، اور انہی کے

---

۵۱ دیکھو اُردو ترجمہ کتاب المعجب صفحہ ۱۶۸، عربی اشعار کا یہ خلاصہ ہے (مترجم)

۵۲ شاعر ابن البینی نے کہا "دنیا کا خاتمہ قریب ہے، آج ابن حمدین نے روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے، لیکن آسمان کے ستارے بھی اتنی ہی دُور ہیں جتنا کہ اُس کا روپیہ ہماری گرفت سے دُور ہے۔"

مقتضا پر عمل تھا، غلطیوں سے اپنے آپ کو پاک سمجھتے تھے، اُن کی کل دینیات یہی تھی کہ امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) کے فروع مذہب کو بہت غور سے حاصل کیا جائے، جو علمائے دین زیادہ روشن ضمیر تھے وہ اعتراض کرتے تھے کہ محض کتبِ مالکی یا مذہب کی ادنیٰ فروع پر تمام عقائد کو مبنی کرنا درست نہیں ہے، مگر ایسے اعتراضوں کے جواب میں معترضوں کو صرف سزا دی جاتی تھی، اور وہ بے دین اور بدعتی ٹھیرائے جاتے تھے، امام غزالی (علیہ الرحمۃ) کی مشہور و معروف تصنیف احیاء العلوم جس وقت مشرق میں شائع ہوئی تو اندلس میں ایک شور برپا ہوگیا، گو یہ تصنیف ایسی نہ تھی جسے بدعت فی الدین کہا جاتا، امام غزالی تمام مذاہب حکمت و فلسفہ سے بیزار ہو کر پہلے متشکک و منکر ہوگئے لیکن محض انکار سے اُن کے دل کو تسکین نہیں ہوئی، اس لیے تصوف اور علم باطن کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے، اور اُس وقت سے حکمت و فلسفہ کے سخت دشمن ہوگئے، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ "فلسفہ کا استعمال اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ الہامی مذہب میں اگر کوئی شخص جدّت یا بدعت پیدا کرنی چاہے تو فلسفہ سے اُس کا جواب دیا جاسکے، لیکن جب دین اپنی صحیح شکل میں مروج ہو تو پھر فلسفہ ایک بیکار شے ہے، علوم طبیعات سے اگر ایمان میں اختلال پیدا ہوتا ہو، تو اُن سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔" غرض امام صاحب جس دین کی تعلیم دیتے تھے اُس کا تعلق انسان کی ذات اور اُس کے جذبات سے تھا، یعنی اُس دین کا تعلق دل سے تھا، اُنھوں نے اس امر میں پوری قوت سے فقہاء پر اعتراض کیا کہ وہ خارج کی چیزوں سے مطمئن ہو کر صرف شرع کے مسائل پر غور کرتے ہیں، جن سے ادنیٰ درجے کے خفیف مقدمات طے ہوا کرتے ہیں۔

اِس اعتراض نے اندلس کے فقہاء پر وہی کام کیا جو نمک زخم پر کرتا ہے، اور وہ سب چلّا اُٹھے، چنانچہ قاضی قرطبہ ابن حمدین نے حکم دیا کہ جو شخص غزالی کی کتاب پڑھے گا وہ کافر ہو کر مبتلائے عذاب رہے گا، اِس کے ساتھ ہی اُنھوں نے ایک فتوے سے احیاء العلوم کے تمام نسخوں کو جلا دینے کا حکم صادر کیا۔

اِس فتوے کو جس پر تمام فقہائے اندلس کے دستخط تھے امیر المسلمین علی بن یوسف

نے بھی پسند کیا ، اِس فتوے کی تعمیل میں احیاء العلوم کے نسخے قرطبہ اور سلطنتِ مرالطین کے ہر شہر میں نذرِ آتش کر دیے گئے ، اور عام اعلان ہو گیا کہ جس شخص کے پاس یہ کتاب نکلے گی ، اُس کی جائداد ضبط کر لی جائیگی ، اور خود اُسے موت کی سزا دی جائے گی۔ (۷۲۱)

ایسی حکومت میں ظاہر ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ تھے اُن کے ساتھ اور بھی ناروا داری کا برتاؤ کیا جاتا ہوگا ، مثلاً قرطبہ کے ایک فقیہہ نے یہودیوں کو مسلمان کرنے کی اپنی دانست میں ایک بہت ہی عمدہ تدبیر نکالی ، اُنھوں نے کہنا شروع کیا کہ " ابنِ مَسَرّہ کے کاغذات میں ایک روایت پڑھنے میں آئی ہے ، جس میں یہودیوں نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہجرت کے بعد پانچویں صدی کے خاتمے تک اگر مسیح موعود ظاہر نہ ہوئے تو وہ سب اسلام قبول کر لیں گے "۔

اِس عجیب وغریب روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ادبیات میں اِن فقہاء کو زیادہ دستگاہ نہ تھی ، ورنہ ابنِ مَسَرّہ کے کاغذات میں تلاش کرنے کی بجائے (جو بڑا متقی مسلمان نہ تھا) اِس روایت کو وہ کہیں اور بھی مطالعہ کر سکتے تھے ، لیکن اس فقیہہ کے ہم عصر نقاد نہ تھے۔

امیر یوسف جو اس وقت اسپین میں تھے ، یہ روایت سُنکر خود الیسانہ کے شہر میں گئے ، یہ شہر بالکل یہودیوں کا تھا ، چنانچہ اُسے الیسانۃ الیہود کہا کرتے تھے ، امیر یوسف نے شہر میں آتے ہی یہودیوں کو طلب کیا ، اور اُن سے کہا کہ " تمہارے بزرگوں نے جو وعدہ کیا تھا ، اب اُس کا ایفا ہونا چاہیئے "، یہ سنکر الیسانہ[۱] کے یہودیوں کے اوسان خطا ہوئے ، لیکن اِس مشکل سے نکلنے کے لیے اُنہیں جلد ایک تدبیر سوجھ گئی۔

فاتحوں نے اِس موقع پر دراصل جس چیز کو تاکا تھا ، وہ یہودیوں کا مذہب نہ تھا بلکہ وہ

---

[۱] حصن بلائی سے الیسانہ جنوب مغرب میں ۱۵ میل کے فاصلہ پر تھا ، شہر کے باہر کی آبادی کل مسلمانوں کی تھی ، لیکن شہر کے اندر ، جس کے گرد فصیل اور خندق تھی یہودی آباد تھے ، یہ مسلمانوں کو بعض اوقات شہر کے اندر نہ آنے دیتے تھے ، دیکھو ادریسی جلد ۲ ص ۵۴۔

اُن کی دولت تھی، یہودی اسپین میں سب سے زیادہ دولت مند مانے جاتے تھے، اور حکومت متوقع تھی کہ محصولوں کی معافی سے ملک کی واصلات میں جو کمی ہوئی ہے، اُسے یہ یہودی بھرتے رہیں گے۔

یہودی بھی اس بات کو جانتے تھے، پس اُنہوں نے تدبیر یہ کی کہ قاضیٔ قرطبہ سے امیر المسلمین کی خدمت میں اپنی سفارش چاہی، احمد بن حمدین نے اُن سے بے توجہی نہیں کی، بلکہ امیر یوسف کے سامنے اُن کے معاملے میں وکالت کی، یہ امر کہ بغیر حق المحنت وصول کیے قاضی صاحب نے اس مقدمے میں وکالت کی، کسی قدر مشتبہ ہے، بہرکیف قاضی صاحب کو یہودیوں کے مرافع میں کامیابی ہوئی، امیر یوسف نے جو رقم ان یہودیوں سے طلب کی اس میں شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ تھی، مگر یہودیوں نے شکر کیا ہوگا کہ تھوڑا سا مالی نقصان اُٹھا کر مذہب تو بچ گیا۔

عیسائیوں کا حال یہودیوں سے بھی بدتر ہوا، عیسائیوں کو اندلس میں مستعربین کہا جاتا تھا، فقہا اور عام مسلمانوں کو عیسائیوں سے بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ دشمنی تھی[لہ] اکثر شہروں میں عیسائیوں کی تعداد قلیل تھی، لیکن غرناطہ کے علاقے میں وہ کثرت سے آباد تھے اور شہر غرناطہ کے قریب اُن کا ایک خوبصورت گرجا بھی تھا، جسے ایک قوطی رئیس گدیلا نامی نے ۶۰۰ء میں تعمیر کرایا تھا، یہ گرجا فقیہوں کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، چنانچہ ان فقہا نے خلیفۂ ثانی (حضرت) عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مثال کی پیروی کرکے جنہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں عیسائیوں کی کسی مذہبی عمارت کو خواہ

لہ شاید اسی "دشمنی" کا بدلہ اب یورپ کی عیسائی سلطنتیں دیگر تمام اقوام سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرکے نکال رہی ہیں، اور کبھی کسی موقع پر کوئی دقیقہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا باقی نہیں چھوڑتیں؟ انہدامِ گرجا کے اس قصہ کو (جو آگے بیان ہوا ہے) اگر سچ بھی سمجھ لیا جائے تب بھی دُور دُور کا یہ گلہ کچھ فضول سا ہے، کیونکہ بقول مولانا حالی ؎

کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی اور یہی جاری رہے گا دَورِ تا روزِ شمار

(اسماعیل)

(۷۲۲) قدیم ہو یا جدید، سلامت نہ رکھنا چاہا تھا[۵] (دیکھو جنرل ایشیاٹک سلسلہ ۴ جلد ۱۸ ص ۵۱۳) ایک فتویٰ

[۵] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ ڈوزی کا صریح اتہام اور بہتان ہے، جس کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں، واقعہ یہ ہے کہ عیسائیوں کی کسی مذہبی عمارت کو گرانا اور منہدم کرنا تو بڑی بات ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو انہیں خفیف سا نقصان پہنچانے کا بھی کبھی خیال نہیں کیا، بلکہ برخلاف اس کے آپ نے ہمیشہ اُن کی حفاظت اور حمایت کی ہے، چنانچہ جب ۱۶ھ / ۶۳۷ء میں بیت المقدس فتح ہوا تو جو امان نامہ عیسائی اہالیانِ شہر کو حضرت عمرؓ نے لکھ کر دیا، اُس کے الفاظ یہ تھے :-

"ھٰذا ما اعطی عبد اللہ عمر امیر المومنین اھل ایلیا من الامان اعطاھم اماناً لانفسھم واموالھم ولکنایسھم وصلبانھم وسقیمھا وبریّھا وسایر ملّتھا انّہ لا یسکن کنایسھم ولا تھدم ولا ینتقص منھا ولا من خیرھا ولا من صلبھم ولا من شئ من اموالھم ولا یکرھون علیٰ دینھم ولا یضار احد منھم۔" یعنی "یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام اور مسلمانوں کے سردار عمرؓ نے ایلیاء (بیت المقدس) کے لوگوں کو دی، یہ امان اُنکی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور اُن کے تمام فرقوں کے لیے ہے نہ اُن کے گرجا مسلمان سکونت کے لیے استعمال کر سکیں گے، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کو یا اُن کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ عیسائیوں کی صلیبوں اور اُن کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے متعلق اُن پر کوئی جبر کیا جائے گا، اور نہ اُن میں سے کسی شخص کو محض مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کوئی تکلیف دیجائیگی" (تاریخ طبری، ذکر فتح بیت المقدس)

سمجھ میں نہیں آتا کہ آزادیٔ مذہب کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کونسی ملیگی؟ اور اس بالکل صاف اور غیر مبہم امان نامہ کے بعد یہ کہنا کہ "عمرؓ نے گرجوں کو سلامت نہ رکھنا چاہا" کہانتک درست ہو سکتا ہے؟

اِس ضمن میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ امان نامہ فوری، وقتی اور نمائشی نہ تھا، بلکہ اس قسم کے تمام وعدوں اور معاہدوں پر اس سختی سے عمل ہوتا تھا کہ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہونے لگا تو آپنے آئندہ ہونے والے خلیفہ کے لیے وصیت فرمائی کہ ذمیوں (غیر مسلموں) سے جو عہد ہو چکا ہے اُسکی پابندی کی جائے اور اگر کوئی دشمن اُنہیں ستائے تو اُنکی حمایت میں اُس سے جنگ کی جائے، آپکے اصل الفاظ یہ تھے "..... یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم" (صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ ص ۱۸۷) محمد اسماعیل

اِس گرجا کے منہدم کیے جانے کا جاری کیا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے بھی اِس فتوے پر عمل کرنے کی منظوری دیدی، اور ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء میں یہ گرجا ڈھا دیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ اور گرجاؤں کا بھی یہی انجام ہوا۔

عیسائیوں پر فقیہوں نے ایسا تشدد کیا کہ انہوں نے ادفونش بادشاہ ارغون سے التجا کی کہ ہمیں تکلیفوں سے نجات دینے کی کوئی صورت پیدا کرے۔ ادفونش نے اُن کی درخواست منظور کی، اور ستمبر ۱۱۲۵ء (شعبان ۵۱۹ھ) میں چار ہزار مسیحی شہ سواروں[۵] کو ساتھ لے، جن سب نے انجیل پر قسمیں کھائی تھیں کہ کبھی آپس کا ساتھ نہ چھوڑیں گے، اپنے دار الحکومت سے روانہ ہو گیا، لیکن جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ کل اہتمام کیا تھا وہ حاصل نہ ہوا، یہ درست ہے کہ اسلامی اسپین میں وہ ایک سال تک لوٹ مار کرتا پھرا، اور ایک بار تو قرطبہ کے دروازہ تک پہنچ گیا، اور ارنیسول کے مقام پر اُسے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک فتح بھی نصیب ہوئی، لیکن اصلی غرض اِس فوجکشی کی غرناطہ پر قبضہ کرنے کی تھی، اور وہی پوری نہ ہوئی۔

جس وقت ادفونش کا یہ ارغونی لشکر واپس چلا گیا، تو مسلمانوں نے عیسائیوں سے خوب بدلہ نکالا، دس ہزار عیسائی تو مسلمانوں کی دسترس سے باہر ہو گئے تھے، کیونکہ اُنہوں نے ادفونش کی اجازت حاصل کر کے اُس کی عملداری میں سکونت اختیار کر لی تھی، لیکن جو باقی بچے تھے اُن میں اکثر کی جائداد ضبط کر لی گئی، اور طرح طرح سے انہیں تکلیفیں پہنچائی گئیں، کسی کو قید کیا کسی کو قتل، اور اُن میں سے زیادہ تر کو افریقہ روانہ کر دیا، افریقہ میں اِن لوگوں کی حالت عرصہ تک عذاب کی رہی، آخر کار وہ صالح اور مکناسہ کے شہروں کے قریب آباد ہو گئے۔ (۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء)

عیسائیوں کی یہ جلاوطنی ایک فرمان کے ذریعہ سے عمل میں آئی تھی جو قاضی ابن رشد

---

[۵] اِن میں گیسٹن علاقہ بی ارن کا نائب رئیس۔ پیڈرد اسقفِ سرقسطہ۔ اور استیفن اسقفِ وشقہ شامل تھے، دیکھو کتاب تحقیقات دسشہ ۱۸۸۱ء ج ۱ ص ۳۵۳۔

(علامہ ابن رشد کے دادا) نے امیر المسلمین علی بن یوسف سے حاصل کیا تھا۔
اس واقعہ کے گیارہ برس بعد مستعربین کو پھر جلاوطن کیا گیا، اور اب وہ ملک میں بہت کم رہ گئے۔[۵۱]

پس رعایا میں بہت سی جماعتیں ایسی تھیں جن کو مرابطین کی حکومت سخت اور ظالمانہ معلوم ہوئی، عیسائی اور یہودی، یا ایسے مسلمان جو مذہبی رواداری کو جائز رکھتے تھے قوم کا ایک قلیل حصہ تھے، اگرچہ یہ قلیل تعداد بہت با اثر تھی، اور حکومت اُن کی طرف سے بے پروا نہ رہ سکتی تھی، کیونکہ قوم میں جس قدر لائق اور قابل لوگ تھے، وہ اُنہی میں سے تھے لیکن قوم کی مجموعی تعداد کو وہ تعبیر نہ کرتے تھے۔

عامۃ الناس، جن کی تعداد کے مقابلہ میں یہ جماعتیں نہایت قلیل تھیں، نظمِ حکومت سے جن باتوں کی توقع رکھتے تھے وہ یہ تھیں:۔ اندرونِ ملک امن و سلامتی، باہر کے دشمنوں سے حفاظت، محصولوں کی کمی، اور اقبال و دولت کی ترقی۔

اس بات کو یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کُل باتیں یوسف بن تاشفین کے دورِ حکومت میں، اور اُس کے بعد اُن کے جانشین علی بن یوسف کے دورِ سلطنت میں رعایا کو حاصل رہیں، ملک میں انتظام قائم رہا، تجارت کے راستے محفوظ رہے، اور قشتالیہ کے عیسائی جن کو اسلامی علاقوں میں ڈاکے ڈالنے اور لوٹ مار کرنے کا مزا پڑ گیا تھا، ایسے خوف زدہ رہے کہ یہ حرکتیں اُنہیں ترک کرنی پڑیں۔ (۷۲۳)

ابتدا میں حکومت نے ملک میں خلافِ شرع محصول جاری نہیں کیے، کیونکہ یہودی واصلات کی کمی پوری کر دیا کرتے تھے، ایک مسلمان مورخ نے لکھا ہے کہ "کوئی غیر معمولی محصول جاری نہیں کیا گیا"۔ مگر یہ قول تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ امیر یوسف بن تاشفین

---

۵۱ عیسائی مسلمانوں کی رعایا ہو کر شمال کے عیسائی بادشاہوں سے، جو اسلامی ریاستوں کے دشمن تھے، سازشیں کیا کرتے تھے، اور اس طرح حکومت سے باغی ہونے کی وجہ سے سزائیں اُٹھاتے تھے مصنف اس بات کو صاف نہیں کہتا، بلکہ عیسائیوں کی ہمدردی میں خفا پر منہ آیا ہے (مترجم اردو)

نے جنگ کا ایک محصول جسے "معونہ" یعنی اعانت کا محصول کہتے تھے، کم سے کم ایک بار جاری کرنے کی کوشش کی، المریہ کے لوگوں نے جو کبھی مرابطین کے طرفدار نہ رہے تھے، اِس محصول کے ادا کرنے سے انکار کیا، اور جب امیر یوسف نے تقاضہ کیا تو قاضی المریہ ابوعبداللہ ابن فرّا[۱] نے امیر یوسف کو جواب دیا۔ "آپ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں اپنے شہر کے لوگوں کو معونہ ادا نہیں کرنے دیتا، اور فرماتے ہیں کہ اس محصول کا جائز ہونا مراکش اور اندلس کے قاضیوں اور فقیہوں کے نزدیک صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال کا اتباع ہے، یہ صحابی وہ تھے جو حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب دفن کیے گئے تھے، اور جن کے عدل و انصاف پر کوئی شخص حرف گیری نہ کر سکا تھا"، اے امیر المسلمین! میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہیں ہیں، اور نہ اُن کے قریب آپ دفن کیے جائیں گے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ آپ کے عدل و انصاف پر کبھی حرف گیری نہ کی گئی ہو، پس اگر قاضی اور فقیہہ آپ کا درجہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے برابر بتاتے ہیں، تو اُن کو اس جسارت کا جواب خدا کے سامنے دینا ہوگا، حضرت عمرؓ نے معونہ اُس وقت تک جاری نہیں فرمایا تھا جب تک مسجد میں جا کر اس بات کی قسم نہ کھالی کہ بیت المال میں اِس وقت ایک درہم بھی باقی نہیں ہے، اگر آپ بھی ایسی قسم کھا سکتے ہیں تو معونہ وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں، ورنہ آپ کو کوئی حق اُس کے وصول کرنے کا نہیں ہے، والسلام"

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اِس سخت اور صاف اعتراض کا امیر یوسف پر کچھ اثر ہوا یا نہیں مگر یہ بات بالکل پُورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ امیر یوسف بن تاشفین کے فرزند امیر علی بن یوسف کے زمانۂ حکومت میں شرع کے خلاف محصول ایک حد تک دوبارہ لگائے گئے۔

ہمارے اِس قول کی تصدیق ایک مشہور مورخ کے قول سے ہوتی ہے، جس نے

---

[۱] ابوعبداللہ ۵۱۴ھ/۱۱۲۰ء میں دروقہ کے قریب قتندہ کی لڑائی میں مارے گئے

لکھا ہے کہ " امیر علی بن یوسف نے چند عیسائیوں کو مغرم جمع کرنے کے لیے مقرر کیا"۔ مغرم سے مراد وہی محصول ہوتے تھے جن کا کتاب اللہ میں ذکر نہیں ہے[۵]۔

بہرکیف یہ ثابت ہے کہ مرابطین کے زمانہ میں محصول اتنے نہ تھے جتنے کہ شاہانِ اندلس کے زمانہ میں رعایا کو ادا کرنے پڑتے تھے، اِس کے علاوہ سلطنت میں انتظام اور امن ایسا تھا جو رعایا کی بھلائی اور فلاح کا باعث ہوا، امن و سلامتی میں ملک کو اعلیٰ درجہ حاصل ہوا، روٹی ارزاں رہی، اور ترکاری برائے نام قیمت پر فروخت ہوتی تھی۔

مرابطین کی حکومت سے جن فوائد کی توقع تھی اُن میں مایوسی نہیں ہوئی، البتہ اگر رعایا اِس بات کی متوقع تھی کہ مرابطین کو عیسائیوں پر ایسی فتوحات حاصل ہوں گی جن کا نتیجہ ہمیشہ قائم رہے گا، اور اسلامی اسپین پھر وہی شان و شوکت اور عروج حاصل کریگا (۷۲۴) جو الناصر یا المستنصر یا منصور کے زمانہ میں رکھتا تھا، تو بیشک یہ امید پوری نہ ہوئی فتوحات کے لیے حالاتِ وقت مرابطین کے حق میں مفید تھے، ادفونش ششم (جس نے جنگِ زلاقہ میں شکست کھائی تھی) جب ۵۰۳ھ ۱۱۰۹ء میں مرا تو عیسوی اسپین پھر خانہ جنگیوں کا شکار ہوگیا، لیکن مرابطین نے عیسائیوں کے اِس ضعف اور ابتری کے زمانہ سے کوئی نفع نہ اُٹھایا، طلیطلہ کو عیسائیوں کے قبضے سے نکالنے میں اُنہیں کامیابی نہیں ہوئی، البتہ بعض شہروں پر جنہیں درجۂ دوم کا شہر کہنا چاہیئے مرابطین کا قبضہ ہوگیا، مگر جہاں ایک طرف یہ کامیابیاں تھیں وہاں دوسری طرف یہ نقصان بھی دیکھنا پڑا کہ سرقسطہ قبضے سے نکل گیا (۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء)

بہرکیف اِس انقلابِ سلطنت کے مفید نتائج چند روزہ ثابت ہوئے، کیونکہ سلطنت کے منتظم اور کارکن، فوجوں کے سردار اور سپاہی غیر معمولی عجلت سے تنزل کے راستے پر

---

[۵] معتبر جغرافیہ نویس شریف ادریسی نے لکھا ہے کہ "مرابطین نے بہرکیف دارالحکومت میں تقریباً تمام اشیاء پر محصول لگایا" (نزہۃ المشتاق، جس کا صحیح اڈیشن پروفیسر ڈوزی اور ڈی گوج نے ۱۸۶۶ء میں شائع کیا۔ متن کا صفحہ ۷۰)

ہوئیے، امیر یوسف بن تاشفین کے امرائے لشکر جس وقت اسپین میں وارد ہوئے تھے تو اگرچہ وہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن نہایت متقی، پرہیزگار، بہادر اور دیانتدار تھے، اور صحرا کی سیدھی سادی زندگی بسر کرنے کی عادت رکھتے تھے، لیکن جب امیر یوسف نے دولت دے کر اُن کو تونگر کر دیا تو بہت جلد اُن کے اچھے اوصاف اُن سے رخصت ہونے لگے، اور اب سوائے دولت کے مزے لوٹنے کے اُن کو دوسرا کام نہ رہا، اندلسی معاشرت اُن کے لیے ایک عجیب دلکش چیز تھی، اب اُن کو اپنی صحرائی زندگی پر شرم آنے لگی، اور اُنہوں نے اندلس کے اُن بادشاہوں کی نقالی شروع کر دی، جنہیں تخت اور حکومت سے معزول کیا تھا۔

اندلس میں رہ کر یہ اُمرا، علم ادب کے حامی اور سرپرست بنے، شاعروں کی زبان سے اپنی تعریف، اور مصنفوں کی طرف سے اپنے نام اُن کی تصانیف کے عنوان میں پڑھنے سے خوش ہونے لگے، لیکن تمدن اور علم کے متعلق اُن کی کوششیں بھدّی اور بے لطف تھیں بہرصورت وہ نیم وحشی ہی رہے، اور اندلسی تہذیب و تمدن میں جو چیزیں بدترین تھیں اُن کی نقل اُتارنے میں سب سے زیادہ کامیاب ہوئے۔

ابوبکر بن ابراہیم یعنی امیر علی بن یوسف کے بہنوئی جو پہلے غرناطہ میں اور پھر سرقسطہ میں بہت کامیابی کے ساتھ حاکم رہے تھے، اِس قسم کے امرا لشکر میں سے تھے جو اپنے تئیں اندلسی ثابت کرنے میں بجید ساعی رہتے تھے، ابوبکر صحرا میں پیدا ہوئے تھے، اور اُنکی تعلیم و تربیت اپنی قوم کے تحت قواعد کے مطابق ہوئی تھی، لیکن جب سرقسطہ میں حاکم ہوئے تو وہ شروع زمانہ کی تربیت سب ذہن سے محو ہو گئی، اور شاہانِ بنی ہود کے سے طریقے عیش پرستی کے اختیار کر لیے، جب وہ دوستوں میں شراب پینے بیٹھتے تو سر پر تاج اور لباس بادشاہوں کا سا ہوتا۔

بنی ہود علم کے بڑے مربی اور سرپرست رہ چکے تھے، اِن میں مقتدر اور موتمن نے فنِ ریاضی میں بڑی بڑی کتابیں لکھی تھیں، ابوبکر بن ابراہیم کو بھی اُن کی نقل اُتارنی ضروری تھی، چنانچہ اِس شوق میں اُنھوں نے اِس امر کا بالکل خیال نہ کیا کہ امیر علی بن یوسف اور اُس زمانہ کے فقہا کیا کہیں گے؟ اِس غرض کو حاصل کرنے کے لیے اُنھوں نے اپنا مشیر اور

(۷۲۵)

دوست ایک ایسے شخص کو بنایا جس کے نام سے مسلمانوں کو سخت نفرت تھی، یہ شخص کتاب اللہ اور وحی تک کو نہ مانتا تھا، یہ اندلس کا مشہور و معروف فلسفی ابوبکر بن الصائغ ابن باجہ تھا،[۵۱] ابوبکر بن ابراہیم کی سپاہ اِس حرکت پر ایسی ناراض ہوئی کہ اُس نے ابنِ ابراہیم کا ساتھ چھوڑ دیا۔

امرائے لشکر کے علاوہ عام سپاہیوں کا بھی یہ حال ہوا کہ باوجود سچے اور پکے مسلمان ہونے کے وہ بھی اپنے افسروں کی مانند بگڑ چلے، اندلسیوں کی تحقیر و تذلیل، اور میدانِ جنگ میں دوں ہمتی اب اُن کی خصلت میں داخل ہوگئی، بزدلی اِس حد کو پہنچی کہ علی بن یوسف نے مجبور ہوکر عیسائیوں سے اپنی نفرت کم کی، اور اُن کا امیر البحر ابنِ میموں جو انسان کے حق میں درندے سے کم نہ تھا، جن عیسائیوں کو جلیقیہ، قیطلونیہ، اطالیہ، اور قلمرو بیزنطیہ سے اپنے ساتھ لایا،[۵۲] اُن کو امیر نے اپنی فوج میں بھرتی کرلیا۔

باوجود اِس کیفیت کے مرابطین، اندلس کو اپنا مقبوضہ و مملوکہ ملک سمجھتے تھے، اور اندلسیوں سے جو چیز چاہتے تھے چھین لیتے تھے، چاہے اس میں اُن کا مال ہو یا اُن کی بیویاں، حکومت مجبور و معذور تھی، اُس کی کمزوری قابلِ رحم ہوتی جاتی تھی، فقہاء نے اپنے اختیارات عورتوں کی طرف منتقل کردیے، یا اپنے اختیارات میں اُن کو حصہ دار بنایا علی بن یوسف پر اُن کی بیوی قمر حکومت کرتی تھیں، دربار کے بڑے لوگوں پر بھی عورتیں ہی قابو یافتہ تھیں، جس نے اُن کی طمع پوری کی، اُسی کو ہر قسم کی آزادی دلوا دیتی تھیں، قزاقوں اور رہزنوں کی بھی یہی حالت تھی کہ اگر وہ اِن عورتوں کی پناہ میں آگئے تو اپنا پیشہ بے تکلف جاری رکھتے تھے، سرکاری عہدوں کا ملنا بھی عورتوں کے اختیار میں تھا، اور اِن عہدوں پر اکثر نالائق لوگ مقرر کیے جاتے تھے، تمام نظامِ سلطنت فی الواقع نفرت اور ہنسی کے قابل ہوگیا تھا، کیا اہلِ لشکر اور کیا عوام اِس حکومت پر افسوس کرتے تھے، آج جو حکم دیا جاتا کل وہ مسترد ہو جاتا، رؤسائے ملک کو تخت حاصل کرنے کی جرأت ہوتی رہتی تھی، کیونکہ

---

[۵۱] سنہ وفات ۱۱۳۸ء (۵۳۳ھ)

[۵۲] اِن ملکوں کے عیسائیوں کو اندلس میں زمانۂ سابق کے صقالبہ کی مانند سمجھنا چاہیے۔

اُن کو دعویٰ تھا کہ وہ علی بن یوسف سے بہتر حکومت کر سکتے ہیں، اور علی بن یوسف تھے کہ اُن کو نماز روزے کے سوا کچھ آتا ہی نہ تھا۔

اِن تمام آفات پر ایک آفت یہ اور نازل ہوئی کہ افریقہ میں ایک سخت بغاوت شروع ہو گئی (۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء) کوہستان اطلس کے وحشی گروہوں نے ابن تومرت نامی مصلح قوم کی ہدایت سے جو مہدیٔ آخر الزمان ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے تھے، تعصب کا سبق پڑھا اور موحدین کا لقب اختیار کر کے مرابطین کے مقابلہ میں ہتھیار سنبھال لیے، مرابطین کا قصرِ حکومت خود ہی گرنے کو ہو رہا تھا، اب اِس صدمہ نے اُسے بالکل ہی زمین دوش کر دیا، سوائے ایسی فوجوں کے جن کے سپاہی عیسائی تھے، باقی فوجوں میں مرابطین کا یہ حال تھا کہ دشمن کو دیکھتے ہی بھاگ جاتے تھے۔

حکومت نے اندلس میں جب اپنی یہ زبوں حالت دیکھی تو فوج اور لڑائی کا کل سامان اندلس سے اُٹھا کر افریقہ روانہ کر دیا، اِدھر اندلس مرابطین سے خالی ہوا، اُدھر شمال کے عیسائیوں کو شکار ہاتھ آیا، اور ملک پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔

۵۱۹ھ / ۱۱۲۵ء میں ادفونش بادشاہِ ارغون نے اسلامی اسپین میں قتل و غارت کا بازار ایک سال تک گرم رکھا، ۵۲۸ھ / ۱۱۳۴ء میں ادفونش ہفتم بادشاہِ قشتالیہ نے جو اپنے دادا (۷۲۶) ادفونش ششم کی طرح اپنے آپ کو شہنشاہ کہتا تھا قرطبہ، اشبیلیہ، اور قرمونہ کے علاقوں کو تباہ کیا، شریش کا شہر جلا دیا، اور اپنے دادا کی طرح لوٹتا مارتا صنمِ قادس[۱] تک پہنچا اِس واقعے کے پانچ برس بعد اُس نے شہر جیان، بیاسہ، ابدّہ، اور اندوشیر کے مضافات کو خوب لوٹا، ۵۳۸ھ / ۱۱۴۳ء میں قرطبہ، اشبیلیہ، اور قرمونہ کی پھر باری آئی کہ عیسائی اِن شہروں کو تاخت و تاراج کریں، اِس کے ایک سال بعد ۵۳۹ھ / ۱۱۴۴ء میں تمام اسلامی اسپین قلعہ رباح سے المریہ تک عیسائیوں کے ظلم و ستم کی جولانگاہ بن گیا۔

پس سمجھنا چاہیئے کہ باشندگانِ اسپین کو چند سال کی خوشحالی اور اقبالمندی کے بعد

---

[۱] اِسے برج قادس یا برج ہرقل بھی کہتے تھے، دیکھو ڈوزی کی کتاب تحقیقات (۱۸۸۱ء) ج ۲ ص ۳۱۲

اس سیاسی انقلاب کے نتائج سے آگاہی ہوگئی جسے بڑے جوش و خروش سے اُنھوں نے اپنے حق میں مبارک سمجھا تھا، وہ نتائج کیا تھے؟ ایک ناکارہ اور رشوت خوار حکومت، ایک بزدل ناتربیت یافتہ اور ظالم لشکر، منتظمانِ سلطنت نالائق اور قابلِ نفریں، شہروں میں چور اور اُٹھائی گیرے بھرے ہوئے، دیہات اور قصبات میں رہزنوں کی کثرت، تجارت اور حرفت کا بازار قطعی بند، کھانے کی چیزیں گراں اور کمیاب، اور سب سے بدتر یہ کہ ملک پر غنیموں کی وہ زیادتی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

اندلس کے لوگوں کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں، اب وہ مرابطین کو کوستے تھے، اور یہ وہی مرابطین تھے جن کے آنے کو شروع میں ملک کے لیے نجات کا موجب سمجھا گیا تھا۔

۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء میں قرطبہ کے لوگ اس فوج کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے جو مرابطین نے اس شہر میں بٹھا رکھی تھی، اس فوج نے اہلِ قرطبہ پر طرح طرح کے جور و ظلم کیے تھے، اور کسی نے اُن کو نہ روکا تھا۔ قرطبہ کے لوگوں نے اِن وحشی فوجیوں کو اپنے شہر سے نکال دیا اور اُن کے گھروں کو لوٹ لیا،

علی بن یوسف کو جب قرطبہ کے اِس واقعہ کا حال معلوم ہوا تو افریقیوں کی دَل بادَل فوجیں لے کر اندلس پر چڑھائی کی، اندلس کے ساحل پر کبھی اتنا لشکر نہ اُترا تھا۔

اب قرطبہ کے لوگوں نے اِس ہمت اور دلیری کے ساتھ جو جان سے مایوس ہونے کے وقت پیدا ہوا کرتی ہے، اپنے شہر کے دروازے بند کر لیے، اور گلیوں اور سڑکوں پر دشمن کو روکنے کے لیے جگہ جگہ مورچے قائم کر دیے، لیکن بایں ہمہ اہلِ قرطبہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ علی بن یوسف کا مقابلہ کر سکتے۔ خیریت یہ ہوئی کہ فقہا نے درمیان میں آ کر کشت و خون نہ ہونے دیا۔

اِس موقع پر فقیہوں نے ہر بات میں بادشاہ کی غلامی سے پرہیز کیا، اور حکومت کے مقابلے میں رعیت کے طرفدار بن گئے، اور فوراً ایک فتویٰ اِس مضمون کا صادر کر دیا کہ اہلِ قرطبہ کی بغاوت حق بجانب ہے، کیونکہ اُنہوں نے اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار اُٹھائے تھے، علی بن یوسف نے حسبِ عادت فقہا کے فیصلے کو تسلیم کیا، اور بہت مختصر گفتگو

کے بعد قرطبہ کے لوگوں نے وعدہ کر لیا کہ مرابطین کی فوج والوں کا جس قدر نقصان ہوا ہے اُس کا معاوضہ ادا کر دیں گے۔

موجودہ واقعات کو دیکھتے ہوئے قرطبہ کے علاوہ اور شہروں میں بھی بے اطمینانی بڑھتی گئی، اور کیفیت یہ ہوئی کہ سابقہ حالات جو خود اچھے نہ تھے، موجودہ خراب اور ناقابلِ برداشت حالت کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہونے لگے۔

اِس قسم کے خیالات ایک خط سے ظاہر ہوتے ہیں جو ۵۲۸ھ ۱۱۳۳ء میں اشبیلیہ کے لوگوں نے بادشاہِ سرقسطہ کے فرزند سیف الدولہ کو لکھا تھا، سیف الدولہ اِس وقت ادفونش ہفتم بادشاہِ لیون کی فوج میں سرداری کی خدمت پر تھے، اور یہ فوج اِسوقت اشبیلیہ کے دروازے پر حملہ کرنے کو تیار کھڑی تھی، اِس خط میں سیف الدولہ کو اہلِ اشبیلیہ نے یہ جملے لکھے تھے "عیسائیوں کے بادشاہ کو ہماری فریاد سناؤ، اور اُس کی مدد حاصل کر کے مرابطین کا جُوا ہمارے کندھوں سے اُتروا دو، جس وقت ہم مرابطین کی اطاعت سے آزاد ہو جائیں گے، تو عیسائی بادشاہ کو اپنے سابقین سے بھی زیادہ خراج ادا کیا کریں گے، اور پھر تم اور تمہارے اخلاف ہم پر حکومت کریں گے"۔ (۴۷)

اِس واقعہ کے گیارہ برس بعد جبکہ مرابطین کی سلطنت اپنے تمام اقطاع میں زوال پذیر ہو رہی تھی، تو بازاروں اور مسجدوں میں یہ صدائیں سنائی دیتی تھیں "اِن مرابطین نے ہماری ہڈیوں کا گودا تک چوس لیا ہے، کہاں ہے ہمارا مال؟ کہاں ہیں ہماری بیویاں؟ اور کہاں ہیں ہمارے بچے؟ بس اُٹھو، اور اِن ظالموں کو قتل کر دو"۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو کہتے پھرتے تھے "بادشاہِ لیون سے مل جاؤ، اور حسبِ دستورِ سابق اُس کو خراج دو، اِن مرابطین سے گلوخلاصی کی تو جو تدبیر ہو گی وہ اچھی ہو گی"۔ اِس تدبیر کی کامیابی کے لیے خدا سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

غرض اب اندلس کے لوگ سب ایک ہو کر مرابطین کو غارت کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اُن کے رہنما قاضی اور فقیہہ تھے، مذہب کوئی بھی ہو، حامیانِ مذہب کی نیکیوں میں شکر گذاری کم شامل ہوا کرتی ہے۔

اسلامی اسپین کے اس سیاسی انقلاب کی تاریخ لکھنا ہم نے اپنے ذمہ نہیں لیا تھا اور نہ ہمارے ذمہ یہ کام ہے کہ موحدین (جنھوں نے مرابطین کی سلطنت کو مراکش میں غارت کر دیا تھا) اسپین میں کس طرح فتحیاب ہوئے؟ ہم نے جو کام اس کتاب میں اپنے ذمہ رکھا تھا، وہ صرف اتنا تھا کہ بنی امیہ کی خلافت سے آزاد ہو کر اندلس میں جو خودمختار حکومتیں قائم ہوئیں، اُن کی ابتدا، اور پھر اُن کی ترقی، اور آخر میں اُن کا انجام کیا ہوا؟

اگر ان حالات کا مختصر خاکہ کھینچنے میں جبکہ اندلس سلطنتِ غیر یعنی مرابطین کا ایک صوبہ بن گیا تھا، ہم اپنے موضوع کی حدود سے باہر ہو گئے ہیں، تو اس کی ضرورت ایک خاص وجہ سے پیدا ہوئی، اور وہ ضرورت اس امر کا واضح کرنا تھا کہ اندلس اپنے آپ کو مرابطین کے حوالے کر کے خوشی حاصل نہ کر سکا، اور اُس کے لیے ایک دن اس بات پر افسوس کرنے کا آ گیا کہ کیوں اُس نے ایسے بادشاہوں کو جو اسپین میں پیدا ہوئے تھے، بُرا کہہ کر اور عین خطرے کی حالت میں اُن کا ساتھ چھوڑ کر اُن سے بیوفائی کی؟

اب ہمیں صرف معتمد علی اللہ کے حالات زمانۂ اسیری کے لکھنے باقی رہے ہیں۔

اسناد

عبدالواحد ص ۹۸ تا ۱۰۱، ۱۱۴، ۱۲۲ تا ۱۲۴، ۱۲۷ تا ۱۲۸، ۱۳۲ تا ۱۳۳، ۱۴۸۔

عباد ج ۱ ص ۵۴ تا ۵۹، ۳۰۳، ۳۰۴ تا ۳۵۶
ج ۲ ص ۴۲، ۴۴، ۶۸، ۱۷۸، ۲۰۴ تا ۲۰۵، ۲۲۷ تا ۲۲۸۔

قرطاس ص ۱۰۰ تا ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۸

انالیس ٹولیڈانوس (تاریخ طلیطلہ) ج ۲ ص ۴۰۴

کرونیکون لوسی ٹانم۔ ص ۳۲۶، ۴۱۹

انالیس کمپوسٹیلانی ص ۳۱۷

ابن الابار ص ۱۸۲، ۲۲۵
ہلال (تاریخ مراکش) ص ۳۰ تا ۳۱، ۳۳ تا ۳۶، ۳۹، ۴۱،
۵۲، ۶۲، ۵۸ تا ۵۹
مقری ج ۱ ص ۲۲۹۔
ج ۲ ص ۲۶۲ تا ۲۶۳، ۳۰۳ تا ۳۰۴
۳۲۲ تا ۳۲۳، ۳۶۰ تا ۳۶۱، ۴۷۲،
۵۹۰، ۷۲۹
کرونیکون دی الفونسو ہفتم (مندرجہ اسپانا ساگرادا) ص ۱۳ تا ۱۶،
۴۵ تا ۴۶، ۶۰، ۶۴، ۸۲، ۸۸ تا ۸۹
۹۱، ۹۴
ابن ابی اصیبعہ (ابن باجہ پر مضمون)
ابن خلکان ص ۱۷ تا ۱۸
ابن الخطیب (قلمی نسخہ گوتھا) ص ۹۸ تا ۱۰۰
ابن خاقان۔ کلائیڈ (ابن باجہ پر مضمون)

کتاب رابع (ملوک الطوائف)

پندرھویں فصل

زمانۂ اسیری و جلاوطنی میں معتمد علی اللہ کے حالات

(۷۲۸) امیر یوسف بن تاشفین کے اوصافِ حمیدہ جو کچھ بھی ہوں، اور فقہا کی نظر میں یہ بکثرت تھے، مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مغلوبوں اور زیر دستوں کے ساتھ علو حوصلگی اُن کے اوصاف میں نہ تھی، اندلس کے ملوک الطوائف کے ساتھ جن کو اُنہوں نے قید کیا، اُنکا برتاؤ ظلم و دنابت کا تھا، یہ درست ہے کہ بادیس کے دونوں پوتوں کو جو امیر یوسف کی قید میں تھے، شکایت کا کوئی موقع نہ ملا، اُن کو اس شرط پر قید سے جلد رہا کر دیا گیا کہ مراکش سے باہر قدم نہ نکالیں، وظائف بھی جو اُن کے مقرر ہوئے ایسے معتدبہ تھے کہ عبداللہ اپنے بچوں کے لیے بڑی دولت چھوڑ مرا، امیر یوسف فی الواقع اِن دونوں شہزادوں کے بڑے طرفدار تھے، اولاً تو یہ اُسی قوم کے لوگ تھے جس قوم کے امیر یوسف تھے، دوسرے یہ کہ کچھ قابلیت بھی نہ رکھتے تھے، اور جو لوگ ناقابلیت کے ساتھ خوشامدی بھی

ہوں، اُن سے خوف کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، لیکن اِن کے سوا جو ملوک الطوائف امیر کی قید میں تھے، اُن کی حالت ایسی اچھی نہ تھی، راضی، متوکل، اور اُس کے دو فرزند فضل اور عباس کا حال ہم پڑھ ہی چکے ہیں کہ وہ سب قتل کر دیے گئے تھے، اب معتمد پر امیر یوسف کے ہاتھوں جو کچھ گذرا، وہ بھی کم قابلِ افسوس نہ تھا۔

اشبیلیہ پر جب مرابطین کا قبضہ ہوگیا، تو معتمد کی نسبت حکم ہوا کہ طنجہ روانہ کیے جائیں معتمد جس وقت مع اہل و عیال کے جہاز پر سوار ہو کر طنجہ جانے لگے تو وادی الکبیر کے کنارے ہزارہا لوگ اُن کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہوئے، شاعر ابن اللبّانہ نے اِس واقعہ کو اپنی ایک نظم میں اِس طرح بیان کیا ہے:-

"نہایت شجاعت سے مقابلہ کرنے کے بعد شہزادے مغلوب ہوئے پھر اُن کو جہاز تک لائے، دریا کے کناروں پر خلقت کا ہجوم تھا، عورتیں بے نقاب تھیں اور اُن کے چہروں سے رنج والم ٹپک رہا تھا، جس وقت جہاز چلا، اور مفارقت ہوئی، تو وہ کون سی پُر درد آہیں تھیں جو زبان سے نہ نکلی ہوں اور کونسے آنسو تھے جو آنکھوں سے جاری نہ ہوئے ہوں، افسوس! ہمارے لیے یہاں کیا رہ گیا؟ اے اجنبی اب یہاں سے تو بھی چلا جا۔ اپنا سامان سمیٹ، جود و سخا کا مسکن اُجڑ گیا، اے لوگو! جو کبھی شوق سے یہاں آنا چاہو گے، معلوم رکھو کہ جس خاندان کو تم تلاش کروگے وہ پہلے ہی یہاں سے چلا گیا ہے، افسوس! کشش باراں نے ہماری کھیتیاں جلا دیں، اور اے شہسوار! جس کے جلو میں زرق برق سپاہی ہیں اپنے ہتھیار رکھدے، اب وہ ہتھیار بیکار ہیں کیونکہ تجھ نگلنے کے لیے شیر نے اپنے جبڑے کھول دیے ہیں۔

جب معتمد طنجہ پہنچے، جہاں وہ کئی دن مقیم رہے، تو شاعر حصری نے جو اُس وقت طنجہ میں تھا، اور اس سے پہلے دربارِ اشبیلیہ میں حاضر رہا کرتا تھا، چند نظمیں جو کسی زمانہ میں معتمد کی تعریف میں لکھی تھیں، معتمد کو بھیجیں، اُن میں ایک قصیدہ بھی تھا جو معتمد کے طنجہ پہنچنے پر لکھا تھا، اِس قصیدہ میں مصری نے روپیہ کا سوال کیا تھا، گو مصری کو یہ معلوم کرلینا چاہیے

(۷۲۹)

تھا کہ اب اُس کے ممدوح کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ اِس وقت معتمد کے پاس اپنی کُل دولت میں سے صرف چھتیس ۳۶ سِکّے چاندی کے رہ گئے تھے، جو اُنھوں نے اپنے موزوں میں رکھ لیے تھے، اور چلنے میں اُن کے پاؤں سے جو خون نکلا تھا، اُس کے داغ اِن سکّوں پر تھے، لیکن معتمد ایسے سخی تھے کہ اُنھیں اپنے اِس آخری سرمائے کو بھی دے ڈالنے میں مطلق تامل نہ ہوا، ایک کاغذ میں روپے لپیٹ کر، اور چند اشعار اِس قلیل رقم کی معذرت میں لکھ کر روپے اور اشعار حصری کے پاس بھیج دیے، لیکن یہ شاعر ایسا بے غیرت نکلا کہ اُس نے خط کا جواب اور روپیہ کا شکریہ تک نہ لکھا۔

جب طنجہ کے اور شاعروں نے سُنا کہ حصری کو روپیہ ملا ہے تو وہ بھی قصیدے لکھ لکھ کر کثرت سے معتمد کے پاس آنے لگے، لیکن افسوس ہے کہ اُن کو خالی ہاتھ واپس جانا پڑا، اِسی موقع پر معتمد نے یہ اشعار کہے تھے:۔

"طنجہ اور مغرب کے شعراء عربوں سے بھی بڑھ کر شعر کہنے پر پل پڑے ہیں اور ایک قیدی سے خیرات مانگتے ہیں، حالانکہ یہ قیدی اگر اُن سے خیرات مانگے تو بجا ہے، تعجب سا تعجب ہے، اگر حیا اور غیرت کا پاس نہ ہوتا تو آج کو وہ شخص بھی جو پہلے اپنی دولت فراخ دستی سے لُٹایا کرتا تھا، سوال کرنے میں اِنھی شاعروں کے برابر ہوتا"۔

اب معتمد طنجہ سے مکناسہ پہنچا دیے گئے، راستے میں اُنھیں ایک انبوہ آدمیوں کا ملا، جو مینہ کے لیے دعائیں مانگنے مسجد کی طرف جارہا تھا، معتمد نے اِن لوگوں کو دیکھ کر فی البدیہہ یہ اشعار کہے:۔

"جب لوگ جو مینہ کی دعا مانگنے والے تھے، مجھے ملے، تو میں نے کہا کہ میرے آنسو مینہ کی جھڑی کا کام دے سکتے ہیں، ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ تو درست ہے کہ آپ کے آنسو ضرور کافی ہوں گے، لیکن مشکل یہ ہے کہ اُن میں خون ملا ہوا ہے"

معتمد مکناسہ میں کئی مہینے رہے، اِس کے بعد امیر یوسف کے حکم سے وہ اغمات پہنچا دیے گئے، جو ملکِ مراکش کا ایک شہر ہے، معتمد جس وقت اغمات کو جاتے تھے تو

اُن کے بیٹے رشید نے ، جن سے معلوم نہیں معتمد کیوں ناراض ہو گئے تھے ، باپ کو رضامند کرنے کے لیے ذیل کے اشعار لکھ کر بھیجے :-

"باران رحمت کے ہمسر ! سخاوت کے سردار ! انسان کو پناہ دینے والے ! بڑی سے بڑی نعمت جو آپ مجھے بخش سکتے ہیں ، وہ یہ ہے کہ اپنے نورانی چہرے کو دیکھنے کی اجازت دیجئے ، جو رات کے لیے مشعل اور دن کے لیے آفتاب ہے ۔"

معتمد نے جواب دیا :-

"باران رحمت کا ہمسر ، سخاوت کا سردار ، اور انسان کا پناہ دینے والا میں اُس وقت تھا جبکہ میرا دہنا ہاتھ خیرات کے دن سونا بکھیرتا تھا ، اور لڑائی کے دن دشمن کو قتل کرتا تھا ، اور جس وقت لڑائی کا گھوڑا برچھیوں کی آواز سُن کر ڈرتا تھا تو میرا بایاں ہاتھ اُس کی راسیں سنبھال لیتا تھا ، مگر اب میری حالت غلامی اور ذلّت کی ہے ، میری مثال اب اُس زیارت گاہ کی مانند ہے جس کی حرمت اُٹھ چکی ہو ، یا میں اب اُس پرندے کی طرح ہوں جس کے بازو ٹوٹ گئے ہوں ، اب میں مفلسوں اور مظلوموں کا سوال پورا نہیں کر سکتا ، میرے چہرے کا نور اب غموں سے غبار آلودہ ہے ، اور میرے فکروں نے خوشی کے خیالات دل سے نکال دیے ہیں ، کل جو لوگ میرے سامنے حاضر ہونے کی تمنا کرتے تھے ، آج وہ اپنا منہ میری طرف سے پھیر لیتے ہیں"

(۷۳۰) اغمات میں معتمد اپنی زندگی کے دن اِس طرح کاٹ رہے تھے کہ اُن کو دیکھنے سے رحم آتا تھا ، امیر یوسف کا کبھی حکم آتا تھا کہ بیڑیاں کاٹ دی جائیں ، اور کبھی حکم آتا تھا کہ پھر پہنا دی جائیں ، علاوہ اِس طرح تکلیف دینے کے اُن کی ضروریات کی طرف سے بھی غفلت کی جاتی تھی ، وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نہایت مفلسی اور تنگدستی کی حالت میں رہتے تھے ، اُن کی بیوی اور بیٹیاں سوت کات کر مشکل سے اپنا گذر کرتی تھیں ، صرف شعر ایسی چیز تھا جس سے وہ اپنا دل بہلالیا کرتے تھے ، ایک روز قید خانے کی کھڑکی سے پرندوں کا ایک جھنڈ اُڑتے دیکھا ، جنہیں عرب قطا کہتے ہیں ، اور جسے ایک قسم کا تیتر سمجھنا چاہیئے تو اُنہوں نے اپنے خیالات اِن بیتوں میں ظاہر کیے :-

"جب میں نے قطا کا ایک جھنڈ آسمان پر اُڑتے دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، وہ آزاد تھے، قید خانے اور بیڑیوں سے واقف نہ تھے، میرے آنسوؤں کا باعث رشک نہ تھا، بلکہ اِس بات کی خواہش تھی کہ میں بھی اُنہی کی طرح آزاد ہوتا، اگر مجھے اتنی آزادی مل جائے کہ جہاں چاہوں جاؤں، تو پھر میرے دل پہ غموں کا بوجھ نہ رہے، میں اپنے بچوں کی موت پر بھی رونا چھوڑ دوں، اے پرندو! تم کیسے خوش ہو؟ تم اپنوں سے جدا نہیں ہو، اہل وعیال سے مفارقت کا غم تم نہیں جانتے، اور نہ تم اُن راتوں کی تکلیف سے واقف ہو، جو قید خانے میں دروازے بند ہونے کی آواز سُننے کے بعد کاٹی جاتی ہیں، ان پرندوں کے بچوں کا خدا روزی رساں ہے، لیکن میرے بچے پیاس سے اور سائے کے بغیر مرے جاتے ہیں"

معتمد نے اپنے اشعار میں اپنی گذشتہ شان وشوکت، اور اپنے آراستہ و پرتکلف محلوں کو بھی یاد کیا ہے جو اُن کی ناز ونعم کی زندگی کے شاہد رہ چکے تھے، اور اپنے فرزندوں کو بھی یاد کیا ہے جو قتل کیے گئے تھے۔

عید الفطر کے روز اُنہوں نے اِس مضمون کے اشعار لکھے:-

"گذشتہ ایام میں عیدیں تجھے خوش کرتی تھیں، لیکن غم کے دن سے بدتر وہ عید ہے جو اغمات میں تجھے ایک اسیر کی شکل میں دیکھ رہی ہے، تو اپنی بیٹیوں کو بدن پر چیتھڑے لگے اور فاقوں سے مرتے دیکھ رہا ہے، وہ مفلس اور محتاج ہو کر بہت قلیل روزی کے لیے سُوت کات کر زندگی بسر کر رہی ہیں، محنت و مشقت سے تھکی ہوئی، نظریں نیچے کیے مجھ سے عید ملنے آئی ہیں، جو مشک اور کافور کو پاؤں میں رَوندتی چلتی تھیں[۱] آج گلیوں کی کیچڑ میں ننگے پاؤں پھرتی ہیں، اُن کے خشک رخسار جن پر آنسوؤں کے نشان جھلک رہے ہیں اُن کی مفلسی کے گواہ ہیں ....
غموں کی اِس عید کو (اور خدا نہ کرے کہ تجھے دوسری عید دیکھنی پڑے) جس طرح تو نے روزہ افطار کیا ہے، اسی طرح اُس نے بھی جو تیرا دل ہے روزہ کھولا ہے، تیرا

[۱] دیکھو حاشیہ کا صفحہ ۶۶۶

غم جو مدت سے چھپا ہوا تھا، آج تجھ پر پھٹ پڑا ہے۔ کل تیری زبان سے جو حکم
نکلتا تھا اُسے سب بجا لاتے تھے، اور آج تو سب کے حکموں کو بجا لانے والا ہے
بادشاہ جو اپنی شان و عظمت پر غرور کرتے ہیں، وہ ایک رویائے باطل سے دھوکا
کھاتے ہیں۔"

سیدہ کبریٰ رُمیکیہ کے لیے یہ سخت زندگی قابلِ برداشت نہ تھی، وہ بہت بیمار
ہوگئیں، معتمد کی تکلیف اس وجہ سے اور زائد ہوگئی کہ اغمات میں کوئی ایسا نہ تھا جو
بیوی کا علاج کرتا، اتفاق سے مشہور طبیب ابوالعلاء ابن زہر اس وقت مراکش میں تھے
یہ معتمد کی حکومت کے آخری زمانہ میں اشبیلیہ میں درباری طبیب رہ چکے تھے، معتمد
نے ایک زمانہ میں ابوالعلاء کے دادا کی جائداد ضبط کرلی تھی، جسے امیر یوسف نے
واگذاشت کردیا تھا، معتمد کی غیرت اور حمیت گوارا نہ کرتی تھی کہ وہ ایسے شخص سے کوئی
درخواست کریں، مگر مجبوری سب کچھ کراتی ہے، بہت پس و پیش کے بعد آخر کار معتمد
نے بہت مجبوری کے ساتھ ابوالعلاء کو لکھا کہ وہ بیوی کو آکر دیکھیں، ابوالعلاء نے آنے کا (۱۳۷)
وعدہ کیا، چونکہ معتمد کو انھوں نے طولِ بقا کی دعا دی تھی، لہٰذا اُس کے شکریہ میں معتمد
نے یہ اشعار لکھ کر بھیجے:-

"آپ نے میری بقائے عمر کی دعا کی ہے، لیکن ایک قیدی طولِ عمر کی کیونکر
خواہش کرسکتا ہے؟ کیا اُس کے حق میں موت ایسی زندگی سے بہتر نہیں جس میں روز
تکلیفیں بڑھتی رہیں، زیادہ عمر کی خواہش تو وہ لوگ کریں جو راحت و آرام کی اُمید
رکھتے ہوں، مجھے تو اب صرف موت سے ملنے کی تمنا ہے، کیا میری خواہش یہ ہوسکتی
ہے کہ اپنی بیٹیوں کو ننگے پاؤں بدن پر پھٹے کپڑے پہنے دیکھوں، اب وہ اُس شخص
کی ماماگیری کرتی ہیں جس کا کام یہ تھا کہ جب میری سواری نکلے تو لوگوں کی اطلاع کے
لیے آواز لگائے[۱]، اور جو لوگ میرے راستے میں آئیں، اُنھیں ہٹا دے، اور جب

---

[۱] معتمد کی بیٹیوں کیلئے جو عورتیں کاتنے کیلئے سوت لایا کرتی تھیں اُنہیں معتمد کے ایک عریف (دربان) کی بیٹی بھی تھی۔

لوگ میرے قصر کے صحن میں جمع ہوں تو اُن کو بدتمیزی سے روکے، اور جس وقت
مَیں لشکر کا معائنہ کروں، تو میرے چپ و راست اپنا گھوڑا دوڑاتا پھرے، اور یہ
دیکھتا رہے کہ کوئی سپاہی اپنی صف سے باہر تو نہیں ہوا، مگر بہرحال تمہارے
دل سے نکلی ہوئی دعا نے میرے دل کو تقویت بخشی، اے ابوالعلاء! خدا تم کو اس کا
نیک اجر دے، مجھے نہیں معلوم کہ کب میری تمنا پوری ہوگی؟ مگر جب خیال کرتا ہوں
کہ آخر الامر سب کو فنا ہے تو نفس کو کچھ تسلی ہو جاتی ہے۔"

معتمد کو گاہے گاہے خطوط اور شاعروں کی ملاقات سے جنہیں کبھی بہت کچھ مال و دولت
دے چکے تھے، کچھ تسکین ہو جاتی تھی، بہت لوگ معتمد سے ملنے کے لیے اغمات کا
سفر اختیار کرتے تھے، اُنہی میں ایک شخص ابو محمد حجاری بھی تھے، ان کو معتمد نے صرف
ایک نظم پر اتنا روپیہ دیا تھا کہ وہ اُس کی مدد سے ایک بڑے تاجر ہو گئے تھے، اور جبتک
زندہ رہے خوشحال رہے، ان سے ایک دن باتوں باتوں میں معتمد نے اِس خیال کو تسلیم
کیا کہ یوسف کو اندلس بُلانا اُن کی سخت غلطی تھی، اور یہ وہ کام تھا جس سے اُنہوں نے
اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھود لی، جب ابو محمد معتمد سے رخصت ہو کر المریہ واپس آئے
جہاں اُنہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی، تو معتمد نے باوجود محتاج و مفلس ہونے کے
ابو محمد کو تحفہ کے طور پر کچھ دینا چاہا، مگر ابو محمد نے نہایت ادب و انکسار سے تحفہ لینے
سے اِنکار کیا، اور دو شعر فی البدیہہ کہے:-

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ایسے شخص سے کوئی چیز نہیں لے سکتا جس کو
تقدیر نے سخت بیجا تکلیفوں میں مبتلا کر رکھا ہے، آپ کے گذشتہ زمانہ کے انعام
میرے لیے کافی ہیں، گو آپ کو اب وہ یاد بھی نہیں ہیں۔"

معتمد کے سب سے گہرے اور وفادار دوست ابن اللبانہ تھے، یہ شاعر جب ایک مرتبہ
اغمات میں آئے تو معتمد کو ایک اچھی خبر سنائی، اور وہ یہ تھی کہ اندلس میں جو لوگ صاحب امر
ہوئے ہیں وہ حالتِ جوش و خروش میں ہیں، اور وہاں کے عمائد اور اکابر جو کبھی امیر یوسف
کی حکومت سے خوش نہ تھے، آپس میں اس بات پر گفتگو کرتے ہیں کہ آپ کو دوبارہ تخت پر

بٹھائیں۔

ابن اللبانہ نے یہ خبر درست سُنائی تھی، اندلس کے طبقۂ اعلیٰ کے لوگوں میں بے حد ناراضی پھیلی ہوئی تھی، حاکموں کو اس کی خبر بھی ہو گئی تھی، اور اُنھوں نے بہت ہوشیاری اور آہستگی سے ایسے لوگوں کو جن پر شبہ گذرا تھا، گرفتار بھی کر لیا تھا، مالقہ میں یہ حالات خاص کر پیش آئے تھے، اس شہر کے اہلِ سازش جو قید ہو گئے تھے (اور جن کا سردار ایک بڑا نامور شریف ابن خلف نامی تھا) رات کے وقت قید خانے سے نکل بھاگے اور قلعہ منت میور[1] پر اُنھوں نے قبضہ کر لیا، اس کے تھوڑا عرصہ بعد معتمد کا ایک فرزند عبدالجبار جو اندلس میں رہ گیا تھا، اور جسے لوگوں نے راضی ابن معتمد سمجھ رکھا تھا، اہلِ سازش سے جا ملا، جنھوں نے اُسے اپنا سردار بنا لیا۔

ان باغیوں کا کام خوب دُرستی سے چل رہا تھا، مراکش کا ایک جہاز بھٹک کر قصر مالقہ کے قریب ساحل پر آ گیا تھا، اُس میں سے رسد اور لڑائی کا سامان اُنہیں آسانی سے ملتا رہتا تھا، جزیرۃ الخضراء اور ارکش کے لوگوں نے اِن باغیوں کی اطاعت قبول کر لی، اور ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء میں اُنھوں نے ارکش کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے اپنا صدر مقام بنا لیا۔ عبدالجبار کے حملے اشبیلیہ کے دروازوں تک ہونے لگے۔

پہلے تو عبدالجبار کی بغاوت کی خبر سنکر معتمد بہت پریشان ہوئے، اور ڈرے کہ یہ بغاوت بغیر سوچے سمجھے کی گئی ہے اور اس لیے عبدالجبار کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو اُس کے اور بھائیوں کا ہوا، لیکن یہ خوف جلد جاتا رہا، اور بجائے خوف کے اچھی اُمید بندھنے لگی، اور جو تخت ہاتھ سے جا چکا تھا، اُس کا پھر حاصل ہونا ممکن نظر آنے لگا۔

اِس قسم کی دل خوش کن اُمید کو معتمد نے اپنے دوستوں سے چھپایا بھی نہیں، چنانچہ جس وقت ابن حمدیس شاعر اُن سے ملاقات کر کے مہدیہ کو واپس ہوا، تو ایک نظم اُسے لکھ کر بھیجی جس کی ابتدا یوں تھی:-

---

[1] یہ قلعہ مربلہ کے قریب ہے اور ایک غیر آباد مقام ہے۔

"مسجد میں منبر اور قصر میں تخت شاہی اُس اسیر پر روتے ہیں جسے تقدیر نے افریقہ کے ساحل پر پھینک رکھا ہے۔"

اِسی نظم میں یہ اشعار بھی تھے :-

"اے کاش ! مجھے کوئی یقین دلا دیتا کہ میں اپنے باغ اور بحیرے کو پھر دیکھوں گا جو اُس ملک میں ہیں جہاں زیتون کا درخت اُگتا ہے، جہاں قُمریوں کی کوکو، اور طیورِ خوش لحن کے نغمے سُنے جاتے ہیں۔"

ابن اللبانہ نے اِس قسم کی امیدیں پیدا کرائی تھیں، جس وقت وہ اندلس واپس آنے لگا تو معتمد نے اُسے بیس۲۰ مثقال چاندی اور دو پارچے دیے۔ ابن اللبانہ نے یہ چیزیں واپس کردیں، اور اِس موقع پر یہ اشعار کہے۔

"کچھ دن اور صبر کیجئے، بہت جلد آپ میری خوشی کا باعث ہوں گے، کیونکہ آپ کو پھر اپنا تخت مل جائے گا، جس دن آپ قصر میں داخل ہوں گے تو مجھے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچا دیں گے، پھر آپ سخاوت میں بنی مروان سے بھی سبقت لے جائیں گے، اور میں فضل و کمال میں جریر[۵۱] سے بھی بڑھ جاؤں گا۔"

غرض معتمد اب اِس امید میں رہنے لگے کہ پھر صاحب حکومت ہو جائیں گے، باوجودیکہ امیر یوسف کے حکم سے بھاری بھاری بیڑیاں بار بار اُن کے پاؤں میں ڈالی جاتی تھیں، کیونکہ امیر یوسف کو اسی زمانے کے کسی شخص کا قول یاد تھا کہ "جب شیر کا بچہ غُرّاتا ہے تو شیر جست لگانے کو ہو جاتا ہے۔" معتمد کی اُمید بالکل ہی غلط بنیاد پر قائم نہیں ہوئی تھی عبد الجبار کے فریق میں لوگوں کی تعداد بہت تھی، اور مرابطین کی حکومت بہت ہی اندیشہ کے ساتھ اِن حالات کو دیکھ رہی تھی، دو برس تک اِس بغاوت نے حکومت پر ایک خوف طاری رکھا، اور جب تک معتمد کی موت کا وقت نہ آگیا، یہ بغاوت فرو نہ ہو سکی (۴۸۹ھ / ۱۰۹۵ء)[۵۲] (۷۳۳)

۵۱ یہ شخص حجاج بن یوسف حاکم عراق کے دربار کا شاعر تھا، ہجو کہنے میں مشہور تھا۔ سالِ وفات ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء۔

۵۲ یہ بغاوت ۴۸۶ھ / ۱۰۹۳ء میں شروع ہوئی تھی، دو برس کے بعد عبد الجبار، ارکش میں داخل ہوا، سیر حاکم اشبیلیہ نے عبد الجبار کا ارکش میں محاصرہ کر لیا۔ عبد الجبار ایک تیر سے زخمی ہو کر ہلاک ہوا، لیکن جس فریق کا وہ سردار تھا اُس نے کچھ مدت بعد تک ہتھیار نہ ڈالے۔

معتمد عرصہ تک بیمار رہ کر ۴۸۹ھ / ۱۰۹۵ء میں بعمر پچپن ۵۵ سال قضا کر گئے، اور اغمات کے قبرستان میں دفن ہوئے، کچھ مدت کے بعد عید الفطر کے روز اندلس کا شاعر ابن عبد الصمد اُن کے مزار پر آیا، اور سات مرتبہ قبر کے گرد اس طرح پھرا، جیسے کوئی کعبہ کا طواف کرتا ہو پھر جھکا اور اُس خاک کو بوسہ دیا جس کے نیچے اُس کا محسن و مربی آسودہ تھا، ور اُٹھ کر ایک مرثیہ پڑھا، اِس شاعر کی مثال کا حاضرین پر ایسا اثر ہوا کہ سب نے قبر کا طواف کیا، اور زار و قطار روتے رہے۔

تیرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کا ایک مورخ لکھتا ہے "سب لوگ معتمد سے محبت رکھتے ہیں، سب اُس کے حال پر ترس کھاتے ہیں، اور اب تک اُسے روتے ہیں۔" شاہانِ اندلس میں وہ سب سے زیادہ ہر دلعزیز بادشاہ تھے، اُنکی سخاوت اُن کی شجاعت، اور اُن کی مروت نے آئندہ نسلوں میں شریف اور شائستہ طبیعتوں کو اُن کا گرویدہ کر دیا، جو رحم دل تھے اُن پر معتمد کے مصائب نے، جن کی مثال ملنی مشکل تھی بیحد اثر کیا، اور عوام الناس کو اُن کی زندگی کے عجیب اور دلچسپ سوانح نے متاثر رکھا، شاعری میں اُن کے کلام کی تعریف بدوی بھی کرتے تھے، جو شعر کی زبان پرکھنے میں حضری (شہر کے رہنے والے) سخن فہموں سے زیادہ مستند خیال کیے جاتے تھے۔

بارھویں صدی عیسوی (آٹھویں صدی ہجری) میں ایک شخص اشبیلیہ کا رہنے والا صحرائے افریقہ میں سفر کرتا ہوا بنی لخم کے ایک خیمہ گاہ میں پہنچا، ایک خیمے کے قریب آکر اُس کے مالک سے مہماں نوازی کا خواستگار ہوا، مالک مسافر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ آج ایک مہمان کی خاطر و مدارات کرنے کا موقع نصیب ہوا، جس میں اُس کی قوم شہرت رکھتی تھی، پس اُس نے نہایت خوش ہو کر مہمان کا خیر مقدم کیا، مسافر دو تین دن تک اِن مہربان میزبانوں کے پاس رہا، ایک رات نیند نہ آئی تو ہوا کھانے کے لیے خیمے سے باہر نکلا۔ رات نہایت خوشگوار تھی، فیروزی رنگ آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے، اتنے میں چاند نے اُفق سے آہستہ آہستہ بلند ہو کر صحرائے خوابیدہ و خاموش کو اپنے نور سے منور کر دیا، اور تمام ویگزار آئینہ بن گیا، یہ منظر دیکھ کر اس اشبیلی کو اپنے سابق بادشاہ کی ایک نظم یاد آگئی،

اور اُسے زور زور سے پڑھنا شروع کیا۔

"جب رات نے اپنا سایہ زمین پر ایک عظیم الشان نقاب کی طرح ڈال دیا، تو میں مشعلوں کی روشنی میں جو میرے ساغر میں جھلکتی تھی شراب پینے لگا، آسمان پر جوزا بلند ہو چکا تھا کہ اتنے میں قمر نے اپنا رُخِ روشن دِکھایا، معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کی ملکہ حُسنِ فطرت کے معائنے کو اُٹھی ہے، اور جوزا اُس پر چتر کیے ہے، ستارے تاباں و درخشاں ایک ایک کرکے حاضر ہوئے اور نُور بڑھتا رہا، اور اِس جشنِ کواکب میں پروین کا جُھمکا اِس طرح آسمان میں معلق ہوتا ہے، گویا کہ ملکۂ قمر اپنا پرچم اُڑا رہی ہے

(۲۳۴)

جس طرح یہ ملکہ آسمان پر ہے، میں زمین پر ہوں، جوانانِ تہمتن اور مہوشانِ حرم میرے گرد جمع ہیں جن کی سیاہ زلفیں ظلمتِ شب کو مات کرتی ہیں، دوستو! آؤ شراب پئیں، انگور کا عرق نوش کریں، جبکہ یہ خوبصورت گانے والیاں اپنا گانا سُناتی ہوں۔"

اِس کے بعد اشبیلی نے ایک نظم سُنائی جو معتمد نے اپنے والد کا عتاب دور کرنے کی غرض سے لکھی تھی، اِس عتاب کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ معتمد اپنی غفلت سے مالقہ کی لڑائی ہار گئے تھے، اشبیلی نے یہ نظم ابھی پڑھنی ختم نہیں کی تھی کہ قریب ترخیمے کا پردہ کسی نے ہٹایا، اور ایک شخص نظر آیا جس کی واجب التعظیم صورت ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ شیخِ قبیلہ ہے، شیخ اس اشبیلی کے قریب آیا، اور نہایت صاف اور پاکیزہ عربی محاورے میں جس کے لیے بدوی ہمیشہ سے مشہور چلے آتے ہیں، اور جس پر اُنہیں فخر و ناز ہے، کہنے لگا:۔

"اے حضری (شہر کے رہنے والے) تجھ پر خدا کی برکتیں نازل ہوں، یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ کس کے اشعار پڑھے ہیں جسکی زبان آبِ رواں کی مانند مصفا ہے، اور جس کے الفاظ میں ایسے سبزے کی سی تازگی ہے جس پر ابھی مینہ کا چھینٹا پڑا ہو، کبھی وہ نازک و شیریں اشعار اُس حسینہ کی نوائے خوش معلوم ہوتے ہیں، جس کے گلے میں سونے کا ہار پڑا ہو، اور کبھی وہ ایسے تیز اور پُر آواز ہیں جیسے بچۂ شُتر کی بانگ۔"

مسافر نے جواب دیا "یہ ایک بادشاہ کے کہے ہوئے اشعار ہیں جو اندلس میں حکومت

کرتا تھا، اس کا نام ابن عباد تھا۔

شیخ نے کہا "درست ہے، یہ بادشاہ کسی بہت ہی چھوٹے ملک پر حکمراں ہوگا اور اس وجہ سے اپنا تمام وقت شعر کہنے میں صرف کر سکتا ہوگا، کیونکہ جس شخص کو بہت سے کام کرنے ہوں، وہ ایسے اچھے اشعار کہنے کی مہلت نہیں پا سکتا۔

مسافر۔ یا شیخ! معاف فرمائیے گا، یہ بادشاہ ایک بڑی قوم کا بادشاہ تھا۔

شیخ۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کس قبیلے سے تھا؟

مسافر۔ یقیناً، وہ بنی لخم میں سے تھا۔

شیخ یہ سن کر کہ آج اپنے قبیلے کی شہرت کے لیے ایک بات اور حاصل ہوئی، بے انتہا خوش ہوا، اور اسی خوشی میں گرجتی ہوئی آواز سے پکارا "قبیلے والو! اٹھو، اٹھو، اور جلد اٹھو۔"

اس آواز کے بلند ہوتے ہی ایک آن واحد میں تمام خیمہ گاہ میں ہل چل پڑ گئی، اور اہل قبیلہ جوق جوق اپنے شیخ کے گرد جمع ہونے لگے، جب وہ سب جمع ہو لیے تو شیخ نے ان سے کہا "تم سب بھی اس چیز کو سنو، جو میں نے ابھی سنی ہے، اور اپنے حافظہ میں وہ کلام محفوظ کر لو جو ابھی میرے دل پر نقش ہوا ہے، کیونکہ یہ وہ کلام ہے جو تمہارے لیے تمغۂ فخر ہے، اور ایسا سرمایۂ عزت ہے جس پر تم کو ناز ہو سکتا ہے۔ اے حضری! مہربانی کرو، اور ایک بار پھر ہمارے بنی عم کے اشعار سنا دو۔"

اشبیلی نے جب وہ اشعار پھر پڑھے، اور اہل بادیہ نے اپنے شیخ کی طرح نہایت جوش و خروش سے شاعر کے کلام کی داد دے لی، تو اشبیلی نے کچھ حالات جو وہ شیخ کو سنانے والا تھا، ان بدوؤں کے سامنے بھی بیان کیے، یہ حالات بنی عباد اور ان کے اقارب و متعلقین کی اصل کے متعلق تھے کہ کس طرح ان میں بھی قبیلۂ لخم کا خون موجود تھا، اور وہ بھی کسی زمانہ میں اپنے اونٹ لیے صحرا میں گشت لگایا کرتے تھے، اور اپنے خیمے وہاں نصب کرتے تھے جہاں ایک ریگستان ملک مصر کو شام کے ملک سے جدا کرتا ہے۔ اس کے بعد اس نے معتمد کا ذکر شروع کیا، جس کے کلام میں نزاکت و لطافت، اور علو و جلالت پیدا تھی،

(۷۳۵)

وہ ایک بہادر مبارز، اور اشبیلیہ کا جلیل القدر بادشاہ تھا۔

جب اشبیلی نے اپنی تقریر ختم کرلی، توسب بدوی قومی تفاخر کے جوش میں مست ہوگئے اور فوراً گھوڑوں پر سوار ہوکر رقص[۵] و سرود شروع کیا، اور اسی میں صبح کردی۔

صبح ہوتے ہی شیخ قبیلہ نے اپنے اونٹوں میں سے بیس[۲۰] اونٹ جو بہترین تھے، نکال کر اشبیلی کی نذر کیے، قبیلے میں سے اور لوگوں نے بھی حسب حیثیت اس مہمان کو اونٹ دیے یہاں تک کہ سورج پورا نکلا بھی نہ تھا کہ اشبیلی کے پاس سو اونٹ جمع ہوگئے، پھر ان فیاض اور مہمان نواز فرزندان صحرا نے اشبیلی کے ہاتھ کو بوسے دے کر اسے اچھے اچھے کھانے کھلائے اور اس کی بہت عزت کی، اور جب اس کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو بہت مشکل سے اسے جانے کی اجازت دی، کیونکہ ایسے مسافر سے جو ان کے ایک ہمقوم لخمی بادشاہ اور شاعر کا کلام اس خوبی سے پڑھ سکے، ان کو بہت محبت ہوگئی تھی۔

ان واقعات سے ڈھائی سو برس کے بعد جبکہ اسلامی اسپین سابق کی طرح آزاد نہ تھا بلکہ سخت پابند مذہب ہوگیا تھا، ایک زائر ایک ہاتھ میں عصا، اور دوسرے ہاتھ میں تسبیح لیے ملک مراکش میں سفر کررہا تھا، غرض اس سفر کی یہ تھی کہ بڑے بڑے درویشوں سے ملاقات اور مقدس مقامات کی زیارت کرے، یہ زائر بادشاہ غرناطہ کا وزیر لسان الدین ابن الخطیب تھا، دوران سیاحت میں جس وقت اغمات کے چھوٹے سے شہر میں آیا تو اس قبرستان کی تلاش ہوئی جہاں ابھی تک معتمد علی اللہ اور اس کی ملکہ سیدہ رمیکیہ کی قبریں موجود تھیں، یہ قبریں ایک پہاڑی کے قریب تھیں، اور اس پہاڑی پر نیلوفر کے درختوں میں پھول کثرت سے کھل رہے تھے۔

ان قبروں کو دیکھ کر جو زمانے کے ہاتھوں کہنہ و شکستہ ہورہی تھیں" وزیر ابن الخطیب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور انہوں نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:۔

---

[۵] اس رقص کا نام پروفیسر ڈوزی نے فانتازیہ لکھا ہے، اور مترجم انگریزی نے اس پر یہ تعلیق لکھی ہے کہ "اس رقص کی کیفیت کیلئے دیکھو سی، آر، کونڈر کی کتاب "فلسطین میں خیمے" (مطبوعہ ۱۸۸۵ء) صفحہ ۳۴۶"۔ (مترجم اردو)

"اس متبرک فریضہ کو ادا کرنے کے لیے کہ تیری قبر کی زیارت کروں، میں اسوقت اغمات میں ہوں۔ اے صاحبِ قبر! افسوس، کیوں میرے نصیب میں نہ ہوا کہ آپ کی زندگی میں میں آپ سے واقف ہوتا، اور آپ کی مدح میں زبان کھولنے کی عزت حاصل کرتا، آپ وہ ہیں جو سخاوت میں سب بادشاہوں سے بالاتر ہیں، اور اس طرح روشن ہیں جس طرح مشعل شبِ تاریک میں روشن ہوتی ہے، اب کم سے کم اجازت دیجیے کہ آپ کی قبر کو سلام کروں، زمین کی بلندی آپ کے مدفن کو ممتاز کرتی ہے، آپ جب زندہ تھے تو لوگوں میں ممتاز تھے، اور مرنے کے بعد بھی آپ اُن لوگوں سے برتر ہیں جو موت کے خوابِ گراں میں آپ کے قدموں کے پاس آسودہ ہیں، زندوں میں آپ بادشاہ تھے، اور اب مُردوں میں بھی بادشاہ ہیں، آپ کے بعد زمانہ بہت گذر لیا ہے مگر اب تک اُسے آپ جیسا تاجدار دیکھنا نصیب نہیں ہوا، اور میں سمجھتا ہوں کہ جو زمانہ آئندہ گذرنے والا ہے، وہ بھی آپ جیسا بادشاہ نہ دیکھے گا۔"

مگر معتمد کو ہم دنیا کے بڑے بادشاہوں میں شمار نہیں کرسکتے، چونکہ وہ ایک ایسی قوم پر حکومت کرتے تھے جو محض حصولِ نشاط کے لیے زندہ تھی، اور جسے عیش و عشرت نے بالکل کمزور کردیا تھا، اِس لیے وہ بڑے رُتبے کے بادشاہ نہ ہوسکتے تھے۔ اگر اُن کی فطری آرام طلبی اور ہر حسین چیز سے عشق، جو حُسن پرستوں کی لذت اور تباہی دونوں کا باعث ہوا کرتا ہے، اُنہیں اِس مرتبے کی اجازت بھی دیتا تو بھی وہ اُسے حاصل نہ کرسکتے۔ لیکن اِس میں ہرگز کلام نہیں کہ کوئی اَور بادشاہ اُن کی مانند نازک خیال، جس میں شاعری کی روح حلول کرچکی ہو، نظر نہیں آتا، اُن کے لیے زندگی کا کوئی خفیف سے خفیف اور گریز پا سے گریز پا واقعہ ایسا نہ تھا جو شاعری کے حسین لباس میں سامنے نہ آجاتا ہو، اُن کی سیرت یا بہ صورت اُن کی علمی زندگی کے حالات اُن کی نظموں سے اخذ کرکے لکھے جاسکتے ہیں۔ یہ نظمیں اُن کے دل کے سچے انکشافات ہیں، جنمیں ہر روز کی دُھوپ اور چھاؤں جو جو راحتیں اور کلفتیں اپنے ساتھ لاتی تھی اُن کے صحیح مرقعے نظر آجاتے ہیں، اِس کے علاوہ اُنکی

بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ اُن اسلامی بادشاہوں میں سے تھے جو اسپین میں پیدا ہوئے تھے اور اُنہی پر ایسے بادشاہوں کے سلسلہ کا خاتمہ ہوا، معتمد اُس قوم، اور قومی شائستگی، اور تمدن کے تعمیر کرنے والے تھے جو افریقہ کے وحشی فوج کشوں کے دورِ حکومت میں اسپین سے فنا ہوگیا، یا اگر زندہ رہا تو بہت کمزور اور نحیف حالت میں رہا، معتمد اِس وجہ سے بھی عزیز ہیں کہ اندلس کے متعدد شاعر بادشاہوں میں وہ سب سے آخر میں پیدا ہوئے تھے، کسی اور بادشاہ کو قوم اتنا نہیں روئی جتنا معتمد علی اللہ کو روئی. اور اتنا روئی کہ دوسروں پر گمنامی کا اندھیرا چھا دیا، اور اِس رونے میں وہ حُزن و ملال تھا جو پھول کو آخری بار کِھلتے دیکھنے یا موسمِ خزاں کے آخر میں ساکت و خاموش دنوں کو یا غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی اخیر کرنوں کو دیکھ کر ہوتا ہے +

اسناد

ابن الخطیب (قلمی نسخہ E) ابن بلوکین پر مضمون

عبداللہ (ڈوزی) ج ۱ ص ۴۰ ، ۵۹ تا ۶۸ ، ۷۱ ، ۳۰۶ ، ۳۱۰ تا ۳۱۴ ، ۳۱۹ تا ۳۲۰ ، ۳۶۶ ، ۳۸۳

ج ۲ ص ۶۳ - ۶۶ تا ۶۷ ، ۷۱ تا ۷۴ ، ۱۴۷ تا ۱۴۹ ، ۱۷۵ ، ۲۲۲ تا ۲۲۳ - ۲۲۸ تا ۲۲۹ ، ۲۳۲

عبدالواحد ص ۱۰۱ تا ۱۰۲ ؛ ۱۰۹

مقّری ج ۲ ص ۲۹۳

گیارہویں صدی عیسوی (پانچویں صدی ہجری) کے ملوک الطوائف

اشبیلیہ ـ بنی عباد

ابوالقاسم محمد (اول) ابن اسماعیل (قاضی) سنہ ۱۰۲۳ تا سنہ ۱۰۴۲ء مطابق سنہ ۴۱۴ تا سنہ ۴۳۴ھ

ابوعامر عباد ابن محمد ـ المعتضد ـ سنہ ۱۰۴۲ تا سنہ ۱۰۶۹ء 〃 سنہ ۴۳۴ تا سنہ ۴۶۲ھ

ابوالقاسم محمد (ثانی) بن عباد ـ المعتمد ـ سنہ ۱۰۶۹ تا سنہ ۱۰۹۱ء 〃 سنہ ۴۶۲ تا سنہ ۴۸۴ھ

قرطبہ ـ بنی جہور

ابوالحزم جہور ابن محمد ابن جہور سنہ ۱۰۳۱ تا سنہ ۱۰۴۳ء مطابق سنہ ۴۲۳ تا سنہ ۴۳۵ھ

ابوالولید محمد ابن جہور سنہ ۱۰۴۳ تا سنہ ۱۰۶۴ء 〃 سنہ ۴۳۵ تا سنہ ۴۵۷ھ

عبدالملک ابن محمد سنہ ۱۰۶۴ تا سنہ ۱۰۷۰ء 〃 سنہ ۴۵۷ تا سنہ ۴۶۳ھ

(قرطبہ سلطنت اشبیلیہ بنو عباد میں شامل کر لیا گیا)

مالقہ ـ بنی حمود
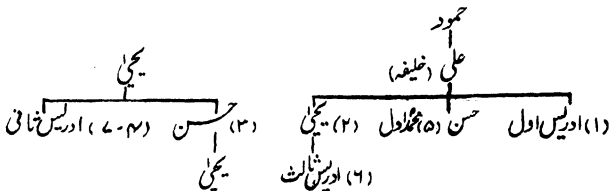
حمود

علی (خلیفہ)

(۱) ادریس اول — حسن (۵) محمد اول — (۲) یحییٰ

(۶) ادریس ثالث

یحییٰ

(۳) حسن — (۴ ـ ۷) ادریس ثانی

یحییٰ

۱ـ ادریس اول ـ سنہ ۱۰۳۵ تا سنہ ۱۰۳۹ء مطابق سنہ ۴۲۷ تا سنہ ۴۳۱ھ

۲ـ یحییٰ ـ سنہ ۱۰۳۹ء 〃 سنہ ۴۳۱ھ

۳ـ حسن ـ سنہ ۱۰۳۹ تا سنہ ۱۰۴۱ء 〃 سنہ ۴۳۱ تا سنہ ۴۳۳ھ

نجار سنہ ۱۰۴۱ تا سنہ ۱۰۴۳ء 〃 سنہ ۴۳۳ تا سنہ ۴۳۵ھ

۴ـ ادریس سنہ ۱۰۴۳ تا سنہ ۱۰۴۷ء 〃 سنہ ۴۳۵ تا سنہ ۴۳۹ھ

۵ـ محمد اول سنہ ۱۰۴۷ تا سنہ ۱۰۵۳ء 〃 سنہ ۴۳۹ تا سنہ ۴۴۵ھ

۶ـ ادریس ثانی سنہ ۱۰۵۳ء 〃 سنہ ۴۴۵ھ

۷۔ ادریس ثانی (بار دیگر) ۱۰۵۳ء تا ۱۰۵۵ء مطابق ۴۴۵ھ تا ۴۴۷ھ

۸۔ محمد ثانی ۱۰۵۵ء تا ۱۰۵۷ء ″ ۴۴۷ھ تا ۴۴۸ھ

(مالقہ کا الحاق سلطنت غرناطہ سے ہوگیا)

جزیرۃ الخضراء بنی حمود

محمد ابن قاسم ابن محمد۔ ۱۰۳۵ء تا ۱۰۴۸ء(۹) مطابق ۴۲۷ھ تا ۴۴۰ھ

قاسم بن محمد۔ ۱۰۴۸ء(۹) تا ۱۰۵۸ء ″ ۴۴۰ھ تا ۴۵۰ھ

(جزیرۃ الخضراء سلطنت اشبیلیہ بنو عباد میں شامل کر لیا گیا)

(۷۳۸)

غرناطہ بنی زیری

زاوی ابن زیری ۱۰۱۹ء مطابق ۴۱۰ھ

حبوس۔ ۱۰۱۹ء تا ۱۰۳۸ء ″ ۴۱۰ھ تا ۴۳۰ھ

بادیس۔ ۱۰۳۸ء تا ۱۰۷۳ء ″ ۴۳۰ھ تا ۴۶۶ھ

عبداللہ۔ ۱۰۷۳ء تا ۱۰۹۰ء ″ ۴۶۶ھ تا ۴۸۳ھ

قرمونہ بنی رزال

اسحاق۔

عبداللہ ابن اسحاق۔ ۱۰۴۲ء(۳) مطابق ۴۳۴ھ

محمد بن عبداللہ۔ ۱۰۴۲ء(۳) تا ۱۰۶۷ء ″ ۴۳۴ھ تا ۴۶۰ھ

(مطابق تحریر ابن حیان۔ دیکھو ابن بسام ۱ ۔ ۷۸)

ابن عبداللہ (یعنی عبداللہ ابن محمد) نے قرمونہ
میں اس وقت حکومت کی جبکہ ہشام ثالث قرطبہ
میں فرمانروا تھے۔ ۱۰۲۹ء تا ۱۰۳۱ء ″ ۴۲۰ھ تا ۴۲۳ھ

(اور ابن حیان ہی کے بیان کے مطابق
جو ابن خلدون کے بیان سے زیادہ قابل
اعتبار ہے، ابن عبداللہ کا جانشین

اسحاق بن عبداللہ ہوا جس نے حکومت کی از سنہ ۱۰۵۰ء مطابق سنہ ۴۴۲ھ

(ابن الابار نے معلوم ہوتا ہے اس بیان
میں غلطی کی ہے کہ ابن عبداللہ سنہ ۴۴۳ھ ۱۰۵۱
میں زندہ تھا۔)

زندہ

ابو نور ابن ابی قرہ سنہ ۱۰۱۴ء[5] تا سنہ ۱۰۵۳ء مطابق سنہ ۴۰۵ھ تا سنہ ۴۴۵ھ

ابو نصر ابن ابو نور سنہ ۱۰۵۳ء " سنہ ۴۴۵ھ

(زندہ کا الحاق سلطنت اشبیلیہ سے ہوگیا)

مورور

نوح سنہ ۱۰۱۳ء[5] تا سنہ ۱۰۴۱ء مطابق سنہ ۴۰۴ھ تا سنہ ۴۳۳ھ

ابو مناد سنہ ۱۰۴۱ء[2] تا سنہ ۱۰۵۳ء " سنہ ۴۳۳ھ تا سنہ ۴۴۵ھ

(مورور سلطنت اشبیلیہ میں شامل کرلیا گیا)

ارکش

ابن فرزدن سنہ ۱۰۵۳ء مطابق سنہ ۴۴۵ھ

(ارکش سلطنت اشبیلیہ میں شامل کرلیا گیا)

ولبہ۔ بنی بکر

ابو زید محمد ایوب۔ سنہ ۱۰۱۱ء[2] سے ابتدا ہوئی مطابق سنہ ۴۰۲ھ سے ابتدا ہوئی

ابو المصعب عبدالعزیز تا سنہ ۱۰۵۱ء " تا سنہ ۴۴۳ھ

(ولبہ کا الحاق سلطنت اشبیلیہ سے ہوگیا)

لبلہ۔ بنی یحیٰی

ابو العباس احمد ابن یحیٰی یحصبی سنہ ۱۰۲۳ء تا سنہ ۱۰۴۱ء[2] مطابق سنہ ۴۱۴ھ تا سنہ ۴۳۳ھ

محمد ابن یحیٰی یحصبی (یعنی ابو العباس احمد کا بھائی)

فتح ابن خالد ابن یحیٰی (یعنی محمد بن یحیٰی کا بھتیجا) تا سنہ ۱۰۵۱ء " تا سنہ ۴۴۳ھ

(لبلہ ریاست اشبیلیہ میں شامل کر لیا گیا)

(ابن الابار (دیکھو ڈوزی) کی کتاب ریسرچیز
ا-۲۸۷) نے ریاست لبلہ کے اخیر بادشاہ کا
نام یحییٰ بن احمد بن یحییٰ لکھا ہے۔ لیکن یہاں
ابن خلدون کی عبارت کی پابندی کی گئی ہے
(عباد-۲- ۲۱۱) ابن حیان (دیکھو ابن بسام
ا- ۱۰۸) نے یہ نام فتح بن یحییٰ لکھا ہے)

شلب۔ بنی مزین

ابو بکر محمد ابن سعید ابن مزین۔ سنہ ۱۰۲۸ء تا سنہ ۱۰۵۰ء مطابق سنہ ۴۱۹ھ تا سنہ ۴۴۲ھ

ابو الاصبغ عیسیٰ تا سنہ ۱۰۵۱ء[۲] 〃 تا سنہ ۴۴۳ھ

(شلب کی ریاست اشبیلیہ کی سلطنت میں شامل کر لی گئی)

شنت ماریۃ الغرب

ابو عثمان ابن ہارون سنہ ۱۰۱۶ء تا سنہ ۱۰۴۳ء مطابق سنہ ۴۰۷ھ تا سنہ ۴۳۵ھ

محمد ابن ابو عثمان سعید ابن ہارون سنہ ۱۰۴۳ء تا سنہ ۱۰۵۲ء 〃 سنہ ۴۳۵ھ تا سنہ ۴۴۴ھ

(شنت ماریۃ الغرب سلطنت اشبیلیہ میں شامل کر لیا گیا)

مرتلہ۔

ابن طیفور۔ تا سنہ ۱۰۳۶ء مطابق سنہ ۴۲۸ھ

(مرتلہ سلطنت اشبیلیہ میں شامل کر لیا گیا)

بطلیوس

سابور

بنی الافطس

ابو محمد عبداللہ ابن محمد ابن مسلمہ (المنصور اول)

ابو بکر محمد (المظفر) تا سنہ ۱۰۶۸ء مطابق تا سنہ ۴۶۱ھ

یحییٰ المنصور ثانی

عمر المتوکل — تا ۱۰۹۴ء مطابق — تا ۴۸۷ھ

طلیطلہ

یعیش — تا ۱۰۳۶ء مطابق — تا ۴۲۸ھ

بنی ذی النون

اسماعیل الظافر — ۱۰۳۶ء تا ۱۰۴۳ء[۴] — " — ۴۲۸ تا ۴۳۵ھ

(دیکھو مصنف کی کتاب، ریسرچیز (۱۸۸۱)-۱-۲۳۸-حاشیہ)

ابوالحسن یحییٰ بن المامون — [۴]۱۰۴۳ء تا ۱۰۷۵ء — " — ۴۳۵ تا ۴۶۸ھ

یحییٰ بن اسماعیل ابن یحییٰ القادر — ۱۰۷۵ء تا ۱۰۸۵ء — " — ۴۶۸ تا ۴۷۸ھ

سرقسطہ۔ بنی تجیب

(۵۴۰)

منذر بن یحییٰ تجیبی — تا ۱۰۳۹ء مطابق — تا ۴۳۱ھ

بنی ہود

ابوایوب سلیمان ابن محمد المستعین — ۱۰۳۹ء تا ۱۰۴۶ء[۷] — " — ۴۳۱ تا ۴۳۸ھ

احمد المقتدر — [۷]۱۰۴۶ء تا ۱۰۸۱ء — " — ۴۳۸ تا ۴۷۴ھ

یوسف موتمن — ۱۰۸۱ء تا ۱۰۸۵ء — " — ۴۷۴ تا ۴۷۸ھ

احمد المستعین ثانی — ۱۰۸۵ء تا ۱۱۱۰ء — " — ۴۷۸ تا ۵۰۴ھ

عبدالملک عماد الدولہ۔ — تا ۱۱۱۱ء — " — تا ۵۰۴ھ

السہلہ (دارالحکومت شنت ماریہ بنو رزین)

بنی رزین

ابومحمد ہذیل اول ابن خلف ابن لب ابن رزین — ۱۰۱۱ء سے — مطابق ۴۰۲ھ سے

ابومروان عبدالملک اول ابن خلف

ابومحمد ہذیل ثانی عزالدولہ پسر ابومروان عبدالملک اول

ابومروان عبدالملک ثانی حسام الدولہ — تا ۱۱۰۳ء — " — تا ۴۹۷ھ

یحییٰ

البونت۔ بنی قاسم

عبداللہ (اول) ابن قاسم الفہری نظام الدولہ — تا ۱۰۳۰ء مطابق — تا ۴۲۱ھ

محمد یمین الدولہ

احمد عضد الدولہ — تا ۱۰۴۸ء(۹) " — تا ۴۴۰ھ

عبداللہ ثانی جناح الدولہ برادر احمد عضد الدولہ — ۱۰۴۸(۹) تا ۱۰۹۸ء " — ۴۴۰ تا ۴۹۲ھ

بلنسیہ

مبارک اور مظفر صقالبہ

لبیب صقلبی صاحب طرطوشہ

عبدالعزیز المنصور — ۱۰۲۱ تا ۱۰۶۱ء مطابق — ۴۲۱ تا ۴۵۳ھ

عبدالملک المظفر — ۱۰۶۱ تا ۱۰۶۵ء " — ۴۵۳ تا ۴۵۸ھ

(ریاست بلنسیہ کا الحاق ریاست طلیطلہ سے ہوگیا)

مامون (صاحب طلیطلہ) — ۱۰۶۵ تا ۱۰۷۵ء " — ۴۵۸ تا ۴۶۸ھ

(بلنسیہ کا تعلق ریاست طلیطلہ سے قطع ہوگیا)

ابوبکر ابن عبدالعزیز — ۱۰۷۵ تا ۱۰۸۵ء " — ۴۶۸ تا ۴۷۸ھ

قاضی عثمان بن ابی بکر — تا ۱۰۸۵ء " — تا ۴۷۸ھ

قادر (سابق بادشاہ طلیطلہ) — ۱۰۸۵ تا ۱۰۹۲ء " — ۴۷۸ تا ۴۸۵ھ

(ریاست بلنسیہ جمہوری حکومت ہو جاتی ہے)

ابن جحاف۔ صدر مجلس

دانیہ

ابوالجیش مجاہد الموفق — تا ۱۰۴۴ء(۵) مطابق — تا ۴۳۶ھ

علی اقبال الدولہ — ۱۰۴۴(۵) تا ۱۰۷۶ء " — ۴۳۶ تا ۴۶۹ھ

(مقتدر صاحب سرقسطہ نے علی اقبال الدولہ کو تخت سے اتار دیا۔ اور ریاست دانیہ کو سرقسطہ میں شامل کرلیا)

(۷۴۱)

مقتدر (صاحب سرقسطہ) سنہ ۱۰۷۶ء تا سنہ ۱۰۸۱ء مطابق سنہ ۴۶۹ھ تا سنہ ۴۷۴ھ

(مقتدر نے اپنی ریاست اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کردی۔ ان دونوں میں سے ایک کا نام حاجب منذر مشہور تھا۔ اس کے حصہ میں لاردہ، طرطوشہ اور دانیہ کے علاقے آئے)

پسر مقتدر بولایت بنی بہتر

مرسیہ

خیران۔ (صاحب المریہ) سنہ ۱۰۱۶ء[7] تا ۱۰۲۸ء مطابق سنہ ۴۰۷ھ تا سنہ ۴۱۹ھ

زہیر (صاحب المریہ) سنہ ۱۰۲۸ء تا سنہ ۱۰۳۸ء 〃 سنہ ۴۱۹ھ تا سنہ ۴۳۰ھ

عبدالعزیز المنصور (صاحب بلنسیہ) سنہ ۱۰۳۸ء تا سنہ ۱۰۶۱ء 〃 سنہ ۴۳۰ھ تا سنہ ۴۵۳ھ

عبدالملک المظفر (صاحب بلنسیہ) سنہ ۱۰۶۱ء تا سنہ ۱۰۶۵ء 〃 سنہ ۴۵۳ھ تا سنہ ۴۵۸ھ

(اوپر کے آخری تین بادشاہوں کے زمانے میں ابوبکر احمد بن طاہر مرسیہ کے حاکم رہے)

ان کا انتقال ہوا سنہ ۱۰۶۳ء 〃 سنہ ۴۵۶ھ

ان کے بعد ان کا فرزند ابوعبدالرحمٰن محدث جانشین ہوا سنہ ۱۰۶۳ء تا سنہ ۱۰۷۸ء 〃 سنہ ۴۵۶ھ تا سنہ ۴۷۱ھ

معتمد بادشاہ اشبیلیہ۔

ابن عمار

ابن رشیق۔ تا سنہ ۱۰۹۰ء 〃 تا سنہ ۴۸۳ھ

المریہ

خیران تا سنہ ۱۰۲۸ء مطابق تا سنہ ۴۱۹ھ

زہیر سنہ ۱۰۲۸ء تا سنہ ۱۰۳۸ء 〃 سنہ ۴۱۹ھ تا سنہ ۴۳۰ھ

عبدالعزیز المنصور (صاحب بلنسیہ) سنہ ۱۰۳۸ء تا سنہ ۱۰۴۱ء 〃 سنہ ۴۳۰ھ تا سنہ ۴۳۳ھ

بنی صمادح

ابوالاحوص معن سنہ ۱۰۴۱ء تا سنہ ۱۰۵۱ء 〃 سنہ ۴۳۳ھ تا سنہ ۴۴۳ھ

محمد معتصم سنہ ۱۰۵۱ء تا سنہ ۱۰۹۱ء 〃 سنہ ۴۴۳ھ تا سنہ ۴۸۴ھ

عزالدولہ تا سنہ ۱۰۹۱ء 〃 تا سنہ ۴۸۴ھ

اسناد

ذیل کی فہرست میں ان کتابوں اور مصنفوں کے نام ہیں جن سے مصنف کتابنے مضامین اخذ کئے ہیں۔ مطبوعہ کتابوں کا سنہ طباعت ہر کتاب کے آگے لکھ دیا گیا ہے۔ قلمی نسخوں کا "کیٹیلوگ نمبر" جو یورپ کے کتب خانوں میں درج ہے ہر نسخے کے نام کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ خطوط وحدانی میں جو عبارت ہے وہ وہ مترجم انگریزی نے اپنی طرف سے اضافہ کی ہے +

(۱) **عباد۔** عرب مصنفوں کے لکھے ہوئے حالات بنی عباد۔ مرتبہ پروفیسر ڈوزی لیدن ۱۸۴۶ء۔ (یہ مجموعہ تین جلدوں میں ختم کرکے ۱۸۶۳ء میں چھاپا گیا)

(۲) **عبدالواحد المراکشی۔** کی کتاب المعجب (خلافت موحدین) .... مطبوعہ ڈوزی لیدن ۱۸۴۷ء۔ (اس کا ترجمہ ای فاگنان نے کیا ہے، جو بمقام الجیریز ۱۸۹۳ء میں طبع ہوا۔)

(۳) **ابوالمحاسن** ابوالمحاسن ابن تغری بردی ... مرتبہ ٹی۔ جی۔ جے، جوین بال اور بی۔ ایف۔ ماتھیس۔ لیدن ۱۸۵۲ء۔ ۱۸۶۱ء۔ (نجوم الزاہرہ زمانہ حکومت عرب میں مصر کی تاریخ۔ عربی کا ترجمہ فرانسیسی میں۔ سی۔ اے۔ ای۔ باربیر دی مینارد نے ۱۸۸۴ء میں کیا)

(۴) **اغانی۔** مطبوعہ جے۔ جی۔ ایل۔ کوسی گارٹن۔ گرائف سوالڈ ۱۸۴۰ء (کتاب الاغانی مولفہ ابوالفرج الاصفہانی۔ مطبوعہ بولاق۔ ۱۸۶۸ء بیس جلدوں میں ہے۔ اور ایک جلد ضمیمہ کی علاوہ ہے۔ آر۔ ای۔ برونو نے بمقام لیدن ۱۸۸۸ء میں طبع کی

(۵) **اخبار مجموعہ۔** پیرس کا قلمی نسخہ۔ قدیم نسخے۔ نمبر ۷۰۶ (یہ عربی کتاب مع اپنی ترجمے کے جو ای۔ ایل۔ باشندہ القنطرہ نے کیا تھا ۱۸۶۷ء میں طبع ہوئی۔ نیز دیکھو ڈوزی کی "کتاب تحقیقات" (۱۸۸۱) جلد ۱۔ ص ۴۰۔ اور ڈوزی کا دیباچہ

جوابن عذاری کی تاریخ پر لکھا گیا۔ ص ۱۰ تا ۲۱)

(۶) **احمد ابن ابی یعقوب** - کتاب البلدان۔ قلمی نسخہ۔ مملوکہ۔ ایم مجلبنسک اشندہ سنیٹ پیٹرزبرگ (نیز کتاب البلدان مصنفہ احمد ابن ابی یعقوب معروف بہ الیعقوبی۔ مطبوعہ اے ڈبلیو۔ تھومس جوئن بال۔ لیدن ۱۸۶۱ء)

(۷) **الوارو** - پادری یولوجیوس کے سوانح۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۱ ص ۴۴۹ تا ۴۸۱۔ خطوط۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۱ ص ۸۱ تا ۲۱۸۔ اندی کولوس لومی نوسوس۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۱۹ - ۲۷۵)

(۸) **انالیس کومپلوٹین سس**۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۲۳۔ ص ۳۱۰ - ۳۱۴

(۹) **انالیس کومپوٹی سلانی** ۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۲۳۔ ص ۳۵۸ تا ۳۶۲۔

(۱۰) **انالیس ٹولیڈانوسس**۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۲۳۔ ص ۳۵۸ تا ۳۶۲۔

(۱۱) **عریب ابن سعد القرطبی** - تاریخ افریقیہ واندلس۔ موسومہ البیان المغرب۔ مصنفہ ابن عذاری . . . . اور چند اجزا تاریخ عریب ابن سعد القرطبی کے، جنکو ڈوزی نے طبع کیا لیدن ۱۸۴۸ء ۱۸۵۱ء۔

(۱۲) **بلاذری** - احمد ابن یحییٰ البلاذری۔

(۱۳) **بصری** - فتوح الشام۔ یعنی ملک شام میں اسلامی فتوحات کے حالات۔ مولفہ . . . . محمد بن عبداللہ الازدی البصری . . . . مرتبہ ایسنائن۔ ڈبلیو۔ این۔ لیس کلکتہ ۱۸۵۴ء (ببلیو تھیکا انڈیکا۔ جلد ۱۶۔

(۱۴) **برگانزا** - فرانسسکو دی برگانزا۔ قدیمیات اسپین۔ مطبوعہ مجریط ۱۸۱۹ء ۱۸۲۱ء

(۱۵) **فہرست** - . . . . مرتبہ ڈوزی۔ لیدن ۱۸۵۱ء۔

(۱۶) **کاسن** - اسے۔ پی کاسن دی پرسیوال۔ جواب مضمون بر تاریخ۔ از ابتدائے اسلام۔ پیرس ۱۸۱۷ء ۱۸۱۸ء

(۱۷) کرونیکا دی الفونسو۔ ہفتم (تاریخ بادشاہ الفونسو ہفتم) مندرجہ اسپاناساگرادا۔
جلد ۲۱۔ ص ۳۰۷۔ ۴۰۹۔

(۱۸) کرونیکون البیلڈینسی۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۱۳۔ ص ۴۱۷ تا ۴۶۴۔

(۱۹) کرونیکون برگنسی۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۲۳۔ ص ۳۰۷ تا ۳۱۰۔

(۲۰) کرونیکون دی سارڈینا۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۲۳۔ ص ۳۷۰ تا ۳۸۰

(۲۱) کرونیکون کومپلوٹین سی۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۲۳۔ ص ۳۱۵ تا ۳۱۷

(۲۲) کرونیکون کومپوسٹی لانم۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۲۳۔

(۲۳) کرونیکون کونم بری سینسی۔ مندرجہ اسپاناساگرادا جلد ۲۳ ص ۳۲۹ تا ۳۵۵

(۲۴) کرونیکون اری اینسی۔ مندرجہ اسباناساگرادا۔ جلد ۲۰۔ ص ۵۹۸ تا ۶۰۸۔

(۲۵) کرونیکون لوسی تانم۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۱۴۔ ص ۴۰۲۔ تا ۴۱۹۔

(۲۶) اسپاناساگرادا۔ یعنی اسپین کی تاریخ وجغرافیہ کا جام جہاں نما۔ طبع دوم .....

(۲۷) پولوجیوس۔ پولوجیوس کی تصنیفات جس قدر کہ شوئس کی کتاب ہسپانیا ایلسٹراٹی میں نقل ہوئی ہیں۔ جلد ۴۔ (یہی تصنیفات حین کی کتاب کی جلد ۱۱۵۔ ۱۱۶ میں بیان ہوئی ہیں)

(۲۸) الفاکہی۔ ابوعبداللہ الفاکہی "تاریخ مکہ"۔ لیدن کا قلمی نسخہ نمبر ۴۶۳۔ دیکھو کیٹیلوگ ۔ ۲۔ ص ۱۷۰۔

(۲۹) حماسہ۔ مرتبہ ابوتمام حبیب ابن اوس۔ مطبوعہ فریٹاگ بون ۱۸۲۸ء ۱۸۵۱ء مشہور مجموعۂ اشعار۔

(۳۰) حماسۃ البحتری۔ لیدن کا قلمی نسخہ (صرف ایک ہی ہے)

(۳۱) ہسٹوریا کمپوسٹیلانا۔ مندرجہ اسپاناساگرادا۔ جلد ۲۰۔

(۳۲) ہلال۔ (تاریخ مراکش) قلمی نسخہ لیدن کا۔ نمبر ۲۴۔ مقابلہ کرو۔ عباد جلد ۲ ص ۱۸۲

(۳۳) حمیدی۔ (مشاہیر کے تذکرے) آکسفورڈ کا قلمی نسخہ۔ ہنٹ۔ ص ۴۶۴۔

(۳۴) ابن ابی اصیبعہ (اطبا کے سوانح) پیرس کے قلمی نسخہ (نمبر ۶۷۳) کے حصۂ متعلق کی نقل معہ

اُن اختلافات کے جو آکسفورڈ کے قلمی نسخے سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوئے (ہنٹ ۱۷۱۔ اور پوکاک ۳۵۶ (یہ کتاب یعنی "عیون الانبار" مقام کونگز برگ میں اسے ملز نے ۱۸۸۴ء میں طبع کی تھی ۔)

(۳۵) **ابن عذاری**۔ دیکھو عریب۔

(۳۶) **ابن الابار**۔ جہانتک ڈوزی کی تصنیف "تبصرات بر تصانیف عرب" میں ابن الابار کی تصنیفات کا ذکر آیا ہے۔ جسے دیکھنا چاہئے (تکلۃ السیرۃ" مصنفہ ابو محمد عبداللہ ابن الابار)

(۳۷) **ابن الاثیر**۔ پیرس کا قلمی نسخہ جو ایم "ٹورن برگ" کے مملوکہ قلمی نسخے کی نقل ہے۔ (کتاب الکامل فی التاریخ، مصنفہ ابو الحسن علی عزالدین ابن الاثیر۔ مطبوعہ ٹورن برگ ۱۸۵۱ء تا ۱۸۷۶ء

(۳۸) **ابن الخطیب**۔ (الاحاطہ فی تاریخ غرناطہ۔ اور اس کی تلخیص مرکز الاحاطہ، با دبا غرناطہ) B برلن کا قلمی نسخہ۔ E کتب خانہ اسکوریال کا قلمی نسخہ۔ G موسیو دی کیانگوس کا مملوکہ قلمی نسخہ۔ P پیرس کا قلمی نسخہ۔ دیکھو عباد (ڈوزی) جلد ۲۔ ص ۱۶۹ تا ۱۷۲۔ اور کتاب تحقیقات۔ (دوسری طباعت) جلد ۱۔ ص ۲۹۳ تا ۲۹۴۔

(۳۹) **ابن القوطیہ**۔ پیرس کا قلمی نسخہ۔ نمبر ۷۰۶۔ (ڈوزی کا دیباچہ ابن عذاری کی تاریخ پر ص ۲۸ تا ۳۰۔) (تاریخ اندلس یعنی ۲۸۵ھ / ۸۹۳ تک اسپین میں عربوں کی تاریخ۔)

(۴۰) **ابن بدرون**۔ ابن عبدون کے قصیدے پر تاریخی شرح ابن بدرون کے قلم سے مطبوعہ۔ آر۔ ڈوزی۔ لیدن ۱۸۴۶ء (ابن عبدون کے قصیدے کا مضمون رذال حکومت بنی افطس ہے۔)

(۴۱) **ابن بسّام**۔ ذخیرہ۔ پہلی جلد۔ قلمی نسخہ مملوکہ ایم جولز مول۔ دوسری جلد۔ قلمی نسخہ آکسفورڈ کا نمبر ۷۴۹۔ کیٹلوگ نئی تیسری جلد۔ قلمی نسخہ گوتھا کا (نمبر ۲۶۶) جسے جمع کرکے مقابلہ کیا گیا موسیو دی کیانگوس کے قلمی نسخے سے ایسے مقامات کے متعلق جہاں ابن بسّام نے ابن حیان کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ دیکھو عباد (ڈوزی) جلد ۱۔ ص ۱۸۹۔ اور بعد کے صفحات۔ نیز دیکھو جرنل ایشیاٹک ۱۸۶۱ء۔

(۴۲) **ابن بطوطہ**۔ سفرنامہ ابن بطوطہ۔ . . . سی۔ دی فریمری۔ اور بی۔ آر۔ سانگوی نیٹی

پیرس ۱۸۵۳ء وغیرہ وغیرہ۔

(۴۳) ابن حبیب۔ دیکھو تاریخ۔

(۴۴) ابن حیان۔ قلمی نسخہ اکسفورڈ کا۔ قلمی نسخہ بوڈلین کا۔ ۵۰۹ (نکول کی فہرست۔ نمبر ۱۳۷)
نیز دیکھو ابن بسام (ابو مروان ابن حیان کی عظیم الشان تاریخ تقریباً کل معدوم ہے)

(۴۵) ابن حزم۔ (رسالہ مذاہب پر) لیدن کا قلمی نسخہ نمبر ۴۸۰ (رسالہ عشق پر) لیدن کا قلمی نسخہ نمبر ۹۲۷ (ابو محمد علی ابن حزم۔ ان میں ایک کتاب "کتاب الملل والنحل" (تاریخ مذاہب و فرق) ہے۔ اور دوسری "طوق الحمامہ" (مجموعۂ اشعار عشقیہ) ہے۔

(۴۶) ابن خاقان مطمح الانفس۔ لندن اور سینٹ پیٹرزبرگ کے قلمی نسخے۔ قلائد العقیان۔ و محاسن الاعیان۔ لیدن کے قلمی نسخے (نمبر ۳۰۶۔ اور ۳۵ (یہ اخیر کتاب یعنی "خالص سونے کی کنٹھیاں اور بڑے لوگوں کی خوبیاں" اس کا ترجمہ۔ ای بورگید نے کیا ہے۔)

(۴۷) ابن خلدون۔ مقدمہ تاریخ۔ مطبوعہ ای کواتری میری۔ مقدمہ "کتب عربی کتبخانہ سرکاری کے تعلیقات اور اقتباسات" کے ساتھ طبع ہوا ہے۔ (جلد سولھویں ستر ھویں اور اٹھارھویں۔ (تاریخ بنی امیہ مشرقی) لیدن کا قلمی نسخہ۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۳۵۔ (تاریخ اسپین) پیرس کا قلمی نسخہ (نمبر ۲۷۴۲ تا ۲۷۴۴۔ ضمیمہ a۴۴) اور لیدن کا قلمی نسخہ (۴ نمبر ۱۳۵) (تاریخ بربر) مطبوعہ و مترجمہ میک گواکن دی سلین۔ (پورا نام۔ ابو زید عبدالرحمن ابن خلدون۔ ولادت ۷۳۲ھ / ۱۳۳۲ء وفات ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء)

(۴۸) ابن قتیبہ۔ مطبوعہ وسٹن فلڈ۔ مقام گوٹن گن ۱۸۵۰ء۔

(۴۹) ایداتی ایپسکوپی کرونیکون۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۸۔ ص ۲۸۲ تا ۳۲۵۔ (مقابلہ کرو۔ کتاب تحقیقات (۱۸۸۱) جلد ۱۔ ص ۲۔ اور بعد کے صفحات)

(۵۰) ادریسی۔ جغرافیہ ادریسی۔ مطبوعہ پی۔ اے۔ جابرٹ۔ پیرس ۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۰ء (نزہتہ المشتاق۔ مصنفہ ابو عبداللہ الادریسی۔ ولادت ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء وفات ۵۴۹ھ / ۱۱۵۴ء)

(۵۱) عیسیدور۔ عیسیدوری پاکن سیس ایپیس کوپی کرونیکون۔ مطبوعہ اسپانا ساگرادا جلد ۸۔ ص ۲۸۲ تا ۳۴۵۔ (مقابلہ کرو کتاب تحقیقات جلد ۱ ص ۲۔ اور بعد کے صفحات)

(۵۲) **اصطخری**۔ ابواسحاق الفریسی۔ اصطخر میں پیدا ہوئے۔

(۵۳) **قرطاس**۔ بادشاہ مغرب ابوالحسن علی بن عبداللہ ابن ابی زرار۔ مطبوعہ ٹورن برگ اپسالا۔ ۱۸۴۶ء۔

(۵۴) **قزوینی**۔ آثار البلاد۔ مولفہ زکریا ابن محمد القزوینی۔ مطبوعہ۔ ایف وسٹن فلڈ۔ گوٹنگن۔ ۱۸۴۷ء۔ ۱۸۴۸ء۔

(۵۵) **خوشانی**۔ (تاریخ قضاۃ قرطبہ) آکسفورڈ کا قلمی نسخہ (نکلول کی فہرست میں نمبر ۱۲۷)

(۵۶) **لورنتی**۔

(۵۷) **لوکاس**۔ (نوئی کا مستقف) جلد ۴۔

(۵۸) **مقری**۔ منتخبات از تاریخ وادبیات اعراب اندلس . . . مطبوعہ۔ آر، ڈوزی۔ جی ڈگٹ۔ ایل، کریل۔ ڈبلیو، وانٹ۔ لیدن ۱۸۵۶ء۔ ۱۸۶۱ء۔ (یہ انتخابات احمد ابن محمد التلمسانی المقری کی تاریخ اسپین اسلامیہ کی تمہید کے طور پر اصل کتاب کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں (۱۵۹۰ - ۱۶۳۲ء) اصل کتاب کے اور حصوں کو نئی ترتیب دیکر پاسکل دی گیانگوس نے انگریزی میں ترجمہ کر کے ان کا نام "اسپین کے اسلامی شاہی خاندانوں کی تاریخ" رکھا ہے۔ لندن ۱۸۴۰ء۔ ۱۸۴۳ء۔

(۵۹) **مسعودی**۔ مروج الذہب (سونے کے مرغزار) لیدن کے قلمی نسخے۔ نمبر ۱۲۷ و نمبر ۵۳۷ د۔ (یہ علی ابن حسین کی بڑی تاریخ کی جواب ناپید ہے تلخیص ہے۔ مروج الذہب کا ترجمہ اے۔ اسپرنگر نے (مشرقی تراجم کے سرمایہ سے) انجام دیکر ۱۸۴۱ء میں طبع کرایا تھا

(۶۰) **میا**۔ میا کا قلمی نسخہ مندرجہ "تاریخی یادداشتیں" جلد ۴۔

(۶۱) **مبرّد**۔ کامل۔ لیدن کا قلمی نسخہ۔ نمبر ۵۸۷۔ دیکھو "فہرست" جلد ا۔ صفحات ۲۰۴ و ۲۰۵ (محمد ابن یزید الازدی المبرّد)

(۶۲) **نووی**۔ مشہور لوگوں کے سوانح . . . مولفہ ابوذکریا یحییٰ النووی . . . . . جے ایف۔ وسٹن فلڈ نے طبع کیا۔ گوٹنگن ۱۸۴۲ء۔ ۱۸۴۵ء۔ (تہذیب الاسماء۔ اس میں اعلام

کی صحت کی گئی ہے)

(۶۳) **تعلیقات** - عربی قلمی نسخوں پر۔ مولفہ ڈوزی۔ مطبوعہ لیدن۔ ۱۸۴۷ء۔ ۱۸۵۱ء۔

(۶۴) **نویری** - (تاریخ اسپین) حوالہ۔ لیدن کے نسخے نمبر ۲۔ H کا دیا گیا ہے۔ لیکن پیرس کے قلمی نسخے سے خواہ بہت رہے مقابلہ کر کے اختلافات کا لحاظ کر لیا گیا ہے۔

(۶۵) **پالی ڈایاکونی ایمیری میمن سس دی ویٹا** - پی پی۔ ایمیری ٹین سیوم۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۴۔ ص ۴۵۹ تا ۴۷۵۔

(۶۶) **پلاگیوس** - باشندہ اُویدو۔ اسپانا ساگرادا میں۔ جلد ۱۴۔

(۶۷) **ریحانہ** - ریحانہ الباب۔ لیدن کا قلمی نسخہ نمبر ۴۱۵۔ دیکھو کیٹے لوگ (فہرست) جلد ۱ ص ۲۶۸۔ ۲۶۹۔

(۶۸) **رازی** - مسلمانوں کی تاریخ۔ مندرجہ کاغذات اقدمیہ تاریخ۔ جلد ۸۔ دیکھو ڈوزی کا دیباچہ تاریخ ابن عذاری پر۔ صفحہ ۲۴ و ۲۵۔ (جس کی بنیاد احمد ابن محمد الرازی قرطبی کی تصنیف پر رکھی گئی ہے۔)

(۶۹) **کتاب تحقیقات** - عہد وسطیٰ کی تاریخ و ادبیات کے متعلق تحقیقات: مولفہ آر ڈوزی تیسری طباعت۔ لیدن ۱۸۸۱ء۔

(۷۰) **رڈوریگو طلیطلی** - "اسپین کی بازیابی"......

(۷۱) **سعید طلیطلی** - طبقات الامم سے اقتباس۔ لیدن کا قلمی نسخہ۔ نمبر ۱۵۹۔

(۷۲) **سمہودی** - پیرس کا قلمی نسخہ۔ نمبر ۷۵۳۔ (نورالدین السمہودی کی "تاریخ مدینہ" کا خلاصہ وسٹن فلڈ نے کیا تھا۔ بمقام گوٹنگن ۱۸۷۳ء میں طبع ہوا۔

(۷۳) **سامپیرو** - تاریخ۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۴۔ ص ۴۱۹۔ ۴۵۷۔

(۷۴) **سامن** - سامونس اباتس کودودین سس اپولوجی ٹی کس۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا جلد ۱۱۔ ص ۳۲۵۔ ۵۱۶۔

(۷۵) **سباستیئن** - سباستیئن کی تاریخ۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۲۵۔ ۵۱۶

(۷۶) **شہرستانی** - کتاب الملل والنحل۔ مذہبی اور فلسفی فرقے۔ مصنفہ الشہرستانی۔ مطبوعہ

ڈبلیو. کیورٹن۔ لندن ۱۸۴۲ء۔ ۱۸۴۶ء۔ (ابو الفتح الشہرستانی۔ ابو الفتح شہرستانی کی کتاب کا نام بھی وہی تھا جو ابن حزم کی تصنیف کا تھا۔ دیکھو ابن حزم۔)

(۷۷) **سوٹا**۔ فرانسسکو دی سوٹا۔ علاقہ چاٹ۔ استوراس اور کانتا بریا کی تاریخ۔ مطبوعہ مجریط۔ ۱۶۸۱ء۔

(۷۸) **سیوطی**۔ تاریخ الخلفاء۔ خلفاء کی تاریخ۔ مولفہ ابو الفتح عبد الرحمٰن جلال الدین بن ابی بکر السیوطی۔ مطبوعہ۔ ڈبلیو۔ این۔ لیس۔ اور مولوی عبد الحق۔ کلکتہ ۱۸۵۶ء (اس کا ترجمہ انگریزی میں میجر ایچ۔ ایس۔ جیرٹ نے کیا تھا۔ (۱۸۸۱ء) جو ببلو تھیکا انڈیکا کی جلد ۸۳ میں درج ہے۔

(۷۹) **طبری**۔ تاریخ۔ مولفہ محمد بن جریر الطبری۔ دی گوئی اور اور لوگوں نے اس کتاب کو طبع کیا۔ لیدن ۱۸۷۹ء۔ ۱۸۹۸ء۔

(۸۰) **تاریخ ابن حبیب**۔ قلمی نسخہ اکسفورڈ کا (نکول کی فہرست۔ نمبر ۱۲۔) دیکھو کتاب تحقیقات

(۸۱) **ویتا بیالی ورجی نس ارگنیٹیا**۔ مندرجہ اسپانا ساگرادا۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۷۵۔

(۸۲) **سوانح جوہانس گورزینس** مندرجہ۔ پرٹز مونومنٹا جرمانیکا۔ جلد چوتھی۔

اشاریہ

ہدایت :- اس اشاریہ میں جن صفحات کا حوالہ ہے وہ کتاب کے حاشیہ کے صفحات میں پیشانی کے نہیں۔ کتاب میں حاشیہ کا صفحہ دیکھنے سے لفظ ملیگا

ا

(پ)

(خ)

ر

ز

س

(ص)

ظ

ع

ک

گ

و

ہ